
سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
7
ساتواں حصہ

ایک نوجوان کی خود نوشت جواپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ زر پرستوں کا الم جنھیں سونے چاندی کی خیرہ کُن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔



کار کا سفر تیزی کے ساتھ جاری تھا اور وہ شہیدِ ملت روڈ عبور کر کے شاہراہِ فیصل پر آ گئی تھی۔ ڈی ڈی کی آواز سننے کے بعد سے میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ لیاقت آباد میں ہجوم کے ہاتھوں بری طرح پٹنے اور زخمی ہونے کے محض چند گھنٹوں بعد اسے ایکسائز افسر کی کار میں یوں محوِ سفر دیکھ کر میں دل ہی دل میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ڈی ڈی شیطانی قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مشتعل ہجوم میں پس کر ختم ہو گیا ہوتا لیکن اس سے زیادہ عجیب، اس کا وہ ہمدرد تھا جو بظاہر میرا ہم نوا بن کر ایکسائز آفس میں آیا تھا۔

وہ دونوں سوچ سمجھ کر ایک مشن پر آئے تھے اس لیے ان کا ہر اعتبار سے مسلح ہونا یقینی تھا جب کہ میں بدقسمتی سے بالکل نہتا تھا۔ ان حالات میں مجھے کوئی معجزہ ہی ان دونوں کے تشدّد سے محفوظ رکھ سکتا تھا کیونکہ جس قدر میں ڈی ڈی کے لہو کا پیاسا تھا، اس سے کہیں زیادہ وہ میری جان کا دشمن تھا۔

معاً میرے ذہن میں آیا کہ وہ لوگ مجھے چوکنڈی کے ویرانے میں لے جا رہے ہیں۔ اصولاً ڈی ڈی کو پہلا موقع ملتے ہی مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے زندہ رکھا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے [illegible] میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانا چاہتا تھا جو اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

”میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور تم کون ہو؟“ طویل توقف کے بعد آخر کار میں نے کار ڈرائیو کرنے والے کو مخاطب کر ہی لیا۔ وہ ڈی ڈی کا دوست تھا اس لیے میرا دوست ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ ادب یا احترام سے پیش آنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

”میرے بارے میں تمہارا اندازہ کیا ہے؟“ عینک والے نے زہریلی ہنسی کے ساتھ سوال کیا۔

”میں تمہیں اسرار رضوی سمجھ رہا تھا۔“ میں نے اس اعتراف میں کوئی بُرائی نہیں سمجھی۔

”بہتر ہو گا کہ یہی سمجھتے رہو۔“ وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔ ”کیونکہ میں اسرار ہی ہوں۔“

”لیکن تمہیں تو ریٹا یا سینڈو نے میری مدد کے لیے بھیجا ہو گا؟“ اس کے جواب سے میری حیرت بڑھ گئی تھی۔

”وہ دونوں تم کو سینٹرل ایکسائز اینڈ لینڈ کسٹمز کی حراست سے آزاد کرانا چاہتے تھے اور تم نے دیکھا کہ میں کتنی آسانی کے ساتھ تمہیں وہاں سے نکال لایا۔“

"لیکن اب کہاں جا رہے ہو اور یہ ڈی ڈی تمہاری کار میں کہاں سے آگیا؟"

"دلدار میرا جگری دوست اور شیر کا بچہ ہے۔ یہ آج ایک مشتعل ہجوم میں گھر گیا تھا۔ اس کی ایک کلائی، بازو اور پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں، بدن بھی جگہ جگہ سے لہولہان ہے لیکن اتنی ابتر حالت ہونے کے باوجود یہ عظیم انسان محض اپنی قوتِ ارادی کے سہارے چل کر لیاقت آباد سے باتھ آئی لینڈ میں میرے گھر پہنچا تھا اور ڈریسنگ کے بعد وہیں آرام کر رہا تھا۔ ابھی تمہارا نام سنا تو اس نے پھر بستر چھوڑ دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس بار تم نے اپنی موت کو خود ہی للکارا ہے۔ آخر تم ریٹا کے ذریعے مجھ سے ملنے پر کیوں مُصر تھے؟ شاید تمہیں اندازہ نہ ہو کہ اس طرح تم نے اپنے تابوت میں پہلی کیل خود ٹھونکی تھی اور آخری کیل دلدار آغا لگائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کِی کلب کی رکنیت اور ریٹا کی دوستی کے ساتھ ہی تمہاری دلدار آغا سے بھی دوستی ہے؟"

"صرف دوستی نہیں احمق آدمی! جاز فارماسیوٹیکل میں ہم دونوں پارٹنرز ہیں۔ اس سے حاصل ہونے والے خطیر منافع میں میں برابر کا حصے دار ہوں۔ جس طرح جہانگیر تمہارا دوست ہے اسی طرح میں دلدار آغا کا دوست ہوں۔ ہم دونوں کا اسکول اور کالج کے زمانے سے پرانا ساتھ ہے اور ہم دونوں ہی اپنے اپنے شعبوں میں کامیاب رہے ہیں۔ میں شہر میں کِی کلب کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں سُنتا رہا پھر جب دلدار کو معلوم ہوا کہ وہ مافیا والوں کا اڈا ہے تو میں نے کسی نہ کسی طرح وہاں رسائی حاصل کر لی۔ پچھلی رات تم نے دلدار کے گھر میں تباہی پھیلائی تو یہ جنون کے عالم میں بچیر ولے کہ میرے ہی پاس آیا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ ڈینی شہر میں آگیا ہے۔ غصے سے اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا تھا اور یہ پورے شہر کو آگ اور خون میں نہلانے پر تُلا ہوا تھا۔ یہ میرے روکنے کے باوجود نہیں رُکا اور میں اپنے دل سے بوجھ اُتارنے کے لیے صبح ہی دفتر کے بجائے کِی کلب چلا گیا اور ریٹا کو وہاں بُلا لیا۔ وہ بہت دلکش عورت ہے۔ شاید میں شام تک اسی کے ساتھ رہتا مگر دوپہر کو شہر میں ہونے والے فسادات کی خبر ملی پھر میری بیوی کا فون آیا کہ دلدار زخموں سے چُور حالت میں میرے گھر پہنچا ہے۔ میں کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر اسی وقت گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہانگیر پر تشدد کے بارے میں دلدار مجھے بتا چکا تھا پھر آج صبح کی ملاقات میں ریٹا نے اپنی پڑوسن سلمیٰ کے شوہر جہانگیر پر تشدد اور اپنی رات خراب ہونے کی کہانی سُنائی تو مجھے دُنیا کے مختصر ہونے کا پورا یقین آگیا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ریٹا، ڈینی کے دوست جہانگیر کی بیوی کی سہیلی ہے پھر جب اس نے رات کو دوبارہ مجھے کسی سے ملنے کے لیے بلوایا تو میرا ماتھا ٹھنکا میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ جہانگیر کے ایک عزیز دوست کو مجھ سے ملوانا چاہتی تھی جو تھوڑی دیر قبل اولڈ کلفٹن کے علاقے میں سینٹرل ایکسائز والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ تمہارے گرد حالات کا مضبوط جال بن رہا تھا۔ ریٹا نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ہر قیمت پر تمہیں اپنے محکمے کی قید سے نجات دلاؤں۔ میں نے دلدار کو اپنے شبہات سے آگاہ کیا تو وہ اپنی ابتر حالت کے باوجود میرے ساتھ آنے پر اَڑ گیا اور میں کلب سے واپسی پر اسے ساتھ لیتا ہوا اپنے دفتر پہنچ گیا۔ اب تم کسی بھی طرح ڈینی ہونے سے انکار نہیں کر سکتے لیکن تمہارا اور دلدار کا حساب کتاب شروع ہونے سے پہلے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ریٹا کی معرفت تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟"

"شامت اور حماقت کہہ لو۔" میں نے اپنی پے در پے غلطیوں پر ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا پتا تھا کہ تم خود جاز فارماسیوٹیکل کے برابر کے حصے دار ہو۔ تم ریٹا کے اعتماد کے ایک اہم سرکاری افسر تھے اس لیے تمہارے ذریعے جاز فارماسیوٹیکل پر ریڈ کرانے کا ارادہ تھا تاکہ ہارمونیم کیپسولز میں ہیروئن کی اسمگلنگ کا راز فاش کیا جا سکے لیکن وہ میری خام خیالی تھی۔"

"یہ پاکستان ہے مسٹر ڈینی!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میں عمر بھر کی نوکری کے بعد ریٹائر ہوں گا تو مجھے اتنے پیسے بھی نہیں ملیں گے کہ پرچون کی بڑی دوکان کھول کر اپنے گھر کا خرچ چلا سکوں اس لیے ہر ایک آگے کی فکر رکھتا ہے۔ یہاں گھپلے کے کسی بھی کام میں رخنہ اندازی سے پہلے تمہیں دس بار سوچنا ہوگا۔ کم و بیش ہر غلط کام کے تحفظ کے لیے اس صنعت یا تجارت سے ایسے بااختیار لوگوں کے باقاعدہ مفادات وابستہ کر دیے جاتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

"یہ اپنے دور کا بہت موذی شخص ہے۔" پچھلی سیٹ سے ڈی ڈی کی بھرائی ہوئی اور درد آلود آواز اُبھری۔ "اس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس سے زیادہ کھُل کر گفتگو نہ کرو ورنہ یہ تمہاری گفتگو سے اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گا۔ آج یہ بڑی مدت کے بعد مگر بہت آسانی سے میرے ہاتھ آیا ہے۔"

"مجھے تمہاری سخت جانی پر حیرت ہے دلدار آغا!" میں نے پیچھے گھوم کر کہا لیکن وہ سخت لہجے میں غرّانے لگا۔

"سیدھے بیٹھو۔ میں غیر مسلح نہیں ہوں، کوئی بھی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو گاڑی خراب ہونے کی پروا کیے بغیر تم پر فائر کر دوں گا۔"

"گولی ہی مارنی ہوتی تو مجھے لا کر چوکنڈی کے کھنڈرات میں لے جانے کے بجائے تم نے اسرار رضوی کے ذریعے مجھے ایکسائز والوں کی حوالات میں ہی مروا دیا ہوتا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ سیدھا ہونے سے پہلے، روشنیوں کے انعکاس میں میں یہ دیکھ چکا تھا کہ وہ پچھلی نشست پر واقعی سیاہ برقع اوڑھے اور نقاب گرائے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم مجھے زخمی ضرور کر سکتے ہو لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر تم مجھے ہلاک نہیں کرو گے۔" میں نے سیدھا ہوتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"تم میرے لیے چوہے سے زیادہ بے وقعت اور چیونٹی سے زیادہ حقیر ہو، میں جب چاہوں، تمہیں اپنی ایڑیوں میں مسل سکتا ہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"ریٹا سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟ وہ تمہیں کلب میں کس طرح بُلا سکتی تھی؟ وہ تو مافیا والوں کا اڈا ہے وہاں صرف ممبروں کو ہی داخلے کی اجازت ملتی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اسرار نے سوال کیا۔

ریٹا کو میں نے خود ہی ہدایت کی تھی کہ وہ اسرار سے یہ ذکر نہ کرے کہ میرا کِی کلب سے بھی کوئی تعلق ہے اس لیے وہ بڑی چالاکی سے وہ اہم سوال دریافت کرنا چاہ رہا تھا جس کے جواب پر اس کے آئندہ رویے کا انحصار ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں اندازہ لگانا چاہ رہے تھے کہ اس وقت شہر میں میرا کوئی حمایتی تو نہیں ہے۔

"مافیا والوں کے کِی کلب میں سٹی کے ایک نمک خوار کا کیا کام تھا؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔ "یا تم بیک وقت سٹی اور مافیا والوں کو ڈبل کراس کر رہے ہو۔"

"اہم اور بااختیار افسروں کی خوشنودی کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا تکبر پیدا ہو گیا تھا۔ "انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کلب مافیا والوں کی ملکیت ہے۔ یہ راز میں نے اپنے ذریعے سے دریافت کیا ہے۔ اسی طرح میرا سٹی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ صرف دلدار سے دوستی ہے اور میں اسی ناتے سے کلب کی خبریں اسے پہنچاتا رہتا ہوں۔ جاز فارماسیوٹیکل سے آگے میرا کہیں کوئی مفاد نہیں ہے۔"

"سٹی کا اصل مفاد وہی ہے۔ وہیں سے ہارمونیم کیپسولز کی آڑ میں مردانہ ہارمونز کی دوا کے بجائے ہیروئن باہر کے ملکوں کو اسمگل کی جاتی ہے۔" میں نے کہا۔

"سٹی کا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ میری فیکٹری کو بہترین قسم کی ہیروئن قیمت لے کر فراہم کرتی ہے اس سے آگے سارا بزنس ہماری اپنی صوابدید کے مطابق چلتا ہے۔ . ."

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم ایک مصروف افسر ہو، دفتر سے وقت ملتا ہے تو ریٹا کی زلفوں کا سایہ تمہیں کِی کلب لے جاتا ہے۔ فیکٹری کے سیاہ سفید کا مالک دلدار آغا ہے۔ تم کیا جانو کہ یہ باہر کی کھُلی منڈی سے صحیح دام لینے کے بجائے اپنے غیر ملکی آقاؤں کو رعایتی نرخ پر ہیروئن سپلائی کرتا ہو۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" پیچھے سے دلدار آغا غرّایا۔ "تم اپنی کمینہ پروری سے باز نہ آئے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"ٹھہرو دلدار!" اسرار رضوی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں بچہ نہیں ہوں جو اس کی باتوں سے بہک جاؤں گا۔ سُننے تو دو کہ یہ کہنا کیا ہے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری کوئی بات اس کے دل کو لگ گئی تھی۔

"غیر ملکیوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟" مجھے خاموش پا کر اسرار نے ٹوکا۔

"جاز فارماسیوٹیکل ہو یا سٹی کے معاملات۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "پاکستان میں دلدار آغا خود مختار رہے لیکن اپنی کارکردگی کے لیے یہ اپنے گاڈ فادر کو جواب دہ ہے اور وہی اس کی خود مختاری کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ ایک عالمی ریکٹ ہے جس میں دلدار آغا کی حیثیت شاید سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہ ہو۔ . ."

"یہ ملعون جھوٹا ہے اسرار!" ڈی ڈی کی آواز سُن کر مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اُس کی دُکھتی ہوئی رگ پر صحیح ہاتھ ڈالا تھا۔ "میں جو کچھ کرتا ہوں، اپنی مرضی سے کرتا ہوں اور اس کے لیے کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ یہ ہم دونوں کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔"

"مجھے تم دونوں کے باہمی معاملات کا علم نہیں اس لیے میں تمہارے تعلقات خراب کرنے کی کوئی سازش تیار نہیں کر سکتا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کی تصدیق دیر الائیڈ سے کی جا سکتی ہے۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"وہ آگئی یہاں؟" ڈی ڈی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"جب تم خود مختار ہو تو وہ کون ہے تمہاری؟" میں نے پیچھے مُڑے بغیر کہا۔ "میں یہ بتا دوں کہ اب سٹی تمہارے ساتھ ہے تو مافیا میری پشت پناہ ہے۔ تم لوگ مجھے اُٹھا لے آئے ہو لیکن مافیا والے اسرار کی زندگی عذاب بنا دیں گے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قبر سے نکال کر بھی سزا دینے کے عادی ہیں۔"

"تم! نمک حرام!" ڈی ڈی غرّایا اور حلق پر زور دینے سے اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔

"اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پیروں اور چھلنی پھیپھڑوں کے ساتھ تم زیادہ دن تک مافیا کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" میں نے موقع پاتے ہی دل سُلگانے والا ٹکڑا لگا دیا کیونکہ میں ان دونوں کے درمیان کسی نہ کسی قسم کی بداعتمادی کی بدبو محسوس کر چکا تھا جو میرے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔

"تم نے صرف شی سے غداری ہی نہیں کی ہے بلکہ تم ہمارے دشمنوں سے جا ملے ہو۔" کھانسی کا دورہ ختم ہونے پر ڈی ڈی نے اپنا ادھورا فقرہ پورا کیا۔ ویرا کا موضوع شاید اس نے دانستہ بدل دیا تھا۔

"اس لیے کہ تم میرے لہو کے پیاسے ہو اور تمہارے دشمن میرے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ تم نے مجھے ذرا بھی نقصان پہنچایا تو کان کھول کر سُن لو کہ اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے تمہارے بدن کی رہی سہی ہڈیاں بھی چُورا کر دی جائیں گی اور تم زمین پر رینگنے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔"

"غزالہ کہاں ہے؟" آخر اس نے سرد لہجے میں سوال کیا۔ اسرار خاموش ہو چکا تھا۔

میں بہت دیر سے اس سوال کی توقع کر رہا تھا اس لیے میرے پاس جواب تیار تھا۔ "وہ جہاں بھی ہے، تمہاری دسترس سے دور اور بہت محفوظ ہے۔ اس نے خود کو بیوہ سمجھ کر عدت بھی گزارنی شروع کر دی ہے۔ اگر تم زندہ رہ گئے تو وہ تم پر تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کر دے گی۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔"

"میں تمہیں جہنم واصل کر دوں گا۔" وہ بھیانک لہجے میں غرّایا۔ "وہ میری ملکیت ہے۔"

"ساری خرابی یہی ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ بیوی بن کر رہنا چاہتی تھی اور تم نے اُسے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا۔" اسی لمحے مجھے ایک اور زہریلا وار سوجھ گیا اور میں نے پینترا بدلتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم نے غزالہ کو بتایا تھا کہ تم اپنے کسی دوست کی بیوی پر محنت کر رہے ہو جو بے چاری پندرہ برس سے اولاد کی آرزو میں تڑپ رہی ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی تمہارے بچّے کی ماں بن ہی جائے گی۔ غزالہ کے فراق میں تمہاری راتیں تنہا تو نہیں گزریں گی۔ اس بے اولاد کو تم نے اچھی طرح اپنے چنگل میں جکڑا ہوا ہے۔"

شاہراہِ فیصل پر کار کی رفتار یک بیک بہت تیز ہو گئی مگر اسرار نے زبان نہیں کھولی۔ اس کے بارے میں ریٹا نے جو کچھ بتایا تھا، میں نے وہی سب غزالہ کے حوالے سے دُہرا کر ان دونوں کے درمیان بدگمانیوں کا سب سے عمدہ بیج بو دیا تھا کیونکہ اسرار واقعی پندرہ برس سے لاولد تھا۔

"ڈینی! زبان کو لگام دو اپنی!" اس کی آواز قہر و غضب سے کانپ رہی تھی۔ "میں نے کبھی غزالہ سے یہ سب نہیں کہا تھا۔ یہ سب تمہارا اپنا حرامی پن ہے۔۔۔"

"اگر یہ جھوٹ ہے تو تم اس پر چراغ پا کیوں ہو رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے کیا معلوم کہ تم کس سے ملتے ہو؟ کون بال بچے دار ہے اور کون بے چارہ پندرہ برس سے اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ میں نے تو جو سُنا تھا، وہ بتا دیا۔ تم کہتے ہو تو یہ جھوٹ ہی ہو گا۔ میری خطا معاف کرو اور اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔"

سڑک کے روشن اور تاریک حصّوں کی گھٹتی بڑھتی روشنی میں میں دُزدیدہ نظروں سے اسرار کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے اپنے جبڑے اتنی طاقت سے بھینچے ہوئے تھے کہ جلد پر وریدیں اُبھر آئی تھیں، نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں۔ ہاتھ بہت سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے اور کان یقیناً ہماری گفتگو پر تھے۔

"میں پھر پوچھتا ہوں کہ غزالہ کہاں ہے؟" قدرے سکوت کے بعد ڈی ڈی نے پھر سوال کیا۔ "تم نے اس کا پتا نہیں بتایا تو چوکنڈی کے آسیبی ویرانے میں تمہارے بدن سے ایک ایک ریشہ الگ کر دیا جائے گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ اپنی جسمانی حالت کی وجہ سے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اسرار تمہارے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دے گا۔"

"نہیں دلدار!" اسرار کی سرد، سخت اور جذبات سے عاری آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس مہم پر میرے ساتھ آکر تم نے سنگین غلطی کی ہے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دُوں گا۔ اس سے اپنا معاملہ تمہیں خود ہی طے کرنا ہو گا۔ چوکنڈی میں میں تمہیں صرف آدھا گھنٹا دے سکوں گا۔ اس کے بعد مجھے واپس لَوٹنا ہو گا۔"

"تم اس کی باتوں میں آ گئے۔" دلدار آغا کی بوکھلائی ہوئی خوشامدانہ آواز اس وقت میں نے پہلی بار سُنی تھی۔ "میں خدا پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے غزالہ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ حرام کا نطفہ جھوٹ بول رہا ہے اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے لڑوانا چاہتا ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں کہیں سے معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔"

"میں دودھ پیتا بچّہ نہیں ہوں دلدار۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اسے میرے اور تمہارے مراسم کا شبہ بھی ہوتا تو یہ مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہیں کرتا۔ پھر یہ مجھ سے ملنے سے پہلے پکڑا گیا جب میں اسے ایکسائز والوں سے چھڑانے پہنچا تو یہ مجھے ریٹا کا بھیجا ہوا اپنا ہمدرد سمجھ رہا تھا۔ اسے تو کسی تحقیق یا سازش کا موقع ہی نہیں ملا۔ اسے تو شاید یہ بھی پتا نہیں ہو گا کہ تم کس کی کوکھ پر طبع آزمائی کر رہے ہو۔" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ "یہ میری بدنصیبی ہے کہ تم زخمی اور معذور ہو اس لیے میں تمہیں لیے پھرنے پر مجبور ہوں ورنہ میں تمہیں کار سے دھکیل کر واپس گھر لوٹتا اور اس کوکھ کو خنجر سے سوراخ کر کے خالی کر دیتا جہاں باپ پالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔"

دلدار آغا اپنے مہلک زخموں کی وجہ سے مجبور تھا ورنہ اس وقت یقیناً مجھ پر ٹوٹ پڑا ہوتا۔ اس پر ایک بار پھر جنون کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی اور وہ مجھے بے تحاشا غلیظ گالیاں دیے جا رہا تھا۔

"اوہ! کیا وہ قصّہ تمہاری ہی بیوی کا ہے؟" میں نے سہمے ہوئے انداز میں اسرار سے سوال کیا۔

"ہاں!" وہ اسٹیئرنگ پر گھونسا مار کر پوری قوت سے چیخ پڑا۔ میں اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا تھا اور اس کے وجود میں قہر و غضب کا جوالا مکھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ روئے زمین پر عورت کی خاطر جتنے خون ہو چکے تھے اتنے کسی اور واحد سبب سے نہیں ہوئے تھے اور پھر اسرار رضوی ایک مشرقی مرد تھا۔ اس معاملے میں مشرقی مرد تو آناً فاناً میں آدم خور درندے بن جاتے ہیں۔ اسرار کو بس ایک اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت تھی پھر وہ میرے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا اور اسی لیے میں نے اسے مخاطب بھی کیا تھا۔

"میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا تھا۔ دوست سمجھ کر اسے اپنی موجودگی اور غیر موجودگی میں ہر وقت گھر آنے کی کُھلی اجازت دی ہوئی تھی مگر اس نے اسی ہانڈی میں سوراخ کیا، جس میں کھا رہا تھا۔ میری بیوی کسی زرخرید کنیز کی طرح ہر وقت اس کے آگے پیچھے رہتی ہے۔ آج میری سمجھ میں آیا کہ وہ دوستانہ خلوص نہیں تھا بلکہ یہ دونوں میری آنکھوں کے سامنے ایک گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ میری بیوی بانجھ ہے، وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ اس نے اپنی محفوظ عیّاشی کے لیے اسے اولاد کا سبز باغ دکھایا ہو گا اور وہ عقل کی اندھی اس کے چکر میں آ گئی۔ اب میں ان دونوں سے اپنے اعتماد کے خون کا حساب لوں گا۔ انھوں نے میرا اعتبار لُوٹ لیا۔ مجھے میری نظروں میں رُسوا کر دیا۔ میں سب کو فنا کر دوں گا۔"

اس نے میرے مشورے سے پہلے ہی سختی سے بریک لگا کر کار سڑک کے کنارے روک لی، اس پر غصّے کی زیادتی سے تشنّج کی ایسی شدید کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اس کے لیے تیز رفتار گاڑی پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو!" میں نے اسرار سے مخاطب ہو کر سہمی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے سچ سے تمہاری دل آزاری ہوئی، مجھے شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ کہانی تمہاری ذات سے متعلق ہے تو میں ہرگز اپنی زبان نہ کھولتا۔۔۔"

"بس بس!" اسرار کی بھرّائی ہوئی غصیلی آواز اُبھری۔ "تم بھی زیادہ بکواس نہ کرو، ورنہ دلدار سے پہلے تمہارا ہی قصّہ پاک کر دوں گا کیونکہ اب تم میری بے آبروئی کے ایک گواہ بن چکے ہو۔"

"میرے بارے میں اس طرح بات نہ کرو۔" عقبی نشست سے دلدار آغا کی کرب میں ڈوبی ہوئی خوشامدانہ آواز اُبھری۔ "میں حلف اُٹھانے کے لیے تیار ہوں کہ یہ مردود جھوٹا ہے، یہ بہت چالاک اور مکّار شخص ہے۔ اس نے ریٹا سے یا کسی اور ذریعے سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں اور اب انھی معلومات کے سہارے ہمارے درمیان نفاق پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خدا کے لیے، جذباتی نہ ہو۔ اس کا کھیل سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ اپنے دَور کا سب سے بڑا مکّار شخص ہے۔۔۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو دلدار!" اسرار نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "اسے ریٹا سے معلومات حاصل ہوئی ہوتیں تو یہ اس کے ذریعے مجھ سے ملنے کی کوشش ہرگز نہ کرتا، پھر ریٹا میرے بارے میں کیا جانتی ہے؟ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ کر حوالات سے بے چون و چرا میرے ساتھ آ گیا۔ اسے میری اور تمہاری دوستی کی بھنک بھی مل گئی ہوتی تو یہ میرے سائے سے بھی دُور رہنے کی کوشش کرتا۔ جھوٹ بول کر مجھے مشتعل نہ کرو اور اپنے جُرم کا اقرار کر لو۔ شاید اسی طرح میرا بڑھتا ہوا غصّہ کم ہو جائے۔"

گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔

"تمہیں پورا یقین ہے کہ ڈینی جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ سچ ہے؟" چند ثانیوں کے بعد دلدار آغا نے زخم خوردہ لہجے میں آہستگی سے سوال کیا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

دلدار آغا کا وہ لہجہ مجھے بہت عجیب اور خوفناک محسوس ہوا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور مجرم اور قاتل تھا۔ اس کے لیے اپنا تحفّظ ہر بات پر مقدّم تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ دُنیا کے ہر رشتے کو ٹھکرا سکتا تھا۔ اس وقت میں بالکل غیر مسلّح تھا۔ اسرار کے بارے میں کچھ کہنا مشکل تھا۔ یہ امکان تھا کہ شاید اس کے کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹر میں سروس پستول موجود رہا ہو لیکن وہ فوری طور پر اپنے اس ہتھیار سے کام لینے پر قادر نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے اور کسی ہنگامی صورتِ حال کے لیے عملاً وہ بھی غیر مسلّح ہی سمجھا جا سکتا تھا جب کہ دلدار آغا ہم دونوں کے عقب میں، اندھیرے میں بھرا ہوا کوئی ہتھیار لیے بیٹھا تھا۔ اس کے الفاظ میں مجھے خون کی بو رچی ہوئی محسوس ہوئی تھی جیسے وہ آخری بار اپنے بارے میں اسرار رضوی کی رائے جاننا چاہتا ہو۔ اسرار رضوی کی زبان سے مخالفانہ الفاظ سُنتے ہی دلدار آغا اپنے دفاع کے لیے کوئی بھی بھیانک کارروائی کر سکتا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسا زخمی درندہ بنا ہوا تھا جو اپنی راہ میں آنے والے ہر ذی روح کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا۔

مگر اسرار بھی چالاک شخص تھا، غصّے کی شدت میں اور جذبات کی روانی میں بہہ کر وہ دلدار آغا کے خلاف بہت کچھ کہہ

گیا تھا مگر دلدار آغا کے آخری سوال کے بدلے ہوئے لہجے نے اسے بھی حرکت کر دیا اور وہ لمحہ بھر کے توقف کے بعد سنبھالا لے کر بولا تھا۔" دل کہتا ہے کہ ڈینی جھوٹ نہیں بول رہا لیکن اس کی باتوں کی صداقت آنے والے وقت سے ہی ثابت ہو سکے گی۔ اس وقت تو میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔"

" ایسے جھوٹے الزامات دل و دماغ میں انتقام کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔" دلدار آغا اپنے دوست کے الفاظ سے فریب کھا گیا۔ " وقت گزرنے کے ساتھ تمہیں میری بے گناہی کا یقین آ جائے گا لیکن اس وقت ہم ڈینی کو معاف نہیں کریں گے کیونکہ یہ ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے اور غزالہ بھی اسی کی قید میں ہے۔"

" غزالہ بھی اسی کی قید میں ہے!" اسرار نے پُر خیال لہجے میں دُہرایا' پھر کار میں سکوت چھا گیا۔

آخر کار رفتار کم کرتے ہوئے' اسرار نے بائیں طرف ایک ویرانے میں کار موڑی تو ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تاحد نگاہ ریت' ناہموار ٹیلے اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ چند ثانیوں تک کار کی تیز روشنیاں اس سنگلاخ زمین پر ناگنوں کی طرح لہراتی رہیں پھر وہ راستہ نظر آ ہی گیا جو گاڑیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے زمین کے سینے پر بن گیا تھا۔ اس راستے پر کچھ دُور بڑھنے کے بعد اسرار نے کیبن لائٹ آن کر دی۔ شاید وہ عقب نما آئینے میں دلدار آغا کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔ میں بھی آہستگی سے مڑا اور دلدار آغا کی خون آلود اور سُوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہی لرز کر رہ گیا۔ سیاہ برقع اس وقت بھی اس کے سر پر بندھا ہوا تھا لیکن اس نے نقاب اُلٹ دی تھی۔ اس کا چہرہ زخموں سے مسخ ہو رہا تھا۔ کئی جگہ جما ہوا سیاہی مائل خون تک صاف نہیں کیا گیا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دلدار آغا نے اپنے زخموں کی صفائی اور ڈریسنگ کے بجائے ان پر ٹنکچر وغیرہ لگا کر کھلا چھوڑ دینا ہی بہتر سمجھا تھا تاکہ زخم قدرتی طور پر تیزی کے ساتھ بھر سکیں۔

پیشانی سے گردن تک' اس کے بدن کا کھلا ہوا ہر رُواں اس کے خون میں لتھڑا ہوا تھا جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ لیاقت آباد کے مشتعل باشندوں کے ہاتھوں بُری طرح لہولہان ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کا سرد اور بے رحمانہ تاثر رچا ہوا تھا۔ میں یہ سوچ کر جُھرجُھری لے کر رہ گیا کہ وہ سخت جان درندہ اپنی ایک پنڈلی کی ہڈی ٹوٹنے کے باوجود لیاقت آباد سے فرار ہو کر بآسانی لینڈھی میں اسرار کے مکان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس کا چلنا یا دوڑنا میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ پھر ایک بار سواری مل جانے کے بعد اس کی منزل آسان ہو گئی ہو گی کیونکہ فساد زدہ شہر میں' خون میں نہایا ہوا کوئی بھی زخمی بآسانی ٹیکسی ڈرائیور یا کسی اور کی ہمدردیاں حاصل کر سکتا تھا لیکن ایک پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے سہارے مشتعل ہجوم سے نکل کر محفوظ علاقے میں کسی سواری تک پہنچنا دلدار آغا ہی کے بس کی بات تھی ورنہ کسی عام آدمی سے ایسی وحشیانہ ہمت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

میں نے ایک بار عقب سے اس کی بس ایک جھلک دیکھی تھی اور اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ گورے رنگ کا آدمی تھا لیکن اس وقت تو وہ نیلا اُودا ہو رہا تھا۔ ورم کی وجہ سے خدوخال تک بدل کر بھیانک ہو گئے تھے۔ اسی طرح وہ اُس وقت بھی بے نقاب ہونے کے باوجود اپنی اصل شکل و صورت مجھ سے چُھپائے رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس کے سُوجے ہوئے ہونٹوں نے قدرے پھیل کر بھیانک تر صورت اختیار کی تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی پھر اس کے دہانے سے بھرّائی ہوئی سرد آواز برآمد ہوئی۔ "تم نے بہت دن گزار لیے' آج تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی ایک بہت بڑی پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔"

اس کا بایاں ہاتھ پلاسٹر میں چُھپا ہوا تھا اور داہنے ہاتھ میں پستول موجود تھا جسے وہ کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

اسرار نے قدیم قبرستان کے کھنڈرات سے ذرا دُور گاڑی روک دی اور فوراً ہی انجن بند کر کے نیچے اُتر گیا۔" اب تم دونوں بھی نیچے آ جاؤ۔" باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی تحکمانہ آواز گونجی تھی۔

" اسے اُتار کر میری طرف لے آؤ! میرا اپنے قدموں پر کھڑا ہونا اب ناممکن ہے۔" دلدار آغا بولا۔

" لاؤ! تو پھر پستول مجھے دے دو۔" اسرار کا مطالبہ سُن کر میرا دل یکبارگی تیزی سے دھڑک اٹھا۔ اس کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ اور تجسس تھا۔" اندھیرے میں موقع پا کر یہ کسی طرف بھاگ نکلا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" اس نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا تھا۔

میں نے نیچے اُترتے ہوئے' اندر کی روشنی میں دیکھا کہ دلدار آغا متردد تھا لیکن اسرار نے ہاتھ بڑھا کر اس سے پستول لے لیا اور اسی کے ساتھ ہی فضا میں دلدار آغا کی ایک کریہہ چیخ گونج اٹھی کیونکہ اسرار نے ایک ہاتھ سے پستول اپنے قبضے میں لیتے ہی دوسرے ہاتھ سے دلدار آغا کے نچلے برقع کا گریبان پکڑ کر جھٹکے سے اسے باہر گھسیٹ لیا تھا۔

بالکل وہی ہوا تھا جس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا۔ اسرار نے اپنے جس غصے کو مصلحت کی آڑ میں چُھپایا ہوا تھا' اس وقت وہ بھڑک اٹھا تھا۔ اس نئی صورتِ حال میں میرے سامنے دو راستے تھے۔ ان کی باہمی آویزش سے فائدہ اٹھا کر تاریکی میں تیزی سے کسی طرف بھاگ نکلتا یا پھر اس معرکے میں کسی بہتر فریق کا ہمنوا بن کر اسے انجام تک پہنچاتا اور خود کو آنے والے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔

میرے لیے اس وقت اسرار کا ساتھ دینا ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ دلدار آغا کی کراہوں کے درمیان میں اسرار کی تیز آواز گونجی۔" خبردار جو تم نے بھاگنے کی کوشش کی۔ اب اِدھر آؤ اور دلدار کو سنبھالو! میں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں یہ دلچسپ مقابلہ دیکھوں گا . . ."

" نن . . . نہیں! تم یہ نہیں کر سکتے!" دلدار آغا کی بوکھلائی ہوئی آواز اُبھری۔" میں تمہارا دوست ہوں۔ تم اس حالت میں مجھے میرے جانی دشمن کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔"

" کوئی بات انہونی نہیں ہوتی۔" اسرار کی آواز زہریلی ہو گئی۔ " جو کچھ تم نے کیا وہ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا اس لیے میں بھی وہ کر رہا ہوں جس کا تمہیں سان و گمان نہیں تھا۔"

" میں نے کچھ نہیں کیا . . . میں قرآن اور رسول کی قسمیں کھاتا ہوں کہ ڈینی جھوٹا ہے . . . یہ . . ." اس کا ادھورا فقرہ ایک لرزہ خیز چیخ میں ڈھل گیا۔ شاید اسرار نے اسے ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

" ناپاک زبانوں پر یہ مقدس نام اچھے نہیں لگتے۔" اس کی بے رحمانہ آواز سنائی دی تھی۔" ڈینی کی کہانی کے علاوہ بھی تم نے ایک سنگین جُرم کیا ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر ہوں اور عزت کے ساتھ اس نوکری سے ریٹائر ہونا چاہتا ہوں اس لیے غیر ملکیوں کے تابع کسی فرد یا گروہ سے سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ بین الاقوامی مجرم ضرورت پڑنے پر بے رحمی سے اپنے درپردہ حمائتیوں کی گردنیں کٹوا دیتے ہیں۔ تم نے اقرار کیا تھا کہ تم آزاد اور خود مختار ہو لیکن ویرالائیڈ کے نام سے تمہاری روح فنا ہو گئی۔ تمہارا مرتبہ اونچا سہی لیکن آخر کار تم ایک غیر ملکی ریکٹ کے آلۂ کار نکلے ہو' تم نے میری نوکری اور ساکھ سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ میری نگاہ میں تمہارا یہ جُرم ناقابلِ معافی ہے۔ تم دونوں نہتے ہو اس لیے یہ مقابلہ دلچسپ رہے گا۔ میں جانتا ہوں کہ ہار تمہاری ہی ہو گی۔ تم نے میرے اعتماد کو مجروح کیا اور میں نے تمہارے اعتماد کو دھوکا دے کر تمہیں ڈینی کے حوالے کر دیا ہے۔ اس سے پٹتے ہوئے یہ خیال ہر لمحے تمہارے دل پر آرے چلاتا رہے گا کہ تمہاری بیوی ڈینی کی قید میں ہے۔ یہ تمہیں ہمنوا اصل کر کے سیدھا اسی کی طرف جائے گا اور شاید یہی احساس میرا اور تمہارا حساب برابر کر سکے گا۔"

اس وقت تک میں خاک پر پڑے ہوئے دلدار آغا کے قریب پہنچ گیا تھا اس لیے اسرار جلدی سے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کر کے اس نے کار تیزی سے ایسی پوزیشن میں گھمائی کہ ہم دونوں اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آ گئے۔

اسرار کے جھٹکے سے دلدار آغا کے نچلے برقع کے بٹن ٹوٹ گئے تھے۔ اس کی بائیں پنڈلی پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور پاجامے کا وہ پائنچا اوپر تک اُدھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہیں تھا اس لیے ہیڈ لیمپس کی روشن لکیریں ہمارے لیے ایرینا بن گئی تھیں۔

" کتے! میں نے بُرا کیا جو تیری کھوپڑی میں گولی اُتارنے کا ارادہ ترک کر دیا۔" دلدار آغا کار کی طرف سر گھما کر نفرت آمیز لہجے میں بولا۔" کاش' میں نے آخری بار تیری رائے پوچھے بغیر اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیا ہوتا۔ میں تیری طرف سے دھوکا کھا گیا۔ جو کام میرا دشمن عمر بھر نہ کر سکا' وہ تو نے دوست بن کر پل بھر میں کر دکھایا . . ."

میں نے بڑھ کر اس کے زخمی چہرے پر ایک ہلکی سی ٹھوکر رسید کی تو وہ غصیلے انداز میں کسی بھیڑیے کی طرح غرّایا۔ اس کی آواز میں اس بار درد یا اذیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس کے چہرے کے کسی پرانے زخم سے ٹھوکر پڑنے کے باعث خون بہہ نکلا۔ اس نے جھرجھری لے کر میری طرف دیکھا تو اس کے ڈراؤنے چہرے پر نیلے حلقوں میں سے آنکھیں باہر کو اُبلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اس وقت تکلیف سے زیادہ غصے میں تھا۔

پھر اچانک ہی اس نے زمین پر سے داہنے ہاتھ میں مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور میرے چہرے پر پھینک ماری۔ چہرے پر کنکروں کی ضرب زیادہ شدید نہیں تھی لیکن آنکھوں میں پڑنے والی ریت کے باریک ذرات نے مجھے تلملا کر رکھ دیا اور میں بے اختیار اپنی دونوں آنکھیں بند کر لینے پر مجبور ہو گیا۔

میں دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اچانک میری داہنی پنڈلی پر ایک مضبوط ہاتھ جم گیا اور میرے کچھ سمجھنے سے قبل ہی میرے قدم اکھڑ گئے۔ میں پشت کے بل زمین پر گرا تھا مگر پنڈلی بدستور اسی گرفت میں تھی۔ میں نے بمشکل تمام صرف اتنا دیکھا کہ وہ حرکت دلدار آغا کی تھی۔ میری آنکھوں میں مٹی ڈال کر وہ زمین پر گھسٹتا ہوا میرے قریب آ گیا تھا اور اس وقت کسی آدم خور زمینی بَلا کی طرح میرے قریب موجود تھا۔

میں نے بایاں پیر استعمال کر کے اپنی داہنی پنڈلی اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن اسی دوران اس نے اپنے تیز اور نکیلے دانت میری داہنی پنڈلی کے نرم گوشت میں اُتار دیے۔

وہ موت کے سائے میں اپنی آخری سانسوں کے لیے لڑ رہا تھا اس لیے بہت خونخوار ہو چکا تھا۔ میں نے بائیں پیر کی پوری قوت

سے اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی اور یوں میری پنڈلی ایک بڑے زخم سے بال بال بچ گئی۔ ضرب کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اس نے بڑی پھرتی کے ساتھ میری ٹانگیں پکڑنے کی دوبارہ کوشش کی تھی لیکن میں زمین پر لڑھک کر خود کو اس کی پکڑ سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ اس قدر چُور چُور تھا کہ میں اسے لقمۂ تر سمجھتے ہوئے محض، تھپڑوں اور ٹھوکروں کے سہارے جہنم رسید کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن میں بھول گیا تھا کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک تھا اور زندگی کی امید میں کسی بھی لمحے کچھ بھی کر گزر سکتا تھا۔

میں جتنی دیر میں سنبھل کر زمین سے اٹھا، وہ معذور ہونے کے باوجود تیزی سے زمین پر گھسٹتا ہوا میرے قریب آ پہنچا۔ اس کا ایک ہاتھ بھی ناکارہ تھا اس لیے اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اپنے داہنے ہاتھ کی مدد سے میری دونوں ٹانگیں جکڑ کر مجھے نیچے گرا دے تاکہ ہم دونوں کے درمیان کم از کم پوزیشن کا فرق معدوم ہو جائے اور وہ اپنے وحشیانہ حملوں سے مجھے زخمی کر سکے۔

مجموعی طور پر اسے مجھ پر کوئی بالادستی حاصل نہیں تھی لیکن یہ خطرہ ضرور تھا کہ اس کا کوئی بھی وار اچانک مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے جس طرح میری آنکھوں میں مٹی جھونکی تھی، اسی طرح وہ کوئی دوسری غیر متوقع حرکت کر کے صرف چند لمحوں کے لیے مجھ پر برتری حاصل کر کے مجھے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا اس لیے میں نے اس کے زخموں سے چُور چُور اور زمین پر گھسٹتے ہوئے مکروہ وجود پر ذرا بھی رحم کھائے بغیر اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ مجھے اس امر کی کوئی پروا نہیں رہ گئی تھی کہ میری ٹھوکریں اس کے بدن کو اُدھیڑ رہی تھیں یا اس کے چہرے کے پرانے زخموں پر چرکے لگا رہی تھیں۔ میرے اس جارحانہ حملے نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

وہ کئی بار پیچھے الٹ کر سنبھلا تھا۔ اسی دوران میں میرے ایک جوتے کا فیتہ کھل گیا اور جب وہ میرے جوتوں میں الجھ کر رکاوٹ پیدا کرنے لگا تو میں فیتہ باندھنے کے لیے کئی قدم پیچھے ہٹ آیا۔

زمین پر جھک کر فیتہ کسنے کے بعد جب میں سیدھا ہوا تو بھونچکا کر دینے والا ایک منظر میرا منتظر تھا۔ دلدار آغا اپنی ساری قوت اور حوصلہ مجتمع کر کے ناقابلِ یقین طور پر اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو چکا تھا۔ موت کی دہشت نے پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے درد کا احساس اس کے ذہن سے محو کر دیا تھا۔

اُدھڑے ہوئے پائنچے میں سے بائیں پنڈلی پر، گھٹنے سے اوپر تک چڑھا ہوا سخت پلاسٹر اس کے چہرے سے بہنے والے خون سے داغ دار ہو چکا تھا۔ اپنے بھیانک اور زخمی چہرے کی وجہ سے اُس وقت وہ کوئی مہیب اور غیر انسانی آسیب نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس کی کانپتی ہوئی پنڈلیوں پر نگاہ ڈالتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی حیوانی قوتِ ارادی کے سہارے شکستہ ٹانگ پر کھڑا تو ہو گیا تھا لیکن اس کے لیے ضرورت کے مطابق پھرتی سے اپنا رُخ بدلنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

"تم لیاقت آباد میں مر جاتے تو مجھے زندگی بھر قلق رہتا کہ میں اپنے ایک بدترین دشمن کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک نہ پہنچا سکا۔" میں نے اپنے ذہن میں اگلی حکمتِ عملی مرتب کرتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہارا صحیح انجام وہی ہو گا جو اب میرے ہاتھوں اپنی مراد کو پہنچے گا۔"

"تم نے مکاری سے اسرار کو مجھ سے بدظن کیا ہے۔" اُس کے ہونٹوں سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اس کے کٹے پھٹے اور ورم آلود چہرے پر سارے خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ اُس کا چہرہ میری طرف تھا لیکن جابجا پھٹی ہوئی پیشانی سے بہنے والی خون کی لکیروں میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔

"دُشمن کے وار سے بچنا ہمیشہ بہت آسان ہوتا ہے۔" وہ اُسی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "لیکن دوستوں کے بغلی وار سے آج تک کوئی خود کو نہیں بچا سکا۔ یہ تمہاری جیت نہیں بلکہ ایک دوست کے ہاتھوں میری زندگی کی بدترین اور شاید آخری شکست ہے مگر میں ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔"

"اس وقت تو تم ہتھیار اُٹھا کر بھی انجام کو نہیں ٹال سکو گے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر یکلخت اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک چکر کاٹ کر بجلی کی سی سرعت سے دلدار آغا کے عقب میں پہنچ گیا۔

وہ میرا ارادہ بھانپ گیا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اُس نے گھومنے کی کوشش کی لیکن اس کی ٹانگوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس کے عقب میں محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر، جاپانی پہلوان انوکی کے انداز میں دایاں پیر پوری طرح پھیلا کر، پلاسٹر سے اوپر اس کی ران پر پوری قوت سے لات رسید کی اور وہ غُراتا ہوا، کسی شہتیر کی طرح زمین پر آ رہا۔

اس بار میں نے اسے ذرا بھی مہلت نہیں دی اور بڑھ کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔ اجل اس کے سامنے تھی اور اس کا حال ابتر تھا لیکن پھر بھی وہ مدافعت پر تُلا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے نہ رحم کی التجا کی نہ ہی اپنی مزاحمت میں کمی آنے دی۔ وہ قاتل، سازشی، اسمگلر اور موت کا سوداگر تھا لیکن مقابلہ کرتے ہوئے مرنے کے دلیرانہ فن سے خوب واقف تھا۔ موت کی دہشت نے اس کے اعصاب کو ناکارہ کرنے کے بجائے اس کے جوش کو مہمیز کیا ہوا تھا اور وہ زخمی سانڈ کی طرح مسلسل لڑنے پر تُلا ہوا تھا۔

لیکن یہ کشمکش زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ دو تین گھونسوں

اور ایک بھرپور ٹکّر نے اس کے اوسان خطا کر دیے اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کے حلق پر جما دیے۔

لحظہ بھر کے لیے میری انگلیاں بے جان رہیں۔ شاید میں لاشعوری طور پر اس سفاک درندے کی زبان سے رحم کی کوئی التجا سُننا چاہ رہا تھا لیکن وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آخری سانس تک لڑنے پر تُلا ہوا تھا۔ میری نرمی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے مجھے اپنے [illegible] سے اُچھال پھینکنا چاہا اور میں نے چونک کر پوری قوت سے [illegible] کا نرخرا دبانا شروع کر دیا۔ وہ اتنی دیر سے مقابلہ کر رہا تھا کہ سانس کی آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا ہوتے ہی اس کا جسمانی نظام متاثر ہونا شروع ہو گیا۔ ایک آدھ بار جسم اکڑانے کی کوششوں کے بعد اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر اس نے ایک آخری جھرجھری لے کر میرے نیچے دم توڑ دیا۔

چوکنڈی کے اس ویرانے میں آخرکار دلدار آغا مارا ہی گیا...

اس کے سینے پر سے اُترنے سے پہلے میں نے اس کی نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکنیں سُننے کی کوشش کی لیکن وہاں محاورۃً ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ مدتوں سے لوگوں کے لیے ہوّا بنا ہوا وہ شخص ننگی زمین پر پڑا رہ گیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسرار اُس کی لاش وہیں چھوڑ جائے گا۔ اس کے بعد کچھ پتا نہیں تھا کہ لاش دریافت ہونے تک بھوکے گیدڑ اور کتے اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

دوسرے انسانوں کے لیے زندگی بھر بھیڑیا بنا رہنے والا شخص اپنی موت کے بعد اب مردار خور بھیڑیوں کے ہی رحم و کرم پر رہ گیا تھا اور شاید اسی کا نام مکافاتِ عمل ہے۔

"اسے مار کر تم نے میرا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔" ہیڈ لیمپس کے عقب میں تاریک کار میں سے اسرار کی پُرسکون آواز اُبھری۔ "لیکن اب مجھے سوچنا ہو گا کہ تمہارا کیا کیا جائے؟"

میں چونک پڑا۔ "جب تک تم دلدار آغا کے دوست اور ہمدرد تھے تو مجھ سے دُشمنی کا جواز بھی تھا ورنہ ہمارے درمیان براہِ راست کوئی مخاصمت موجود نہیں ہے۔"

"مخاصمت کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں ایک ذمّے دار افسر ہوتے ہوئے بھی قتل کی اس واردات میں تمہارا شریک رہا ہوں۔ تم میری بیوی کے ساتھ دلدار کے مراسم سے بھی واقف ہو۔ اپنی ان معلومات کو کیش کرانے کے لیے تم کسی بھی وقت مجھ کو بلیک میل کرنا شروع کر سکتے ہو... ٹھہرو! ابھی وہیں رُکے رہو، میری اجازت کے بغیر کار کی طرف پیش قدمی کی تو میں بے دریغ تمہیں گولی مار دوں گا۔"

میرے اُٹھتے ہوئے قدم، وہیں زمین پر گڑ کر رہ گئے۔ اس وقت تک میں اسرار رضوی کے لیے ریٹا کا صرف ایک دوست تھا۔ وہ مافیا میں میری نئی پوزیشن سے لاعلم تھا۔ اس کے محتاط رویّے کو دیکھتے ہوئے میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اس کی معلومات میں اضافہ کر کے اسے معقولیت کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دوں۔

"دلدار آغا تمہاری حمایت کھو دینے کے بعد اس وقت لاوارث ہو کر رہ گیا تھا اس لیے ہم نے آسانی سے اسے مار لیا۔ شہر میں اب کوئی اس کے قصاص کا دعوے دار نہیں ہو گا۔ لیکن میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ڈیتی کو ہلاک کرنا کبھی بھی آسان کام نہیں [illegible]۔ میری پُشت پر بہتیرے طاقتور لوگ ہیں جو میری موت کے بعد میرے قاتل کو ہر قیمت پر ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"فضول دعوے کرنے کے بجائے مجھے سمجھانے کی کوشش کرو کہ تمہارا معاملہ دلدار آغا سے کیوں مختلف ہے؟" اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "آخر وہ کون سی وجوہ ہیں جو مجھے اپنے خلاف ایک طاقتور گواہ کو زندہ رکھنے پر مجبور کر سکتی ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اب میں مافیا چیف کا نائب اور کِلب کا سربراہ ہوں..."

"یہ نہ بھولو کہ میں ایک باوسائل محکمے کا سربراہ ہوں۔" اس نے تلخ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "تم مافیا چیف ہونے کا دعویٰ کرتے تو شاید میں شش و پنج میں پڑ جاتا کیونکہ میں اس کی شخصیت سے لاعلم ہوں مگر یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ مافیا چیف کِلب سمیت اپنے سارے معاملات اپنے ماتحت سینڈو کے ذریعے چلاتا ہے۔ میں کلب میں کئی بار اس سے مل چکا ہوں۔"

"وہ پرانی بات ہو گئی۔ اب اس سے ملو تو دریافت کر لینا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ریٹا ہرگز تمہیں میری مدد کرنے پر مجبور نہ کرتی۔ تم دونوں کی کلب کے ممبر نہ ہو اور ممبران خود کو غیر متعلقہ معاملات میں ملوّث نہیں کرتے۔"

"فرض کرو کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے تب بھی چوکنڈی کے اس ویرانے میں دلدار آغا کے ساتھ تمہاری لاش دریافت ہونے کے بعد مجھ پر کون شبہ کر سکے گا؟"

"مجھے تم جیسے ذہین افسر سے ایسے عامیانہ سوال کی توقع نہیں تھی۔" میں نے قدرے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے محکمے کے لوگوں نے سینڈو کے سامنے مجھے اور سراج کو گرفتار کیا تھا۔ سراج، اصغر کو چکمہ دے کر حوالات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اگر میں لاپتا ہو جاتا ہوں یا میری لاش برآمد ہوتی ہے تو میرے ہمدرد بلا تکلف اصغر پر ہاتھ ڈال دیں

گے اور ذرا سے تشدد کے بعد اس سے اُگلوا لیں گے کہ مجھے تم حوالات سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ وہ دُہرانا بے سود ہے۔ تم جانتے ہو کہ مافیا والوں کا کام کرنے کا انداز بہت مختلف اور انتہا پسندانہ ہے...“

”ٹھیک ہے، کار میں آجاؤ۔“ میری بات فوراً ہی اس کی سمجھ میں آگئی۔

”لیکن یہ بتادوں کہ تمھیں میرے ساتھ مخلص رہنا ہوگا۔“ میرے سوار ہونے کے بعد اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

”تمھاری بیوی کے مراسم اور دلدار آغا کے قتل کے بارے میں میری زبان ہمیشہ بند رہے گی۔“

”احتیاطاً یہ بتادوں کہ دلدار آغا کی گردن سے تمھارے فنگر پرنٹس اُٹھا لیے جائیں گے اور ان کے سہارے پولیس اس وقت تک قاتل کی تلاش میں سرگرداں رہے گی جب تک تم اس کے ہاتھ نہیں لگ جاتے۔ تمھاری خاموشی کے جواب میں مَیں یہ راز اپنے سینے میں دفن رکھوں گا... اور ہاں! اب دلدار آغا کا قصّہ تمام ہو ہی گیا تو کم از کم مجھے اتنا تو بتادو کہ میری بیوی اور دلدار کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا، وہ کس حد تک سچ تھا۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میری بیوی اتنی بے وفا بھی ہوسکتی ہے۔“

”میں تم سے ابھی ابھی وعدہ کرچکا ہوں کہ اس موضوع پر ہمیشہ اپنی زبان بند رکھوں گا اس لیے تم بھی اس تکلیف دہ ذکر کو بھول جاؤ۔ دلدار کو اپنے کرتوتوں کی سزا مل گئی، تمھیں اس پر مطمئن ہوجانا چاہیے۔“ میں نے ناصحانہ انداز میں گہری سانس کے ساتھ بات گول کرنی چاہی۔

اس نے گلوز کمپارٹمنٹ کھول کر اس میں سے بلیک لیبل کی چپٹی نصف بوتل نکال کر میری گود میں ڈال دی۔ ”ذرا ڈھکّن کھول دو، اس وقت سہارے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔“ بوتل سربند تھی۔

میں نے ڈھکّن کھول کر بوتل اسے تھمادی۔ اس نے قومی شاہراہ کی طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے قدرے وقفے سے دو لمبے گھونٹ اپنے معدے میں اتارے اور بوتل میری طرف بڑھادی۔ ”اسے بند کرکے وہیں رکھ دو۔“

”یہ بداخلاقی ہے۔“ میں نے احتجاج کیا۔ ”ہونٹ تر کرنے کا حق تو مجھے بھی ملنا چاہیے۔“

”ہونٹ تر کرلو! بوتل نہ نچوڑ لینا۔“ اس نے سرسری لہجے میں کہا۔

”میرے اطمینان کے لیے دلدار آغا کا مرجانا کافی نہیں ہے۔“ نیشنل ہائی وے پر آنے کے بعد وہ آہستگی سے بولا۔ شاید اس دوران میں اسکاچ اپنا رنگ جمانا شروع کرچکی تھی۔ ”تم معاملے پر غور کروگے تو اس نتیجے پر پہنچوگے کہ میرا پورے پس منظر سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ تمھاری بات میری سمجھ سے باہر ہے!“ میں نے سرد مہری سے کہا۔

”عورت بے وفائی پر تل جائے تو اسے کھلونا سمجھنے والے کھلونے ہر قدم پر مل جاتے ہیں۔ پھر وہ بانجھ ہے۔ اس کے ذہن میں جرم یا گناہ کا تصوّر بہت دھندلا ہوگا۔ میں کسی بھی طرح اسے یہ بات نہیں جتا سکتا کہ دلدار آغا اپنی شرمناک چیرہ دستیوں کے جرم میں میرے ایما پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ وہ مرگیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ایک کھلونا ٹوٹ جائے تو کھلاڑی دوسرا کھلونا تلاش کرلیتا ہے۔ مجھے ابھی پوری عمر گزارنی ہے۔ میں کس کس کو مرواتا رہوں گا؟ ایسی بے اعتمادی آخرکار مجھ کو ہی ذہنی مریض بنا کر رکھ دے گی۔ اسی لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ زخم نہیں مندمل ہوجائے گا یا اس کے ناسور بننے کا خطرہ بھی موجود ہے؟ اب تم میرے حریف نہیں بلکہ حلیف بن چکے ہو اور کسی کلب کے ذریعے ہماری دوستی مزید مستحکم ہوسکتی ہے۔“

”بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟“ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں سوال کیا۔

”پوچھ لو! اب ان رسمی باتوں میں کیا رہ گیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”تمھاری بیوی بانجھ ہے مگر ریٹا کو اولاد کی آرزو ہے۔ تم اس کے بارے میں...“

”خاموش رہو!“ وہ میری بات کاٹ کر ایک دم کٹکھنے کُتّے کی طرح غُرّانے لگا۔ ”میری نرمی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اسے بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔“

”بیوی سے زیادہ ذاتی معاملہ اور کوئی نہیں ہوتا۔“ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ تم ریٹا کو اپنی بیوی سے زیادہ ذاتی سمجھتے ہو جبکہ ڈی سوزا اسے پوجنے کی حد تک چاہتا ہے۔“

”ان دونوں میں کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔“ وہ بدستور اسی بدمزگی کے ساتھ بولا۔ ”ایک گناہ کے تصور کے بغیر اپنے شوہر کی خوشی کے لیے غلط راستے پر چل پڑی ہے مگر دوسری صرف اور صرف گناہ پر مائل ہے۔ تم دونوں باتوں کو اُلجھا کر بات پھیلانے کی ناکام کوشش کررہے ہو۔“

وہ خود غرضی کی انتہا تھی اور ہر سیاہ کار مرد عموماً اسی مرض میں مبتلا پایا جاتا ہے۔ اسرار کی بیوی کے بارے میں، مَیں نے جو کچھ کہا، وہ میرے ذہن کی پیداوار تھا۔ میں نہ اس عورت سے واقف تھا اور نہ اس کی اچھائیوں اور برائیوں کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ اگر اسرار اور دلدار آغا نے مجھے اپنے بے رحمانہ چنگل میں بے بس نہ کرلیا ہوتا تو شاید میں بھول کر بھی ایسی گھٹیا الزام تراشی کا سہارا نہیں لے سکتا تھا لیکن ان سفّاک درندوں سے اپنی جان بچانے کے لیے مجھے ان دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف مخاصمانہ جذبات اُبھارنے کے لیے دلدار آغا پر وہ گھناؤنا الزام عائد کرنا پڑ گیا جس کی کوئی اصلیت نہیں تھی۔

بفرضِ محال اگر میرا الزام درست بھی ہوتا تو دلدار آغا کو جس طرح ملزم قرار دے کر اسرار نے اسے سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا تھا، اسی طرح وہ بھی ریٹا کے ساتھ مراسم رکھنے کے جرم میں ویسی ہی سزا کا مستحق تھا۔ اگر اس کی بیوی اس سے بے وفائی کررہی تھی تو وہ خود بھی اس سے وفادار نہیں تھا۔ دونوں برابر کے مجرم تھے لیکن عیّاش اسرار خود کو خدمتِ خلق پر مامور ایک مہربان شخص ثابت کرتے ہوئے اپنی بیوی کے حق میں جلّاد بننے پر تُلا ہوا تھا۔

میں نے اس کی بیوی پر مجبوراً تہمت لگا کر جس حد تک پاپ کمالیا تھا، اُس سے آگے اُس کے خلاف کسی سازش میں فریق بننے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے میں نے آہستگی سے کہا۔ ”اونچی پرواز کی کوشش کرنے والوں میں ایسا گند عام طور پر نظر آتا ہے۔ نچلی سطح کے لوگ جب راتوں رات آسودگی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں تو رشتوں اور جذبوں کا ہر احترام گہری نیند سو جاتا ہے۔ تم ڈی سوزا کو اس کی محبت پدری آزمانے کا موقع دے کر شاید نیکی ہی کررہے ہو لیکن میں تمھاری بیوی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے جو کچھ سُنا تھا، وہ تمھیں بتادیا۔ اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ شراب پی کر اس کے بارے میں کوئی مستقل بُری رائے قائم کرنے کے بجائے، اس کے قریب رہ کر اسے پرکھنے کی کوشش کرو ورنہ کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھوگے جس پر زندگی بھر پچھتاتے رہوگے۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ میری بیوی سے تمھارے بھی کچھ دوستانہ مراسم ہیں؟“ اس کی آواز میں طنز کا زہر بھرا ہوا تھا۔

”اب اس معاملے میں، مَیں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔“ میں اپنی برہمی پر قابو نہیں رکھ سکا۔

”تم کہاں رہتے ہو؟“ کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد آخرکار اسرار نے ہی سکوت توڑا تھا۔

”تم مجھے کسی کلب میں اتار دینا۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”وہاں سے اپنا بندوبست کرلوں گا۔“

”میرا کام آسان ہوگیا۔“ وہ بوجھل انداز میں ہنس پڑا۔ نیٹ وِسکی کے دو لمبے گھونٹ اس پر اپنا اثر دکھا رہے تھے۔ ”وہاں ریٹا میری منتظر ہوگی۔ مگر وہاں کے لیے تمھارا حلیہ بہت خراب ہے۔“

”تم پارسن کو پیغام دے دینا، وہ مجھے کار کے اندر ہی کوئی ایسا اوور کوٹ وغیرہ بھجوادے گی کہ میں خود کو چھپا کر کسی رہائشی کمرے میں پہنچ جاؤں گا۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”شی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟“ نشہ ہوجانے کے بعد وہ بولتے رہنا چاہ رہا تھا۔

”خوفناک بین الاقوامی ریکٹ ہے جس کا سربراہ اٹلی میں رہتا ہے۔“

”اور وہ ویرا لائیڈ کون ہے جس کا نام سُن کر دلدار آغا بوکھلا گیا تھا؟“

”شی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی بیٹی ہے اور کسی بھی وقت پاکستان پہنچنے والی ہے۔“

”پھر میری فیکٹری کا کیا ہوگا۔ قانونی طور پر تو اس میں میرا کچھ بھی نہیں ہے اور نہ ہی میں وہاں جاتا رہتا تھا۔ سب کچھ دلدار آغا کے نام پر اسی کی تحویل میں تھا۔“

”وہاں سے جو کچھ نکال سکتے ہو، نکال لو۔ اس کے بعد تو ہر چیز سرکاری تحویل میں چلی جائے گی۔ جو کچھ سرکار سے بچے گا اس پر دلدار آغا کا کوئی جانشین قابض ہوجائے گا۔“

”اس کا جانشین؟“ اسرار نے حیرت اور بے یقینی سے دُہرایا۔

”دلدار آغا جیسے لوگوں کی موت سے ریکٹ ختم نہیں ہوتے۔ جلد یا بدیر اس کی جگہ کسی اور کو نامزد کردیا جائے گا اور وہ شی کے سارے مفادات کی دیکھ بھال کرے گا۔“

وہ راستے بھر مسلسل بولتا رہا۔ مجھے اس کی کیفیت کا اندازہ تھا اس لیے خاموشی اختیار کرکے اسے مشتعل کرنے کے بجائے میں بھی اس کا ساتھ دیتا رہا۔

رات ڈھل رہی تھی لیکن اتنا بھی وقت نہیں گزرا تھا کہ شہر کی سڑکوں پر ویرانی راج کرنے لگتی مگر وہ شہر کی تاریخ کا ایک سیاہ دن تھا۔ دلدار آغا نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے منظم پیمانے پر شہر میں دہشت گردی کرا کے افواہوں کے زور پر لسانی فسادات کی بھیانک آگ بھڑکادی تھی۔ شارعِ فیصل کے اطراف میں واقع آبادیوں سے اس وقت بھی کثیف دھوئیں کے بادل امڈ رہے تھے، کہیں کہیں آگ بھی بھڑک رہی تھی۔ خوبصورت اور کشادہ شاہراہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ بس اِکّا دُکّا گاڑیاں نظر آجاتی تھیں یا پھر پولیس اور نیم فوجی دستوں کی ہلکی اور بھاری گاڑیاں سڑک پر نقل و حرکت میں مصروف تھیں۔ راستے میں ہمیں ایمبولنس

گاڑیاں بھی آندھی اور طوفان کی رفتار سے رواں دواں نظر آئیں۔ ان کے سائرن خاموش تھے مگر گردش کرتی ہوئی تیز روشنیاں ماحول کو پُرہول بنا رہی تھیں۔ سائرن شاید اس لیے بند رکھے گئے تھے کہ ان کی گزرگاہوں پر آباد لوگوں کو شہر میں ہونے والی ہولناک خونریزی کا صحیح اندازہ نہ ہوسکے مگر وہ جانتا تھا کہ وہ احمقانہ انتظامی تدابیر تھیں۔ شہر کے رہنے والے آئے دن کے ہنگاموں کی بھٹی میں تپ کر اتنے تجربے کار ہوگئے تھے کہ انتظامیہ کی پُراسرار خاموشی اور رازداری کے باوجود سینہ گزٹ کے ذریعے پھیلنے والی خبروں سے ٹھیک ٹھاک صورتِ حال سمجھ لیتے تھے۔

اسرار کچھ دیر پہلے تک دلدار آغا کا دوست اور اس کا پُشت پناہ تھا لیکن اس وقت شہر کی تاراجی اور ویرانی پر بہت زیادہ افسردہ نظر آرہا تھا۔ نشے کی جھونک میں اس کی افسردگی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ شاہ فیصل کالونی کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھ سے بلیک لیبل کی بوتل مانگی مگر میں نے نرمی سے اسے ٹال دیا۔ اگر میں خود اس کی گاڑی میں موجود نہ ہوتا تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی کہ وہ نشے میں دُھت ہو کر اپنی کار اگلے پُل کی ریلنگ سے نیچے گراتا یا سڑک سے لیول کراسنگ عبور کرنے والے دیو ہیکل فولادی انجن کے نیچے گھسیٹر دیتا۔

"تم میری شادی میں آؤ گے نا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر ترنگ میں بولا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری بے خبری میں میری کھوپڑی پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس کی زبان سے اس وقت ایک بالکل ہی نئی اور بظاہر انہونی بات نمودار ہوئی تھی۔

"تو کیا تم ابھی تک کنوارے ہو؟" میں نے اندھیرے میں اُسے گھورتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

"چار... چار کر سکتا ہوں۔" اس کی آواز سے غرور جھلک رہا تھا۔ "وہ مسلمان ہونے میں کسمسا رہی ہے۔ جس دن بھی لائن پر آگئی، نکاح کرلوں گا۔ اس کے لیے گلشن میں نیا اور سجا سجایا فلیٹ بھی لے چکا ہوں۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"شاید تمھیں چڑھ گئی ہے۔" وہ اُلٹا مجھ پر اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی ابھی بتایا تھا اور پھر پوچھ رہے ہو کہ وہ کون ہے؟"

"معاف کردو! مجھے جلدی نشہ ہوجاتا ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرلیا۔

"اولاد کی خواہش نے ہم دونوں کو ایک ہی راستے پر ڈال دیا ہے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس تذکرے پر وہ اپنے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "ریٹا میری خاطر ڈی سوزا کو چھوڑنے پر آمادہ ہے۔ وہ بہت اچھی اور خوبصورت عورت ہے۔ میں بھی اسے چاہنے لگا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ ایک غیر مسلم عورت سے شادی پر دل مائل نہیں ہوتا۔ جس دن وہ مسلمان ہوگئی میں اسے گلشن میں بسالوں گا۔"

"اور آج کل تمھارے جو مراسم چل رہے ہیں اس میں ریٹا کا مذہب آڑے نہیں آتا؟"

"ارے، دوستی کا کیا ہے؟ وہ تو کسی سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اس نے مذہب نہ بدلا تو مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ میرے بچّوں کو اپنے اثر سے عیسائی بنالے گی۔" فقرہ مکمل کرکے اس نے ایک ہچکی لی اور میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورتا رہ گیا۔

وہ نشے میں مست ہو کر ایک شادی شدہ، پرائی عورت کو ورغلانے کے لیے بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مذہب کا نام استعمال کر رہا تھا۔ مذہب کا اس قدر استحصال، اس لمحے سے پہلے کبھی میرے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

"تم نے کبھی یہ غور کیا کہ تمھاری اور ریٹا کی اس دوستی میں مسٹر ڈی سوزا کی کتنی حق تلفی ہو رہی ہے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اسرار سے سوال کیا۔

"حق تلفی!" وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "کون کس کی حق تلفی کر رہا ہے، یہ حساب لگانا بہت مشکل ہے۔ ایک عورت شادی اس لیے نہیں کرتی کہ وہ تنہا ہوتی ہے اور اسے اپنی خلوت میں ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کے پس پشت عورت کی وہ جبلّی خواہش کارفرما ہوتی ہے کہ اسے ماں بنایا اور سمجھا جائے۔" نشے کی جھونک میں وہ پُرزور انداز میں دلائل دینے پر تُل گیا تھا۔ "اسے تم یوں سمجھو کہ کسی مکان کی دو منزلوں کو ملانے کے لیے زینہ بنایا جاتا ہے۔ دوسری منزل بنی ہوئی ہو تو زینے کی بھرپور افادیت ہوتی ہے اور اگر زینے کے اختتام پر کھلی چھت اور نیلے آسمان کا سایہ ہو تو زینے کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ اکیلی عورت اور ماں۔ یہ ایک عورت کی ذات کی دو منزلیں ہیں جن کے درمیان شوہر کی ذات کا زینہ ہونا ضروری ہے لیکن اس زینے کو طے کرکے اگر ممتا کی پیاس نہ بُجھائی جاسکے اور اس پر وہی کھلے آسمان کا سایہ ہو جو شادی سے پہلے بھی تھا تو اس زینے کی کوئی افادیت باقی نہیں رہتی۔ دیمک یا زنگ اس زینے کو چاٹ جاتا ہے۔ ریٹا تو ایک عظیم عورت ہے جو ڈی سوزا کو اتنے عرصے سے برداشت کرتی چلی آرہی ہے۔"

"تمھاری چھت پر بھی کھلے آسمان کا سایہ ہے!" میں نے

معنی خیز لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "ایسی صورت میں تمھاری کیا افادیت رہ جاتی ہے؟"

"بنیادیں کمزور ہوں تو زینے سے اوپر کھلا آسمان ہی جھلملاتا رہتا ہے۔ اوپر کوئی اور سایہ فراہم نہیں کیا جاسکتا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میری بیوی بانجھ ہے لیکن ریٹا..."

"بار بار موازنہ نہ کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مرد کی ذات بہت خود غرض ہوتی ہے۔ مرد جب بھی کچھ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ہزار حیلے اور بہانے تراش لیتا ہے۔ تم اس سے مستثنیٰ نہیں ہو۔"

"تم جو چاہو سوچتے رہو اور اپنی ایسی کی تیسی میں جاؤ۔" وہ جھلاّ گیا۔ "تم کون سے میرے باپ ہو کہ میں اپنے فیصلے کے کسی جواز کے بارے میں تمھیں مطمئن کرتا پھروں؟"

"بالکل بالکل۔" میں نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ "تم اپنی مرضی کے مالک ہو، جو چاہو، کرتے پھرو۔ لیکن پھر بھی میں ایک بات ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"بکو!" وہ غرّایا۔ "پتا نہیں، تمھیں دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کیا مرض ہے؟"

"دراصل دلدار آغا کی موت کے بعد میرے اور تمھارے درمیان خود بخود ایک تعلق قائم ہوگیا ہے جو مجھے بار بار بولنے پر اُکسا رہا ہے ورنہ میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے سرکاری افسر ہو اور میرے اور تمھارے درمیان ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے دوستانہ مراسم رکھنے پر مجبور کرسکے۔"

"پھر بکواس شروع کردی تم نے!" وہ غرّایا۔ "جو پوچھنا چاہتے ہو، وہ پوچھو اور پھر خاموش ہو کر مجھے سوچنے دو، میرے سامنے بھی اپنے کچھ مسائل ہیں۔"

"تم اپنی بیوی کو چھوڑ کر ریٹا سے شادی کرنا چاہتے ہو یا..."

"میں تو دونوں کو رکھوں گا۔ اگر اس نے کسی اور کو تاڑ رکھا ہے تو دوسری بات ہے... آخر تم اس بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو؟ وہ تمھاری بہن تو نہیں ہے؟"

"دلدار آغا کے بارے میں میں نے تمھیں آگاہ کیا تھا اس لیے اخلاقی طور پر میں خود کو اس معاملے میں ملوّث محسوس کر رہا ہوں۔ کسی کا گھر آباد کرانا بہت مشکل کام ہے لیکن ذرا سی لگائی بُجھائی سے کسی کا بھی ہنستا بستا گھر آسانی کے ساتھ اُجاڑا جاسکتا ہے۔"

"تمھیں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا۔ "میرے لیے تم اتنے اہم نہیں ہو کہ میری ازدواجی زندگی کے بارے میں کسی فیصلے پر اثر انداز ہوسکو۔ تم نے دلدار آغا کو بے نقاب نہ کیا ہوتا، تب بھی میں ریٹا سے شادی پر تُلا ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب پہلے کے مقابلے میں، اس بارے میں میرے ذہن پر زیادہ دباؤ نہیں رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تمھارے سوال کا معقول جواب ہے اور اب تم کِلب پہنچنے تک خاموش رہ کر مجھے سوچنے کا موقع دو گے۔"

اور میں واقعی خاموش ہوگیا۔

اس کی وضاحتوں نے میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا ورنہ میرے لیے وہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں نے محض اپنی جان بچانے کے لیے ایک جوڑے کے درمیان بے بنیاد کدورتوں کا ایک ایسا بیج بو دیا تھا جس کے نتیجے میں کوئی بھی بدترین ازدواجی المیہ جنم لے سکتا تھا۔

میں اپنی نشست پر چپ چاپ بیٹھا رہا اور اسرار رضوی سڑک پر نظریں جمائے، پُرخیال انداز میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔ اس پر اسکاچ کا سُرور مسلط ہوچکا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے اور پیشانی کی شکنوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آنے والے لمحات کے بارے میں خاصا فکرمند تھا۔

❋

"پھر تو قصّہ ہی ختم ہوگیا۔" میری کہانی سُن کر سینڈو نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ تمھارا خیال ہوسکتا ہے، میرے لیے تو کہانی اب شروع ہوئی ہے۔" میں نے اپنی قمیص کے بٹن لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "دلدار آغا کے مارے جانے کے بعد کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا اس طرح یہ قصّہ کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اسے ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کی جڑ پر کاری ضرب لگائی جائے۔"

"تو کیا یہاں ڈی ڈی پر بھی کوئی اور مامور تھا؟" شی کے بارے میں سینڈو کی معلومات محدود اور بہت زیادہ ناکافی معلوم ہوتی تھیں۔

"پاکستان میں ڈی ڈی، شی کے سیاہ و سفید کا مالک تھا لیکن وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے کسی کو جواب دہ تھا جو آج بھی اٹلی یا یورپ کے کسی اور ملک میں دندنا رہا ہوگا۔ دلدار آغا کی موت کی خبر ملتے ہی وہ اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کردے گا اور وہ نئے دم خم کے ساتھ ہمارے مقابل آجائے گا۔"

"پھر بھی، یہ بات کم اہم نہیں ہے کہ اسرار رضوی نے تمھارے ہاتھوں دلدار آغا کو ہلاک کرادیا۔ اس طرح کم از کم اسرار تو شی کے حامیوں کی فہرست سے باہر ہوگیا ہے۔"

"لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ شی کا وفادار ہوتے ہوئے بھی کِلب کا ممبر تھا اور تم اسے مافیا کے ہمدردوں میں شمار کرتے تھے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔

"غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اب اس کے مستقبل کا فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ تم چاہو تو آج رات وہ ریٹا کے کمرے سے زندہ

نہیں لوٹ سکے گا۔" سینڈو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہم اتنے غافل کیوں ہیں؟" میں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔ "دشمن کا ایک آدمی ہمیں ڈبل کراس کر رہا تھا اور ہم اس کے وجود اور سرگرمیوں سے بے خبر تھے۔"

"یہ میرا قصور ہے۔" سینڈو نے گہری سنجیدگی کے ساتھ اعتراف کیا۔ "تم چاہو تو مجھے اس جرم کی سزا میں مافیا سے نکال سکتے ہو یا میری موت کا پروانہ جاری کر سکتے ہو۔ ہر دو صورتوں میں تم مجھے پوری طرح سعادت مند پاؤ گے۔"

میں منہ بنا کر رہ گیا۔ بظاہر وہ اپنی سعادت مندی کا اظہار کر رہا تھا لیکن درحقیقت وہ ایک طرح کا چیلنج تھا اور وہ مجھے جتانا چاہ رہا تھا کہ اسے سزا دے کر، یا ہلاک کر کے میں اپنا روزمرّہ کا کام نہیں چلا سکوں گا۔ "تم جانتے ہو کہ مجھے اپنا کام چلانے کے لیے تمہاری ضرورت ہے اس لیے تمہاری یہ پیشکش ڈھٹائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہاں تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ارکان کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا ذمّے دار ہوگا۔"

"کلب میں موجود عملے کی ذمّے داری صرف اتنی ہے کہ یہاں آنے والے لوگوں کو ہر طرح سے خوش رکھیں اور ہدایات کے مطابق ان کی اخلاقی کمزوریوں کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ تیار کر کے میرے حوالے کرتے رہیں۔ ممبروں کے بارے میں سفارشات وغیرہ میں خود جاری کرتا ہوں جن کا انحصار میری اپنی اور میرے ماتحتوں کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر ہوتا ہے۔ اس بارے میں کسی اور کو ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

اس وقت ہم دونوں پارسن کے آراستہ رہائشی کمرے میں موجود تھے۔ اسرار رضوی نے مجھے کار میں چھوڑ کر، اندر پارسن کو پیغام پہنچا دیا تھا اور فوراً ہی سینڈو میرے لیے اوور کوٹ اور ایک چادر لے آیا تھا۔ چادر میں خود کو چھپا کر میں اطمینان سے پارسن کے کمرے میں پہنچا تھا جہاں سینڈو نے مجھے لباس بھی فراہم کر دیا تھا کیونکہ جوکنڈی کے علاقے میں دلدار آغا سے آخری معرکہ سر کرتے ہوئے میرے لباس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔

میرے ساتھ جو واقعات رُونما ہوئے تھے، ان پر میری طرح سینڈو بھی مطمئن تھا۔ اسے کبھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اسرار کا شی سے بھی کوئی تعلق رہا ہوگا اور یہی ایک نکتہ ایسا تھا جس کے سہارے میں اسے دبا سکتا تھا۔ دوسری طرف سینڈو کو اس امر پر خاصی حیرت بھی تھی کہ میں نے بدترین صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود ان دونوں کے درمیان نفاق کا ایسا بیج بو یا تھا کہ اسرار اپنے جگری دوست کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔

"چیف دو بار فون کر چکا ہے۔" خاصی طویل ندامت آمیز خاموشی کے بعد سینڈو نے آہستگی سے کہا۔ "وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔"

"تم نے تو اسے بریف کر ہی دیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بدقسمتی سے دونوں بار میری اس سے بات نہیں ہو سکی کیونکہ اس نے میرے بارے میں دریافت ہی نہیں کیا تھا۔ اس نے پارسن سے صرف تمہارے بارے میں معلوم کیا تھا۔" اس نے کہا۔

"تمہارے پاس اس کا نمبر ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں!" میں نے اندازہ لگایا۔ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ "ضرورت کے وقت وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرتا ہے اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ضرورت پڑنے پر یا ہمارے آڑے وقت پر اس نے رابطہ قائم نہ کیا ہو۔ اسے کہیں نہ کہیں سے خبریں مل ہی جاتی ہیں..."

"تمہیں ملنے میں کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔" میں نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "آج پورے شہر کی زندگی درہم برہم ہے۔ ہر طرف قتل و غارت گری کا راج ہے، افواہوں کا کاروبار زوروں پر ہے۔ اس نے ان ہی چیزوں سے کوئی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ صبح میں اسے بتا چکا تھا کہ میں ڈی ڈی کی راہ پر لگا ہوا ہوں۔ اس وقت اس نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں ڈی ڈی کے دھوکے میں کسی غیر متعلقہ آدمی پر اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔"

"سچ پوچھو تو خود مجھے بھی خدشہ تھا کہ تم غلط سمت میں وقت ضائع کر رہے ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے تو حیرت انگیز تیزی کے ساتھ پوری بساط ہی لپیٹ دی۔ آج صبح جب تم مجھے ہدایات دے رہے تھے تو مجھے شبہ تھا کہ اپنی برتری ثابت کرنے کے چکر میں تم غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔"

"اب تم جاؤ، تھوڑی دیر میں میں اندر آؤں گا۔ اسرار میرے بارے میں تم سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس پر اپنی رائے کا اظہار نہ کر بیٹھنا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے اس حد تک مرعوب ہو جائے کہ میرے ایک اشارے پر ہر وہ بات اگلتا چلا جائے جو میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو، اسے میں سنبھال لوں گا۔" وہ وہاں سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے وہیں سے جہانگیر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی سلمیٰ نے ریسیور اٹھایا تھا۔ اس کی آواز دھیمی اور پُرسکون تھی۔

"جہانگیر کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بہتر ہیں اور اب ہوش میں آ چکے ہیں۔" میری آواز پہچانتے

ہی اس کے لہجے میں بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔ "تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں کام میں مصروف ہوں، میرے لیے کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟"

"تھوڑی دیر پہلے سلطان شاہ کا فون آیا تھا۔ وہ تمہاری طرف سے فکرمند تھا۔"

"اب کہاں ہے وہ؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"جب اس نے فون کیا تو وہ تمہارے شرف آباد والے فلیٹ کے قریب تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اب وہ واپس اپنے گھر چلا گیا ہوگا۔ صبح فلیٹ پر تم سے ملنے آئے گا۔" اس نے بتایا۔ "اب تم کب تک مصروف رہو گے؟ جہانگیر بھی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اس سے کہو کہ آرام سے سو جائے، میں واپس اپنے فلیٹ پر جاؤں گا۔ اس سے کل دن میں کسی وقت ملاقات ہوگی۔ اس ہنگامے کے بعد مجھے اور بھی کئی معاملات نمٹانے ہیں۔ غزالہ رابطہ قائم کرے تو اسے فوراً اپنے پاس بُلا لینا کیونکہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے اس کے پاس صرف تمہارا ہی پتا اور فون نمبر ہے۔ وہ کہیں اور بھٹکتی رہی تو نئی دشواریوں سے دوچار ہو سکتی ہے۔"

"وہ اس شخص کی قید سے نکل چکی ہے تو اب کہاں غائب ہے؟ اسے تو پہلی فرصت میں تم سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔" سلمیٰ کو غزالہ کے بارے میں اپنی پرخاش کے اظہار کا موقع مل گیا۔

"آ جائے گی۔" میں نے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے ابھی تک دلدار آغا کی موت کا علم نہ ہوا ہو اور شاید تمہیں بھی معلوم نہ ہو کہ دلدار آغا لیاقت آباد والے حادثے میں مرا نہیں تھا۔"

"تمہارا تو خیال تھا کہ بلوائیوں نے اس کی تکا بوٹی کر ڈالی ہوگی۔"

"خیال ضرور تھا لیکن وہ غلط ثابت ہوا۔ آج اس نے تھوڑی دیر قبل مجھے اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میں بچ نکلنے اور اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا ورنہ وہ مجھے پیس ڈالنے پر تُلا ہُوا تھا۔"

سلمیٰ کے لیے یہ اطلاع حیران کُن ثابت ہوئی تھی۔ اس پر کچھ دیر تک تبادلۂ خیال کرنے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آئینے میں دیکھ کر ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اس لیے کلب کے احاطے میں چند گاڑیاں رہ گئی تھیں۔ میں اندر داخل ہوا تو اتفاق سے سب سے پہلے شوچان ہی سے سامنا ہوا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے چہرے پر ندامت کے آثار پھیل گئے اور وہ احترام آمیز انداز میں میرے سامنے جھکتی چلی گئی۔

"اپنا کام کرو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "سینڈو کدھر ہے؟"

"وہ اوپر گیا ہے۔" شوچان آہستگی سے بولی۔ "مس پارسن نیچے ہے۔ اس وقت اس فلور پر میرے اور آپریٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"مہمان کہاں ہیں؟"

"مس ریٹا اور مسٹر دلدار اوپر ہیں، تہ خانے میں دو جوڑے کارڈز کھیل رہے ہیں، ان کے علاوہ باقی لوگ جا چکے ہیں۔ آج ویسے بھی ورکنگ ڈے تھا اس لیے حاضری بہت کم تھی۔"

میدان خالی ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس وقت فضا میں اسکاچ اور تمباکو کے دھوئیں کی بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے کہیں اور جانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہیں ایک صوفہ سنبھال لیا۔

"مجھے افسوس ہے باس!" میرے بیٹھ جانے کے بعد شوچان نے نظریں جھکا کر مجرمانہ احساس کے ساتھ دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں پہچان نہیں سکی تھی۔"

اپنے نیم برہنہ اور شوخ لباس کے باوجود وہ اس وقت بہت معصوم نظر آ رہی تھی۔ "تمہیں متاسّف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تعارف سے پہلے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے فرائض پوری توجہ اور ایمانداری سے سرانجام دیتی ہو۔ یہاں آنے والے مہمان کلب کے عملے سے اسی معیار کی فرض شناسی کی توقع رکھتے ہیں۔"

"میں تہ دل سے تمہاری ممنون ہوں۔ ایسے فراخ دل مالک خوش نصیبوں کو ہی ملتے ہیں۔ تم کچھ پینا پسند کرو گے؟"

"فی الحال ایک پیالی گرم گرم کافی لے آؤ۔" میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔

شوچان کے جاتے ہی مس پارسن ٹُھمکتی ہوئی وہاں آ پہنچی۔ اس کے ہونٹوں پر اس کی وہی مخصوص سرجیکل مسکراہٹ سجی ہوئی تھی جو پہلی نظر میں مجھے بہت دلکش محسوس ہوئی تھی لیکن اس کی اصلیت معلوم ہونے کے بعد مجھے پارسن پر ترس آنے لگا تھا۔ وہ اس کی بے بسی اور پیشہ ورانہ مجبوری کی انتہا تھی کہ اس نے اپنے قدرتی خدوخال میں تبدیلی کرا کے اپنے لبوں پر مسکراہٹ کا بہروپ سجایا ہوا تھا۔

"سوری باس!" اس نے آتے ہی خوش دلی کے ساتھ کہا تھا۔ "میں نے سُنا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد تم ناخوشگوار صورتِ حال سے دوچار ہو گئے تھے۔"

"کیا تمہیں پورے واقعات کا علم ہے؟" میں نے ٹٹولنے والے

انداز میں سوال کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مس پارسن کا اظہارِ افسوس مجھے ناگوار گزرا تھا اور میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ سینڈو نے اس واقعے کی کتنی تشہیر کی تھی۔

"نہیں!" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "اسرار نے جب بتایا کہ تم اس کی گاڑی میں کسی اوور کوٹ وغیرہ کے منتظر ہو تو میں نے بھانپ لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔"

"تمہیں سینڈو نے کچھ نہیں بتایا؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے پوچھا۔

"وہ پورا بلڈاگ ہے۔" پارسن ہلکی سی جھرجھری لے کر بولی۔ "کسی کو کچھ نہیں بتاتا اور اگر سوال کیا جائے تو غرانے لگتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اب ہمارا براہِ راست واسطہ تم سے رہے گا۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ کلب کی براہِ راست دیکھ بھال اسی کے ذمے رہے اس لیے تمہیں محتاط زبان استعمال کرنی چاہیے۔ سینڈو بہرحال تم سب سے سینئر ہے۔"

"ہم سب اس کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "بلڈاگ کا خطاب میرا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ جب وہ تھوڑی سی پی لیتا ہے تو فخریہ خود کو بلڈاگ کہنے لگتا ہے۔"

"وہ یہاں تم لوگوں کے ساتھ شراب بھی پیتا ہے؟" میں نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارے ساتھ نہیں لیکن یہاں پی لیتا ہے۔ اس سے براہِ راست صرف میرا تعلق رہتا ہے۔ وہ دوسری لڑکیوں کو منہ نہیں لگاتا بلکہ ان کی تحقیر کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔"

اسی لمحے شوچان ایک چھوٹی سی نقرئی ٹرے میں بھاپ اڑاتے ہوئے پانی کے ساتھ کافی کے لوازمات لے آئی۔

مس پارسن میرے لیے کافی بنا رہی تھی کہ زینوں کی طرف سے ملی جلی مردانہ اور زنانہ آوازیں سنائی دیں پھر ایک سریلا قہقہہ فضا میں گونجا اور چند ثانیوں بعد دو جوڑے راہداری میں نظر آنے لگے۔ دونوں مرد وجیہہ اور دراز قامت تھے۔ ان کے کرخت نقوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر وہ اعلیٰ سرکاری عہدے دار نہیں تھے تب بھی زندگی کے کسی کامیاب ترین شعبے میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

دونوں عورتیں اپنی وضع قطع سے مغربی طرزِ زندگی کی دلدادہ نظر آ رہی تھیں۔ وہ اونچی آوازوں میں گفتگو کرتے ہوئے جس طرح ہنس رہی تھیں اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی کھوپڑیوں پر الکحل کا خمار سوار تھا۔

مس پارسن کافی کی پیالی میرے سامنے رکھ کر معذرت کرتی ہوئی اٹھی اور رقص خانے سے برآمد ہونے والے جوڑوں کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے شاید رسمی انداز میں ان چاروں کو الوداع کہا تھا پھر دروازے سے نکلنے سے پہلے ان میں سے سفید تر بالوں والے ایک شخص نے اچانک مس پارسن کو اپنے داہنے ہاتھ میں سمیٹ لیا۔ دونوں عورتیں وہ منظر دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگیں پھر وہ چاروں پارسن کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

مس پارسن غیر ارادی طور پر اپنے بال درست کرتے ہوئے ہماری طرف واپس آئی تھی۔ مسکراہٹ تو خیر اس بے چاری کی مجبوری تھی لیکن اپنی توہین پر اس کی تیوریوں پر ذرا بھی بل نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے جانے والی عورتوں کی طرف سے کی جانے والی تذلیل کو وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کا جزو سمجھ کر نظر انداز کرتی رہی ہو۔

"یہ دونوں بیویاں تھیں یا داشتائیں؟" وہ برداشت کر گئی تھی لیکن میں اس کی توہین کو آسانی سے سہہ نہ سکا اس لیے اس سے وہ تلخ سوال دریافت ہی کر لیا۔

"ایک بیوی تھی، دوسری کو جو دل چاہے سمجھ لو۔" وہ مسکراتے ہوئے خوش خلقی کے ساتھ بولی۔ "سفید بالوں والا شہر کا ایک ایسا افسر تھا جس کا نزلہ اور زکام بھی شہر کے امن و امان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی یہاں آتا ہے لیکن اس کا ساتھی ایک صنعت کار تھا جو اپنی پہلی اور اصلی بیوی کو اپنی کوٹھی کے دریچوں میں قید رکھتا ہے لیکن دوسری نام نہاد بیوی کو تحفے کے طور پر سرکاری اہل کاروں کی نذر کرتا رہتا ہے اور اس کے بل بوتے پر ناقابلِ تصور فائدے حاصل کر لیتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور شاید اسی افسر نے جاتے جاتے تمہیں اپنے بازو میں سمیٹنے کی کوشش کی تھی؟" میں نے پارسن سے وہ سوال کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ بے پروائی سے بولی۔ "میرا کیا گھس جاتا ہے۔ وہ خوش ہو کر چلا گیا اور اب اگلی بار نئی امیدیں لے کر یہاں آئے گا۔ معاف کرنا، تم میرے باس ضرور ہو لیکن ہائی فلائی سوسائٹی کے رواج سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہو۔ یہ ایک بہت کشش انگیز اور طاقت ور گرداب ہے۔ باہر کھڑے ہو کر دیکھو گے تو تمہیں اندر ہزار عیب نظر آئیں گے لیکن ایک بار تم اس دوڑ میں شامل ہو گئے تو پھر اس گرداب سے باہر تمہیں زندگی بے رنگ اور بے کیف نظر آئے گی۔"

'ہائی فلائی سوسائٹی!' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ 'جسے زندہ رکھنے اور پروان چڑھانے کے لیے پارسن اور شوچان جیسی لڑکیوں کے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔'

"اس سوسائٹی میں تمہارا مقام اور کردار کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اس بھیڑ میں ہر شخص راتوں رات مادی ترقی کی معراج پا لینے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ جو کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ معززین کہلاتے ہیں اور جو ٹھوکریں کھانے لگیں، وہ میری طرح سمجھوتوں پر اتر آتے ہیں لیکن دونوں صورتوں میں وہ اسی گرداب میں پھنسے رہتے ہیں۔ اس ماحول میں زندگی اتنی رنگین اور سہل ہے کہ ایک بار اس کا مزہ لگ جائے تو پھر کوئی اپنی خوشی سے نہیں چھوڑتا۔ طاقتور، مال دار، با اختیار اور فیاض لوگوں کی صحبت میں زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہر خواہش اتنی آسانی سے پوری ہو جاتی ہے کہ اپنے اوپر کبھی کبھی رشک آنے لگتا ہے۔ میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن میں بڑے اعتماد سے دعویٰ کر سکتی ہوں کہ میرے دل میں کوئی حسرت باقی نہیں رہی ہے۔ میں نے یہ راستہ منتخب نہیں کیا ہوتا تو بنکاک اور سنگاپور کے نائٹ کلبوں کے ایجنٹ دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے ٹھکانے کے عوض، برسوں پہلے میرے وجود کو ایک بے رونق اور کھوکھلے ڈھانچے میں بدل چکے ہوتے۔"

"اجازت ہو تو دروازے، کھڑکیاں اور فالتو روشنیاں بند کرا دی جائیں؟" اسی وقت ایک نئی لڑکی نے ہماری گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بہت ادب کے ساتھ پارسن سے سوال کیا۔

"ہاں!" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں گے۔ شاید تمہارا باس سے تعارف نہیں ہوا۔" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی وہ لڑکی احتراماً تقریباً رکوع کی حد تک جھک گئی۔

"اور یہ شی کاوا ہے... مس شی کاوا۔" پارسن نے تعارف مکمل کراتے ہوئے کہا۔

"یہ جتانا بے سود ہے، میں جانتا ہوں کہ یہاں کام کرنے والیاں مس ہی ہوں گی۔ ایسے آزاد پیشوں میں شوہروں والیاں چل ہی نہیں سکتیں۔" شی کاوا کے چلے جانے کے بعد میں نے ہنس کر کہا۔ میں دانستہ مس پارسن کے ساتھ اپنے مراسم کو دوستانہ راہ پر ڈال رہا تھا کیونکہ میری دانست میں وہ آگے چل کر کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

اسی لمحے ٹیلی فون پر آپریٹر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "باس! تمہاری کال ہے۔ دوسری طرف سے چیف بول رہا ہے۔"

"ادھر ملا دو!" میں نے مس پارسن کی ڈیسک کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ "اور تم دونوں چھٹی کرو، مجھے جس کی ضرورت ہوگی، اسے بلا لوں گا۔"

میں نے ریسیور اٹھایا تو وہ دونوں تیز قدموں سے واپس جا رہی تھیں۔ مس شی کاوا گراؤنڈ فلور کے ایک دور افتادہ حصے میں کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے فاضل روشنیاں بجھانے میں مصروف تھی۔

"ہیلو! شوٹر اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور سنبھال کر دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے کمال کر دکھایا ہے شوٹر!" دوسری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کی پرجوش آواز سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے اندازوں کی تردید کرتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کرنے میں عجلت سے کام لیا تھا..."

"کوئی بات نہیں، ایسا ہو جاتا ہے۔ تم نے مجھے ایک ہفتے کا وقت دیا تھا لیکن میں نے دن گزرنے سے پہلے اپنا کام پورا کر لیا اور اس پورے کھیل میں ہم نے شاید صرف عجائب گل خان کو کھویا ہے۔ لیکن میں ماجے کو معاف نہیں کروں گا۔ اسے میرے آدمی پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

"گڈ!" اس کی تحسین آمیز آواز ابھری تھی۔ "سینڈو میں اس حوصلے کی کمی ہے۔ تمہاری جگہ وہ ہوتا تو عجائب گل کی موت کو خاموشی سے برداشت کر گیا ہوتا۔"

"چور اچکوں پر اپنی طاقت اور اختیار کا مظاہرہ کیے بغیر نہ ہم اپنی ساکھ بنا سکتے ہیں اور نہ چھوٹے مجرموں پر اپنی دھاک بٹھا سکتے ہیں۔" میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا کیونکہ حبیب جیوانی نے اپنی ہرزہ سرائی کے معاملے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے گفتگو کا رخ سینڈو کی طرف موڑ دیا تھا تاکہ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے وہ خود کو مزید خفت اور ندامت سے محفوظ رکھ سکے۔

"تم نے آتے ہی اپنے وجود کو منوا لیا ہے۔" اس کا لہجہ بدستور ستائشی تھا۔ "تمہارا مضبوط سہارا پا کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب میں جلد ہی اس علاقے میں خود مختار ڈان کا منصب حاصل کر لوں گا اور پھر مجھے باہر سے کسی کی خوشنودی یا مدد کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔"

"یہ تمہارا اور اوپر والوں کا معاملہ ہے کہ وہ پوری صورتِ حال کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں۔ مجھے تم ہر جگہ اور ہر وقت بیدار اور مستعد پاؤ گے۔ تم سے دوستی کی ہے تو اب آخر تک اس کو نبھاؤں گا۔"

"سینڈو سے پتا چلا تھا کہ تمہاری مسلسل مار سے ڈی ڈی کا دماغ الٹ گیا تھا اور آخر کار وہ لیاقت آباد میں ایک مشتعل ہجوم کے نرغے میں پھنس کر مارا گیا۔ فسادات کی جو آگ اس نے اپنی سازش سے بھڑکائی تھی، وہ خود اسی کے شعلوں میں جل کر راکھ ہو گیا۔" اس کی آواز ابھری۔

"محسوس یہی ہوا تھا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے اتنی بری طرح زد و کوب کیا گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے تھے لیکن وہ سخت جان درندہ پھر بھی وہاں سے فرار ہو کر بقتہ ... بینڈ

میں اپنے ایک دوست کے گھر میں پناہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔ شاید تمھیں یہ جان کر حیرت ہو کہ دلدار آغا نے اپنے دوست کی مدد سے تھوڑی دیر قبل مجھے اپنا قیدی بنالیا تھا۔ میں بڑی مکاری اور چال بازی سے خود کو بچا کر اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھ دی گئی تھی اس لیے وہ گھوم پھر کر ایک مرتبہ پھر میرے سامنے آگیا تھا۔"

"تمھیں اس نے قید کیا تھا؟" حبیب جیوانی کی تحیّر زدہ آواز ابھری "لیکن سینڈو نے تو بتایا تھا کہ تمھیں سینٹرل ایکسائز والوں نے کلفٹن سے گرفتار کیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت دی تھی کہ ریٹا پر دباؤ ڈال کر اسرار رضوی کو ہر قیمت پر تمھاری مدد کے لیے مجبور کیا جائے۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ جاننے کے سلسلے میں یہ میری تیسری فون کال ہے۔ مجھے تمھاری رہائی کی سب سے زیادہ فکر تھی لیکن ابھی فون پر تمھاری آواز سُن کر میں جوش اور خوشی کے عالم میں سب کچھ بھلا بیٹھا۔ تو کیا اسرار نے تمھارے لیے کچھ نہیں کیا؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ میں اسرار کے تیار کیے ہوئے تابوت میں سے اُچھل کر بھاگا ہوں۔" میں اپنے لہجے میں پیدا ہونے والی تلخی پر قابو نہ پاسکا۔ "ہم اسرار رضوی کو ریٹا کا عاشق زار اور اپنا وفادار سمجھ رہے تھے جب کہ وہ ڈی ڈی کا واحد قریبی دوست اور کاروباری شریک ہے۔ زخمی ہونے کے بعد دلدار آغا فرار ہو کر ہاتھ آئی لینڈ میں اسی کے گھر پہنچا تھا اور پھر ریٹا کی نشان دہی پر ان دونوں نے مجھے سینٹرل ایکسائز کی حوالات سے نکال کر اپنا قیدی بنالیا تھا۔ آج مجھ سے ذرا بھی چوک ہوئی ہوتی تو اس وقت فون پر تم سے باتیں کرنے کے بجائے چوکنڈی کے ویرانے میں بے گور و کفن پڑا ہوا ہوتا اور گِدھ، بھیڑیے میری لاش کو چاٹ رہے ہوتے۔"

اس کے متجسسانہ استفسار پر مجھے اس کو اپنی گرفتاری سے گلو خلاصی تک کے واقعات پوری تفصیل سے بتانے پڑ گئے۔

"اس کا مطلب ہوا کہ اسرار نے ہمارے ساتھ دغا کی ہے؟" پوری تفصیل سُن کر وہ برہمی کے عالم میں بولا۔

"دغا تو اس وقت ہوئی ہوتی جب اسے میرے اور مافیا کے تعلق کے بارے میں معلوم ہوتا۔ وہ تو مجھے کوئی ریٹا کا ذاتی معاملہ سمجھ رہا تھا۔ اس لیے اسے کوئی دوش نہیں دیا جاسکتا۔ ساری غلطی ہماری اپنی ہے کہ ہمیں اسرار کے دلدار آغا کے ساتھ مراسم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ غافل مسافروں کی طرح ہم جدّ و جہد کیے بغیر ایک لگے بندھے راستے پر چل رہے تھے جو ہمیں اچانک ہی تحت الثریٰ میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اس معاملے میں سارا قصور سینڈو کا تھا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سینڈو کو قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاسکتا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "اسے قصور وار ٹھہراؤ گے تو تم بھی اپنی ذمّے داری سے نہیں بچ سکو گے کیونکہ اپنے ماتحتوں کی کارگزاری کی آخری ذمّے داری تمھی پر آتی ہے۔"

"اور وہ سُوّر کا بچہ، اسرار، اس وقت بھی کِی کلب میں ریٹا کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔" میری منطق سُن کر ایک دم ہی اس کا پارا چڑھ گیا۔

"وہ چوکنڈی سے میرے ساتھ براہِ راست کِی کلب میں ضرور آیا ہے لیکن اس وقت اس کے اعصاب کسی عیاشی کے قابل نہ ہوں گے کیونکہ چوکنڈی کے ویرانے میں اس نے اپنی ہدایات کے سہارے مجھ سے اپنے عزیز ترین دوست کی لاش تخلیق کرائی ہے اور پھر وہ اوپر ریٹا کے ساتھ تنہا نہیں ہے۔ اس کی کھوپڑی میں میری اہمیت بٹھانے کے لیے سینڈو بھی اس کے سر پر مسلط ہے۔"

"کیوں نہ اس کا بھی پتّا صاف کرا دیا جائے؟" سیٹھ حبیب نے سوال کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے بارے میں بہت سنجیدہ ہے۔

"یہ تو سب سے آسان کام ہے۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "لیکن یہ سوچ لو کہ اس کے رتبے کے کسی اور اہم سرکاری افسر کو رام کرنے کے لیے ہمیں کتنی ریاضت کرنی پڑے گی؟ ایسے جاہ طلب، خود پرست اور عیش کوش افسران ہم جیسی کسی بھی تنظیم کے لیے قیمتی اثاثہ ثابت ہوتے ہیں۔ میری رائے میں اسرار کو ختم کرنے کے بجائے اسے پالنا ہی بہتر رہے گا۔ آج وہ ڈپٹی ہے، کل کلکٹر ہو جائے گا۔ دلدار آغا کا قیدی بننا اور پھر بچ نکلنا تو بعد کی باتیں تھیں لیکن اصل کردار اسرار کا ہی تھا۔ اگر وہ مجھے حوالات سے غیر رسمی آزادی نہ دلاتا تو اگلا سورج طلوع ہونے تک میرے خلاف مضبوط استغاثہ تیار ہو سکتا تھا جس کا توڑ کرنا ہم میں سے کسی کے بھی بس میں نہیں ہوتا۔"

"تم فوری فائدوں کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھتے ہو اور یہی بات مجھے پسند ہے۔" قدرے توقف کے بعد سیٹھ حبیب جیوانی کی مصالحانہ آواز سنائی دی۔ "اپنے ان مشوروں کی روشنی میں اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ میں تمھاری رائے اور مشوروں کو نظر انداز کر کے زیادہ عرصے تک گاڑی نہیں چلا سکتا۔"

"میرے لیے اہمیت اس بات کی ہے کہ تم باہر سے آنے والے بدمعاش گوروں کے احکام کی تعمیل کرنے کے بجائے بذاتِ خود ڈان بن جاؤ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اس لیے اسرار رضوی کی حالیہ حرکت کو قطعی نظر انداز کر دو۔ ڈی ڈی جہنم واصل ہو چکا ہے۔ اسرار کو صحیح صورتِ حال کا ادراک ہو گیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی کِی کلب کی بے اعتدالیاں کبھی بھی منظرِ عام پر آکر اس کا مستقبل تباہ کر سکتی ہیں۔ اس لیے آنے والے دنوں میں وہ ہمارے لیے اثاثہ ثابت ہوگا . . ."

"چلو، میں نے یہ بات مان لی، وہ زندہ رہے گا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اسرار کو میں تمھارے ڈسپوزل پر چھوڑتا ہوں۔ جب تک چاہو، اس خبیث کو زندہ رکھو اور جب چاہو، میری کسی اجازت کے بغیر اسے عدم آباد کو روانہ کر دو۔ یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنا کہ میں فرد سے زیادہ اہمیت اپنی تنظیم کو دیتا ہوں۔"

"میں تمھاری رائے کو مسترد نہیں کرتا لیکن میرے لیے یہ کوئی کُلیّہ نہیں ہے۔ کبھی کبھار افراد تنظیم سے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں، جیسے اسرار رضوی اپنے حرامی پن کے باوجود میری نظروں میں اہمیت رکھتا ہے۔ تنظیم یعنی مافیا کے فوری مفادات کا تقاضا ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن میں اس کی زندگی میں اپنے بہتر مستقبل کی نمو دیکھ رہا ہوں اس لیے میں نے تم سے اسے زندہ رکھنے کی سفارش کی ہے۔"

"رکھو! اسے زندہ رکھو!" وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ "تم نے چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدّت میں اپنی جو بھیانک اور خوف آور کارکردگی دکھائی ہے اس کے بعد تمھارے کسی بھی فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن ساٹھ لاکھ کا ایک معاملہ ہر صورت میں متنازعہ ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" میں نے تیز اور تُرش لہجے میں سوال کیا۔

"سراج اولڈ کلفٹن پر تمھارے ساتھ ہی پکڑا گیا تھا؟" اس کی پُرسکون آواز اُبھری۔

"سینڈو نے تمھیں بتایا ہوگا۔ اسی کے ساتھ لین دین میں سینٹرل ایکسائز والوں نے چھاپا مار کر ہمیں رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا۔ وہ لوگ کافی عرصے سے سراج کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔"

"اس چھاپے میں نشانہ کون تھا؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"بظاہر سراج ہی ان کی نظروں میں تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن سراج نے حوالات سے فرار ہونے کے بعد ساری ذمّے داری تم پر ڈال دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چھاپا پڑنے کے وقت لین دین مکمل ہو چکا تھا۔ ہیروئن تمھاری تحویل میں تھی اور شناختی کاغذ کے دونوں ٹکڑے اس کے قبضے میں آچکے تھے۔"

"وہ درست کہہ رہا ہے۔ حوالات میں بھی میری اس سے بحث ہوئی تھی۔ دھونس اور دھاندلی کی بات دیگر ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ بدقسمتی سے ڈیل پوری ہوتے ہی چھاپا پڑ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ادائیگی ہمارے ذمّے پڑے گی۔" اس کی آواز تشویش آمیز ہو گئی۔ "مال کے بارے میں اسرار کا کیا رویّہ ہے؟ اس سے بات تو ہوئی ہو گی تمھاری؟"

"اس نے مجھے اپنا مخبر قرار دے کر رہائی دلائی ہے، اپنے ماتحت عملے کے ساتھ اس کا رویّہ بہت سخت اور دو ٹوک تھا۔ ان لوگوں نے مال ریکارڈ پر چڑھا کر مجرموں کو مفرور دکھایا ہوگا۔ پیکٹ بازیاب ہونے کی اب کوئی امید نہیں رہی ہے، وہ سرکاری مال قرار دیا جا چکا ہوگا۔"

"تم سینڈو سے مشورہ کر کے اسرار پر دباؤ ڈالو۔" وہ بولا۔ "وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر مال خانے سے وہ پیکٹ تبدیل کرا سکتا ہے۔ اس کام میں لاکھ دو لاکھ خرچ بھی ہو جائیں تو پروا نہیں ہونی چاہیے۔ حکیم زادہ خان اس معاملے میں ہم سے ایک پیسے کی بھی رعایت نہیں کرے گا۔"

"میں بات کیے لیتا ہوں لیکن اطلاعاً یہ بتا دوں کہ سینڈو کے بھی ہاتھ صاف نہیں ہیں۔ وہ مال بیچ کر اپنا دو فیصد کمیشن رکھتا . . ."

"میں نہیں مان سکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر بے یقینی سے کہا۔

"تمھارے نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اس نے خود مجھ سے اپنی ہیرا پھیری کا اعتراف کیا ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس طرح وہ تمھاری مجبوری کی قیمت وصول کرتا رہا ہے۔"

"وہ اس قدر ناقابلِ اعتماد ہے تو اسے گولی مار دی جانی چاہیے۔" سینڈو کے بارے میں اس انکشاف نے سیٹھ حبیب کو شدید صدمہ پہنچایا تھا۔

"میں نے تمھیں صرف اطلاعاً آگاہ کیا ہے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "تم سینڈو پر یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم اس کے ہیر پھیر سے واقف ہو چکے ہو۔ تمھارے خوف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں خود ہی اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑ دوں گا۔ اسرار رضوی کے معاملے میں بھی اس سے مجرمانہ غفلت سرزد ہوئی ہے کہ وہ ڈی ڈی کے ساتھ اس کی ہمدردی سے بالکل بے خبر تھا۔ ایسی بڑی بڑی باتوں کو نظر انداز کر کے ہم اپنی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ دشمن کے آدمیوں کا ہمارے درمیان آگھُسنا کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم جو کچھ بھی ہیں، اب تمھارے سامنے ہیں اور تم خود بھی ہم میں سے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنا چارج سنبھالتے ہی ہر طرف دیکھ بھال شروع کر دی ہے اور اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہو۔ اب مجھے ان تمام خامیوں کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ بہتر تنظیم اور کارکردگی کے لیے تم اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کر سکتے ہو۔ ویسے سینڈو اس وقت اوپر سے آسکے تو میں اس سے کچھ بات

کرنا چاہتا ہوں۔"
"اسے بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔"اس پر اپنی ذات کا بھرم قائم رہنے دو۔ ایک بار یہ بھرم ٹوٹ گیا تو وہ میرے بھی قابو سے باہر ہو سکتا ہے۔"
"ٹھیک ہے، میں نے اپنے معاملات اب تمھیں سونپ دیے ہیں۔ جو چاہو کرتے رہو لیکن مجھے آگاہ کرتے رہنا۔ صبح میں دفتر میں تم سے بات کروں گا۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔
"شہر میں پولیس اور نیم فوجی دستوں کا بھاری گشت جاری ہے۔ آثار و قرائن سے ظاہر ہو رہا ہے شہر کے حساس اور فساد زدہ علاقوں میں کرفیو کا نفاذ ہو چکا ہو گا اس لیے صبح میرا دفتر جانا یقینی نہیں ہے۔ اگر مجھ سے رابطہ قائم نہ ہو سکے تو اس کا برا نہ منانا۔ مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"
ریسیور پر اس کے ایک گہری سانس کی آواز آئی پھر وہ بوجھل لہجے میں بولا۔"تمھیں معلوم ہے کہ آزاد اور خود مختار ہوتے ہوئے بھی میں اپنے حالات کا قیدی ہوں۔ جب تک میرا ہم شکل غیر ملکی جیل میں سزا کاٹ رہا ہے، میں یہاں منظرِ عام پر نہیں آ سکتا۔ اپنی پوری شناخت کے ساتھ میری زندگی بس اپنی بیوی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور وہ بے چاری محض میری وجہ سے میرے والدین کے طعنے سہہ کر الگ گھر میں رہ رہی ہے تاکہ ہم دونوں اکٹھے رہ سکیں لیکن میرے گھر والے اسے آزاد خیال اور رنگین مزاج سمجھنے لگے ہیں۔ میرا اکلوتا بیٹا مجھ سے دور ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنی بیوی اور بچے کے مستقبل کو کسی بدشگونی سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے یہاں خود کو چھپایا ہوا ہے اور اسی لیے میں نے اپنا فون نمبر کسی کو نہ دینے کا اصول بنایا ہوا ہے...!"
"میں تمھیں مجبور نہیں کر رہا بلکہ تمھیں اپنی مجبوری بتا رہا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔"اپنی مجبوریوں کو تم بہتر سمجھتے ہو۔"
"تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔" اس کی آواز ابھری۔
"دوسروں کی بات اور ہے لیکن تم ان سب سے مختلف ثابت ہو رہے ہو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس بارے میں تم پر اعتماد کر لیا جائے لیکن میں توقع رکھوں گا کہ تم فون نمبر کے ذریعے میرے گھر تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"
"مجھے تمھارے گھر سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔"پھر بھی تم مجھے نمبر نہ دو تو بہتر ہے۔ بلاوجہ میری ایک اور ذمے داری بڑھ جائے گی۔ جب سینڈو تمھارے گھر کا نمبر جانے بغیر کام چلا رہا ہے تو مجھے کیا دشواری پیش آ سکتی ہے۔ ایسا ہی ضروری سمجھتے ہو تو کوئی ٹرانسمیٹر کیوں نہیں خرید لیتے؟"
"تمھاری تجویز معقول ہے مگر پھر بھی تم نمبر لکھ ہی لو۔" میرے کافی انکار کے باوجود اس نے مجھے اپنے گھر کا نمبر لکھوا ہی دیا۔"میں نہ ملوں تو میری بیوی گھر پر ہوتی ہے۔ اسے میری رہائی کے پس منظر اور میری موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے، تم اس کے پاس پیغام چھوڑ سکتے ہو۔"
وہ ہیروئن کے دھندے سے کروڑوں کما چکا تھا لیکن اس بیش قیمت پیکیٹ کے ہاتھ سے نکل جانے پر بہت متفکر تھا جو سینٹرل ایکسائز والوں کی تحویل میں تھا۔ اسی کے ساتھ وہ شٹی کے کارکنوں کی طرف سے بھی فکرمند تھا۔ شہر میں انتظامیہ پوری مستعدی کے ساتھ دلدار آغا کو تلاش کر رہی تھی لیکن وہ لاپتا تھا۔ جب تک اس کی موت کی خبر کی تشہیر نہ ہوتی، اس کے حواریوں کے حوصلے پست نہیں کیے جا سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ ڈی ڈی کی موت کی خبر پھیلانے کے بعد معراج دین عرف ماجے کے ساتھ ہم اپنے روابط استوار کر سکتے ہیں۔
میں نے اسے ان تمام باتوں کی طرف سے بے فکر ہو جانے کا مشورہ دیا تب کہیں اس نے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر ٹیلی فون ڈائریکٹری سنبھال لی۔
پہلے میرا ارادہ پولیس کے محکمے سے رجوع کرنے کا تھا اور میں نے ڈائریکٹری میں سے چند اعلیٰ افسران کے نمبر بھی نکال لیے تھے مگر ایک نئے خیال کے تحت میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور شہر کے سب سے بڑے روزنامے کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔
اخبار کے آپریٹر سے پتا چلا کہ وہاں کرائم ایڈیٹر نام کی کوئی اسامی نہیں تھی البتہ جرائم کی خبروں کے شعبے میں چیف کرائم رپورٹر ضرور تھا۔
ابتدا میں چیف کرائم رپورٹر کا رویہ سرد مہرانہ تھا۔ غالباً اسے اکثر فون پر بے سروپا اطلاعات ملتی رہتی تھیں اس لیے وہ میری فون کال کو بھی کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن جب میں نے شاہ باغ کی تباہی اور دلدار آغا کی روپوشی کا ذکر چھیڑا تو وہ میری باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔
"میرا خیال ہے کہ دلدار آغا ایک شریف اور معزز شہری ہے جو اپنے خلاف بدمعاشوں کی ریشہ دوانیوں پر خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گیا ہے۔ پولیس والے بلاوجہ اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔" اس نے میرے سوال پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔"مگر تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"
"دلدار آغا شریف آدمی نہیں بلکہ جرائم پیشہ شخص تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔"وہ ڈی ڈی کے نام سے شہر میں جرائم پیشہ لوگوں کے ایک مضبوط گروہ کی سرپرستی کرتے ہوئے شہر میں منظم

پیمانے پر ہیروئن فروخت کراتا تھا۔ اسی کے ساتھ اپنی فیکٹری سے ہارمونیم کیپسولز کے نام سے مردانہ ہارمونز کی آڑ میں ہیروئن سے بھرے ہوئے کیپسولز باہر اسمگل بھی کرتا تھا۔ اس کے فروٹ فارم پریا گھر پر جو کچھ ہوا، اس کی بنیاد پیشہ ورانہ رقابت تھی۔ اس نے جھلا کر اس بارے میں فرقہ وارانہ افواہیں پھیلا کر شہر میں فساد کرایا ہے۔ نامعلوم گاڑیوں سے بے گناہ اور نہتے راہگیروں پر گولیاں برسانے والے بھی اسی کے کارندے تھے۔ میں تمھیں شہر میں ہونے والے جرائم کی تاریخ کی سب سے بڑی خبر دے رہا ہوں اور اس خبر کا کلائمکس یہ ہے کہ دلدار آغا اپنی ساری بدمعاشیوں کے باوجود اپنے دشمنوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکا ہے۔ اس کی بے گور و کفن لاش چوکنڈی کے قبرستان کے قریب ویرانے میں پڑی ہوئی ہے۔ تم اپنے فوٹو گرافر کے ساتھ وہاں چلے جاؤ تو صبح کے شمارے میں ایک دھماکا خیز خبر اپنے قارئین کے لیے پیش کر سکو گے۔"
میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں سنائی دیا۔ میں نے دو تین مرتبہ ہیلو ہیلو کہا لیکن دوسری طرف بدستور سناٹا چھایا رہا اور میں نے بوکھلا کر فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس رپورٹر نے میری فون کال کو کسی ڈکٹا فون سے منسلک کر دیا تھا تاکہ میرا پیغام، میری اپنی آواز میں کیسٹ پر ریکارڈ ہو جائے اور وہ خود کسی دوسرے فون پر ایکسچینج سے میرا نمبر ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میری زبان سے دلدار آغا کا نام سنتے ہی فرض کر لیا تھا کہ میں اسے اپنے فون نمبر یا کسی اور شناخت سے آگاہ نہیں کروں گا۔
تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور اسے واپس لوٹانا میرے بس سے باہر تھا مگر پھر بھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ میں نے جلد ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا جس کی وجہ سے میرا فون نمبر ٹریس نہ ہو سکا ہو گا۔
اس رپورٹر نے میری کال کو ریکارڈنگ مشین سے منسلک کرنے کے بجائے مجھے باتوں میں الجھا کر اپنے کسی ساتھی کو کال ٹریس کرنے پر مامور کر دیا ہوتا تو ڈی ڈی کے تنازع میں اس عمارت کا حوالہ بھی آنے کا امکان پیدا ہو سکتا تھا جو بظاہر اس وقت ختم ہو گیا تھا۔
میں نے فون سے فارغ ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تو سینڈو زینوں والے حصے کے قریب کھڑا پارسن سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ آپس میں باتیں ضرور کر رہے تھے لیکن ان کی توجہ مجھ پر ہی مرکوز تھی اس لیے میرا اشارہ پاتے ہی وہ دونوں میری طرف آ گئے۔
"دیر بہت ہو گئی ہے، اب واپس چلنا چاہیے۔" میں نے سینڈو سے کہا۔
"چاہو تو یہاں بھی رک سکتے ہو۔ اوپر سب کمرے خالی ہیں۔ شہر کے حالات خراب ہیں، صبح سویرے ناشتا کر کے چلے جانا۔" پارسن نے خالص گھریلو عورت کی طرح پیشکش کی۔
لیکن میں وہاں نہیں رک سکتا تھا اس لیے سینڈو کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اس نے اسرار رضوی سے اپنی ملاقات کے بارے میں زبان کھولنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے خاموش کر دیا۔
وہ کلفٹن سے میری گاڑی واپس لے آیا تھا۔ میں نے اسی کو ڈرائیو کرنے کی ہدایت کی اور خود پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مستعد چوکیدار نے دروازہ کھولا اور پارسن اس وقت تک وہیں باہر کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی جب تک ہماری گاڑی رینگتی ہوئی پھاٹک سے باہر نہ نکل گئی۔
"پارسن ہم میں سے ہی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہماری ہر گفتگو میں شریک ہو۔" باہر نکل آنے کے بعد میں نے کہا۔"اب بتاؤ کہ اسرار رضوی سے تمھاری کیا گفتگو رہی؟"
"تمھاری طرف سے وہ بہت زیادہ سہم گیا ہے۔ تمھارے سرسری اندازِ گفتگو سے وہ پہلے ہی پریشان تھا، کہہ رہا تھا کہ تمھاری گفتگو سے تمھارے آئندہ عزائم کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں چل پاتا۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ کسی بھی لمحے کوئی بڑا اور

غیر متوقع قدم اٹھا بیٹھتے ہیں۔ رٹیا کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے کہ کہیں تمھاری وجہ سے سلمیٰ کے سامنے اس کی پارسائی کا بھرم نہ کھل جائے۔"

"یہ بیکار باتیں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مال کے بارے میں اس کا کیا ارادہ ہے؟"

"مجھے اس پیکٹ کی مالیت کا اندازہ تھا اس لیے میں نے اسے کُریدا تھا۔ وہ پیکٹ سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔ اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہے کہ سراج اس کے ماتحتوں کی غفلت کی وجہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔ وہ شاید اس سے کوئی سودے بازی کرنا چاہ رہے تھے۔ اگر تم اس سے بات کرو تو وہ اپنے ماتحتوں کو دبا کر مال خانے سے وہ پیکٹ بدلوا سکتا ہے۔"

"پیکٹ کو ضابطے کے تحت جمع کیا گیا ہے تو اس پر گواہوں کے دستخط بھی لیے گئے ہوں گے۔"

"گواہ کون سے باہر کے لوگ ہوں گے۔ عملے کے آدمی دوسرے کسی پیکٹ پر دستخط کر دیں گے لیکن وہ تمھارے ہی قابو میں آسکے گا آج مجھ سے بدک رہا تھا۔"

اس وقت شہر کی سڑکوں پر ہُو کا عالم طاری تھا اس لیے ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جلد ہی ٹریڈ لائن کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ رسیڈو کو اس تاریک اور ویران عمارت کے قریب اُتار کر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور شرف آباد میں اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

تنہائی اور اپنے گوشۂ عافیت کا خیال میسّر آتے ہی دن بھر کی بھاگ دوڑ کی تکان اس وقت ایک دم ہی رنگ دکھانے لگی تھی اور مجھے فلیٹ پہنچ کر لباس بدلنا اور جوتے اتارنا تک محال نظر آرہا تھا۔

❁

بھیانک چیخ سُن کر میری نیند اُچٹ گئی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں۔ اس وقت فلیٹ میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور باہر بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی جس کا مطلب تھا رات اس وقت تک پوری طرح نہیں بیتی تھی۔

ڈور بیل دوبارہ بجی تو میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا شاید پہلی بار بھی گھنٹی ہی بجی تھی جسے میرا افسانہ زدہ اور خوابیدہ ذہن بھیانک چیخ سمجھا تھا۔

"کون ہے؟" سائیڈ لیمپ روشن کرکے میں نے پستول تلاش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"سلطان شاہ!" باہر سے دھیمی آواز سنائی دی۔

اس وقت وال کلاک صبح کے چار بجا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کی آواز سُن کر ذہن بھی جھنجھنا اٹھا کہ اسے اتنی صبح بستر چھوڑ کر میرے پاس آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

سلطان شاہ اندر آیا تو اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ اس وقت کیا بجا ہے؟" میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے تلخ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"سب معلوم ہے لیکن اب صبح بات ہوگی۔ پارک میں کھلے آسمان تلے پتھریلی بینچ پر لیٹے لیٹے میرا بدن بری طرح اکڑ گیا ہے۔ ذرا سی اور قوت برداشت ہوتی تو تمھاری میٹھی نیند خراب نہ کرتا۔" وہ دوسری خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "رات کو یہاں سے واپسی کے لیے کوئی سواری نہیں ملی تھی اس لیے پارک میں جاکر لیٹ گیا تھا۔"

اس کی بپتا سُنتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نادانستگی میں اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا تھا۔ کلب سے واپس لوٹتے ہوئے میں خود دیکھ چکا تھا کہ شہر کی سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں اور پبلک ٹرانسپورٹ کا تو سرے سے وجود ہی نہیں رہا تھا کیونکہ آئے دن شہر میں ہونے والے ہنگاموں کی وجہ سے مغلوب الغضب شہریوں کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ ہنگامے کا آغاز ہوتے ہی دوسری املاک سے پہلے بسوں، رکشوں اور ٹیکسیوں کو اپنے غصّے اور اشتعال کا نشانہ بناکر نذرِ آتش کرنا شروع کر دیتے تھے اس لیے شہر کے کسی بھی حصّے میں گڑبڑ کا آغاز ہوتے ہی شہر کی سڑکوں سے ٹرانسپورٹ فوراً غائب ہوجاتی تھی۔ ہزار دو ہزار کی آمدنی کے لالچ میں کوئی بھی ٹرانسپورٹر لاکھوں کے نقصان کا خطرہ مول نہیں لیتا تھا۔

سلطان شاہ نے واقعی کافی دیر تک میرا انتظار کیا تھا کیونکہ اس کے بارے میں بہت دیر قبل مجھے سلمیٰ سے اطلاع مل گئی تھی لیکن سواری میسّر نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے چارہ اپنے گھر واپس نہیں لوٹ سکا تھا۔ تیز اور خنک ہواؤں والے اس ناخوشگوار موسم میں قناعت کے ساتھ کسی پتھریلی بینچ پر دراز ہوکر اختر شماری کرنا واقعی آسان کام نہیں تھا اس بنا پر سلطان شاہ ملامت کے بجائے میری ہمدردی کا مستحق تھا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سردی میں سزا بھگت کر آرہے ہو۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میں خود بھی بُری طرح تھک ہار کر سویا تھا لیکن تمھاری آپ بیتی سن کر میں اپنی کیفیت بھول گیا ہوں۔ تم چاہو تو میں ذرا سی دیر میں گرم گرم کافی یا چائے تیار کر سکتا ہوں۔"

"تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو!" وہ جُوتے اتارے بغیر اسی حالت میں بستر پر دراز ہوگیا۔ "اب ناشتے پر ہی ملاقات ہوگی۔ سرد ہواؤں کی وجہ سے میری کھوپڑی سُن ہوکر رہ گئی ہے۔"

اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر سر سے پیر تک لحاف تان لیا اور میں اُسے جوتوں سمیت آرام دہ بستر پر دراز چھوڑ کر واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

میں روشنی گُل کرکے بستر پر لیٹا تو میری نیند بھاگ چکی تھی۔ میں نے آنکھیں مُوند کر دوبارہ سونے کی بہتیری کوشش کی لیکن نیند کا کوسوں دور پتا نہیں تھا۔ ذہن پر اندھیرے میں منتشر سے خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ آخر کار میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگالی۔

اس وقت میرے ذہن پر سب سے بڑا بوجھ غزالہ کی طرف سے تھا جو گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ پچھلی رات دلدار آغا کے محافظوں کو جُل دے کر اس کے مکان سے فرار ہوئی تھی، اس طرح اسے آزادی حاصل کیے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ میرے اور جہانگیر کے قریبی مراسم سے پوری طرح آگاہ تھی، اسے جہانگیر کے گھر کے ساتھ اس کا فون نمبر بھی معلوم تھا۔ میری دانست میں اسے پہلی فرصت میں وہاں رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اس کی مسلسل روپوشی کا ایک ہی مطلب ہوسکتا تھا کہ وہ دلدار آغا کی قید سے فرار ہوکر کسی اور دشواری سے دوچار ہوگئی تھی جس کی بنا پر اسے اپنے ہمدردوں سے رابطہ قائم کرنے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ غزالہ کو کس قسم کی مشکل پیش آئی ہوگی۔ اس لیے اس وسیع وعریض شہر میں محض قیاسات کے سہارے اس کا کھوج لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ اس کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے بہتر یہ تھا کہ اس کی سلامتی کی امید کے ساتھ خود اس کی طرف سے رابطے کا انتظار کیا جائے اس مرتبہ یہ بات یقینی تھی کہ وہ پاکستان بلکہ کراچی میں ہی موجود تھی اور جلد یا بدیر اپنی دشواریوں پر قابو پاکر سامنے آسکتی تھی۔

دوسری طرف میں نے دلدار آغا کے فتنے کا سر کچل دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ مقامی اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کو دی جانے والی ٹیپ کے نتیجے میں دلدار آغا کے قتل پر جو کرائم فیچر شائع ہوگا اس کے نتیجے میں دلدار آغا کے حامیوں کے حوصلے پست ہوجائیں گے۔ میرے اپنے قیاس کے مطابق ایک اچھی بات یہ تھی کہ دلدار آغا نے اپنے بعض مفادات کی وجہ سے کراچی بلکہ پاکستان میں شی کی خطرناک روایتی تنظیم اور سفاک مجرموں کے تنخواہ دار ٹولے کو تہس نہس کرکے سارا کام کرائے کے مجرموں پر چھوڑا ہوا تھا جو اس کی موت کے بعد اس کے مشن یا کام کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لے سکتے تھے۔ انھی وجوہ کی بنا پر دلدار آغا کے کسی جانشین کے فوری تقرر کا کوئی امکان نہیں تھا۔ جب تک اس کی ہلاکت کی خبر جی لائیڈیا کے علاقے کے کسی اور آئی مین تک نہ پہنچتی، شی کے دوبارہ فعال ہونے کی کوئی صورت موجود نہیں تھی۔

مگر میں دلدار آغا کے لیے کام کرنے والے ٹھیکیدار معراج دین کو ضرور سبق دینے کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ وہ تیسرے درجے کے ایک مجرم کی حیثیت سے اُبھرنے کے بعد شہر میں ایک بڑی زیرِ زمین طاقت کا روپ اختیار کرتا جا رہا تھا۔

معراج دین کی کمر توڑنے کے لیے میرے ذہن میں ایک سرسری سا خاکہ موجود تھا۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے مافیا میں شریک ضرور ہوچکا تھا لیکن میرے دل میں ان لوگوں کے لیے بھی ہمدردی کا کوئی گوشہ موجود نہیں تھا۔ یہ درست تھا کہ وہ پاکستان میں ہیروئن کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے تھے لیکن منشیات کی قابلِ ذکر عالمی منڈیوں میں اپنے مفادات برقرار رکھنے کے لیے پاکستان کی سرزمین پر کم لاگت سے بہترین قسم کی ہیروئن کی تیاری کے ذرائع پر پوری طرح قابض ہونے کے لیے کوشاں تھے۔ پاکستان کے سرحدی اور آزاد قبائلی علاقوں سے مافیا کے گہرے روابط کی ایک مثال اسی شام میرے سامنے آچکی تھی، جب حکیم زادہ خان کا ایک ہرکارہ، سراج ہیروئن کی کھیپ میرے حوالے کرتا ہوا پکڑا گیا تھا مگر یہ ثابت ہوچکا تھا کہ مافیا کے پورے آپریشن میں کراچی ان کا کلیدی اڈا تھا اور وہ یہیں بیٹھ کر خرید و فروخت کے ساتھ اپنے مفادات کی نگرانی کر رہے تھے۔

میں سیٹھ حبیب جیوانی کو آسانی کے ساتھ شہر میں اس کی بالادستی کے قیام کا فریب دے کر مافیا کی مؤثر افرادی قوت کو معراج دین کے مضبوط گروہ کے خلاف صف آرا کرا سکتا تھا۔ اس مقابلے میں اول تو معراج دین کے فنا ہوجانے کے قوی امکانات نظر آرہے تھے اور اگر کسی وجہ سے اس کی مکمل بیخ کنی نہ بھی ہوپاتی تو اس بڑے معرکے میں معراج دین کے ساتھ مافیا کی قوت کو بھی شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس طرح مجرموں کے دو بڑے دھڑوں کو آپس میں لڑوا کر میں کراچی شہر اور اس کے شہریوں کی کچھ نہ کچھ خدمت ضرور کر سکتا تھا۔ اس لڑائی کے دوررس اثرات مافیا کو خاصے عرصے کے لیے مفلوج کرکے رکھ دیتے۔ اس کی موت کا انحصار میری اس مکاری پر ہوتا کہ میں حبیب جیوانی کو خود پر کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس کے آدمیوں کو فریقِ ثانی کے ہاتھوں کس قدر نقصان پہنچوا سکتا تھا۔ بظاہر مخلصانہ لیکن تباہ کن حکمتِ عملی مافیا تو کیا، بڑے سے بڑے جری لشکر کو بھی نیست و نابود کر سکتی تھی۔

میں نہ جانے کتنی دیر تک بستر پر پڑا ان ہی خیالات میں کھویا

رہا پھر اچانک ہی اندر سے آنے والی کھٹ پٹ کی آوازوں نے مجھے چونکا دیا۔
میں نے اپنی خوابگاہ میں روشنی کیے بغیر بلی کی طرح خاموشی سے بستر چھوڑ دیا اور تکیے کے نیچے سے پستول سنبھال کر دبے پاؤں باہر آیا تو یہ دیکھ کر منہ سے بے اختیار ایک گہری سانس آزاد ہوگئی کہ سلطان شاہ کچن میں بلب جلائے بغیر گیس برنر کی روشنی میں چولہے پر کچھ تیار کرنے میں مصروف تھا۔
"تمھیں تو نیند آرہی تھی، اب یہاں کیا ہورہا ہے؟" میری سپاٹ آواز نے اسے چونکا دیا۔
"اوہ! تو تم بھی جاگ رہے ہو۔" وہ بلب روشن کرتا ہوا شکست خوردہ لہجے میں بولا تھا۔ "تمھارے کمرے میں اندھیرا دیکھ کر میں سمجھا تھا کہ تم سو چکے ہو۔ چاہو تو تمھارے لیے بھی ایک کپ چائے بنا دوں مجھے کوشش کے باوجود اب نیند نہیں آرہی۔"
"جب تک میرے سامنے سب کچھ اُگل کر اپنی کھوپڑی ہلکی نہیں کروگے، سو نہیں سکوگے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔
"بستر کی حرارت اور نرمی سے کچھ سکون ملا ہے اور نیند اُڑ گئی ہے ورنہ جب میں باہر سے آیا تھا تو کھوپڑی جمی ہوئی تھی اور یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں دس منٹ تک بھی بیدار نہ رہ سکوں گا۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تم بھی تو گہری نیند سے اُٹھا دیے جانے پر جھلائے ہوئے تھے، تمھیں نیند کیوں نہیں آرہی؟"
"بلاوجہ بحث نہ کرو اور چائے کی دو پیالیاں بنا کر باہر لے آؤ۔"
اسے تفصیلی صورتِ حال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لیکن شہر میں رونما ہونے والے فساد کے بارے میں وہ اس حد تک باخبر تھا کہ شاہ باغ کی تباہی کے بارے میں بے سر و پا افواہیں پھیلنے کے بعد شہر میں فسادات پھوٹ پڑے تھے۔
"وہ سب دلدار آغا کی سازش تھی۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "افواہیں اسی نے پھیلائی تھیں۔ پھر وہ خود ایک جگہ ہجوم میں پھنس کر بُری طرح پٹا تھا۔ اس کی ہڈیاں تک توڑ دی گئیں مگر وہ وہاں سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔"
چائے پیتے ہوئے اس نے تجسس آمیز لہجے میں پے در پے سوالات کی بھرمار کردی۔ میں اسے جُوں جُوں اپنے اقدامات کی تفصیل بتاتا رہا اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب اسے چوکنڈی کے قبرستان کے قریب دلدار آغا کے قتل کے بارے میں پتا چلا تو وہ خوشی سے تقریباً اچھل پڑا۔
"یہ تو تم نے بہت بڑی خبر سُنائی ہے۔" وہ بے ساختہ بولا تھا۔ "جی چاہتا ہے کہ تمھارا منہ چُوم لوں۔"
"بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ چند روز کام کرکے تم اتنے بدذوق ہوگئے ہو۔"
"مزدوروں کے بارے میں اتنے بے رحمانہ انداز میں تبصرہ نہ کرو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ قدرے دردمندانہ لہجے میں بولا۔ "پہلے میں عقرب خان اور مقرّب خان کے ساتھ ٹرکوں کے گیراج میں کام کرتا رہا پھر وہیں سے تمھارے ساتھ آملا لیکن اس فیکٹری میں مجھے پہلی بار صنعتی مزدوروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں بعض بدتمیز، سرکش اور کام چور بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ جب تک مزدور کو یہ یقین ہو کہ اس کی حق تلفی نہیں کی جارہی اور اسے پوری مزدوری ادا کی جارہی ہے، وہ کولھو کے بیل کی طرح آنکھیں بند کرکے اپنے کام میں جتا رہتا ہے۔ یہ مخلوق بہت معصوم اور سادہ لوح ہوتی ہے، اپنے خون پسینے سے پیداوار کو پروان چڑھاتی ہے لیکن ان میں بھیڑ چال ہوتی ہے۔ کوئی بھی ان کا ہمدرد بن کر انھیں بھڑکا دے کہ مالکان انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے کھاتوں کا ہیر پھیر کرتے ہیں جس سے ان کا بونس مارا جارہا ہے یا کوئی اور دوسری مالی حق تلفی کی جارہی ہے تو یہ مشتعل ہوجاتے ہیں اور اس وقت ان کا رویّہ باغیانہ ہوجاتا ہے۔"
"اچھی تقریر کررہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ جاز فارماسیوٹیکل میں یونین بنوا کر مزدور لیڈر بن گئے ہو۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرنے کے بعد چُبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
وہ تلخ انداز میں ہنس دیا۔ "جاز فارماسیوٹیکل میں دلدار آغا مزدوروں کے لیے آسیب بنا ہوا تھا۔ یونین سازی تو دُور کی بات ہے، مزدور کسی ضرورت کے بغیر آپس میں فالتو باتیں بھی نہیں کرتے کہ کہیں اندران کے مالک کو بھنک نہ مل جائے۔ میں تمھیں بتا ہی چکا ہوں کہ وہاں فلنگ مشین پر ہارمونیم کیپسولز میں ہیروئن بھرنے کے لیے کیسا زبردست ڈھکوسلا بنایا گیا تھا اور سارے مزدوروں نے اس فریب کو پیداواری ضرورت سمجھ کر بے چون و چرا تسلیم کر لیا تھا۔"
"ایسی مکاریاں زیادہ دن نہیں چلتیں۔ دلدار آغا کے راہ سے ہٹتے ہی اس کی تمام بدمعاشیاں بے نقاب ہوجائیں گی لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ دواسازی کے بہانے ہیروئن فروشی کے اس گھناؤنے کاروبار کو ایک اہم اور بڑے کسٹم افسر کی سرپرستی حاصل تھی جو عملاً فیکٹری میں حصے دار ہے۔"
"لیکن فیکٹری میں دلدار آغا کی حیثیت غیر متنازعہ تھی۔ وہ بلا شرکتِ غیرے فیکٹری کے سیاہ سفید کا مالک تھا یا پھر اس نے اپنے مینیجر کو کچھ اختیارات دیے ہوئے تھے۔ آج کا دن فیکٹری پر بہت بھاری گزرا ہے۔ پولیس کی بھاری نفری نے علاقہ مجسٹریٹ کے ساتھ دلدار آغا کی تلاش میں تین بار فیکٹری پہ دھاوا بولا تھا لیکن آج سارا دن اس کا پتا نہیں چلا۔ تیسری بار پولیس والے سپروائزر، چوکیدار اور مزدوروں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انھیں دلدار آغا کی بہت شدت سے تلاش تھی۔"
"مقامی انتظامیہ فسادات پر قابو پانے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اس کا براہِ راست انٹرویو پیش کرنا چاہ رہی تھی تاکہ شہریوں کو بتا سکے کہ افواہیں جھوٹی تھیں۔"
"بہرحال فیکٹری نچلے عملے نے بند کرائی تھی۔ سینئر چوکیدار کی گرفتاری کے بعد وہاں صرف دو چوکیدار رہ گئے ہیں قبل از وقت چھٹی ہونے تک مزدوروں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا کہ نجانے پولیس والے کب کس کو اٹھا کر لے جائیں۔ مجھے کہانی کے دوسرے رُخ کا علم نہیں تھا اس لیے میں یہ خبریں تم تک پہنچانے کے لیے مضطرب تھا اور تمھارے طویل انتظار کے باعث واپسی میں دیر ہوجانے کی وجہ سے پارک میں بسیرا کرنا پڑ گیا۔" اپنی بات کرتے کرتے اس نے چونک کر ایک دم موضوع بدل دیا۔ "یہ سب تو سُنا رہے ہو لیکن تم نے یہ بات ابھی تک نہیں بتائی کہ غزالہ بھابی اس مردود جہنمی کے چنگل سے نجات پاتے کے بعد اب کہاں ہے؟"
"اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ بھی شہر کے مخدوش حالات اور سواریاں میسر نہ ہونے کی وجہ سے تمھاری طرح شہر کے کسی پارک میں آرام کررہی ہو۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔
"یہ خبر تشویش ناک ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "غزالہ بھابی تو شہر میں فساد شروع ہونے سے بہت پہلے، پچھلی رات کو ہی وہاں سے نکل گئی تھی۔ لوٹ مار اور دہشت گردی تو صبح شروع ہوئی ہے جب میں ڈیوٹی کے لیے فیکٹری روانہ ہوا تو حالات معمول پر تھے اور ٹریفک بھی پوری طرح چل رہا تھا۔"
"اب اس تذکرے سے دل دکھنے لگا ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا، وہ کر گزرے۔ اگر وہ اب بھی واپس نہیں آتی تو میں اسے اپنے مقدر کی خرابی ہی سمجھوں گا۔ اسے چھوڑ کر اب کوئی اور بات کرو۔"
"اب بات کرنے کے لیے اور رہ ہی کیا گیا ہے؟ دلدار آغا کے مرنے کے بعد شی کا تو شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔ غزالہ بھابی تم کو مل جائے تو سمجھو کہ قصہ ہی ختم ہوگیا۔ ہم دونوں بھی اطمینان سے کوئی ایمان داری کا دھندا شروع کر دیں گے۔ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم نئی زندگی کی ابتدا کرنے میں ہماری بہت مدد کرے گی۔"
"مجھے اندازہ ہوتا کہ بازی اتنی جلدی پلٹ جائے گی تو مافیا والوں سے جوڑ توڑ نہ کرتا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "ان سے تعلقات قائم کرنے کے بعد جان چھڑانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ویسے تم غور کرو تو مافیا والوں کی مدد سے ہی ہم دلدار آغا کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ورنہ اس نے تو اسی فلیٹ کو ہمارا مدفن بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت تک دلدار آغا کو میرے بارے میں بھنک نہیں ملی تھی ورنہ وہ اپنی پوری توجہ اسی طرف مرکوز کردیتا۔"
"مافیا کے بارے میں واقعی کچھ کرنا ہوگا۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ شی کے مقابلے میں مافیا سے جان چھڑانا تمھارے لیے مشکل نہیں ہوگا۔"
"تم یہ دعویٰ کس بنیاد پر کررہے ہو؟" میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔
"یہاں مافیا کی بنیاد بہت کمزور ہے۔ سیٹھ حبیب جیوانی پر مافیا کے وجود کا سارا دار و مدار ہے اور وہ ایک سزا یافتہ مفرور مجرم ہے جو اپنے ہم شکل کو جیل میں سڑا کر عیش کررہا ہے۔ اس کے بارے میں تم مخبری کرکے مافیا سے بھی جان چھڑا سکتے ہو، یہاں کی پولیس جرمنی سے بھاگے ہوئے مجرم پر ہاتھ ڈالنے میں پوری سرگرمی دکھائے گی کیونکہ حبیب جیوانی کو پکڑنے والے پولیس افسران کو عالمی سطح پر شہرت ملے گی۔"
"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ ہمارے یہاں خرابیاں بہت گہری جڑ پکڑ چکی ہیں۔ سینٹرل ایکسائز کے محکمے کا ایک اعلیٰ افسر دلدار آغا کا پارٹنر تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جن پولیس والوں سے میں رابطہ قائم کروں، وہ سب ایمان دار ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی پولیس والا لمبی رقم کے چکر میں حبیب جیوانی سے سودے بازی کرسکتا ہے۔ ایسا ہوا تو میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ پھر دوسری طرف شی دلدار آغا سے شروع ہوکر اسی کی ذات پر ختم نہیں ہوجاتی۔ انھوں نے یہاں اپنی سرگرمیاں محدود ضرور کردی تھیں لیکن ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ دلدار آغا پر پاکستان میں پاکستان کے قرب و جوار میں کوئی نہ کوئی آئی مین ضرور مامور ہوگا۔ دلدار کی موت کے بعد شی کی تنظیمِ نو کے لیے وہ آگے آسکتا ہے۔ پھر میری توجہ لائیڈ سے بھی ذاتی پرخاش چل رہی ہے وہ میرے ہاتھوں بری طرح زک اٹھا چکا ہے۔ اسے شبہ بھی ہوگیا کہ میں یورپ کو خیرباد کہہ کر واپس پاکستان آچکا ہوں تو وہ میرے تعاقب میں یہاں تک دوڑا چلا آئے گا۔ اس لیے میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان سر دینے سے بہتر ہوگا کہ کچھ عرصے تک خاموشی کے ساتھ اپنی موجودہ کامیابیوں کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے بعد

حالات اجازت دیں تو مافیا والوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی جاسکتی ہے۔"

"اس وقت تک تم سیٹھ جیوانی کے دستِ راست کے طور پر کام کرتے رہو گے؟"

"اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے؟" میں نے اُلٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور اسے لاجواب پا کر قدرے توقف کے بعد کہا۔ "درمیانی مدت کے لیے میں نے سوچ لیا ہے کہ مافیا میں رہ کر اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ انھیں شہر کے ایک دو مضبوط گروہوں سے تصادم میں الجھا دیا تو ان کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوگی۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ دلدار آغا کی سرکوبی کے بعد حبیب جیوانی کو مجھ پر اندھا اعتماد ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کے سب سے پرانے آدمی کی دو فیصد کی چوری بھی پکڑلی ہے۔ اس طرح مافیا پر میری گرفت مضبوط ہو گئی ہے۔"

"جب تک تمھاری موجودہ کامیابیوں کے نتائج سامنے آئیں گے، میرا خیال ہے کہ تم مافیا میں سیٹھ جیوانی کا تختہ الٹ کر ڈان بن چکے ہو گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

ہم دونوں کے سامنے فوری طور پر کوئی ٹارگٹ نہیں رہا تھا۔ لے دے کر ایک غزالہ کی روپوشی کا معاملہ تھا لیکن اس بارے میں ہم انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے اس لیے وقت گزاری کی خاطر تین بجے تک گزرے ہوئے حالات اور واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس دوران میں میں نے اسے ان تمام جزئیات سے بھی آگاہ کر دیا جن سے وہ بے خبر تھا۔ اس کے لیے شہر میں رکی کلب جیسے گندے ناسور کے وجود کی اطلاع حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ باہر کے کئی ممالک کی سیاحت کر لی تھی لیکن وہ زندگی کے اس گندے بہروپ سے ناآشنا، ایک راست باز قبائلی نوجوان تھا جسے بہت زیادہ تجربہ نہیں تھا کلب کے وجود سے زیادہ حیرانی اسے ان معزز، بااختیار اور متمول لوگوں پر تھی جو بڑی خوشی کے ساتھ اس کلب میں جا کر اپنے چہروں پر فخر کے ساتھ گناہوں کی سیاہی سجاتے اور پھر اپنے مراسم پر اتراتے تھے۔ پھر میں نے اسے سلمیٰ کی سہیلی ریٹا کی کہانی سنائی جو اپنے شوہر کے ساتھ ایک عدد محبوب کی پرورش بھی کر رہی تھی۔ سلمیٰ کے گھر میں وہ ایک ایثار پیشہ اور مخلص گھریلو عورت کے روپ میں نظر آئی تھی لیکن رکی کلب میں وہ اپنے محبوب پر اپنی آبرو نثار کرنے کے شوق میں مبتلا نظر آتی تھی۔ اس پر مسلسل حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے لیکن میں نے جب حکیم زادہ خان کے کارندے، سراج کے ساتھ اپنی گرفتاری اور پھر سرکاری تحویل سے سراج کے مکارانہ فرار کا قصہ ذرا تفصیل سے سنایا تو میرے اوپر دوبارہ تکان طاری ہونے لگی اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔

میں دن کے آغاز سے رات گئے تک ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں رہا تھا، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں گھرا رہا تھا لیکن اس کے باوجود میرے ذہن پر ایک بے نام سا بوجھ سوار تھا مگر سلطان شاہ سے تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد میرا ذہن ہلکا ہو گیا تھا یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے میرے ذہن کے دُکھتے ہوئے پھوڑے کو اپنی بے لاگ اور پرخلوص باتوں سے نشتر لگا دیا تھا۔

بستر پر دراز ہونے کے چند منٹ بعد ہی مجھے نیند نے آ لیا۔

اگلی صبح کے اخبار کا پہلا صفحہ شہر میں ہونے والی خونریزی کی اندوہناک خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ انتظامیہ نے چار اموات اور بیس زخمیوں کی خبر جاری کی تھی لیکن مصدقہ غیر سرکاری ذرائع کے حوالے سے ناموں اور علاقوں کی تفصیل کے ساتھ اخبار میں سولہ اموات اور سو سے زائد افراد کے زخمی ہونے کی خبر موجود تھی۔ نجی اور سرکاری املاک کی تباہی کی خبریں اس پر مستزاد تھیں۔ شہر کے متعدد وسیع اور گنجان آباد علاقوں میں غیر معینہ مدت کے لیے کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا اور انتظامیہ کی مدد کے لیے فوج طلب کر لی گئی تھی۔

وہ ایک قیامتِ صغریٰ تھی جو اس شہر کے باسیوں پر بپا کی گئی تھی۔ صرف ایک مجرم نے اپنی انا کی شکست کا انتقام لینے کے لیے لاکھوں کی آبادی والے بھرے پُرے، اور سمجھداروں کے شہر کو ہولناک نسلی فساد کی آگ میں جھونک کر لہولہان کر دیا تھا۔

ایک گوشے میں نمایاں طور پر چوکنڈی کے تاریخی قبرستان کے قریب سے جاز فارماسیوٹیکل کے مالک دلدار آغا کی لاش برآمد ہونے کی مختصر سی خبر شائع ہوئی تھی۔ میں نے اس اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کو فون پر جو کچھ بتایا تھا اس کا کہیں ذکر تو کیا، حوالہ تک موجود نہ تھا۔

میں اپنی بھرپور بلکہ سرتوڑ کوشش کے باوجود ایک بار پھر شی کے سربراہ کی ذات کے پوشیدہ گوشوں کو اخباری سرخیوں بلکہ متن تک میں لانے میں بری طرح ناکام ہو چکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سے نادیدہ افراد تھے جو زندگی کے ہر شعبے پر پوری طرح قابض اور متصرف تھے اور دانستہ یا نادانستہ طور پر ہر قدم پر شی کے لرزہ خیز جرائم کی پردہ پوشی پر تلے رہتے تھے۔

اخبار میں کہیں اس حقیقت کا ذکر نہیں تھا کہ وہ المناک سانحہ دلدار آغا کی سازش کی بنا پر رونما ہوا تھا۔ اس شہر کے خبریں لکھنے والے، بے چارے اتنے بے خبر یا بے بس تھے کہ سامنے کی باتوں کو بھی ضبطِ تحریر میں لانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں بین السطور میں کہیں کہیں خفیہ ہاتھ اور وطن دشمن عناصر کا مبہم حوالہ دے دیا گیا تھا جسے ضرورت کے مطابق کسی بھی طرف منسوب کیا جا سکتا تھا۔

شہر بلکہ ملک میں شی کا سب سے بڑا آدمی میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا لیکن اس کی بے جان لاش مجھ سے زیادہ قوی ثابت ہوئی تھی۔ شی کی حمایت کرنے والے آہنی ہاتھوں نے دلدار آغا کی لاش سے وابستہ رازوں کو شاید اسی کے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میرے ذہن میں خود بخود مافیا کے ڈان تھری کی وہ گفتگو رینگ آئی جو اس نے شی کی طاقت اور وجود کے بارے میں کی تھی۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ شی امریکن سی آئی اے کی تخلیق کی ہوئی ایک سفاک اور بھیانک تنظیم تھی جو اس مشن پر مامور کی گئی تھی کہ دنیا کے ہر خطے میں ہیروئن کو اسی سرزمین پر کھپانے کا مؤثر جال پھیلایا جائے جہاں وہ پیدا ہوتی اور کشید کی جاتی ہے تاکہ اس کی تباہ کاریوں سے امریکی معاشرے کے مایوس و مضطرب اور بے راہ رو نوجوانوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔

ڈان تھری کے دعوے کے مطابق شی کے عالمی نیٹ ورک کے مالک اور مختار، جمی لائیڈ کو براہِ راست وھائٹ ہاؤس میں رسائی حاصل تھی۔ اگر اس کا دعویٰ درست تھا تو پھر یہ بات ناقابلِ فہم نہیں رہتی تھی کہ لوگ شی اور اس کے رازوں پر قلم اٹھاتے ہوئے کیوں ڈرتے اور ہچکچاتے تھے۔ جو بزدل تھے وہ اپنی جانوں کے خوف سے چشم دید قصوں کو بھول جاتے تھے اور جو ذرا دلیر واقع ہوئے تھے، انھیں شاید ان کے ضمیر کو کوئی ٹھیس پہنچائے بغیر ان کے منہ مانگے داموں پر خرید لیا جاتا تھا۔ ادیبوں اور دانشوروں کو ہر سمت سے یہ احساس دلا کر ان کی زبان بندی کرا دی گئی تھی کہ وہ آفاقی عظمتوں اور سچائیوں کے امین تھے۔ ان کا مقدس مشن بہت اونچا تھا۔ افیم اور ہیروئن جیسے گھٹیا، وقتی اور علاقائی معاملات پر ان کی لب کشائی سے ادب، حکمت و دانش اور سب سے بڑھ کر تاریخ میں ان کا مقام گر سکتا تھا اس لیے شی کے خلاف ہر محاذ پر بھیانک سکوت طاری تھا۔ خلا کی بیکراں وسعتوں میں تیرتے ہوئے سیارے دن رات نگاہ رکھتے تھے کہ کن پہاڑوں، گھاٹیوں، دروں اور جنگلوں میں افیم کاشت کر کے ہیروئن کی فصل بٹوری جا رہی ہے اور ان معلومات کی روشنی میں شی ایک ہزار پا بلا کی طرح خاموشی سے اس زمین کی جڑوں میں اتر جاتی تھی تاکہ ہیروئن کی برآمدی سپلائی لائن کاٹ کر اسے اسی دھرتی کے سپوتوں کی رگوں میں اتار دیا جائے جس سے افیم کی کونپل پھوٹتی ہے۔ عوامی اور سرکاری سطح پر جاری رہنے والی سدا بہار خیراتی، امدادی اور انسدادی مہم کے دوش بدوش شی کی وہ سازش کامیابی کے ساتھ جاری تھی۔

دلدار آغا کے بارے میں اس اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کی پراسرار خاموشی نے مجھے اداس کر دیا۔ اس روز سلطان شاہ نے چھٹی کی تھی بلکہ اس کا بعد میں بھی فیکٹری جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ وہاں اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں غصے کا اظہار کر کے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ اس کرائم رپورٹر کو گریبان سے پکڑ کر اس اہم اطلاع کی پردہ پوشی کا سبب دریافت کیا جائے لیکن میں جانتا تھا کہ اس طرح ہم اپنے دشمنوں کے سامنے پوری طرح بے نقاب ہو جاتے اور آزادیٔ صحافت پر ہاتھ ڈالنے کے جرم میں ہم پر ہر طرف سے ملامتوں کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی۔ کرائم رپورٹر کسی بڑے سرکاری افسر کی طرح یہ عذر کر کے بچ سکتا تھا کہ وہ ہر گمنام فون کال کو اپنے اخبار میں جگہ دینا شروع کر دے تو اس کا اخبار ردی کا حقیر چیتھڑا بن کر رہ جائے گا۔

بارہ بجے فون کی گھنٹی نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ سلطان شاہ نے کسل مندانہ انداز میں ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے کے بعد ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے بولا۔ "سلمیٰ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"تمھاری چہیتی آگئی ہے۔" میری آواز سنتے ہی سلمیٰ نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ آخر کار وہ خبر آ ہی گئی تھی جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

"وہ شیراٹن کے کمرا نمبر تین سو دو میں ٹھہری ہوئی ہے۔ اس نے پیغام چھوڑا ہے کہ تم جہاں بھی ہو، فوراً اس سے رابطہ قائم کرو۔ وہ خاصی برہم معلوم ہو رہی تھی۔" سلمیٰ نے اپنی بات مکمل کی۔

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے شش و پنج میں ڈال دیا اور میں نے اپنے تجسس کو دباتے ہوئے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔ "کون ہے وہ؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟"

"وہی چٹی چمڑی والی جو پچھلی بار تمھاری غزالہ کو اٹھا لے گئی تھی۔" اس کی جلی کٹی آواز سنائی دی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ "تم ویرا کی بات تو نہیں کر رہی ہو؟"

"چٹی چمڑی والی اس کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے؟" سلمیٰ اس کی طرف سے خاصی مشتعل تھی۔ "اب غزالہ تم سے ملنے والی ہے تو یہ پھر آ موجود ہوئی ہے۔ میں تمھیں بتا رہی ہوں کہ تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو ویرا پھر کوئی گل کھلائے گی۔ یہ اچھی عورت نہیں ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اچانک یہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس سے بات کر کے ہی مجھے اس کے عزائم کا اندازہ ہو سکے گا۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی بات کر لو، میں نے اس کا فون بند ہوتے ہی تمھیں اطلاع دی ہے... میں نے اسے تمھارا نمبر نہیں دیا۔"

"جہانگیر کا کیا حال ہے؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"آج بہت بہتر ہیں۔ بستر سے اُتر کر ٹہلتے بھی ہیں اور بول بھی رہے ہیں، ہو سکے تو تھوڑی دیر کے لیے آ جانا، ان کا دل بہل جائے گا۔ مجھ سے شراب کی بہت ضد کر رہے ہیں لیکن میں نے ایک قطرہ بھی نہیں لینے دیا..."

"میں ویرا سے بات کر کے نکلتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ ویرا کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔

"میں خود پریشان ہوں کہ وہ اس وقت کہاں سے ٹپک پڑی۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ اس نے میرے لیے جہانگیر کے گھر فون کیا تھا۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمھاری جگری سہیلی تمھاری بو سونگھتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی۔ فرانس اور اٹلی کی سرحد پر مجھ سے بچھڑنے کے بعد آج اس کی خبر ملی ہے۔ چاہو تو اسے ہوٹل کے بجائے یہیں بلا لو، گزارہ ہو جائے گا۔"

"میں خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں..." میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا لیکن اس نے جان دار قہقہہ مار کر میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ وہ بے چاری تمھاری بُو سونگھ رہی ہے اور تم خطرے کی بُو سونگھ رہے ہو۔ خطرہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب ویرا کی موجودگی میں سلمیٰ بھابی آ جائے۔"

"تم احمق ہو۔" میں نے جھلا کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "دلدار کی موت کے فوراً بعد اس کا یہاں پہنچنا معنی خیز ہے۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے اب بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ دلدار کی موت کے بعد یہاں پہنچی ہے؟ یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ وہ کئی دن سے شہر میں مقیم ہو مگر اسے جہانگیر کے گھر فون کرنے کا خیال اب آیا ہو۔ دوسری طرف دلدار کو تم نے رات کو مارا تھا، اس کی لاش دو تین بجے سے پہلے کیا ملی ہوگی۔ یہ ناممکن سی بات ہے کہ اتنے کم وقت میں ویرا کو دلدار کے قتل کی خبر بھی مل گئی، اسے بروقت پرواز بھی مل گئی اور وہ اتنی کم مدت میں یورپ سے سیدھی یہاں پہنچ گئی۔ تم بلا وجہ اس کے بارے میں پریشان ہو رہے ہو۔"

اس کے دلائل خاصے وزنی تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میری چھٹی حس مجھے کسی بدترین خطرے کے امکانات سے آگاہ کر رہی تھی۔

دلائل سے سلطان کے قیاس کی تردید کرنا ممکن نہیں تھا۔ اپنے خدشات کی تصدیق یا تردید کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں ویرا سے فون پر بات کر کے اس کے عزائم کا اندازہ لگاتا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی ہوٹل کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

چند ثانیوں کے بعد ہی ویرا لائن پر آ گئی۔ "تم کیسے ہو اور کہاں ہو؟" اس کا لہجہ گرم جوشی سے عاری اور بڑی حد تک سپاٹ تھا۔ "میں تم سے فوراً ملنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور ملاقات ہوگی لیکن تم کراچی کب آئی ہو؟" میں نے بھی سرد مہری سے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہوٹل پہنچی ہوں۔ آتے ہی تمھیں فون کیا تھا۔" اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ اتفاق ہے کہ میں نے جہانگیر کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تو تمھارا پیغام مل گیا ورنہ ان لوگوں کو میرا پتا ٹھکانا معلوم نہیں ہے۔" میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کہا۔

"چلو! یہی کافی ہے کہ تمھیں بروقت میرا پیغام مل گیا۔ کب آ رہے ہو؟"

"تم تو اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے صرف مجھ سے ملنے کے لیے یہاں آئی ہو!"

"یہ حقیقت ہے۔" اس کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ "میں صرف تم سے ملنے اور کچھ اہم معاملات طے کرنے کے لیے آئی ہوں، یہ میرے علاوہ تمھارے لیے بھی بہت اہم اور ضروری ہیں!"

"کیسے معاملات؟ کھل کر بات کرو!" اس کے الفاظ پر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"شاید تمھیں علم نہ ہو کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ فرانس اور اٹلی کی سرحد عبور کرتے ہوئے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ وہاں مجھے جمی لائیڈ کے ایک آدمی نے مجھے اس کا ذاتی پیغام دیا تھا۔ اس سے ملنے پیرس چلی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے ماضی کی تمام زیادتیوں کی معافی مانگ کر آخر کار مجھے اپنی حقیقی بیٹی تسلیم کر لیا ہے اور میری اس سے صلح ہو گئی ہے..."

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم آئی مین بلکہ آئی وومن کی حیثیت سے یہاں آئی ہو؟" وہ سوال کرتے ہوئے میرے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" اس نے میرے اندازے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اٹلی میں کل رات نو بجے پاکستان کے لیے روانہ ہونے کا ہنگامی حکم ملا تھا۔ فوری طور پر کوئی باقاعدہ پرواز دستیاب نہ تھی اس لیے میں مختصر ترین وقت میں طیارہ چارٹر کر کے یہاں پہنچی ہوں۔ تم جس راستے پر چل رہے ہو، وہ سیدھا تباہی کی طرف جاتا ہے۔ میں تمھاری بہتری کے لیے کچھ قابلِ عمل تجاویز لے

آئی ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں سکا کہ تم کس راستے کا حوالہ دے رہی ہو۔" ویرا کی گفتگو خلافِ توقع نہایت تیزی کے ساتھ ہر لمحے ایک نیا موڑ لے رہی تھی۔ اس نے اٹلی کے وقت کے مطابق نو بجے شب روانگی کا حکم ملنے کا ذکر کیا تھا جس کا مطلب پاکستان میں رات کا ایک بجے کا وقت تھا جب مجھے دلدار آغا کو قتل کیے بمشکل ایک ڈیڑھ گھنٹا گزرا تھا اور اس کی لاش چوکنڈی کے ویرانے میں گمنامی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ وقت کا وہ اتفاق بہت حیرتناک اور ناقابلِ یقین تھا مگر اسی کے ساتھ اس اتفاق سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی چارٹرڈ جہاز سے آمد دلدار آغا کے قتل کے سلسلے میں نہیں تھی بلکہ شاید اسے اُس واردات میں میرے کردار کا علم ہی نہیں تھا۔

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو ڈینی!" اس کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی "یہ شہر میرے لیے اجنبی نہیں ہے اپنے ذہن پر زور دو کہ کل رات تم کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟"

اس کا لہجہ سخت اور پُراعتماد تھا۔ حیرت اور بےیقینی سے میرا دورانِ خون تیز ہو گیا مگر میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے بےپروائی اختیار کرتے ہوئے کہا "میں تو اپنے گھر پر پڑا بےخبر سو رہا تھا۔ تمھاری معلومات مجھ سے زیادہ ہیں تو تم خود ہی کچھ بتا دو۔"

"دلدار آغا احمق نہیں تھا جو تمھیں چوکنڈی لے گیا تھا۔" ویرا کے وہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گرے "وہاں پچیس مربع میل کا علاقہ ہر لمحے ہمارے سیٹلائٹ کے ذریعے مانیٹر کیا جاتا ہے اسی رقبے میں شاہ باغ بھی واقع ہے جہاں ہماری اہم تنصیبات تھیں اور جنھیں تم نے تباہ کر دیا۔ شی کے بڑے اپنی آنکھوں سے تمھارا انجام دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے انھوں نے دلدار کو حکم دیا تھا کہ تمھیں زندہ یا مردہ، ہر حالت میں چوکنڈی لے جایا جائے۔ دلدار کو اس علاقے میں سیٹلائٹ مانیٹرنگ کا علم نہیں تھا مگر اس نے حکم کی تعمیل کی اور اس ویرانے میں کھیلے جانے والے خونی ڈرامے کو اٹلی میں جمی لائیڈ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے پاس تمھاری واضح تصاویر موجود ہیں جنھیں تم جھٹلا نہیں سکتے۔ تمھارے ہاتھوں دلدار کے قتل کے بعد ہی مجھے یہاں آنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

میرے ہاتھ ریسیور پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ ویرا ناقابلِ یقین اور تصوراتی باتیں کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ دنیا بہت ترقی کر چکی تھی لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسے فردِ واحد کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کسی مواصلاتی سیارے سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن ویرا جس وضاحت سے پچھلی رات کے واقعات دہرا رہی تھی اس کی روشنی میں اس کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔

"ایک مخصوص بلندی پر وہ مواصلاتی سیٹلائٹ چوکنڈی پر ہی ٹھہرا ہوا ہے۔ اس مدار پر سیٹلائٹ کی رفتار زمین کی محوری رفتار کے برابر ہوتی ہے تم اس کی شہادت کو نہیں جھٹلا سکتے۔" وہ کہہ رہی تھی "کل رات تک تم نے جو چاہا، وہ کر لیا لیکن شی میں اب طاقت کا توازن بتدریج میرے ہاتھ میں آتا چلا جائے گا۔ میں ان حرکتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتی۔ تمھیں مجھ سے مفاہمت کرنی ہوگی ورنہ میں تمھارا جینا حرام کر دوں گی۔"

"اچھا ہوا کہ میرے آنے سے پہلے تم نے اپنے عزائم ظاہر کر دیے۔ اب میں غور کر کے فیصلہ کروں گا۔ بےخبری میں تو شاید میں تمھارے کمرے سے زندہ ہی نہ لوٹ پاتا۔"

"تم میرے مزاج سے واقف ہو، ہمارے قریبی مراسم بھی رہے ہیں، میں تمھیں دھوکے سے یا بےخبری میں نہیں بلکہ للکار کر ماروں گی۔ ابھی تم آئے تو میرے مہمان بن کر آؤ گے، میں تمھاری بحفاظت واپسی کی ضمانت دیتی ہوں۔"

"نہیں ویرا! مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

"ضرور سوچو! مگر سوچتے ہوئے دلدار آغا کے اس غدار دوست کا انجام ضرور سامنے رکھنا جس نے چوکنڈی میں دلدار کا کوئی ساتھ نہیں دیا۔ اب سے تھوڑی دیر پہلے، دفتر سے نکلتے ہوئے اس کے جسم میں سب مشین گن کا پورا میگزین خالی کیا جا چکا ہے۔"

لائن بےجان ہو گئی۔

اسرار رضوی کا وہ عبرتناک انجام سن کر میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا تھا۔

شی کے بارے میں میرے تمام بدترین اندیشے درست ثابت ہوئے تھے لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ پاکستان کے معاملات کو سنبھالنے کا کام ویرا کو سونپا جائے گا وہ بہت خطرناک اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ آئی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے ساتھ طویل شب و روز گزار کر وہ بڑی حد تک میرے مزاج اور طریقِ کار سے واقف ہو چکی تھی اس لیے مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔

نئے کھیل میں میری واحد کمزوری یہ تھی کہ غزالہ بظاہر ہر قید و بند سے آزاد مگر لاپتا تھی۔ اگر ویرا کو وہ نکتہ معلوم ہو جاتا تو وہ مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایک بار پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہو سکتی تھی۔

"خدا

خیر کرے!" سلطان شاہ میری طرف دیکھتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ٹیڑھی گفتگو ہوئی ہے۔ جب ہی تمھارا چہرہ اُتر گیا ہے۔"

"تمھارے دلائل غلط ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خیال انگیز لہجے میں کہا "وہ دلدار آغا کی موت کی خبر ملنے کے بعد ہی یہاں آئی ہے۔ اسے اس واقعے کی پوری تفصیل معلوم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے آتے ہی دلدار آغا سے غداری کرنے کے جرم میں اس کے دوست اسرار رضوی کو دفتر سے نکلتے ہوئے گولیوں سے چھلنی کروا دیا ہے۔ وہ تمھارے اندازوں سے کہیں زیادہ باخبر ہے۔"

سلطان شاہ کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا "تو کیا وہ پہلے سے یہاں موجود تھی؟" اس نے احمقانہ سوال کیا۔

"میں بتا رہا ہوں کہ وہ دلدار آغا کی موت کی خبر ملنے کے بعد یہاں آئی ہے لو تم اپنی پینک میں ہو۔ اسے اٹلی میں اس واقعے کی اطلاع ملی اور وہ ایک جہاز چارٹر کر کے سیدھی یہاں پہنچ گئی۔"

میں خود ویرا کے کیے ہوئے انکشافات سُن کر ششدر رہ گیا تھا اس لیے مجھے اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ سلطان شاہ کے لیے میری یہ بات بھی قابلِ فہم ثابت نہیں ہوئی تھی۔

میں نے سگریٹ سُلگا کر آہستہ آہستہ اسے ان تمام رموز سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جو ویرا کی زبانی میرے علم میں آئے تھے۔ وہ پتھر کے کسی بُت کی طرح بےحس و حرکت بیٹھا میری کہانی سُنتا رہا۔

"میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ چوکنڈی کے علاقے پر خلا میں کوئی مواصلاتی سیارہ ٹھہرا ہوا ہے۔" میری بات مکمل ہو جانے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "فلموں اور کہانیوں کی حد تک تو یہ سب سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ مان لینا ممکن نہیں کہ ویرا جو کچھ کہہ رہی ہے، وہ سو فی صد سچ پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اتفاقاً یہاں آنے پر اسے کسی ذریعے سے دلدار آغا کی موت کی خبر ملی ہو اور اس نے تمھیں مرعوب کرنے کے لیے مواصلاتی سیارے اور چوکنڈی کے مخصوص علاقے کی کہانی گھڑ لی۔"

"میں تمھیں مجبور نہیں کرتا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ہیروئن اور کوکین وغیرہ کے دھندے میں کس قدر زبردست سرمایہ لگا ہوا ہے۔ صرف کولمبیا میں اس ٹریڈ کا انتظامی بجٹ حکومت سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جسے چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ پناما میں حکومت انھی کی ہے، یہ ممالک دُنیا کی سب سے بڑی طاقت سے بہت قریب واقع ہیں۔ لیکن امریکا کی انتظامیہ بھی اپنے خفیہ محکموں کے ذریعے ان کو نہیں کُچل سکی۔ وہ دور لَد گیا جب حکومتیں اپنے وسائل سے کام لے کر بھرپور عالمی پبلسٹی کے بعد خلائی سیارے روانہ کرتی تھیں خلائی مواصلات اب عام تجارتی شعبہ ہے۔ تمھاری جیب میں دم ہو اور زمین پر ایک ریسیونگ اسٹیشن بنا لو تو تم بھی اپنا ایک مواصلاتی سیارہ خلا میں بھجوا سکتے ہو تم یہ بھول رہے ہو کہ ویرا اسرار رضوی کو غداری کے جُرم میں موت کی سزا دے چکی ہے۔ چوکنڈی کے ویرانے میں اسرار رضوی کے کردار کا میرے علاوہ کوئی گواہ نہیں تھا۔ دلدار آغا عالمِ بالا سے ویرا کو کوئی خبر نہیں دے سکتا لیکن میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ علاقہ واقعی مانیٹر کیا جاتا ہے اور جمی لائیڈ نے پچھلی رات کا خونی ڈراما اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا اور اسی کے بعد ویرا کو یہاں بھیجا گیا ہوگا۔"

"یہ بہت بُرا ہوا کہ ویرا اور جمی لائیڈ میں مصالحت ہو گئی۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "جب تک وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے، ہمارا کام اتنا مشکل نہیں تھا...."

"ان میں ایک نہ ایک دن سمجھوتا ہونا ہی تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "خون کے رشتے ہمیشہ کے لیے نہیں بھلائے جا سکتے۔ جمی لائیڈ کی عمر روز بہ روز ڈھل رہی ہے شی کے معاملات کو چلانے کے لیے اسے اپنی بیٹی سے زیادہ کسی اور سے مدد نہیں مل سکتی کیوں کہ اس نے ویرا کی تربیت ہی اپنی ضروریات کے مطابق کی ہے۔ وہ عورت ہے مگر بہتیرے مردوں سے کہیں زیادہ حوصلہ مند، لڑاکا اور مکار ہے۔ جمی لائیڈ کی ذات کا سہارا مل جانے کے بعد تو وہ اور زیادہ خطرناک ہو جائے گی...."

"وہ تو اپنے باپ کی جان کی دشمن ہو رہی تھی۔ اپنے باپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نفرت کے ہولناک الاؤ بھڑک اُٹھتے تھے پھر اب یکایک ان دونوں میں دوستی کیسے ہو گئی؟"

"رشتوں کا معاملہ بہت عجیب ہوتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "نفرت بھی محبت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ کسی اجنبی سے تم کو نہ محبت ہوتی ہے اور نہ نفرت لیکن جسے تم چاہتے ہو، اگر وہ تم کو نظرانداز کرنا شروع کر دے یا تمھیں اور تمھارے جذبوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو وہیں سے نفرت کی پہلی چنگاری بھڑکتی ہے۔ ویرا بےسہارا تھی۔ اس کی ماں نے مرن کھاٹ پر اسے بتایا تھا کہ اس کا غیرقانونی باپ جمی لائیڈ تھا اس لیے تنہا رہ جانے کے بعد ویرا نے اپنے باپ کی ذات میں پناہ لینی چاہی لیکن جمی لائیڈ نے اپنی جوانی کی اُس جوان لغزش کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دیکھا جائے تو یہ ویرا کی شکست تھی۔ وہیں سے وہ اپنے باپ کی دشمن ہو گئی لیکن ان دونوں کی ساری لڑائی کا محور آپس کا رشتہ تھا۔ جب تک جمی لائیڈ ویرا کو اپنی بیٹی ماننے سے انکار کرتا رہا، وہ اس کے خون کی پیاسی بنی رہی۔ لیکن جس لمحے جمی لائیڈ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر اپنی زیادتیوں کی معافی مانگتے ہوئے اسے بیٹی کہا ہوگا، اسی لمحے ویرا کی کایا

پلٹ ہوگئی ہوگی میرا اندازہ ہے کہ اب وہ اپنے باپ کے خلاف ایک لفظ بھی سُننا گوارا نہیں کرے گی۔"

"اور شاید اسی لیے اسے کراچی بھیجا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ جمی لائیڈ کی سب سے زیادہ وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ تم سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ وہ اس گہری آشنائی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمھارے خلاف بڑی کامیابیاں بھی حاصل کر سکتی ہے۔"

"ان لوگوں کا منصوبہ یہی نظر آتا ہے لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ویرا کو میرے خلاف جو فائدہ حاصل ہے، وہی مجھے بھی اس کے خلاف حاصل ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تنہائی میں تم اسے اتنی باریکی سے دیکھا کرتے تھے۔ جب تم اس کی رگیں دیکھتے تھے تو کہیں کہیں دل بھی نظر آتا ہوگا؟"

"وہ فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔" میں نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہ کر ملنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس پہلی ملاقات کو ہی آخری بنانے پر تل جائے۔ اپنے باپ کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے کسی حربے سے تمھیں حیران بھی کر سکتی ہے۔"

ویرا لائیڈ کی طرف سے سلطان شاہ کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دلدار آغا شی کی تنظیم کو ختم کر کے معراج دین عرف ماجے جیسے کرائے کے لوگوں کے سہارے شی کی سرگرمیاں محدود پیمانے پر جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کی موت کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور ویرا کو کراچی میں فوری طور پر کہیں سے کوئی مدد ملنے کے آثار نہیں تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اپنے پرانے مراسم کو بروئے کار لا کر چند روز میں اپنے گرد کچھ لوگ جمع کر لیتی۔ میرا اندازہ تھا کہ اسے مستقل طور پر پاکستان میں نہیں بھیجا گیا تھا۔ اپنے باپ سے صلح ہو جانے کے بعد ویرا ابھی فطری طور پر جمی لائیڈ کے قریب رہ کر اس کا ہاتھ بٹانے کی خواہش مند ہوتی۔ اسی وجہ سے مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ویرا کو مجھ سے مفاہمت کرنے یا میرے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا محدود مشن سونپ کر کراچی بھیجا گیا تھا اور وہ اس کام کو جلد از جلد ختم کر کے واپس لوٹ جانا چاہتی تھی تاکہ جمی لائیڈ کے سامنے سُرخرو ہو سکے۔

"جمی لائیڈ کو اپنی سرگرمیوں کے لیے ویرا کی مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ "اس کے پاس نہ تو سرمائے کی کمی ہے اور نہ وسائل کی۔"

"کارآمد لوگوں کی ہر جگہ اور ہر کسی کو ضرورت ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔ "پھر ویرا تو اس کی بیٹی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب اسے اپنا جانشین بنانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔"

"جانشین؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دُہرایا۔ "مجرموں کے موروثی گروہوں میں تو جانشینی وغیرہ جیسے تصورات چلتے ہیں لیکن شی کی تو ساخت ہی مختلف ہے۔ مافیا کے ڈان بھتری نے تمھیں جو کچھ بتایا تھا، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ دراصل امریکا کے ایک انتہائی خفیہ اور مذموم ادارے کا باقاعدہ سربراہ ہے اور اپنی کارکردگی کے بارے میں شاید براہِ راست امریکا کے صدر کو جواب دہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ معاملہ موروثی گروہ بندی کے بجائے محکمہ جاتی ہو جاتا ہے۔ جمی لائیڈ اپنی بیٹی کو اپنا جانشین کیسے مقرر کر سکتا ہے؟ وہ نہ رہا تو امریکی صدر اس کے خالی کیے ہوئے عہدے پر اپنی پسند کے کسی نئے آدمی کو مامور کر دے گا اور پھر امریکا میں تو انتخابات کے ذریعے صدر کی تبدیلی کے ساتھ ہی ہزاروں اہم انتظامی عہدوں میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ جانے والے کے رفقا اور حلیف خود بخود اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جاتے ہیں اور نیا سربراہ اپنی پسند کے لوگوں کو خالی عہدوں پر مقرر کرتا ہے تاکہ اپنی قومی پالیسیوں کو اپنی مرضی کے لوگوں کے ذریعے اپنی پسند کے مطابق چلا سکے۔ ایسے نظام میں ویرا لائیڈ کے لیے شی کی سربراہی کے امکانات کہاں باقی رہ جاتے ہیں۔"

"وہ ڈان بھتری کی سُنائی ہوئی کہانی تھی جس کی ابھی تک نہ تصدیق ہو سکی ہے اور نہ تردید۔ اگر تمھارے نظریے کو درست مان لیا جائے تب بھی جمی لائیڈ کے بعد باہر کے کسی نئے فرد کے بجائے شی میں سے ہی کسی ایسے فرد کے تقرر کا امکان رہتا ہے جو اپنی کارکردگی میں سب سے بہتر اور برتر ہو۔" میں نے کہا۔

"جہنم میں جائے۔" وہ اُکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "وہ شی کے معاملات ہیں، شی والے جانیں۔ ہمارے لیے تو وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ آج تمھاری داشتہ تمھاری سب سے بڑی حریف بن کر تمھارے سامنے آ گئی ہے۔"

اس وقت حالات اور واقعات کی وجہ سے میرے ذہن پر سخت دباؤ تھا اس لیے میں نے باہر لنچ کا پروگرام بنا لیا اور ہم دونوں لباس تبدیل کر کے فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

سیٹھ حبیب جیوانی سے ملی ہوئی سرخ کار میں شرف آباد سے روانہ ہو کر ہم بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچے تو وہاں بازار بند تھا اور جا بجا لوگوں کی ٹولیاں جمع تھیں ایک ٹرک میں پولیس کی بھاری جمعیت مسلح اور تیار تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہر پہ خدانخواستہ دُشمن نے یلغار کر دی ہو۔ وہاں نہ دُھواں تھا، نہ خون مگر پھر بھی فضا پر موت کا پُرہول آسیبی سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہاں آگ، خون اور بارود کا

بھیانک کھیل شروع ہونے والا تھا۔

یہی حال طارق روڈ اور سندھی مسلم سوسائٹی کا بھی تھا حالانکہ پچھلے دن بھڑک اُٹھنے والے فسادات میں وہ علاقے محفوظ رہے تھے۔ دلدار آغا نے اپنی انا کی شکست کا انتقام لینے کے لیے شہر میں منظم سازش کے ذریعے لسانی نفرت کی ایسی آگ بھڑکائی تھی کہ اس کے ردِعمل میں شہر میں کہیں بھی کوئی خونریز تصادم ہو سکتا تھا۔ اس کے سدِباب کے لیے جا بجا پولیس کی بھاری نفری مامور تھی اور خال خال فوجی گاڑیاں بھی گشت کر رہی تھیں۔

یہ کراچی کی بدنصیبی تھی کہ اس شہر میں امن وامان کے شہری محافظوں کی کوئی ساکھ کبھی بن ہی نہیں سکی تھی۔ سیاسی طالع آزماؤں نے بے ضمیر انتظامی افسروں کے ذریعے پولیس کو ہمیشہ اپنے مفاد کا پاسبان بنائے رکھنے پر زور دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ پولیس ایک جمعیت کے طور پر عوام سے دور اور حاکموں سے قریب ہوتی چلی گئی۔ حاکموں کی قربت سے چھوٹے افسروں اور نچلے درجے کے عملے میں رعونت کا اُبھر آنا غیر فطری نہیں تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون کی مدد چاہنے والے قانون کی مار کا نشانہ بننے لگے اور اسی کے ساتھ مالی دباؤ، ترغیب، تحریص اور سب سے بڑھ کر ہوسِ زر نے پولیس کے محکمے کی ایک نمایاں تعداد کو رشوت ستانی کی راہ پر ڈال دیا۔ اوپر سے کسی بازپرس کا کبھی خوف نہیں رہا، عوام کو مفتوح غلام تصور کیا جانے لگا لہٰذا عوام بھی انھیں تحقیر و تضحیک کا نشانہ بنانے سے کبھی نہ چوکے۔ نوجوان نسل تو سرے سے ان ٹلّوں کو خاطر میں لانے پر ہی آمادہ نہیں تھی اس وجہ سے ہر بڑے ہنگامے کے موقع پر امن وامان کے قیام کے لیے فوج کا سہارا لینا ناگزیر ہو جاتا تھا۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ جہاں فوج کا سایہ میسّر نہیں تھا وہاں پولیس بھی متحارب گروہوں کے ساتھ ایک فریق بن گئی یا بنا لی گئی۔ البتہ فوج کی رسمی مداخلت سے پولیس بھی مشتعل لوگوں کے انتقام سے بچ جاتی تھی۔

طارق روڈ کے گلی کوچوں کے ہوٹل اور فاسٹ فوڈ شاپس بھی بند پڑی ہوئی تھیں اس لیے لنچ کی تلاش میں سندھی مسلم سوسائٹی سے نکل کر ہم شاہراہِ فیصل پر آ گئے۔

فلیٹ سے نکلتے ہوئے میرا ارادہ کسی چھوٹے اور غیر معروف ہوٹل میں کھانا کھانے کا تھا لیکن مجبوراً ہمیں تاج محل میں جانا پڑا۔ ہم نے نیم آباد ہال کا ایک دور افتادہ گوشہ منتخب کیا تھا جہاں ہم آنے جانے والوں کی نگاہوں سے محفوظ تھے۔

"اس وقت ہمیں شہر میں کسی سے جان کا خطرہ نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے آرام دہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمھارے ایمان کی دُشمن یہاں آ پہنچی ہے۔"

وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ میں نے اس باریکی پر غور نہیں کیا تھا کہ دلدار آغا کی موت کے بعد پہلی بار ہم کراچی میں آزادانہ طور پر گھوم پھر سکتے تھے۔

اس روز میں دفتر نہیں گیا تھا اور نہ ہی مجھے وہاں کے معاملات سے کوئی دلچسپی تھی پھر بھی سیٹھ جیوانی نے ڈان بھتری کی سفارش پر اپنی ضروریات کے تحت مجھے اس دفتر کا سربراہ بنایا ہوا تھا۔ میں گھر سے باہر آ چکا تھا، مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ کھانا میز پر آنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا اس لیے ویٹر کو آرڈر دے کر میں پبلک فون کی طرف چل پڑا۔

ٹریڈ لائن کی ٹیلی فون آپریٹر نے فوراً ہی میری آواز پہچان لی اور میری زبان سے سینڈو کا نام سُنتے ہی لائن اس کو منتقل کر دی۔ وہ فوراً ہی لائن پر آ گیا تھا۔

"شہر کا کیا حال ہے سینڈو؟" میں نے رسمی لہجے میں سوال کیا۔

"حال بُرا ہے باس۔" اس کی آواز تشویش آمیز تھی۔ "ملیر، ڈرگ کالونی، لیاری، لیاقت آباد اور گلبہار کے بعض علاقوں میں کرفیو کے باوجود مارا ماری ہو رہی ہے۔ تشدّد کی یہ لہر رفتہ رفتہ ہی ختم ہو گی۔ ڈی ڈی نے جتنی تیزی سے یہ آگ بھڑکائی تھی، وہ زندہ ہوتا تو اپنی کوشش کے باوجود اتنی جلدی اسے ختم نہ کر پاتا۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ کوئی کام ہو تو بتاؤ۔ سارے آدمی بھی کل کی بھاگ دوڑ کے بعد آج خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"فی الحال آرام کرو، میں بھی تھک گیا ہوں، دفتر آنے کے بعد ہی کام شروع ہو سکے گا۔"

"تھوڑی دیر پہلے ایک خبر ملی تھی۔" اس کی تردد آمیز آواز سُنائی دی۔ "ابھی تک اس کی تصدیق یا تردید نہیں کرا سکا ہوں۔ سُنا ہے کہ اصغر نے پوری شدّومد کے ساتھ تمھاری تلاش شروع کرا دی ہے۔"

"اصغر کون؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔ فوری طور پر مجھے اس نام کے حوالے سے کچھ بھی یاد نہ آ سکا تھا۔

"ایکسائز کے محکمے کا وہی افسر جس نے اولڈ کلفٹن پر تمھیں سراج سے مال وصول کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔" اس نے پوری وضاحت کے ساتھ کہا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ اب اسے کیا ہو گیا ہے۔"

"یہ خبر تمھیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

"پندرہ بیس منٹ پہلے پارسن نے فون کیا تھا۔ اصغر تمھاری تلاش میں اسی کے پاس پہنچا تھا لیکن پارسن وہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے ایک لڑکی سے تمہارا اصل نام لیا تھا۔ وہ لڑکی ڈینی سے واقف ہی نہیں تھی۔ اصغر دوبارہ آنے کا پیغام چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ پارسن سے تمہارے ہی بارے میں کچھ پوچھ گچھ کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"وہ کس وقت آیا تھا؟" میں اس تشویشناک خبر پر پریشان ہو گیا تھا۔ اگر اصغر دوبارہ میری فائل کھول دیتا تو میرے راستے میں بہتیری دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ میری تحویل سے برآمد کیا جانے والا پیکٹ اس وقت اس کی تحویل میں تھا جس کی بنیاد پر میرے لیے قانون سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں نکل سکتا تھا۔

"وہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب کلب پہنچا تھا۔" سینڈو کی آواز ابھری۔"اس وقت پارسن کچن کے لیے شام کی خریداری کرنے گئی ہوئی تھی۔"

"اور اسرار رضوی ریٹا کے ساتھ کس وقت کلب سے گیا تھا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"پارسن سے فون پر اس کا سرسری ذکر آیا تھا۔ وہ دونوں ہی منہ اندھیرے کلب سے نکل گئے تھے۔ کیا اس بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی نظریہ ترتیب پا رہا ہے؟"

"اصغر پر گہری نظر رکھو۔ وہ حرامزادہ میرے لیے دشواریاں کھڑی کر دے گا۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔"شاید تمہیں علم نہیں کہ بارہ بجے سے پہلے اسرار رضوی کو اس کے دفتر سے نکلتے ہوئے گولیوں سے چھلنی کیا جا چکا ہے۔"

"اوہ! یہ تو مجھے پتا ہی نہیں چل سکا..." اس کی تحیّر آمیز آواز ابھری۔"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسرار نے تمہیں اصغر کی قید سے رہائی دلائی تھی، اس کی موت واقع ہوتے ہی اصغر دوبارہ تمہارے پیچھے لگ گیا۔"

"ہاں! وہ اس موقع کو کھونا نہیں چاہتا۔ وہ سراج سے لمبی سودے بازی کر رہا تھا لیکن سراج فون پر اپنے بڑوں سے مشورہ کرنے کے بہانے اصغر کے دفتر کے روشن دان سے فرار ہو گیا۔ مجھے اسرار رضوی اپنا مخبر بنا کر نکال لایا اور اصغر خالی ہاتھ ملتا رہ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے میرے ہی ساتھ سراج کی بھی تلاش ہو گی.. لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میری تلاش میں وہ مردود سیدھا کلب کیسے پہنچ گیا؟"

"وہ میری غلطی تھی۔" سینڈو کی پژمردہ آواز سنائی دی۔"اولڈ کلفٹن سے تمہاری گرفتاری کے بعد تمہاری گاڑی کی نگرانی پر ایک سپاہی مامور تھا۔ جب تمہاری رہائی کے بعد قصہ ختم ہوا تو میں تمہاری گاڑی کلب لے آیا۔ سپاہی واپس شہر جانا چاہتا تھا۔ میں اسے بھی ساتھ لے آیا اور کلب سے ایک ڈرائیور کے ساتھ اسے شہر بھجوا دیا۔ اسی سپاہی نے اصغر کو کلب سے تمہارے تعلق کے بارے میں بتا دیا ہو گا لیکن ان لوگوں کو کلب کی اصلیت معلوم نہیں ہو سکی ہو گی۔ لوگ عام طور پر اسے ایک مہنگا اور نخریلا ریستوران ہی سمجھتے ہیں۔"

"سمجھا کریں لیکن میرا ایک ٹھکانا اس کی نظروں میں آ گیا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔"اس نے ذرا بھی محنت کی تو سیدھا تمہارے دفتر پہنچ سکتا ہے۔ آخر تمہاری عقل کہاں سو جاتی ہے؟"

"معافی چاہتا ہوں باس! پچھلی رات کو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اسرار مار دیا جائے گا اور تفتیشی افسر دوبارہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔ کیا اسرار کو اصغر ہی نے مارا ہے؟"

"فضول قیاس آرائیاں نہ کرو اور اصغر پر نظر رکھو۔" میں نے تلخ لہجے میں اسے ڈانٹتے ہوئے ریسیور ہک پر لٹکا دیا۔

میں واپس لوٹا تو کھانا میز پر سرو ہو چکا تھا اور سلطان شاہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ شاید وہ مجھ پر کوئی پھبتی کسنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا لیکن میرے تیور دیکھ کر اس نے بھانپ لیا کہ مطلع صاف نہیں ہے اس لیے خاموشی کے ساتھ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں بھی خاموشی کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا.. اس وقت میرے ذہن پر گزرے ہوئے واقعات کی ریل چل رہی تھی اور میں ان نکات پر غور کر رہا تھا جو اصغر کو میرے خلاف ذرا بھی سہارا دے سکتے تھے۔ اس بارے میں سب سے پہلا نمبر مافیا والوں کی اس سرخ کار کا تھا جو اس وقت بھی میرے زیرِ استعمال تھی۔ اصغر ایکسائز کے محکمے کا افسر تھا۔ ایسے لوگ بہتیری باتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں نوٹ کر لیتے ہیں۔ اوّل تو میری اس کار کا ماڈل ہی منفرد نوعیت کا تھا پھر اس کا رنگ سرخ تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اصغر یا کار کی نگرانی کرنے والے سپاہی نے اس کا نمبر نوٹ یا یاد کر لیا ہو اس لیے میں نے اسی وقت سے اس کار کا استعمال ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاج محل ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کار کی طرف جانا بھی میرے لیے خطرناک ہو سکتا تھا البتہ میری ہدایت پر سینڈو کا کوئی آدمی وہاں سے کار لے جا سکتا تھا۔

"کھانا کم کھا رہے ہو اور سوچ زیادہ رہے ہو۔ خیریت تو ہے نا؟"

"آخر تم سے صبر نہیں ہو سکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"دراصل ہمارے ستارے ہی کچھ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ خیریت زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر خطرے کی اطلاع ہمیں بروقت مل ہی جاتی ہے۔ ابھی میں صرف رسمی دعا سلام کی نیت سے گیا تھا لیکن فون پر سینڈو نے بتایا کہ ہیروئن والے معاملے میں تفتیشی افسر نے ایک بار پھر میری تلاش شروع کر دی ہے۔ میں شی اور مافیا والوں سے تو قیامت تک لڑ سکتا ہوں لیکن قانون کے ساتھ مقابلہ کرنے کا تصور میرے لیے پریشان کن ہوتا ہے..."

"حالانکہ شی سے لڑ کر بھی تم قانون ہی سے لڑتے ہو۔" اس نے میری بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔"تم کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ اپنے شہر کے مجرموں کو قانون کے حوالے کرنے کے بجائے موت کے گھاٹ اتارتے پھرو؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ قانون سے زیادہ شاید ضمیر کا معاملہ ہے۔ مجرموں کو مارتے ہوئے میرے دل میں کسی قسم کا احساسِ جرم نہیں ہوتا لیکن جب قانون براہِ راست تم پر کوئی فردِ جرم عائد کر دے تو معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔"

"آخر اس افسر کو یکایک ہی تمہاری کون سی ضرورت پیش آ گئی ہے؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری وجہ سے اس کے دانتوں میں پھنسی ہوئی روغنی بوٹی پھسل کر نکل گئی تھی۔ اسرار رضوی مجھے چھڑانے والا میرا واحد سفارشی تھا۔ اس کے قتل ہوتے ہی تفتیشی افسر اپنی محرومی کا حساب بے باق کرنے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا ہو گا۔ اب پہلی احتیاط یہ ہو گی کہ ہم سرخ کار یہیں چھوڑ کر ٹیکسی سے گھر واپس جائیں گے۔ باقی باتیں بعد میں سوچی جائیں گی۔"

"ارادہ نیک ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ کوئی ٹیکسی مل سکے گی۔ یہاں آتے ہوئے مجھے راستے میں ٹیکسی رکشا تو درکنار کوئی لولی لنگڑی بس بھی نظر نہیں آئی تھی۔" وہ کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔

"فکر نہ کرو، ہم گھر سے دور نہیں ہیں۔ پیدل چلنے سے ہاضمہ بھی بہتر ہو گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس قدر لذیذ اور مرغن کھانا کھانے کے بعد تو فوراً بستر درکار ہوتا ہے۔ پیدل چلنا میرے لیے سوہانِ روح بن جائے گا۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر درد آمیز لہجے میں کہا اور میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

کھانے اور چائے سے فارغ ہونے کے بعد بھی ہم کافی دیر تک کسل مندانہ انداز میں وہیں بیٹھے رہے۔ شکم پُری کے بعد ہوٹل سے شرف آباد تک پیدل مارچ اس وقت واقعی عذاب محسوس ہو رہا تھا پھر اچانک ہی مجھے اپنی کند ذہنی پر غصہ آ گیا اور میں بل کی رقم ٹپ سمیت ٹرے میں ڈال کر وہاں سے اٹھ گیا۔

اس شہر میں میرے لیے مافیا والوں کی دی ہوئی سرخ کار ہی نہیں رہ گئی تھی۔ مناسب انتظار کے بعد ٹیکسی نہ ملتی تو وہیں سے فون کر کے میں جہانگیر کے گھر سے یا ٹریڈ لائن کے دفتر سے کوئی گاڑی منگوا سکتا تھا۔ مزید جھلاہٹ اور کوفت اس وقت ہوئی جب لابی میں نکلتے ہی رینٹ اے کار کی تختی نظر آئی۔ شہر کے ہر اچھے ہوٹل میں کرائے پر بغیر میٹر والی پرائیوٹ گاڑیاں حاصل کرنے کی سہولت موجود تھی جس سے ہر وقت استفادہ کیا جا سکتا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی ہم ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ یہ درست ہے کہ جب ذہن پر کوئی مسئلہ بوجھ بن کر سوار ہو جائے تو عقل ماؤف ہو کر رہ جاتی ہے اور سامنے کی باتیں بھی نہیں سوجھ پاتیں۔ اس وقت سلطان شاہ کی منفی تمہید نے میری بھی کھوپڑی ماؤف کر ڈالی تھی۔

فلیٹ پر ہمیں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ جہانگیر کی حالت خراب تھی اسی کے ساتھ سلمیٰ بھی شدید ترین ذہنی دباؤ سے گزر چکی تھی اور میں ان دونوں کو مجبوری کے تحت ذرا بھی وقت نہیں دے سکا تھا اس لیے میرا خیال تھا کہ وہ شام یا رات جہانگیر کے گھر گزار کر میں اپنی پچھلی کوتاہی کا ازالہ کر سکتا ہوں۔ سلطان شاہ نے میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی مجھے ویرا کا خطرہ یاد دلایا کیونکہ ویرا نے میری تلاش میں براہِ راست سلمیٰ ہی کو فون کیا تھا اور ذرا سی دیر میں اسی پیغام کے حوالے سے میں نے ویرا کی فون کال لوٹائی تھی۔ ویرا کو شبہ ہو سکتا تھا کہ میں جہانگیر کے پاس مقیم نہ ہوں۔ وہ اپنے شبہے کی تصدیق کے لیے ادھر کا رخ بھی کر سکتی تھی مگر وہ خطرہ اس قدر موہوم تھا کہ میں اسے مول لینے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

ویرا کے خطرے کے برعکس مجھے غزالہ کی طرف سے امید تھی کہ وہ مہلت اور موقع میسر آتے ہی یقیناً جہانگیر کے گھر کا رخ کرتی یا وہاں فون کرتی کیونکہ اسے میری شرف آباد والی رہائش کا قطعی علم نہیں تھا۔ اپنی دانست میں وہ دلدار آغا اور اس کے مسلح بھیڑیوں کو زک دے کر فرار ہوئی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس نے اخبارات میں شائع ہونے والی دلدار آغا کے قتل کی خبر ضرور پڑھ لی ہو گی۔ وہ جہاں بھی روپوش تھی، دلدار آغا کے جہنم واصل ہونے کے بعد اسے وہاں سے نکل آنا چاہیے تھا کیونکہ مجھ سے ملنے میں اخلاق، قانون یا مذہب کی کوئی بندش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ڈی ڈی کے بہروپ کا اسیر ہونے

کے بعد مقدر نے اسے ایک بار پھر آزاد پنچھی بنا دیا تھا اور وہ اپنی مرضی کی شاخ پر اپنا نیا آشیانہ بنا سکتی تھی جہاں اسے کوئی ستا نہیں سکتا تھا۔

"یار! ابھی تک اپنی عزالہ بھابی کا کوئی پتا نہیں چل رہا۔" شیراڈ کے انجن کے دھیمے شور میں سلطان شاہ اچانک بول پڑا۔ وہ ظالم شاید میرے ذہن کو پڑھنے میں ماہر ہو گیا تھا اور اکثر اچانک وہی موضوع نکال لیتا تھا جو میرے ذہن پر پوری طرح مسلط ہوتا تھا۔

"اس کی طرف سے میں بھی فکرمند ہوں۔" میں نے ہولے سے کہا۔ "اب تک اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ملنی چاہیے تھی بلکہ وہ میرے اور جہانگیر کے گہرے مراسم سے اچھی طرح واقف ہے، اس کا گھر بھی جانتی ہے۔ اسے پہلی فرصت میں وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ویرا کے آجانے کے بعد اس کا ہم سے بچھڑے رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں ایک بات سوچ رہا ہوں مگر زبان کھولتے ہوئے ڈرتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولو! میرے ساتھ ایسا تکلف نہ کیا کرو، میں جانتا ہوں کہ تم میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہو۔"

"بڑے تو خیر تم ہی ہو، میں صرف خیر خواہ ہوں۔ بھابی زبردست مقابلے، آباد دھاپی اور فائرنگ کے بعد وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوئی تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ زخمی ہو گئی ہو اور اب شہر کے کسی اسپتال میں زیرِ علاج ہو۔ ایسی مجبوری کی حالت میں وہ کہاں آ جا سکتی ہے؟"

سلطان شاہ کے ظاہر کیے ہوئے امکان نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔ "تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ ہمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے اسے شہر کے اسپتالوں میں تلاش کرنا چاہیے تھا لیکن کیا وہ اتنی زخمی ہو گئی ہے کہ اسپتال کے عملے کے کسی رکن کے ذریعے جہانگیر کے گھر فون پر پیغام بھی نہیں دے سکتی؟"

"سب کچھ ممکن ہے۔ اسے اپنی جان کا خوف تھا لہٰذا وہ سب کچھ بھولی رہی۔ خطرے سے دور نکل آنے کا احساس ہوتے ہی زخموں کی اذیت نے سر اُبھارا ہو گا۔ تم نے ڈی ڈی کو ہی دیکھ لیا وہ کتنی بری حالت میں لیاقت آباد سے فرار ہو کر باتھ آئی لینڈ پہنچا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسپتال میں داخل ہونے کے بعد بھابی کو ہوش ہی نہ آیا ہو۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کے مریضوں کو ڈاکٹر عام طور پر خواب آور دوائیں دے دیتے ہیں۔"

"تمھاری رائے وزن رکھتی ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "شہر کے اسپتالوں میں فساد کی وجہ سے ویسے بھی ہنگامی حالات ہوں گے۔ ہم جہانگیر کے گھر سے فون پر تلاش کی مہم شروع کریں گے۔"

"چاہو تو میں گاڑی لے کر نکل جاؤں...." اس نے پیشکش کرنا چاہی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بلاوجہ مارے مارے پھرو گے۔ شہر کے حالات مخدوش ہیں کہیں پھنس گئے تو اپنا بچاؤ کرنے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔ فون پر کوئی خبر ملی تو دونوں ساتھ چلیں گے۔"

"بچاؤ کے لیے میں نے چلتے ہوئے بیم گن جیب میں ڈال لی تھی۔ اسے بھی آزمائے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"بیم گن؟" میں چونک پڑا۔ "یہ ہتھیار ہمارے بہت کام آیا ہے۔ اس بے چارے کو تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔ پتا نہیں کہ اب اس میں کتنا چارج باقی رہ گیا ہے؟"

"جب اس کے نوزل سے مہلک شعاع خارج نہیں ہو گی اس وقت بھی اسے وزنی آہنی ڈھیلے کے طور پر استعمال کیا جا سکے گا۔" وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بولا۔ "بھابی کی طرف سے میرے ذہن پر ایک اور بھی فکر سوار ہے جس کا براہِ راست ا[illegible] کی سلامتی سے گہرا تعلق ہے۔"

میں خاموش ہی رہا۔ سلطان شاہ کی سوچ بہت معص[illegible] اور عزالہ کے لیے برادرانہ تھی جس سے میں اچھی طرح واقف تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں مجھے یہ بات پسند نہیں آئی کہ وہ عزالہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ فکرمندی کا اظہار کرتا رہے۔ شاید وہ میری خود غرضی کی انتہا تھی کہ میں دوسروں کے جذبات کی پروا کیے بغیر عزالہ کے بارے میں فکرمند یا پریشان ہونا صرف اپنا ہی حق سمجھ رہا تھا۔

"ویرا لائیڈ اگر ڈی ڈی ہی کے سلسلے میں آئی ہے تو اسے بھی علم رہا ہو گا کہ دلدار آغا نے کسی نہ کسی طرح بھابی سے شادی کر لی تھی۔" میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ صورتِ حال کا یہ پہلو میری نظروں سے بالکل اوجھل تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ویرا، عزالہ کے بارے میں بالکل بے خبر ہو گی۔ حالانکہ وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ ڈی ڈی کم از کم مقامی سطح پر ان کا صفِ اوّل کا کارندہ تھا اور [illegible] کے معاملے میں اپنی کامرانی کی خبر اس نے جان بوجھ کر اپنے بڑ[illegible] تک پہنچائی ہو گی۔

دلدار آغا میرے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ ایسی صورت [illegible] ویرا یقیناً اس کی بیوہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر[illegible] جب دلدار آغا کے ویران مکان میں اس کے ملازمین عزا[illegible]

سرکشی اور پھر بارود کی چھاؤں میں گھر سے فرار کی کہانی سناتے تو ویرا میری طرف سے مزید اکھڑ جاتی۔

"عزالہ جہاں بھی ہے میری دانست میں خیریت سے ہے۔" میں نے اپنے وجود میں امڈنے والے جوالا مکھی پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ویرا کو اپنے طور پر جو کچھ بھی معلوم ہو، میں اسے اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ اسے یہی بتاؤں گا کہ اب عزالہ میری پناہ میں آ چکی ہے۔"

"اس کی ساری توجہ اپنی طرف مرکوز رکھ کر ہی تم عزالہ بھابی کی مدد کر سکتے ہو۔ اس بے چاری کے معاملے میں ہم شروع ہی سے بے بسی کا شکار چلے آ رہے ہیں۔"

میں زہریلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ہماری فلموں کی کہانی اسی طرح تین تین گھنٹوں تک چلائی جاتی ہے۔ جہاں ہیرو اور ہیروئن کی ملاقات کی سچویشن قریب آنے لگتی ہے تماشائی کرسیاں چھوڑ کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں دیکھو کہ ہماری کہانی اب کب تک چلنی ہے؟"

"کہانی کی اور بات ہے، یہاں تو ہم ٹھوس حقیقتوں سے لڑ رہے ہیں...."

"یہ بھی کہانی ہی ہے جس میں کاتبِ تقدیر نے جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ ہماری کوششیں اس قصے کو مختصر ہرگز نہیں کر سکتیں۔ ہم دونوں کُشت و خون کرتے ہوئے دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دندناتے پھرتے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم بے بس کٹھ پتلیاں ہیں۔ ہماری ڈور ہلا کر ہمیں جس راستے پر ہانک دیا جاتا ہے اسی راستے پر چل پڑتے ہیں۔ کبھی عزالہ مل جاتی ہے، کبھی جھلک دکھا کر روپوش ہو جاتی ہے۔ کبھی صرف آواز سنا کر دل میں آگ بھڑکاتی ہے، بے وفائی کرتی ہے اور پھر معصوم اور مظلوم بن جاتی ہے۔ عورت واقعی ایک پہیلی ہوتی ہے میرے دوست! ایک چہرے کے پیچھے ہزار چہرے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے پرت اُتارتے اُتارتے آدمی کی زندگی بیت جاتی ہے اور حقیقت وہ ہوتی ہے جو اسے عالمِ سکرات میں اپنی عورت کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے صرف سراب ہوتا ہے جو عمر بھر انسان کو دوڑاتا اور تھکاتا رہتا ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کا شکار ہو رہے ہو اس لیے کسی اور موضوع پر بات کرو۔" سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔"

"بحث کرو گے تو میں تمھیں ناک سے زمین پر لکیریں نکالنے پر مجبور کر دوں گا۔" میں نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت خواہ مخواہ میرا دل اس سے لڑنے کو چاہ رہا تھا۔

اس نے ملامت آمیز نظروں سے مجھے گھورا تھا لیکن جونہی میں نے اپنی توجہ ویران سڑک سے ہٹا کر اس کی طرف مرکوز کی، اس نے بوکھلا کر اپنا سر جھکا لیا۔

پُرامن بقائے باہمی کا پہلا اور بنیادی اصول یہی تھا کہ ایک فریق آگ بگولا ہونے کی جارحانہ تیاریاں کرنے لگے تو دوسرا فریق پانی بن کر مدافعانہ راہ اختیار کر لے۔

⁂

جہانگیر کے بدن اور چہرے پر سے تشدد کے نشانات مندمل نہیں ہوئے تھے لیکن وہ نقل و حرکت کرنے کے قابل ہو چکا تھا اور ہمارے ساتھ گرمجوشی سے پیش آ رہا تھا۔ اس نے خواب گاہ سے ڈرائنگ روم میں آ کر ہمارا استقبال کیا تھا اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی اسی تپاک کا مظاہرہ کیا تھا جس سے میرے ساتھ پیش آیا تھا لیکن سلمیٰ حسبِ معمول سلطان شاہ کی موجودگی سے خوش نہیں تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ ویرا کا پیغام ملنے کے بعد تمھیں ہمارا گھر یاد آ ہی گیا۔" سلمیٰ نے رسمی گفتگو کا خاتمہ ہوتے ہی مجھ سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"اس وقت بدمزگی پھیلانے والی باتیں نہ کرو۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا تھا۔ "کل رات ہم نے یہیں تمھارے ساتھ گزاری تھی.... حالات کی پیدا کی ہوئی مجبوریوں کی بات دیگر ہے ورنہ یہ گھر ہر وقت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رہا ہے۔"

"تم مجبوراً ضرور آئے تھے مگر اپنی مرضی سے اور ملاقات کے لیے تو اب آئے ہو۔"

"ختم کرو اس بحث کو اور بوتل نکالو۔" جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

"بوتل؟" سلمیٰ نے آنکھیں نکالیں۔ "تم نے خود سنا ہے کہ ڈاکٹر نے تمھیں الکحل کے معاملے میں احتیاط سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ اس نے منع ہی نہیں کیا تھا، احتیاط کے لیے کہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ اس کا مشورہ تھا، حکم نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اس سے وہ سب زبردستی کہلوایا ہو گا۔ وہ تو خود بھی مجھے مسکن ادویہ دیتا رہا ہے، نشہ آور دوائیں لے کر ہی سونا ہے تو میں اپنے یار کے ساتھ اپنی پسند کا نشہ کیوں نہ کروں؟"

"مجھے تمھاری بوتلوں کی بدبو سے وحشت ہونے لگتی ہے،

تھوڑی دیر میں یہاں شراب اور سگریٹوں کے دھوئیں کی تیز بو بھرنے لگے گی تو میرا یہاں بیٹھنا دوبھر ہو جائے گا۔"

"مینر سیکا کرتم احتیاطاً اسی وقت بیڈ روم میں چلی جاؤ۔۔" جہانگیر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔"آج کافی دنوں کے بعد محفل جمانے کا موقع ملا ہے تو میں اسے ضائع نہیں کروں گا۔ تم دیکھنا کہ صبح تک میری حالت میں نمایاں تبدیلی آچکی ہوگی' یہ شوق میری کمزوری کا علاج بھی ثابت ہوگا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم یہاں گلچھرے اڑاتے رہو اور میں اپنا منہ لپیٹ کر خواب گاہ میں اکیلی پڑی سڑتی رہوں؟" وہ منہ بنا کر ننکتی لہجے میں بولی، سلطان شاہ ہم تینوں کی گفتگو سے لاتعلق، سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کمرے میں بولی جانے والی زبان اس کے لیے سرے سے ناقابلِ فہم رہی ہو۔

"اگر خواب گاہ میں جانے سے پہلے تم ریٹا کو فون کر کے بلا دو تو لطف آجائے گا۔" میں نے سلمیٰ کو چڑانے کے لیے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"تو اس سے تمہاری بھی دوستی ہو گئی ہے؟" جہانگیر میری زبان سے ریٹا کا نام سن کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔"وہ واقعی بہت خوش مزاج اور مجلسی عورت ہے۔ اسے بلوالو تو تاش کی بیٹھک جم جائے گی۔ عورتوں اور مردوں کی ٹیم کے درمیان سلطان شاہ کو ریفری بنالیں گے۔"

"تمہارے اغوا کے بعد اس نے سلمیٰ کو بہت سہارا دیا تھا۔ اسی دوران میں اس سے یہاں ملاقات ہوئی تھی۔ گھر بار اور بچوں کو چھوڑ کر یہیں بیٹھی رہی تھی۔۔۔" میں نے دانستہ ریٹا کا ذکر درمیان میں لا کر بچوں کا ذکر چھیڑا تھا۔

"بچے کہاں ہیں یار اس کے؟" جہانگیر نے ہانک لگائی تھی

"وہ بھی ہم جیسی ہے۔ اسی لیے ہر وقت لیے دیے رہتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تین چار مہینے بعد ہم اس جیسے نہیں رہیں گے۔"

"اخبار میں اشتہار چھپوا دو!" سلمیٰ اپنی جگہ چھوڑتی ہوئی جل کر بولی۔"ڈینی کے سامنے تو تمہاری زبان قینچی کی طرح چل پڑتی ہے اور کھابا پیانک اُگلنے پر تیار ہو جاتے ہو۔"

میں نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے جہانگیر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور سلمیٰ دیوار گیر کیبنٹ سے اسکاچ کی بوتل، خالی گلاس اور آئس پاٹ ٹرالی میں پٹخنے لگی۔

علیحدگی میں اس عورت سے مجھے خوف آتا تھا اور میں حتیٰ الامکان اس کی زد سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن جہانگیر کے ساتھ مل کر اسے جلانے میں مجھے خاصا لطف آتا تھا۔

"دو چار نام تم بھی سوچو۔" جہانگیر اپنی ورم آلود داہنی آنکھ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"امید تو یہی ہے کہ بیٹا ہوگا مگر احتیاطاً دو چار اچھے زنانے نام بھی بتا دینا۔ میرے مقابلے میں تمہاری پسند خاصی اچھی ہے۔"

"تم باز نہ آئے تو میں واقعی اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی" سلمیٰ ٹھنک کر روہانسے لہجے میں بولی۔

"وعدہ کرو کہ ریٹا کو بھی بلاؤ گی تو ہم موضوع تبدیل کیے لیتے ہیں۔" میں نے پیش کش کی۔

"وہ تو نہیں آسکتی۔" سلمیٰ مجھے گھورتی ہوئی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔"آج اس کے کسی قریبی جاننے والے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ دونوں میاں بیوی اس کی تدفین میں گئے ہوئے ہیں۔"

میرے وجود میں جھرجھری کی لہر دوڑ گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ سلمیٰ نام جانے بغیر اسرار رضوی کے قتل کا حوالہ دے رہی تھی اور حیرت ناک بات یہ تھی کہ ریٹا کا شوہر بھی اپنی بیوی کے آشنا کے وجود سے اس حد تک باخبر تھا کہ شاید اپنی بیوی کے [illegible] پر اس کی تدفین میں شرکت کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

جہانگیر اندر کے ان رموز سے ناآشنا تھا اسی لیے تحیر آمیز سنجیدگی کے ساتھ اس سانحے کے بارے میں سلمیٰ سے باز پرس کرنے لگا لیکن وہ خود بھی اس واقعے کے بارے میں ابتدائی خبر سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔

"یہ تو شاید لسّی پیتا ہوگا؟" سلمیٰ نے ٹرالی قریب لاتے ہوئے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"جو تم پیو گی، وہی یہ بھی پی لے گا!" جہانگیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جب تک تم وھسکی پیتے رہو گے، میں تمہیں دیکھ دیکھ کر اپنے خون کے گھونٹ پیتی رہوں گی۔" اس کا لہجہ بدستور اسی طرح رہا۔"یہ بے چارہ اس معاملے میں میرا ساتھ نہیں دے سکے گا!"

"میرا خیال ہے کہ مجھے اندر آنے کے بجائے باہر ٹھہرنا چاہیے تھا۔" سلطان شاہ نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"غلطی میری ہے کہ ایک تجربے کے بعد میں دوسری بار پھر دھوکا کھا جاتا ہوں۔"

"ٹھہرو!" جہانگیر نے سخت لہجے میں کہا۔"تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ اگر ڈینی تمہاری عزت کرتا ہے تو میرے گھر میں بھی عزت ملے گی۔ میری بیوی کبھی کبھی میری ضد میں مہمانوں کے

جذبات کو بھی ٹھیس پہنچا بیٹھتی ہے۔ سلمیٰ! تم جاؤ اور سلطان شاہ کے لیے کافی بنا کر لاؤ۔"

ہنسی مذاق میں اچانک ہی فضا مکدر اور بوجھل ہو گئی تھی۔ سلطان شاہ نیم دلی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور سلمیٰ ٹرالی ہمارے سامنے چھوڑ کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"میری وجہ سے اپنے گھر کا ماحول خراب نہ کرو۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سلطان شاہ جہانگیر سے مخاطب ہوا تھا۔"میں ملازم ہوں اور ملازم ہی رہنا چاہتا ہوں لیکن ڈینی کو دوسروں کے جذبات کا پاس نہیں رہتا۔ ہر جگہ اپنی بالادستی ثابت کرنے کے چکر میں مجھے داؤ پر لگا دیتا ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں سلطان شاہ!" جہانگیر نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔"تم یہیں ٹھہرو گے۔ آج تمہاری موجودگی میں میں نے سلمیٰ کو جو سبق دیا ہے وہ اس کے لیے کافی ہونا چاہیے۔"

"اس واقعے پر میرا دل بوجھل ہے۔" سلطان شاہ کے چہرے سے اندر کا کرب ظاہر ہو رہا تھا۔"میری دلجوئی کے بعد اب تمہیں اپنی بیوی کی اشک شوئی بھی کرنی پڑے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ از خود اندر نہیں آئے گی۔"

"وہ میرا کام ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔۔" جہانگیر اٹھتے ہوئے بولا۔"تم دونوں یہیں بیٹھ کر انتظار کرو میں ابھی واپس آتا ہوں۔" اس نے کھڑے کھڑے دو گلاس تیار کیے اور پھر اپنے لب تر کر کے مسکراتا ہوا اسی طرف چل دیا جدھر سلمیٰ گئی تھی۔

میں نے اپنا گلاس اٹھا لیا اور سلطان شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔"سلمیٰ دل کی بُری نہیں ہے۔ اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا کرو۔"

"تم یہ مشورہ دینے کا حق رکھتے ہو لیکن اس چھت کے نیچے مجھے آج دوسری بار بے عزتی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مجھے تم اپنے ساتھ یہاں لانے سے گریز کیا کرو۔ میں نے اسی خدشے کی وجہ سے راستے میں کہا تھا کہ میں تمہیں اتار کر گاڑی میں عزالہ بھابی کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔ یہاں مجھے اپنے اوپر بہت جبر کرنا پڑتا ہے۔"

ان دونوں کو اندر گئے ہوئے خاصی دیر ہونے لگی تھی اور میں جہانگیر کو پکارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ دونوں ہاتھوں میں کافی کی ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کا خالی گلاس بھی ٹرے میں ٹی کوزی سے ڈھکے ہوئے کافی پاٹ کے برابر میں موجود تھا۔

ہم اس کے مہمان ضرور تھے لیکن وہ زخمی بھی تھا اس لیے سلطان شاہ نے لپک کر اخلاقاً اس کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی اور واپس ڈرائنگ روم کے وسط میں آگیا۔

"تمہیں اتنی دیر ہو گئی تھی کہ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ کہیں اندر گھس آنے والے کسی حریف نے تم دونوں کو باندھ کر نہ ڈال دیا ہو۔" میں نے متمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"اب ایسا نہیں ہو سکتا۔" جہانگیر نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔"میں نے فیکٹری سے بھی کچھ اسٹاف یہاں بلوالیا ہے پھاٹک پر دو مسلح چوکیداروں سے تو تمہارا سامنا ہوا ہی ہوگا۔ ان کے علاوہ بھی چار مسلح آدمی لان میں اور چھت پر چھپ کر گھر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اب تو چڑیا کا بچہ بھی میری اجازت کے بغیر اس احاطے میں نہیں پھٹک سکتا۔ دراصل سلطان شاہ کا اندازہ درست تھا۔ سلمیٰ میری پھٹکار پر دل گرفتہ ہو کر بیڈ روم میں پڑی رو رہی تھی۔ کافی اسی نے بنائی ہے لیکن وہ خود کو سنبھال کر چند منٹ بعد یہاں آئے گی۔ اس کا غصہ عام طور پر زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتا۔"

اسی لمحے ڈرائنگ روم سے باہر برآمدے کی پختہ سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہم تینوں اپنی گفتگو ختم کر کے اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہانگیر چند ثانیے پیشتر اپنے حفاظتی انتظامات پر فخر کا اظہار کر رہا تھا لیکن اس آہٹ نے اسے بھی قدرے پریشان کر دیا تھا۔

آنے والا جہانگیر کا ایک دربان ثابت ہوا۔ اس کے شانے سے رائفل اور کارتوس کی پیٹی لٹک رہی تھی اور ہاتھ میں ایک پیکٹ دبا ہوا تھا۔

وہ اندر آنے سے قبل اپنے جوتے اتارنے کے لیے چوکھٹ سے باہر رکا تو جہانگیر اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور اس سے سوال کر بیٹھا۔"کیا بات ہے گل بدن خان؟ کیا خبر لائے ہو؟"

"باہر گاڑی میں مہمان لوگ آیا تھا۔ ڈینی صاحب کا واسطے یہ پیکٹ دے کر گیا ہے۔" اس نے پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا پیکٹ میری طرف بڑھایا۔

وہ صورتِ حال اس قدر تجسس انگیز تھی کہ میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ کر مضبوط، مردانہ بدن والے گل بدن خان کے ہاتھ سے وہ پیکٹ لے لیا۔

پیکٹ کے مختصر سے سائز کے مقابلے میں اس کا وزن محسوس کرتے ہی مجھے خوف سے جھرجھری آگئی اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بگٹٹ باہر دوڑ لگا کر وہ پیکٹ کہیں دور پھینک دوں کیوں کہ مجھے سب سے پہلا خیال ٹائم

بم کا آیا تھا جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا تھا۔
"کون لوگ تھے اور تم نے انھیں روکا کیوں نہیں؟" جہانگیر نے سوال کیا۔
"آم روکا مگر وہ لوگ جلدی میں تھا، بولا بعد میں آئے گا۔"
گل بدن خان نے جواب دیا۔
پیچھے جہانگیر کے مکان کی دیواریں تھیں۔ آگے میرے اور نکاسی کے دروازے کے درمیان قالین سے چھ فٹ کی بلندی پر گل بدن خان کا حوصلہ مند چہرہ موجود تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں موٹے خاکی کاغذ کے اس پیکیٹ پر مرکوز تھیں جو وہ خود لایا تھا اور شاید خود بھی جاننا چاہ رہا تھا کہ اس میں سے کیا شاہکار برآمد ہونے والا تھا۔ میرے لیے اسے دھکیل کر دیوانہ وار باہر نکل بھاگنا عزتِ نفس کے منافی تھا اور دل میں یہ خوف تھا کہ کاغذ اتارتے ہوئے اس بم کے کسی نازک حصے پر غلط ہاتھ پڑ گیا تو فی الفور عزت اور نفس دونوں کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ بہرحال گل بدن کے حوصلے سے حوصلہ پاکر میں نے اس کاغذ پر بڑی احتیاط کے ساتھ سرجری کا عمل شروع کر دیا! اس دوران میں میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ اس پیکیٹ میں سے ٹک ٹک کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ الیکٹرانکس اور سالڈ اسٹیٹ سرکٹس کی دریافت کے بعد کسی بم کے فعال ہونے کے لیے روایتی گھڑی کی ٹک ٹک ضروری نہیں ہے۔
سیاہ پلاسٹک کے بکس کی پہلی جھلک روح فرسا تھی۔ بدن کے بہت سے مساموں میں پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے دوسروں سے زیادہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دم ہی سارا کاغذ پھاڑ ڈالا اور اسی لمحے مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ بم نہیں کوئی ٹرانسمٹر تھا جو آن تھا مگر پاور کی لائٹ آن ہونے کے باوجود اس کے ریسیور پر کوئی ریڈیائی شور یا دوسری آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔
میں نے اپنے پھیپھڑوں میں دیر سے رکی ہوئی ہوا کو ایک گہرے سانس کے ذریعے خارج کرتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گل بدن خان کو گھورا۔ "اب کیوں کھڑے ہو؟ اپنی ڈیوٹی کے لیے گیٹ پر جاؤ۔"
وہ اپنا کچھ حوصلہ مجھے عطا کر چکا تھا۔ اس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ میری نگاہوں کا سامنا کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی واپسی کی راہ اختیار کر لی۔ جہانگیر کے ساتھ ہی سلطان شاہ بھی تجسس کے عالم میں میرے قریب آ چکا تھا۔ میں نے اشارے سے ان دونوں کو خاموش کر دیا تھا اور اُلٹ پلٹ کر اس آلے کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک ہی اس کے ٹرانسمٹنگ بٹن پر لگا ہوا ٹیپ نظر آ گیا۔ ایسے کسی بھی لاسلکی آلے پر وہ مخصوص بٹن دبائے بغیر اپنی آواز نشر کرنا ممکن نہیں تھا لیکن تحفہ دینے والوں نے اس بٹن پر ٹیپ لگا کر ہماری گفتگو سننے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی ٹیپ اُکھاڑ دیا اور بٹن سطح سے اوپر اُبھر آیا اس کے ساتھ آلے کے اسپیکر پر ریڈیائی لہروں کا دھیما مگر بے ہنگم ارتعاش گونجنے لگا۔
"ہیلو، ویرا کالنگ!" لمحہ بھر بعد ہی اپریٹس پر جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔ "تم بہت چالاک ہو ڈینی کہ تم نے مجھے زیادہ دیر تک اپنی گفتگو سننے کا موقع نہیں دیا لیکن تمھیں بھی میری تیزی اور مہارت کی داد دینی ہوگی۔ میں آخر کار تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئی... اوور!"
"میں نے تم سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی اس لیے مجھ تک رسائی پر تمھاری داد طلبی خودستائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔" میں نے نشری بٹن دباتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں مجھے یہ اپریٹس بھجوا کر تم نے مجھے کیا جتانے کی کوشش کی ہے؟ اوور!"
"تم نے کہا تھا کہ تم جہانگیر کے ساتھ نہیں رہتے مگر مجھے یقین تھا کہ تم اس سے ملنے ضرور آؤ گے اور دیکھ لو کہ میرا بھیجا ہوا تحفہ عین اس وقت پہنچا جب تم وہاں موجود تھے۔ اوور!"
"بولتی رہو! میں پوری توجہ سے تمھاری بات سن رہا ہوں اوور۔"
"ٹرانسمٹر بھیج کر تمھیں یہ یاد دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈی ڈی کا فرسودہ دور ختم ہونے کے بعد شی پھر نئے وسائل سے بھرپور کام لینے کی پالیسی پر گامزن ہو چکی ہے۔ اس تحفے کے ذریعے ہم بروقت ایک دوسرے سے براہِ راست رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اوور۔"
"لیکن مجھے ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں ہے کہ تم سے رابطہ قائم کیے بغیر اپنا وقت نہ گزار سکوں۔ اوور۔" میں نے اپنی جگہ بیٹھ کر جہانگیر کو دوسرا گلاس بنانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"اسے تم میری طرف سے خیرسگالی کا اظہار بھی سمجھ سکتے ہو۔ میں چاہتی تو اس ٹرانسمٹر کے بجائے کوئی ٹائم بم یا ریموٹ کنٹرولڈ بم بھیج سکتی تھی جو تمھیں ہلاک یا بُری طرح زخمی کر سکتا تھا۔ اوور!" اس کی آواز میں طنز کی چبھن پیدا ہو گئی۔
"اگلی مرتبہ یہ ارمان بھی پورا کر لینا۔ اس طرح تم مجھے دھونس میں نہیں لے سکتیں۔" میں نے بھی وہی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "موت آ ہی گئی تو بیٹھے بیٹھے بھی آ سکتی ہے۔ اوور!"
"ضد سے کام نہ لو۔ میں ایک بار پھر بتا رہی ہوں کہ اس بار میں تمھارے لیے قابلِ عمل تجاویز لے کر آئی ہوں میرے ساتھ سمجھوتا کر کے تم فائدے میں رہو گے۔ اوور!"

"تمھاری بات الگ ہے تمھیں اپنے باپ کا تازہ تازہ تعارف حاصل ہوا ہے اس لیے ہر معاملے میں پُرجوش ہو۔ مجھے اپنی پیدائش سے پہلے اپنی ولدیت کا علم تھا اس لیے میں سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے کا عادی ہوں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمھاری تجویز پر غور کروں گا اور اس کے بعد تم سے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔ مجھ پر دباؤ ڈال کر تم مجھے اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کر سکتیں... اوور!"
"شاید اب تک تم نے تصدیق کرا لی ہو کہ دلدار آغا سے غداری کرنے کے جرم میں اسرار رضوی کو کیا سزا دی گئی ہے۔ اس واقعے سے تمھیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں اپنے معاملات کے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہوں اور اپنی راہ میں آنے والی ہر کاوٹ کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ اوور!"
"اسرار رضوی دلدار آغا سے زیادہ پوری قوم کا غدّار تھا۔ وہ ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے ہیروئن کی گھناؤنی تجارت میں ملوث تھا۔ اسے تم نہ مارتیں تو کسی روز مجھے خود ہی اس کا کام تمام کرنا پڑتا۔ آدمی جو کچھ بوتا ہے اسے وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر مجھے شرمندگی ہو اس لیے میں نے اگر تم سے کبھی سمجھوتے کا ارادہ کیا تو وہ میرا آزادانہ فیصلہ ہوگا... یہ دھیان رکھنا کہ میں نے تم سے سمجھوتے کی بات کی ہے 'شی' کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اوور۔"
"اب مجھ میں اور شی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ اوور۔"
"وہ تمھارا معاملہ ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میرے لیے تم جمی لائیڈ کی بیٹی ضرور ہو لیکن صرف ویرا لائیڈ ہو۔ میرے لیے شی خواب و خیال ہو چکی ہے۔ اوور۔"
"میرا اپریٹس ہر وقت آن رہتا ہے۔ تم جب چاہو مجھ سے رجوع کر سکتے ہو۔ اوور۔"
"میں جانتا ہوں۔" میں نے دوسرے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ "جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں تمھیں یہی سکھایا تھا کہ تمھارا عورت ہونا تمھاری کمزوری نہیں، بلکہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کی مدد سے تم بدترین لمحات میں بھی اپنے دشمن کو زیر کر سکتی ہو۔ عورت اور خوب صورت عورت اگر ہر وقت آن رہتی ہو تو بڑے بڑوں کو پل بھر میں آف کر دیتی ہے۔ اوور۔"
"تم یہ ساری بکواس دوسروں کے سامنے کر رہے ہو؟ اوور!" اس کی غراتی ہوئی غصیلی آواز ریسیور پر اُبھری تھی۔
"تم عملاً سب کچھ کر گزرتی ہو، مجھ پر زبانی پابندیاں کیوں لگا رہی ہو؟ اوور۔"
"کاش تم نے اپنی زبان سے صحیح کام لینا سیکھا ہوتا۔" اس کی آواز میں حسرت تھی۔ پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "تم نے ڈی ڈی کو تو مار لیا لیکن میں نے بھی تمھاری دُم پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم رقابت کی بنا پر اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے؟ اوور۔"
"کس رقابت کی بات کر رہی ہو؟ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ برطانیہ، فرانس اور اٹلی میں جہاں دلدار کا وجود بھی نہیں تھا وہاں بھی میں شی کے اہم آدمیوں کے خون کا پیاسا تھا... اوور۔"
"مانتی ہوں لیکن دلدار کا معاملہ ہی مختلف تھا۔ اس نے غزالہ کو تم سے چھین کر اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ اس کارنامے پر جمی لائیڈ اسے جلد ہی آئی مین کے مرتبے پر فائز کرنے والا تھا۔ اس کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو وہ ایشیا میں شی کا پہلا آئی مین ہوتا۔ اوور۔"
"لیکن تم نے دیکھ لیا کہ آئی مین بننے سے پہلے ہی اس کی آنکھیں بند کر دی گئیں۔ اوور۔"
"اب غزالہ کہاں ہے؟ اوور۔" آخر کار اس نے متجسس لہجے میں وہ اہم ترین سوال کر ہی ڈالا۔
"اگر وہ مجھ سے چھین لی گئی تھی تو اس کا پتا تمھیں معلوم ہونا چاہیے۔ اوور۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس کا سوال اسی کو لوٹا دیا۔
"دلدار نے اپنے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ اسلحہ لے کر گھر سے روانہ ہوتے ہوئے اس نے ایک چوکیدار کے علاوہ اپنے سارے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ چوکیدار کو پولیس لے گئی، دوسرے ملازمین لاپتا ہیں اور اُجڑے ہوئے گھر پر پولیس کا پہرا ہے۔ میرا خیال ہے کہ غزالہ بھی اسی ہڑبونگ میں کہیں نکل گئی ہوگی۔ اوور۔"
میں نے بٹن دبا کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔ "وہ کہیں نہیں نکلی۔ دراصل اسی نے دلدار آغا کا دماغ اُلٹا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ جسے معصوم سمجھ کر اپنا مجازی خدا بنا بیٹھی ہے وہ ایک سفاک درندہ ہے۔ اس لیے اس نے دلدار آغا سے بغاوت کر دی تھی اور اب وہ میرے پاس ہے۔ اوور۔"
"واقعی؟" ویرا کی آواز میں بے یقینی اُمڈ آئی تھی۔ "اور تم نے دلدار کی آغوش سے نکلی ہوئی عورت کو اپنی محبت کے طور پر قبول کر لیا؟ تمھارے آئیڈیل تو بہت اُونچے تھے؟ اوور۔"
"مجبوریاں بہت کچھ نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا مگر یہ جھوٹ بولتے ہوئے میں اندر سے خود کو کھوکھلا محسوس کر رہا تھا۔ "بہرحال اب غزالہ میری نجی زندگی کا ایک حصہ ہے، میں اسے تمھارے ساتھ بحث کا موضوع نہیں بنانا چاہتا۔ اوور۔"
"بنانا بھی نہیں چاہیے۔" اس کی استہزائیہ آواز اُبھری۔ "کیوں کہ اب تم دونوں ایک جیسے ہو چکے ہو۔ وہ دلدار کی دلداری کرتی رہی اور

تم کسی اور کے نہیں تو میرے متوالے ضرور رہ چکے ہو۔ باسی رشتوں کے بارے میں آدمی عام طور پر دوسروں سے کھل کر بات کرنا پسند نہیں کرتا اور۔ "کم از کم تم سے نہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "تمھارے وجود کے ہر حصے پر ان گنت اجنبیوں کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک میرا نام بھی شامل ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں تمھارے دل میں اس قدر حسد کیوں پایا جاتا ہے؟ اور۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بھی تمھارے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔ ذرا اس سے بات تو کراؤ میری! اور! " اس نے میری بات کا جواب دیے بغیر کہا۔

"وہ عورتوں سے بات کرتی ہے۔ مردوں کی شکاریوں سے نہیں۔ ویسے تمھیں جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اس نے ضرورت سمجھی تو جواب دے دے گی ورنہ پھر میری ہی آواز پر گزارہ کر لینا۔ اور۔"

جواب میں اس نے میرے اور اپنے مراسم کے حوالے سے جن غلیظ الفاظ میں اپنی بات شروع کی، اس پر میں نے بوکھلا کر اپریٹس آف کر دیا کیوں کہ سامنے سے سلمیٰ ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دینا سلطان شاہ!" اس نے آتے ہی دھیمی آواز میں کہا۔ "آیندہ تم میرے رویّے میں نمایاں تبدیلی پاؤ گے۔ آج سے میرے لیے تم بھی جہانگیر کے دوست کی طرح ہو۔"

"میں اس عزت افزائی پر تمھارا شکر گزار ہوں۔" سلطان شاہ نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ "میرا دل صاف ہے۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا اس کے لیے تم سے زیادہ ڈیفی ذمّے دار ہے۔"

سلمیٰ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ڈرائنگ روم میں کیا ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں لیکن پھر میرے ہاتھوں میں موجود ٹرانسمٹر پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک پڑی۔

جن دنوں میں سی ون ہوا کرتا تھا، جہانگیر اسی قسم کا اپریٹس لیے، سلمیٰ کی آنکھ بچا کر مجھے اپنے گھر کے کونوں کھدروں سے اپنی کارگزاری کی رپورٹ دیا کرتا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں ہی سی ون کے طور پر اس کا سربراہ تھا اس لیے اس نے کتنی بار مجھ سے سی ون کی شکایت کی تھی کہ وہ اسے عموماً خواب گاہ میں کال سگنل دیا کرتا تھا اور جب جہانگیر بوکھلا کر رابطہ قائم کرنے کے لیے بستر سے نکل کر باتھ روم یا کسی اور گوشہ عافیت کی طرف بھاگتا تو اس کی نئی نویلی بیوی اس کی طرف سے شبہات کا شکار ہو جاتی تھی۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر وہ تجسس کا شکار ہوئی اور پھر اس نے جہانگیر کا ٹرانسمٹر بھی دیکھ لیا تھا اس لیے وہ آلہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

ٹرانسمٹر کے حوالے سے ویرا کا ذکر سنتے ہی خوف سے سلمیٰ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ "اس کا مطلب ہوا کہ اب پھر یہاں کچھ ہونے والا ہے۔ اب مجھ میں ایسے بھیانک حالات کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رہی۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔" جہانگیر نے مضبوط لہجے میں اسے دلاسا دیا۔ "ویرا ایک اکیلی عورت ہے۔ اس کی ڈیفی سے نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔"

"مجھے پٹی مت پڑھاؤ۔" وہ متوحش لہجے میں بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ پہلے غزالہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا جس کی سزا وہ بے چاری آج تک بھگت رہی ہے۔"

ویرا سے گفتگو ہونے کے بعد میرا ارادہ تھا کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو جاتا تاکہ ویرا کو مجھ پر نگاہ رکھنے کا موقع نہ مل پاتا لیکن سلمیٰ کے ردِّ عمل نے مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگر میں وہاں سے روانگی کا نام بھی لیتا تو وہ بے اختیار یہی سوچتی کہ میں مسلسل ان دونوں میاں بیوی کے لیے مشکلات پیدا کر کے ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ رہا تھا۔

پہلے میری وجہ سے جہانگیر کو اغوا کر کے بدترین جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ واپس آیا تو میری ہی تلاش میں بار بار سلمیٰ کو ہراساں کرنے کے بعد اس کے مکان پر منظم حملہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر سلمیٰ نے بروقت مجھ سے مدد طلب نہ کی ہوتی تو دلدار آغا نے بڑی بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر کو ان سمیت روند کر کھنڈر کر ڈالا ہوتا۔ اور اب ویرا آ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک تنہا عورت نہیں تھی بلکہ قوت اور وسائل پر اختیار رکھتی تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ میں جہانگیر کے گھر پر موجود تھا اور اس سے مصالحت کرنے سے گریز کر رہا تھا اس لیے مجھے گھیرنے کے لیے وہ کسی بھی لمحے اس گھر پر دھاوا بول سکتی تھی۔

اگر میرے اور سلطان شاہ کے روانہ ہو جانے کے بعد وہاں ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہو جاتی تو سلمیٰ میرے سائے سے بھی بھڑکنے لگتی اور آیندہ کے لیے مجھ پر اس گھر کے دروازے بند ہو جاتے۔

وہاں موجود رہ کر میں کم از کم اتنا ضرور کر سکتا تھا کہ اس رات ان پر کوئی ناگہانی اُفتاد نازل ہوتی تو ان کے شانہ بہ شانہ حالات کا مقابلہ کر کے کسی حد تک سُرخروئی حاصل کر سکتا تھا۔

جہانگیر نے سلمیٰ کے دل سے خوف دور کرنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا لیکن سلمیٰ ویرا کی اصلیت سے کافی حد تک واقف تھی اور اپنے پے در پے تجربات

کی بنا پر اس کو یقین ہو چکا تھا کہ ویرا دلدار آغا کے گروہ سے الگ نہیں تھی اور اگر وہ ہمارے خلاف اپنی من مانی پر اُتر آتی تو اس گھر پر بدترین تباہی نازل کر سکتی تھی جس سے مقدر سے ہی بچا جا سکتا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں ہمیں کچھ دن کے لیے یہ گھر بلکہ شہر بھی چھوڑ دینا چاہیے۔" وہ خوف زدہ لہجے میں جہانگیر سے کہہ رہی تھی۔ "تم اس حال کو تو پہنچ گئے ہو۔ اب کچھ اور ہوا تو میں مر جاؤں گی۔ میں کہتی ہوں کچھ دن کے لیے لاہور میں میرے میکے ہی چلو۔ جب یہ مار دھاڑ ختم ہو جائے گی تو ہم واپس آ جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں تقدیر پر بھروسا نہیں ہے۔" جہانگیر نے زچ ہو کر روایتی منطق کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "مقدر میں سکھ ہے تو کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور اگر بُرا وقت آ ہی گیا تو لاہور کیا ولایت جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کار اُلٹ سکتی ہے، جہاز گر کر تباہ ہو سکتا ہے۔ قضا اسی طرح نادیدہ ہاتھوں سے اپنے شکار کو ہانک کر اس مقتل میں لے جاتی ہے جس کا نام کاتبِ تقدیر نے پہلے سے لکھ دیا ہوتا ہے مگر کوئی نہیں جانتا کہ موت کب، کہاں اور کیسے واقع ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا ہی ہمیں یہاں سے ہانکنے کا بہانہ بن جائے۔"

"اور پھر یہاں تم اکیلی نہیں ہو۔" میں نے جہانگیر کے دلائل کا اثر ہوتے دیکھ کر اپنا وار کیا۔ "ہمارے بیوی بچے نہیں ہیں جو ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ہم دونوں یہیں رک جاتے ہیں، اسلحہ مل جائے تو چھت پر سے صرف ہم دو آدمی ایک پوری بٹالین کا صفایا کر سکتے ہیں۔"

"اسلحہ گھر میں بھی موجود تھا اور کچھ میں نے باہر سے منگوا لیا ہے لیکن مجھے پوری امید ہے کہ اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئے گی۔" جہانگیر نے کہا۔

"پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے!" سلطان شاہ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اسلحہ نکلوا لو۔ ضرورت پیش آ گئی تو ایسا نہ ہو ہم اسلحہ تلاش کرتے ہی رہ جائیں۔"

"فکر نہ کرو!" جہانگیر مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ حقیقی خطرے کا احساس نہیں کر پایا تھا۔ "گھر کے احاطے میں اس وقت دو مسلح پیشہ ور چوکیداروں کے علاوہ مزید چار نشانچی بھی موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں کوئی آسانی کے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہو سکے گا۔"

"تم اندر چلی جاؤ۔ ذرا میں جہانگیر کے بلائے ہوئے سورماؤں سے ملاقات کر لوں۔" میں نے ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے سلمیٰ سے کہا۔

اس وقت سلمیٰ نے خلافِ توقع فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اندر مجھے تنہائی میں خوف آئے گا۔ تم لوگ بھی اب شراب نوشی بند کر دو اور اندر آ جاؤ۔ ڈرائنگ روم کے مقابلے میں اندرونی کمرے زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"شراب پی کر آدمی زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم ابھی اندر آ جاتے ہیں۔" جہانگیر نے کسی جہاں دیدہ دلیر مرد کی طرح اپنی بیوی کا ایک مطالبہ مسترد کرتے ہوئے دوسری فرمائش تسلیم کر لی۔

جہانگیر نے صوفے کے ساتھ ڈوری سے لٹکا ہوا پش بٹن دبایا اور چند ثانیے بعد ایک مرتبہ پھر گل بدن خان کا سنگین وجود ہمارے سامنے تھا۔

"اپنے سارے آدمیوں کو بلاؤ۔" جہانگیر کی اس ہدایت پر وہ فوراً ہی چلا گیا۔ چند منٹ بعد اس کی سربراہی میں چھ مسلح افراد کی جمعیت ڈرائنگ روم میں آ موجود ہوئی۔ بیشتر کے جسموں پر پھولی ہوئی چرمی جیکٹس چڑھی ہوئی تھیں جو اس سرد موسم میں کھلے آسمان تلے رات گزارنے کے لیے ضروری تھیں۔

ان میں سے تین رائفلوں سے مسلح تھے۔ دو کے شانوں پر آہنی دستوں والی ننھی ننھی کلاشنکوفیں جھول رہی تھیں اور ایک کے پاس سب مشین گن تھی۔

"آج رات سب کو چوکنا رہنا ہے۔" میں نے کسی اوٹ میں سلمیٰ کی موجودگی کے خیال سے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہم لوگ بھی اسلحے سے لیس ہو کر اندر جاگتے رہیں گے۔ آج ڈاکوؤں کی طرف سے بڑے حملے کا خطرہ ہے۔ بڑا پھاٹک اندر سے اجازت لیے بغیر ہرگز نہ کھولنا اور نہ کسی اجنبی سے گیٹ پر کوئی چیز وصول کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح دھوکے سے دشمن بے ہوشی کی گیس خارج کرنے والا بم بھی اندر پہنچا سکتا ہے۔ جس کے پھٹتے ہی ہم سب اپنی اپنی جگہوں پر سوتے رہ جائیں گے۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی گل بدن خان کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ سیدھا اور سچا آدمی نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی صورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ اوّل تو یہ کہ اس کے معدے میں اچانک کوئی شدید نقص رونما ہو گیا تھا۔ دوم امکان یہ تھا کہ وہ کسی بات کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا کہ ہمیں اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

"کیا بات ہے گل بدن خان؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟" میں نے اسے ٹوکا۔

"وئی! صاب پر امارا ماں قربان! وہ میمان اِدر کیا لایا تھا؟"

اس نے سہمے ہوئے اور مدافعانہ لہجے میں سوال کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ معدے کے بجائے اس کے دماغ میں کوئی کھچڑی پک رہی تھی۔

"وہ ریڈیو لایا تھا لیکن اس کی جگہ بم بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم اس قدر پریشان کیوں ہو گئے تھے؟ کیا کوئی بات ہمیں بتانا بھول گئے تھے؟"

"ایک بات رہ گیا تھا۔" وہ سر جھکا کر ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "ابی بتاتا ہے کہ میمان ہم کو حلوہ دے کر گیا تھا۔ حرام ہے جو اَم نے کھایا ہو۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور گل بدن سے کہا۔ "جا کر حلوہ یہاں لے آؤ ذرا دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟"

گل بدن خان مستعدی کے ساتھ باہر چلا گیا اس کے بقیہ پانچوں ساتھی وہیں موجود رہے۔

"یہ حلوے کی خبر تشویشناک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا آج رات کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔" میں نے انگریزی میں جہانگیر سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ حلوہ زہریلا ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے مگر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس میں بے ہوشی کی کوئی تیز دوا ملی ہوئی ہو۔ رات کو یہ لوگ کسی وقت حلوہ کھاتے اور پھر اپنی جگہوں پر سوتے رہ جاتے۔" میں نے مسلح محافظوں کو اس تبادلۂ خیال سے بے خبر رکھنے کی نیت سے انگریزی میں گفتگو جاری رکھی۔ "سامنے کی بات ہے کہ ویرا کے کسی آدمی کو تمہارے چوکیداروں کو حلوہ کھلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

اسی اثنا میں گل بدن خان مٹھائی کا ایک بند ڈبا لے آیا۔ "خدائی خوار اَم کو بولا تھا کہ وہ صاب کا دوست ہے اس کے لیے تحفہ اور اَمارے لیے حلوہ لایا ہے تھوڑی دیر بعد دوبارہ آئے گا۔"

میں نے ڈبا کھولا تو اس میں عمدہ قسم کا گاجر کا حلوہ موجود تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس کی اشتہا انگیز خوشبو کے باوجود ان لوگوں نے اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

میں اس حلوے کو کسی انسان پر آزمانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ذہن میں ایک بار شبہ پیدا ہو جانے کے بعد احتیاط لازمی تھی۔ گو میں جانتا تھا کہ ویرا اپنی پیشہ ورانہ سفاکی کے باوجود اتنی سنگدل نہیں تھی کہ کسی معقول سبب اور ضرورت کے بغیر چند انسانوں کو موت کی نیند سلانے کا بے رحمانہ فیصلہ کر لیتی مگر وہ جمی لائیل کے سحر کا تازہ شکار ہوئی تھی اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس وقت جوشِ انتقام میں اندھی ہو کر وہ کس حد تک جانے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔

میرے ایما پر گھر میں کسی پالتو جانور کی تلاش شروع ہوئی اور آخر کار کچن کے عقب میں رکھے ہوئے ڈسٹ بن پر طبع آزمائی کرنے والی ایک شامت زدہ آوارہ بلی ہاتھ آ ہی گئی۔

اپنے گرد اتنی بھیڑ دیکھ کر ابتدا میں بلی بری طرح بھڑکی تھی اور کسی طرح حلوے پر منہ مارنے پر آمادہ نہ ہو سکی مگر پھر گل بدن خان کے مخصوص جارحانہ رویے نے اسے رام کر ہی لیا۔

بلی نے بڑی رغبت کے ساتھ منہ بھر کر حلوہ کھایا تھا مگر وہ بے چاری بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ تک ہی اپنی مرغوب غذا سے لطف اندوز ہو سکی۔ حلوے نے معدے میں اترتے ہی اتنی تیزی کے ساتھ کام دکھایا کہ وہ حلق سے چند مظلوم آوازیں نکالتی ہوئی وہیں قالین پر گر کر ساکت ہو گئی۔

گل بدن خان سمیت اس کے پانچوں ساتھیوں کی آنکھیں حیرت سے ان کی پیشانیوں پر جا چڑھیں۔ "اواخو! یہ تو مر گیا۔"

گل بدن کے حلق سے کپکپاتی ہوئی آواز برآمد ہوئی اور وہ سیدھا میرے قدموں میں آ گرا۔

"اسے کیا ہوا؟" سلطان تیزی سے اس کی طرف لپکا مگر اس کی آواز سن کر رک گیا۔

"صاب! تم نے اَم لوگ کو مرنے سے بچا لیا ورنہ اَم پاگل کا بچہ، حلوہ کھا کر بلی بن جاتا۔ ابی اَم باہر کا کوئی چیز نہیں کھائے گا۔" وہ میرے پیر پکڑ کر گڑگڑا رہا تھا۔

"اٹھو اور اسے باہر لے جاؤ۔" میں نے اپنے پیر پیچھے ہٹاتے ہوئے بلی کے پھولتے پچکتے ہوئے پیٹ کا جائزہ لے کر کہا۔ "یہ مری نہیں ہے صرف بے ہوش ہوئی ہے مٹھائی لانے والا تم لوگوں کو بے ہوش کرنے کا بندوبست کر کے گیا ہے اب رات بھر آنکھیں کھلی رکھنا۔ وہ لوگ میدان صاف پا کر کسی بھی وقت گھر میں گھسنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ ایک بار اندر آ گئے تو ہر طرف تباہی پھیلا دیں گے۔"

وہ سب شرمندہ اور خاموش تھے۔ گل بدن خان بے ہوش بلی کو اٹھا کر کسی چور کی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا۔ بقیہ پانچوں بھی اس کے پیچھے چلے گئے۔

"اس کا مطلب ہوا سلمیٰ کا خوف اپنی جگہ بجا تھا۔" میدان صاف ہوتے ہی جہانگیر اضطراری لہجے میں بولا۔ "آخر ویرا آج رات کیا کر گزرنا چاہتی ہے؟"

"یہ تو وہی جانتی ہے بس یہ برا ہوا کہ اسے پتا چل گیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں دل ہی دل میں خود کو ان کا مجرم سمجھ رہا تھا۔

"تم بھیس بدل کر یا کسی اور طرح خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔ سلطان شاہ دور رہ کر تمہیں کور دے سکتا ہے۔ تم چلے گئے تو وہ اپنا نام بیٹھی رہ جائے گی۔" اس نے کہا۔ وہ بلی پر کیے جانے والے تجربے کے بعد

بری طرح بدحواس اور خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔

"بے کار ہے۔" میں نے کہا۔ "اول تو باہر اس کے آدمی موجود ہونے کا امکان ہے۔ تمہارے گھر سے چوہے کا بچہ بھی باہر نکلا تو وہ اسے گھیر کر پکڑنے کی کوشش کریں گے۔ ناکام رہے تو مار ڈالیں گے۔ اگر میں کسی طرح نکل جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو وہ تم سے بہت برا سلوک کرے گی اور تم دونوں میاں بیوی اس کے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ سلمیٰ بھی سوچے گی کہ ہم تمہیں مصیبت میں ڈال کر خود صاف نکل گئے۔ ہم دونوں یہاں آ کر آنے والوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ بس تم ہمیں اسلحہ فراہم کر دو۔"

نئے انکشافات کے بعد فضا پر اس قدر تناؤ طاری ہو گیا تھا کہ ہم میں سے کسی کے لیے بھی تکلف کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے جو کچھ کہا، وہ اس قدر اٹل تھا کہ جہانگیر میری تردید میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا اور لاجواب ہو کر اس نے اپنے لیے تیسرا گلاس بنانا شروع کر دیا۔

میں نے ٹرانسمیٹر پر ویرا کی بے ہودہ گفتگو سے بوکھلا کر سلمیٰ کی مد پر اسے آف کر دیا تھا کیوں کہ اس وقت میرے لیے ویرا کی گفتگو کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن بلی کی بے ہوشی کے بعد یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ اس رات کے بارے میں ویرا کے ذہن میں کیا منصوبے پروان چڑھ رہے ہیں۔

میں نے اپریٹس آن کیا تو اس وقت اس پر صرف ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما شور قدرے وقفوں کے ساتھ گونج رہا تھا اور کسی انسانی آواز کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"تم دونوں بوتل لے کر بیٹھتے ہو تو پھر اس میں غرق ہو جاتے ہو۔" سلمیٰ کی چڑچڑی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ "میں کہہ رہی ہوں کہ آج کی رات گزر جانے دو، صبح تک زندہ رہے تو اپنا شوق کل پورا کر لینا۔" اس نے قریب آ کر ٹرالی پر سے بوتل اٹھالی۔ "اب میں تمہیں اس کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے سلمیٰ سے اس کی مداخلتِ بے جا پر اعتراض نہیں کیا۔ میں ڈبل پیگ لینے کے بعد مجھے مزید سرور کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ سلمیٰ نے بوتل کیبنٹ میں بند کرنے کے بعد ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے شروع کیے اور ان سے فارغ ہو کر دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دیا۔

"اب تم لوگ بھی اندر آ جاؤ۔" اس نے ہماری طرف پلٹتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا۔

"ہمیں یہیں رہنے دو۔" میں نے کسل مندانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی آ ہی گیا تو یہاں سے ہم اس کو آسانی کے ساتھ اپنی زد میں لے سکیں گے۔"

"مجھے زیادہ خوف زدہ نہ کرو۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

شاید اسے پچھلی کرب ناک رات یاد آ گئی تھی جو اس نے موت کی دہشت میں اور گولیوں کے سائے میں سسک سسک کر گزاری تھی۔ دلدار آغا کے خوف ناک جارحانہ تیوروں کے مقابلے میں اس رات سلمیٰ اپنے ملازمین کے درمیان بالکل اکیلی تھی اور جہانگیر خواب آور دوا کے زیرِ اثر اپنے کمرے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ تم خود ہی ویرا کا نام سن کر خوف زدہ ہو گئی ہو۔" میں نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ میں اسے بتانا نہیں چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ بھی فضا میں خطرے کی بو محسوس کر رہے تھے۔

"وہ عورت نہیں، پوری چڑیل ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نے تم سے بات کی ہے تو اب کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر آنے والوں کا انتظار کرنا حماقت تھا۔ اس لیے اندرونی روشنیاں گل کرتے ہوئے ہم چاروں ایک خواب گاہ میں پہنچ گئے جو جہانگیر کے کمرے سے ملحق تھی۔ اس سے قبل میں جہانگیر کے گھر کے گیسٹ بیڈ روم میں کئی بار شب بسری کر چکا تھا جو اندرونی حصے سے خاصا الگ تھلگ تھا لیکن اس رات کی صورتِ حال کے پیشِ نظر جہانگیر نے ہمیں قریب رکھنا مناسب سمجھا تھا۔

بستر وغیرہ درست کر کے سلمیٰ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور جہانگیر ہمارے لیے دو رائفلیں لے آیا جن کے ساتھ فاضل کارتوسوں کے کئی ڈبے تھے۔ رینج اور ہلاکت خیزی کے اعتبار سے وہ اسلحہ بے مثال تھا لیکن آنے والے لمحات میں اس کی فائرنگ کی رفتار سست ثابت ہو سکتی تھی۔ ہر فائر کے بعد لوڈ کرنے میں جو وقت صرف ہوتا اس سے فائدہ اٹھا کر کوئی بھی تیزی سے پیش قدمی کر سکتا تھا۔

میرے استفسار پر جہانگیر ایک سب مشین گن لایا تو میں حیران رہ گیا۔ اس دو نفری گھرانے میں اس قدر آتشیں اسلحے کی بھرمار میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ جہانگیر نے بتایا تھا کہ اس کے پاس دو رائفلوں کے لائسنس تھے۔ بقیہ دو رائفلیں فیکٹری کے چوکیداروں کے نام پر تھیں۔ کلاشنکوف اور ایس جی ایم اس نے ان دنوں بھاری داموں پر اپنے مسلح محافظوں کے لیے خریدی تھیں جب اسے شی کے خلاف کل پرزے نکالنے کے بعد اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔ ان دنوں وہ ایک بلٹ پروف کار میں سفر کرنے لگا تھا۔ گھر کے احاطے کی دیواروں کو اونچا کرا کے فصیل کا روپ دے ڈالا تھا۔ لان اور احاطے میں رات کو اس قدر

چراغاں ہوتا کہ فرش پر گرا ہوا تنکا بھی دور سے دیکھا جاسکتا تھا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ احاطے میں دن رات خونخوار کتے بھی کھلے پھرتے تھے جن کی موجودگی میں پرندوں تک نے اس گھر کے درختوں پر بیٹھنا یا بسیرا کرنا ترک کر دیا تھا۔

وہ دن گزر گئے تھے لیکن جہانگیر نے اسلحہ کسی بُرے وقت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ ان دنوں شہر میں کئی بار منظم پیمانے پر خونریزی کی علاقائی وارداتیں ہو چکی تھیں جس کے نتیجے میں شہریوں کا لائسنس یافتہ اسلحہ سرکاری احکام کے ذریعے متعلقہ تھانوں میں جمع کرالیا گیا تھا۔ ایسی بے بسی کی حالت میں کسی ناگہانی خطرے سے نمٹنے کے لیے غیر قانونی اسلحہ ہی کام دے سکتا تھا۔ کیوں کہ شر پسند اور بلوائی کہیں بھی قانونی اسلحے کو تخریب کاری کے لیے استعمال نہیں کرتے، وہ قانون شکنی کے لیے ہمیشہ غیر قانونی اسلحے اور حرکتوں پر انحصار کرتے ہیں۔

ایک ایس جی ایم اور دو رائفلیں ہم دونوں کے سپرد کرنے کے باوجود جہانگیر کی خوابگاہ میں ایک ڈبل بیرل رائفل اور ایک پستول موجود تھا۔

اپنی تیاریوں کے باہمی جائزے کے بعد جہانگیر اپنے کمرے میں چلا گیا اور ہم نے بھی اپنے کمرے کی بتیاں بجھا دیں۔ اس وقت نیند کا کوسوں دور پتا نہیں تھا لیکن ساری رات بیٹھ کر بھی نہیں گزاری جاسکتی تھی اس لیے ہم اسلحہ قریب رکھ کر بستر پر دراز ہو گئے۔ میں نے ٹرانسمٹر آن کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ لیا تھا۔

سگریٹیں پھونکتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ ویرا یا شِ... سے مقابلے میں میں اتنا مجبور نہیں تھا جتنا خود کو تصور کر رہا تھا۔ ٹرانسمٹر پر ویرا سے بات ہونے کے بعد سب کچھ ذاتی سطح پر سوچا جاتا رہا جب کہ میرے ساتھ مافیا کی افرادی قوت بھی تھی بینڈو اور اس کے آدمیوں نے جہانگیر کا مکان دیکھا ہوا تھا اور وہ میرے ایک اشارے پر اس کے گرد مورچا بند ہو سکتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی میں نے اضطراری طور پر بستر چھوڑ دیا سلطان شاہ نے اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے بوکھلا کر میری تقلید کی تھی اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا تھا "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ آرام سے لیٹے رہو۔ یوں اپنے سائے سے بھڑکتے رہے تو صبح تک اعصاب زدہ ہو جاؤ گے۔ میں اپنے آدمیوں کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"تمھارے آدمی؟" اس کی تحیر زدہ سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میری ہی طرح وہ بھی مافیا کو بھولا ہوا تھا۔ میرے بتانے پر وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

وہ جاڑوں کی راتیں تھیں۔ وقت اتنا زیادہ نہیں گزرا تھا لیکن گھر میں پھیلے ہوئے اندھیرے اور باہر راج کرتے ہوئے سناٹے کی وجہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آدھی رات بیت گئی ہو۔ جہانگیر کی خواب گاہ کے بند دروازے کی نچلی جھری سے روشنی کی لکیر نظر آ رہی تھی۔ میں وہاں سے گزر رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" کھلے ہوئے دروازے میں سے آنے والی روشنی میں مجھے دیکھتے ہی سلمیٰ حیرت سے اچھل پڑی۔

"کر کچھ نہیں رہا۔ یہاں سے گزر کر ڈرائنگ روم میں فون کرنے جا رہا ہوں۔" میں نے خفت آمیز مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"لعنت بھیجو ڈرائنگ روم پر۔ یہاں میرے کمرے سے فون کر لو۔" اندر سے جہانگیر نے ہانک لگائی۔ اس کی آواز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ اس وقت سُرور میں آنے لگا ہے۔

"باتوں ہی باتوں میں ہم کھانا بھی بھول گئے۔" سلمیٰ مجھے راستہ دیتے ہوئے بولی۔

"تمھیں بھوک لگ رہی ہے تو ضرور کھانا کھاؤ۔ ہم شام کو دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سیدھے تمھاری طرف آئے تھے۔ اس لیے اب کھانے کی خواہش نہیں ہے۔" میں نے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اس وقت کون یاد آگیا جسے فون کرنے جا رہے تھے؟" جہانگیر نے بستر پر ہی میرے لیے جگہ بناتے ہوئے سوال کیا۔ سُرور میں آنے کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر سے مخدوش صورتِ حال کا دباؤ کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا جو ایک لحاظ سے اچھا شگون نہیں تھا۔

"سلمیٰ، ویرا سے خوف زدہ ہے۔ اندر ہم نے دفاع کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ باہر بھی کچھ آدمی بلا لوں کچھ ہو ہی گیا تو حریفوں کو دونوں طرف سے گھیر کر مارنے میں لطف آئے گا۔" سلمیٰ کو وہیں رکا ہوا دیکھ کر میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم تکلف نہ کرو، اپنے اور جہانگیر کے لیے کھانا لے آؤ۔ وھسکی کے بعد اس کا معدہ خالی رہا تو یہ متلیاں شروع کر دے گا۔"

سلمیٰ میرا مدعا سمجھ گئی لیکن کچھ بولے بغیر وہاں سے چلی گئی۔

میں نے تپائی پر سے فون اٹھا کر ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے دیر سے جواب ملے گا لیکن دوسری ہی گھنٹی پر سلسلہ مل گیا اور میں نے سینڈو کی آواز پہچان لی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تمھیں وہ گھر یاد ہے جہاں ہم نے دلدار آغا کے دانت کھٹے کیے تھے؟" میں نے براہِ راست مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"کیا وہاں پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟" اس کی آواز تجسس آمیز تھی۔

"امکان نظر آ رہا ہے۔ اپنے آدمیوں کو لے کر پہنچو اور چھپ کر اس مکان کو گھیر لو۔ میں اس وقت اندر موجود ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ باہر سے کچھ لوگ اس مکان پر حملہ کرنے کی کوشش کریں۔ تم کو ہر قیمت پر انھیں روکنا ہے لیکن اس کوشش میں اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اندر پھیلے ہوئے نشانچی غلط فہمی میں تمھارے ہی آدمیوں پر گولی چلا دیں گے۔"

"میں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

"ٹرانسمٹر پر کال آ رہی ہے۔" اسی وقت سلطان شاہ کی آواز آئی جو میری بے خبری میں نہ جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا اور شاید میرے فون سے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔

"ٹرانسمٹر کہاں ہے؟"

"وہیں کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ اسے یہیں اٹھا لاتے۔ وہ تمھیں کرنٹ تو نہیں مار دیتا۔" میں نے قدرے تیکھے لہجے میں کہا اور وہ خفت آمیز انداز میں سر جھکا کر واپس چلا گیا۔

وہ واپس آیا تو اس وقت بھی ٹرانسمٹر پر ویرا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ڈینی ریسیونگ۔" ویرا کی طرف سے لائن اوور کیے جانے کے بعد میں نے اپنی آواز کو دانستہ غنودہ بنا کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا مرچیں چبا رہے ہو؟ اوور۔" اس نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے مطلب کی بات کرو، بار بار کیوں تنگ کر رہی ہو؟ اوور۔" میں نے بدستور اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کچی نیند سے اُٹھے ہو۔ کمال ہے کہ اتنی جلدی سونے کے لیے لیٹ گئے۔ کیا جہانگیر جلدی سو جانے کا عادی ہے؟ اوور۔" اس نے مکارانہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"یہ تو جہانگیر ہی سے معلوم کرو، میں اپنے گھر میں آرام کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"تھوڑی ہی دیر پہلے تو تم سے وہاں میری بات ہو رہی تھی۔ اتنی جلدی واپس آ کر سو بھی گئے۔ اوور۔" اس کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی کا امتزاج موجود تھا۔

"ان سب باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ میری نیند کیوں خراب کی ہے؟ اوور۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم جہانگیر ہی کے گھر پر موجود ہو۔ اوور۔" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بے اعتباری سے کہا۔

"گویا تم اس وقت صرف یہی معلوم کرنا چاہتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کہیں بھی ہوں، اس سے تمھارے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمھارا راستہ الگ ہے اور میری راہ جدا۔۔ پھر بھی تمھاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ میں جہانگیر کے ساتھ شراب نوشی کر رہا تھا کہ ایک خبر ملنے کے بعد غزالہ کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ یہ شراب ہی کا اثر تھا کہ میں گھر آتے ہی بستر میں لیٹ گیا، ورنہ میں عام طور پر دیر ہی سے سوتا ہوں۔ اتنی وضاحت کے بعد امید ہے کہ اب تمھارے ذہن کی خارش دور ہو گئی ہوگی۔ اوور۔"

"تم وہاں سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ میں کیسے مان لوں کہ اس وقت تم اپنے گھر میں ہو۔ اوور۔" اس نے کھل کر اپنے دل کی بات بیان کر دی۔

میں نے بٹن دبا کر ایک جاندار قہقہہ لگایا اور اس کے یقین کو مزید متزلزل کرنے کے لیے کہا۔ "تمھارے آدمی بہت احمق تھے جو ٹرانسمٹر کے ساتھ چوکیدار کو زہریلا حلوہ بھی دے گئے اور قبل از وقت تمھارے منصوبے کا راز مجھ پر فاش ہو گیا۔ وہ حلوہ کھا کر دو کُتے آناً فاناً میں بے ہوش ہو گئے اس کے بعد میرے لیے چوہے دان میں رکا رہنا مہلک ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں نکل آیا۔ اوور۔"

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تم جھوٹے ہو۔ تم وہاں سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ اوور۔"

"تم اٹلی سے تازہ تازہ یہاں وارد ہوئی ہو اس لیے تمھیں اندازہ نہیں کہ تمھارا ٹھیکیدار کس قماش کے آدمی فراہم کرتا ہے۔ اسی کی ناکارہ نفری نے ڈی ڈی کو مروایا تھا اور شاید تم نے بھی اسی لالچی ٹھیکیدار سے رابطہ قائم کیا ہے۔ اوور۔" اس کی چال بازی کی وجہ سے میں بھی اس سے پہیلیوں میں تشنہ گفتگو کر رہا تھا تاکہ اسے میری کسی ایک بات سے اپنے دو سوالوں کے جواب نہ مل سکیں۔

"تم کس کی اور کیا بات کر رہے ہو؟ اوور۔" اس کا لہجہ ایک دم سپاٹ ہو گیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ میری گفتگو سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اپنی تشویش کے اخفا کے لیے وہ عموماً اسی قسم کا اندازِ تکلم اختیار کرتی تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"میں معراج دین عرف ملے کی بات کر رہا ہوں جو آج کل شی کا لیبر کنٹریکٹر بنا ہوا ہے۔ اس کے آدمی اوّل درجے کے احمق اور ناکارہ ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ جدید ترین اسلحے کے ساتھ بھونڈے انداز میں جہانگیر کے مکان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں مگر بہترین دستی اسلحہ بھی بھانڈوں کو لڑاکا نہیں بنا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ ابھی تک اپنے دو

ساتھیوں کی لاشوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں جنھیں ہلاک کر کے میں ان کے پھیپھڑے حصار سے باہر نکلا تھا اور نہ مجھ سے رابطہ قائم کیے بغیر تمھیں علم ہو جاتا کہ اب میں وہاں نہیں ہوں جہاں تم مجھے روکنا چاہ رہی تھیں۔ تم نے اپنی دانست میں بہت ہوشیاری کے ساتھ مجھے گھیرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو پروان چڑھنے سے پہلے ہی اپنی موت آپ مر گیا۔ اوور۔"

"تم بلف کر رہے ہو۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "قول کے سچے ہو تو جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ذرا بھی تشدد نہیں ہوگا۔ میں تنہا تم سے ملنے آؤں گی۔ اوور۔"

"غزالہ کے مل جانے کے بعد اب میرے لیے تمھاری ذات اپنی دلکشی کھو چکی ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ایک ہی شکار پر منہ مار مار کر ہر شکاری جلد اکتا جاتا ہے اس لیے تمھیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی مجھے چاروں طرف سے گھیرنے کی ناکام کوشش کے بعد تمھارا تنہا آنے کا دعویٰ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اپنا دل ہی بہلانا ہے تو ایسے لطیفے کسی ایسے شخص کو سناؤ جو تمھیں زیادہ نہ جانتا ہو۔ اوور۔"

"یہ شئی میں میرے وقار کا معاملہ بن گیا ہے ڈینی!" اس کا لہجہ یک بیک مفاہمانہ بلکہ خوشامدانہ ہو گیا۔ "تم صرف ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ بقول تمھارے، میرے آدمی جہانگیر کے گھر کے گرد جھک مار رہے ہیں اور تم اپنے گھر پر ہو۔ میں تنہا تم سے ملنے آتی ہوں۔ مجھے تم سے کچھ نجی اور بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔ اوور۔"

"مجھ سے نجی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ میں نہ تم سے شادی کر سکتا ہوں نہ تمھاری ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہوں۔ رہی ضروری گفتگو تو وہ تم خاصی دیر سے کر رہی ہو۔ میرے بارے میں تم کوئی غلط اندازہ قائم نہ کرنا اب پوری بات کسی حد تک میری سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔ اوور۔"

"تم مجھ پر ضرورت سے زیادہ شبہ کر رہے ہو ڈینی!" اس کا شکایتی لہجہ بہت رومانوی تھا۔ "پتا نہیں تم یک طرفہ طور پر میرے بارے میں کیا سوچے جا رہے ہو؟ اوور۔"

"مجھے معلوم ہے ویرا بے بی کہ اب جدید ٹرانسمٹرز میں لوکیشن فائنڈر بھی لگے ہوتے ہیں۔ شاید تمھارے اپریٹس پر لگا ہوا کوئی آلہ تمھیں قطب نما پر میری پوزیشن اور فاصلے سے آگاہ کر رہا ہو گا تم اسی کی مدد سے مجھ تک پہنچنا چاہتی ہو۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ تم نے مجھے ٹرانسمٹر بھجوانے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی لیکن میں نرا احمق نہیں ہوں تم سے بات ختم کر کے میں اپنا اپریٹس آف کر دوں گا۔ اس کی پاور سپلائی کے ساتھ ہی ہر سگنل بھی آف ہو جائے گا اور تمھارا لوکیشن فائنڈر میرے بارے میں اندھا ہو کر رہ جائے گا۔ چلو میں وعدہ کرتا ہوں کہ رات بھر اپنے گھر پر ہی رہوں گا۔ ہو سکے تو مجھ تک پہنچ کر دکھا دو۔ ابھی تک مجھے صرف یہی خلش تھی کہ تم نے مجھے ٹرانسمٹر کیوں بھجوایا ہے مگر اب یہ خلش دور ہو گئی ہے۔ اوور۔"

"تم بہت بڑبولے ہو گئے ہو ڈینی!" اس کا لہجہ خشک اور کھردرا ہو گیا۔ "تم بلا وجہ مجھے سخت رویہ اپنانے پر مجبور کر رہے ہو۔ تم نے لوکیشن فائنڈر کی بات چھیڑی ہے تو کان کھول کر سن لو کہ جب پچھلی بار میں نے تم سے بات کی تھی تو تمھاری لوکیشن بالکل وہی تھی جو اس وقت مل رہی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ تمھاری پوزیشن میں سر مو بھی فرق نہیں آیا ہے۔ تم جہاں تھے وہیں موجود ہو۔ حلوے کے بارے میں شاید تمھیں پتا چل گیا ہو لیکن میرے دو آدمیوں کے قتل کا دعویٰ بکواس ہے۔ اس وقت تو جہانگیر کے گھر سے کوئی سایہ بھی باہر نظر آیا تو اس پر چاروں طرف سے نادیدہ ہاتھ آگ کا جہنم کھول دیں گے۔ ہمت ہے تو گھر سے باہر قدم نکال کر دکھا دو، میں تمھیں شورما مان جاؤں گی۔ اوور۔"

"آخر تمھیں سچ بولنا ہی پڑ گیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم کھل کر میرے سامنے آ گئی ہو اس لیے اب قابل عمل تجاویز اور سمجھوتے کا ڈھکوسلا ختم کرو اور یہ بتاؤ کہ مجھے مارنے کے لیے جمی لائیڈ سے کب تک کی مہلت لے کر آئی ہو؟ اوور!"

"تجاویز اپنی جگہ برقرار ہیں۔ انھیں قبول کر لو گے تو زندہ اور فائدہ میں رہو گے۔ انھیں ٹھکرایا تو دنیا کے کسی بھی گوشے میں پناہ حاصل نہ کر سکو گے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہمارے کارڈز قبل از وقت ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ اب ہم کسی ہیر پھیر کے بغیر ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔ اوور۔"

"میرے نہ کوئی کارڈز تھے اور نہ کھلے ہیں۔ تم ابتدا ہی سے بدنیتی سے مجھے گھیرنا چاہ رہی تھیں لیکن دیکھ لو کہ میں زبان سے کچھ نہ کہنے کے باوجود ابتدا سے تمھیں سمجھ رہا ہوں اسی لیے نہ تمھارا محبت آمیز بلاوا میری رال ٹپکا سکا اور نہ ہی تمھاری موجودہ سازش کامیاب ہو سکی۔ اگر میرے گرد تمھارے آدمیوں کا گھیرا ہے تو ان کے گرد میرے آدمی بھی تیار کھڑے ہیں۔ آج رات اگر کوئی معرکہ چھڑ گیا تو یہ یاد رکھنا کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے تمھارے خلاف براہ راست کارروائی سے نہ روک سکے گی۔ اب میں زیادہ دیر باتیں کر کے تمھیں مزید مہلت نہیں دینی چاہتا اس لیے ایکبار لائن اوور کر کے اپریٹس آف کر دوں گا۔ اوور۔"

"تم مجھے چیلنج دے رہے ہو! اوور۔" اس کی آواز دھمکی آمیز تھی۔

میں نے اپنے وعدے کے مطابق کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر کے اپریٹس آف کر دیا۔

"تو یہ کھیل چل رہا ہے۔" بات ختم ہو جانے پر جہانگیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "تمھیں سب کچھ معلوم ہے لیکن پھر بھی ہمیں ایک لفظ نہیں بتایا۔ یہ زیادتی ہے ڈینی! ہم گلے گلے تمھارا ساتھ دینے والے ہیں۔ ہم سے تو اتنی پردہ پوشی نہیں کی جانی چاہیے۔"

میں سگریٹ سلگاتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ بولا۔ "ویرا کی اس وقت کی کال میرے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے اور میں نے سب کچھ اسی کی باتوں اور کچھ اپنے اندازوں سے سمجھا ہے ورنہ ابھی تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ ویرا نے مجھے ٹرانسمٹر صرف یہ جتانے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ جب اور جہاں چاہے مجھ تک پہنچ سکتی ہے مگر یہ تو کھیل ہی دوسرا ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی کی صرف اتنی بات نظر آئی ہے کہ وہ براہ راست مجھے مارنا نہیں چاہتی بلکہ اپنی راہ پر لانا چاہتی ہے۔۔۔"

"لیکن اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں تو وہ کسی کو نہیں پہچانتیں۔" سلمٰی نے کہا۔ وہ اسی دوران میں کسی وقت کھانے کی ٹرے لے کر کمرے میں آ گئی تھی۔ "مقابلے میں گرنے والی خون کی پہلی بوند تمھاری بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ویرا عورت نہیں پوری چڑیل ہے۔ اب دیکھو کہ آج کی رات یہاں کیا ہوتا ہے؟ اچھا ہی ہوا کہ تم یہاں رک گئے ورنہ باہر نکلنے پر بے خبری میں ان خونیوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔"

"بلکہ یہ بھی اچھا ہوا کہ اب یہ دونوں حملہ آوروں کی یلغار روکنے میں ہمارا ساتھ دے سکیں گے۔" جہانگیر نے سلمٰی کے لہجے اور الفاظ میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس کرتے ہوئے گرہ لگائی۔ "میرے پیٹ میں ہول سے گرہیں پڑنی شروع ہو گئی ہیں۔"

سلمٰی تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔ تم جلدی سے دو لقمے کھا لو پھر پتا نہیں کب کھانا نصیب ہو۔"

"اتنی قنوطی نہ بنو۔" جہانگیر نے ٹرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ہولے سے اسے ڈانٹ دیا۔ "صبح کا ناشتا ہم سب میز پر ایک ساتھ کریں گے۔ آؤ! تم بھی میرا ساتھ دو۔"

سلمٰی اس وقت شدید ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی لیکن اس نے جہانگیر کے اصرار کو نہیں ٹالا اور خاموشی سے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی۔

"کہاں چلے؟" مجھے اٹھتا ہوا دیکھ کر جہانگیر نے منہ میں موجود لقمہ نگلتے ہوئے سوال کیا۔

"تم دونوں کھانا کھا لو، میں سلطان شاہ کے ساتھ چھت پر سے باہر کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر کوئی ٹارچ ہو تو دے دو۔ میں غیر ضروری طور پر بلب روشن نہیں کرنا چاہتا۔"

جہانگیر کے ایما پر اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ٹارچ نکال کر میں باہر چلا گیا۔

لوڈ کی ہوئی رائفل سلطان شاہ نے اٹھائی اور اپنے کمرے میں سے سب مشین گن میں نے لے لی اور ہم اوپر جانے والے زینوں کا بند چوبی دروازہ کھول کر اور ستاروں بھرے آسمان تلے پہنچ گئے۔

رات سرد تھی اور ہلکی ہلکی ہوائیں چلنے کے سبب سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ اس مکان کے قرب و جوار میں مکانات ہلکی سی کہر میں لپٹے ہوئے تھے۔ اسٹریٹ لیمپس اور مکانات میں نظر آنے والی روشنیوں پر بھی خوابناک سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ اس علاقے کے مکین آنے والے بھیانک لمحات سے بے خبر اپنے اپنے گھروں میں شاید شب بسری کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

چھت پر گہرے اندھیرے میں دھند ہونے کے باعث نیچے کہیں سے ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا اس لیے ہم نے چھت کے کناروں پر بنی ہوئی دیوار پر سے دیکھا کہ مکان میں جہانگیر کی خواب گاہ کے سوا تمام کمروں کی روشنیاں ضرور گل تھیں لیکن احاطے میں چاروں طرف اکا دکا بلب اس طرح روشن تھے کہ کوئی بھی حصہ مکمل تاریکی میں نہیں تھا۔ ایک چوکیدار بہت مستعدی کے ساتھ اپنی رائفل کندھے پر لٹکائے اپنے سایہ دار کیبن میں چوکی پر بیٹھا ہوا تھا۔ گل بدن خان عقبی حصے میں گشت کر رہا تھا اور ایک تیسرا شخص آم کے تناور درخت پر مضبوط شاخوں کے درمیان مورچا لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ بقیہ تین کسی ایسی کمین گاہ میں پوشیدہ تھے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی۔ احاطے سے باہر کہیں بھی کسی قسم کی کوئی مشتبہ نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔

ویرا نے اپنے ابتدائی منصوبے میں جہانگیر کے گھر میں موجود چوکیداروں کو بے ہوش کرنے کا انتظام کیا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے حمایتیوں کے ساتھ خاموشی سے گھر میں داخل ہو کر ہم پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتی تھی اور کسی واضح دھوم دھڑکے کے بغیر خاص طور پر مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتی تھی۔ اگر اس کا منصوبہ برقرار رہتا تو اس پوری کارروائی میں زیادہ نفری کے استعمال کی ضرورت نہیں تھی۔ ہلکے دستی اسلحے سے مسلح دو چار آدمی بھی کامیابی سے واردات کر کے فرار ہو سکتے تھے لیکن ویرا سے ٹرانسمٹر پر ہونے والی میری آخری گفتگو کے نتیجے میں ویرا کو علم ہو گیا تھا کہ زہریلے حلوے کا راز فاش ہو گیا تھا اس لیے اسے اپنے پروگرام پر نظر ثانی کر کے نفری میں اضافہ کرنا پڑ گیا ہو گا تاکہ اندر موجود محافظوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔

"ہم میں سے ایک آدمی چھت پر موجود رہے تو ہر طرف نگاہ رکھی جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اوّل تو سرد ہوائیں اس ایک آدمی کی قلفی جما دیں گی پھر

جب اندھادھند فائرنگ کی نوبت آئے گی تو کوئی بھی بھٹکی ہوئی گولی اس ایک آدمی کی کھوپڑی میں ہوا دان بھی بنا سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نیچے چلے جاؤ، میں اُوپر رُک جاتا ہوں۔" اُس نے پیشکش کی۔

"بات میری اور تمھاری نہیں، خطرے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ گولی تمھاری کھوپڑی میں داخل ہونے کے بجائے اُچٹ کر کہیں نکل جائے گی۔ ضرورت پیش آئی تو اُوپر آجائیں گے۔"

اس نے میری رائے تسلیم کر لی تھی لیکن پھر بھی ہم دونوں غیر ضروری طور پر بحث کرتے ہوئے نیچے آگئے۔

❁

چاروں ایک ہی کمرے میں موجود تھے۔ سلمیٰ کی بے آرامی کے خیال سے میں نے جب بھی اٹھنے کا ارادہ کیا جہانگیر نے مجھے سختی سے روک لیا۔ سلمیٰ نے ہلکی آنچ پر گیس سے چلنے والا روم ہیٹر آن کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے کمرے میں سکون پرور حرارت رچی ہوئی تھی۔

لیکن انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے، خواہ وہ موت کا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرحلے پر انسان اُکتا کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سب کچھ ایسی کی تیسی میں جائے، جب بُری گھڑی آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ وہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ ڈیڑھ بجے تک ہر طرف رات کا سناٹا چھایا رہا تو سب پر اُکتاہٹ طاری ہونے لگی اور میرے تو اعصاب تک چٹخنے لگے کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا ایک بار کوئی بات طے کر کے پیچھے ہٹنے والی عورت نہیں تھی۔

"تم چاہو تو تھوڑی دیر آرام کر لو، پتا نہیں وہ لوگ رات کے کس حصے میں پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کریں؟" جہانگیر نے ہمدردانہ لہجے میں مجھے مشورہ دیا۔

میں مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ تخلیہ چاہنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔ ویسے بھی تم بہت کمزور ہو گئے ہو تمھیں اس وقت کسی قسم کی ورزش کے بجائے خالص آرام کی ضرورت ہے۔"

سلطان شاہ گفت گو کا رُخ بھانپ کر فوراً ہی جہانگیر کی خوابگاہ سے نکل گیا تھا۔

"تم بہت سُوَر ہو گئے ہو۔" جہانگیر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"بہرحال، جو بھی مطلب تھا، وہ پورا ہو گیا۔ میں جا رہا ہوں لیکن جاگتا رہوں گا۔ جس وقت بھی ضرورت محسوس کرو بلا تکلف آواز دے دینا، ویسے بھی میرے کمرے کا دروازہ کھلا رہے گا۔"

میں وہاں سے نکل کر برابر والے کمرے میں آگیا۔ سلطان شاہ آتے ہی بستر پر دراز ہو چکا تھا، میں نے بھی کمر سیدھی کرنے کے لیے بستر سنبھال لیا۔

سکون، خاموشی اور تخلیہ میسر آتے ہی میرا ذہن سینڈو کی طرف بھٹک گیا۔ مجھے اسے ہدایت دیے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ اس وقت تک اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ قرب و جوار میں گھیرا ڈال چکا ہو گا۔ وہ علاقہ کچھ اس طرح بسایا گیا تھا کہ کسی بھی گلی میں یا سڑک پر دو افراد ایک دوسرے کی نظروں میں آئے بغیر زیادہ دیر تک ایک ساتھ نہیں ٹھہر سکتے تھے اس اعتبار سے سینڈو کے آدمیوں کو بہت دیر پہلے ویرا کے آدمیوں سے بھڑ جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا جس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک فریق مقابلے کا خطرہ مول لیے بغیر پسپائی اختیار کر گیا تھا یا ویرا نے اپنی حکمت عملی بدل لی تھی۔

میں انھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک رائفل کے پُرہول دھماکے نے رات کے سناٹے کا سینہ مجروح کر دیا اسی کے ساتھ فضا میں ایک دلدوز انسانی چیخ اُبھری تھی۔ ہم دونوں بے اختیار اپنے بستروں سے نیچے اُتر آئے اور اپنا اپنا ہتھیار سنبھال لیا اسی وقت جہانگیر بھی اپنی دونالی سنبھالے وہیں آگیا اس کے پیچھے سلمیٰ تھی جس کا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔

"ٹکراؤ شروع ہو گیا۔" جہانگیر کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ "آواز قریب ہی سے آئی تھی۔"

اس پہلے فائر کے بعد بمشکل چند ثانیے کے لیے فضا پر سکوت طاری رہا پھر اچانک ہی فضا بھانت بھانت کے اسلحے کی فائرنگ کے شور سے لرز اُٹھی۔

اس شور میں چھوٹے اور بڑے، خودکار اور نیم خودکار اسلحے کی ملی جلی آوازیں شامل تھیں اور پہلے فائر کے بعد سناٹے میں وہ آوازیں یک بیک اور اتنی شدت کے ساتھ گونجنی شروع ہوئی تھیں جیسے پہلے فائر نے جہنم کے کسی دہانے کا سُوراخ کھول دیا ہو۔ شدت کی بنا پر محض آوازوں سے یہ قیاس کرنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں سے کس کا پلّہ بھاری تھا۔

"تم دونوں میاں بیوی یہیں ٹھہرو اور تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے ٹرانسمٹر اٹھا کر سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس نے گولیوں کا ایک ڈبّا اور میگزین کی چند فاضل پیٹیاں اٹھائیں اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ چھت کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

راستے ہی میں میں نے ٹرانسمٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

چھت پر سے باہر کا منظر بہت مہیب اور روح فرسا نظر آرہا تھا۔ ہلکی ہلکی کہر میں جلی ہوئی بارود کے دھوئیں کی بُو بہت تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اطراف و جوانب کی گلیوں میں مختلف سمتوں سے فضا میں شعلے تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"جو جہاں ہے، وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔" سلطان شاہ تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔ "جو بھی کمزور ہوتا، اتنے زبردست ہلّے میں اس کے پیر اکھڑ جاتے۔ دونوں طرف ہی پوری تیاریاں معلوم ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ ہمارے حامی کس طرف اور کہاں ہیں؟"

"ڈیتی کالنگ، جو بھی میری آواز سن رہا ہو، وہ فوراً جواب دے۔ اوور!" میں نے اپریٹس کا بٹن دبا کر اپنا پیغام نشر کیا اس وقت ویرا سے کچھ چھیڑ چھاڑ کر کے صورتِ حال کے بارے میں کوئی مفید بات معلوم کی جا سکتی تھی ورنہ روح فرسا انتظار کے علاوہ کوئی راہ نہیں تھی۔

"آخرکار تمھاری آنکھ کُھل ہی گئی؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ہی ریسیور پر ویرا کی آواز سُنائی دی۔ شاید وہ اس وقت میدانِ کارزار ہی میں موجود تھی کیوں کہ اس کی آواز کے پس منظر میں فائرنگ کی بازگشت سُنائی دے رہی تھی جو فضا سے براہِ راست بھی میرے کانوں میں آرہی تھی۔ "دیکھ لو کہ میں آگئی ہوں اور میرے لوکیشن فائنڈر پر تم اس وقت مجھ سے دس درجے شمال میں صرف ایک سو اسّی میٹر کے فاصلے پر ہو میدان صاف ہوتے ہی میں ایک دوڑ لگا کر تم تک پہنچ سکتی ہوں۔ اوور!"

"مگر ایک سو اسّی میٹر کی یہ ہرڈلز دوڑ آسان نہیں ہو گی تم آئی ہو تو تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ میں نے تمھارے استقبال کا شایانِ شان بندوبست کیا ہے۔ اوور!"

"رکاوٹوں کو گرانا اور توڑنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔" اس کی آواز میں ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔ "کیا تم اپنے آدمیوں کی کمان خود کر رہے ہو؟ اوور!"

"اگر تم نے کسی کو مامور نہیں کیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ میری ہی ذمّے داری ہے۔ اوور!" اس کے سوال پر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کیوں کہ اس وقت اس کا کوئی محل نہیں تھا۔

"مجھ سے دس درجے شمال میں ایک سو اسّی میٹر کے فاصلے پر جہانگیر کا مکان ہے۔" اس کی آواز سُنائی دی۔ "اُدھر سے ابھی تک میرے آدمیوں پر ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی ہے۔ ساری فائرنگ پیچھے سے ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم گھر میں گھس کر اپنے آدمیوں کو مروا رہے ہو جب ہی وہ سوچے سمجھے بغیر اندھادھند فائرنگ کر رہے ہیں۔ شاید تمھیں علم نہ ہو کہ مجھے آرمی میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ تمھارے آدمیوں کے اسلحے کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی کُل تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں ہے۔ اوور!"

"بہت قابل ہو۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب شاید تم ان آٹھ میں نر اور مادائوں کا تناسب بتانے کے بعد یہ بھی بتا سکو گی کہ ان میں کتنے بالغ اور کتنے نابالغ ہیں۔ اوور!"

"وہ جس طرح اندھادُھند اسلحہ برباد کر رہے ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سب نابالغ ہیں یا پھر اپنے انجام سے خوف زدہ ہیں۔ اگر تم واقعی ان کی عملی کمان کر رہے ہو تو فوری طور پر انھیں تیس سیکنڈ کے لیے ہی فائرنگ کا حکم دو۔ اوور!"

"میں احمق نہیں ہوں پھر یہی مطالبہ میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔ اوور!" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے رواداری میں کہا۔

"یہ لو!" اس کے فقرے کے ساتھ ہی یک بیک فائرنگ کی آواز میں حیرت ناک سُرعت کے ساتھ کمی آتی چلی گئی اور چند ہی سیکنڈ میں فائرنگ کا شور آدھے سے بھی کم رہ گیا۔ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ دو میں سے کسی ایک فریق نے ہاتھ روک لیا تھا اور دوسرا فریق بلاوجہ گولیاں برسائے جا رہا تھا۔

"دیکھ لیا میری کمان کا اثر؟ اوور!" ویرا کی فخر آمیز آواز اُبھری۔

"پتا نہیں، ان اوچھی حرکتوں کے ذریعے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اپنے لہجے میں قدرے ناگواری پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تمھاری ساری نفری ٹرانسمٹرز سے لیس ہے اس لیے تم نے پَل بھر میں اپنی آواز اپنے ہر آدمی تک پہنچا دی جب کہ میرے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے۔ میں دو چار کو تو روک سکتا ہوں لیکن اس طرح دوسرے تشویش میں پڑ جائیں گے اور ان کے قدم اکھڑ سکتے ہیں اس لیے میں اس مقابلے سے دست بردار ہوا جاتا ہوں۔ سامنا ہو گا تو دیکھا جائے گا کہ کون جیتتا ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اب کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اوور!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہی پیغام میرا بھی ہے۔ اوور!" اس کے لہجے میں بھی تلخی آگئی۔

"اوور اینڈ آل!" میں نے اپریٹس کی پاور سپلائی آف کر دی۔

"یہ تو نورا کشتی ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔ "چاروں طرف گولیاں برس رہی ہیں۔ اس علاقے کے سیکڑوں مکین موت کی دہشت سے اپنے گھروں میں کانپتے ہوئے اپنی اور اپنے عزیزوں کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے اور تم دونوں ٹرانسمٹر پر گپّیں لڑا رہے ہو۔"

"یہ عجیب ضرور محسوس ہو رہا ہو گا لیکن اسے تم نُورا کشتی کیسے کہہ رہے ہو؟ وہ میری دشمن ہے اور میں اس کے لہو کا پیاسا ہوں۔ دونوں فریق پٹاخے نہیں چلا رہے بلکہ اصلی گولیوں سے ایک دوسرے کی نفری کو گھٹانے کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔"

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اس وقت پہلی بار کسی طرف سے چلائی گئی تین گولیاں یکے بعد دیگرے جہانگیر کے مکان کی طرف آئی تھیں۔

میں نے میگزین بیلٹ چیک کر کے ایس جی ایم سیدھی کی اور اندازے سے اسی طرف ایک باڑھ ماری جدھر سے فائرنگ کی گئی تھی اور یہی میری غلطی تھی۔ آنے والوں نے فائرنگ کی چمک سے یہ دیکھ لیا کہ مورچا جہانگیر کے گھر کی چھت پر تھا اس لیے پے در پے متعدد گولیاں رُخ بدلتی ہوئی چھت سے گزری تھیں اگر ہم دونوں فوراً ہی نیچے نہ جھک جاتے تو ان میں سے کوئی گ...!

ہمیں اپنی زد میں لے سکتی تھی۔
"اب ہوشیار رہنا۔ اس نے ہمیں باتوں میں الجھا کر اپنا رُخ بدل لیا ہے۔ ادھر کچھ لوگ ادھر مکان کے قریب بھی آگئے ہیں۔ کچھ لوگ سینڈو کے آدمیوں کو دور روکے رہیں گے اور بقیہ اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اسی طرح جھک کر چھت کی چار دیواری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

فائرنگ کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا... جہانگیر کے مسلح آدمیوں نے گھر کے قریب حملہ آوروں کی موجودگی کو بھانپ کر کارروائی کا آغاز کر دیا تھا اور احاطے میں موجود جملہ چھ محافظوں میں سے تین کی رائفلیں گرجنے لگی تھیں، لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس قدر دھواں دھار فائرنگ کے باوجود پہلی انسانی چیخ کے بعد کوئی دوسری بے ساختہ انسانی چیخ نہیں سنائی دی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں اطرف کی دفاعی حکمتِ عملی پوری طرح کامیاب تھی لیکن میری یہ سوچ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر پیش قدمی کرنے کے چکر میں شاید کچھ لوگ گولیوں کی زد میں آگئے تھے کیونکہ ان کی چیخیں لرزا دینے والی تھیں۔

اور اسی لمحے جہانگیر کے محافظوں میں سے کسی نے مکان کے باہر رینگنے والوں میں سے کسی کو بھون ڈالا۔ اس زخمی کی چیخوں نے دم بھی نہ توڑا تھا کہ باہر سے کسی نے بجلی کے تاروں پر ایک لمبا برسٹ مارا۔ تار ٹوٹ کر نیلگوں چنگاریاں اڑاتے ہوئے نیچے گرے اور بے جان ہوگئے۔

پورا علاقہ یک بیک گھور تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہاں آس پاس بجلی کی کوئی آتش گیر تنصیب نہیں تھی۔ اس لیے شرف آباد والا سانحہ دُہرایا نہ جاسکا۔

ہر طرف سے فائرنگ کا زور تیزی سے جہانگیر کے مکان کے گرد مرکوز ہوتا جا رہا تھا۔ بے مقصد فائرنگ سے اکتا کر ان حریفوں نے اپنی اپنی مقررہ سمتوں میں پیش قدمی کا آغاز کر دیا تھا جس کے نتیجے میں پوزیشن بدلنے والے گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔

اس وقت سینڈو کا نشانہ ویرا کے آدمی تھے اور ویرا کا نشانہ جہانگیر کا گھر تھا جو ہر طرف سے فائرنگ کی زد میں آچکا تھا۔ آہنی پھاٹک پر بے تحاشا گولیاں برس رہی تھیں۔ بعض آہنی چادر پھاڑ کر اندر گر رہی تھیں اور کمزور قوت کی کم رفتار گولیاں لوہے پر شیطانی جل ترنگ بجا کر باہر ڈھیر ہو رہی تھیں۔

اس تمام کارروائی کو چلتے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے تھے لیکن آتشیں اسلحے کے نغموں نے ایسا بھیانک سماں باندھ دیا تھا جیسے وہ خونی ڈراما گھنٹوں سے چل رہا ہو۔

میرے لیے اضطراب کا باعث یہ تھا کہ مجھے سینڈو کی پوزیشن کا کوئی علم نہیں تھا۔ ہلاک یا زخمی ہونے والوں کی چیخوں سے یہ پتا چلانا ناممکن تھا کہ وہ کس فریق سے تعلق رکھتے تھے البتہ فائرنگ کا زور جہانگیر کے مکان پر مرکوز ہو جانے سے یہ ضرور سمجھ میں آرہا تھا کہ سینڈو ویرا کے آدمیوں کی صفوں میں دراڑ ڈال کر ان کے اور مکان کے درمیان حائل ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

مکان پر فائرنگ اتنے کم فاصلے سے ہو رہی تھی کہ چھت پر سر اُبھارنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو سکتا تھا پھر اچانک کچھ لوگوں نے باہر سے وزنی آہنی پھاٹک پر دھاوا بول دیا اور مل کر اس پر یوں زور آزمائی کرنے لگے جیسے اسے بنیادوں سے اُکھاڑ پھینکنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

پھاٹک بہت مضبوط اور ناقابلِ شکست تھا لیکن یہ بات تشویش ناک تھی کہ وہ پھاٹک تک آپہنچے تھے اسی وقت باہر سے پھاٹک کے اوپر ایک جوشیلا انسانی ہیولا نمودار ہوا۔ وہ سر پھرا پھاٹک سے اندر کود کر اپنے ساتھیوں کے لیے پھاٹک کھولنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

میں نے اپنی سب مشین گن شست لینے کے لیے سیدھی ہی کی تھی کہ نیچے احاطے میں سے پے در پے رائفل کے دو مہلک فائر ہوئے اور مہم جوئی کے جنون میں مبتلا شخص کی کھوپڑی ایک دھماکے کے ساتھ اس کے شانوں پر سے غائب ہوگئی۔ اس کا لہولہان دھڑ اندھیرے میں کسی آسیبی ہیولے کی طرح اچھل کر باہر ہی جا پڑا تھا۔ وہ اس بُری طرح مارا گیا تھا کہ اسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی۔

رات کے ہولناک اور سرد اندھیرے میں موت کے سایوں کا وہ طاغوتی کھیل ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا تھا اور میں چھت پر رہتے ہوئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے میں دشواری محسوس کر رہا تھا اس لیے میں نے سلطان شاہ کا ہاتھ تھاما اور جھکی ہوئی حالت میں زینے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس اثنا میں آہنی پھاٹک پر زور آزمائی کا سلسلہ موقوف ہوگیا تھا اور کہیں قریب ہی کسی گاڑی کا طاقتور انجن بیدار ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔

بجلی کے تار ٹوٹنے اور برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے کُھلی چھت کے مقابلے میں نیچے کی صورتِ حال زیادہ پریشان کن تھی۔ کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں اور بند دروازوں کی وجہ سے ہر طرف گھور اندھیرے کا راج تھا اور صرف اندازوں کی بنا پر ہی کسی سمت میں پیش قدمی کی جا سکتی تھی۔
"ہم نیچے آگئے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو آگاہ کرنے کی نیت سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
"اچھا ہوا، میری تو عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ لوگ پھاٹک گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" جہانگیر کی آواز میں دہشت جھلک رہی تھی۔
"سلمیٰ کہاں ہے؟ اُسے خواب گاہ میں بھیج دو۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "کسی بھی لمحے گھر کے اندر لڑائی چھڑنے والی ہے۔ ہمیں ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کے پیچھے مورچے سنبھالنے ہوں گے۔"
"وہ دہشت سے بے ہوش ہو چکی ہے۔" جہانگیر نے انکشاف کیا۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ "بجلی بھی اسی وقت جانی تھی۔ میں اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔"
"فکر نہ کرو، اچھا ہوا کہ اس نے خود ہی بے ہوش ہو کر تمھیں تفکرات سے بچا لیا ہے۔ ان لوگوں نے فائرنگ کر کے دانستہ بجلی کے تار گرائے ہیں...!"

میری بات ایک ہولناک دھماکے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ پورا گھر ہل کر رہ گیا تھا۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے کی بھیانک جھنکار کے ختم ہوتے ہی وزنی آہنی چادریں زمین پر گرنے کی پُرشور آواز سنائی دی؛ اسی کے ساتھ کئی افراد کی بے معنی وحشیانہ چیخیں سنائی دیں جیسے انھوں نے اپنی کسی بڑی کامیابی پر حلق کی گہرائیوں سے آوازیں نکال کر خوشی کا اظہار کیا ہو۔

دھماکے، آہنی جھنکار اور وحشیانہ شور کے ساتھ ہی احاطے میں تواتر سے گولیاں چلنے لگیں۔ دو دلدوز چیخیں فضا میں ابھریں اور پھر باہر ہونے والی ساری فائرنگ گویا اسی گھر پر مرکوز ہوگئی۔

میں دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ مضبوط دیوار کی اوٹ لے کر میں نے ایک کھڑکی کے گوشے سے پردہ سرکا کر باہر نگاہ ڈالی تو حیران رہ گیا۔

آہنی پھاٹک کا نچلا چوتھائی حصہ غائب ہو چکا تھا اور اندر ایک سیاہ فوکس ویگن تباہ شدہ حالت میں کھڑی ہوئی تھی اس کا بغیر انجن کا اگلا حصہ آہنی پھاٹک سے ٹکرانے کے بعد اگلی نشستوں میں جا گھسا تھا اور اگر اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی موجود تھا تو یقیناً اس کا قیمہ بن چکا تھا۔

کوئی بھی ہوش مند شخص اس قدر بھیانک خودکشی نہیں کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ فوکس ویگن کار بلا وجہ استعمال نہیں کی گئی تھی۔ دوسری جدید وضع کی گاڑیوں کے مقابلے میں اس کی باڈی مضبوط تھی اور انجن بھی پچھلے حصے میں تھا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر کاربوریٹر کے لیور سے مضبوط ڈوری باندھ کر کسی ڈرائیور کے بغیر بھی کار کی رفتار اچانک بڑھائی جا سکتی تھی۔ ڈرائیور کو بس گاڑی گیئر میں ڈالتے ہی نیچے کودنا پڑا ہوگا اور اس کے اُترتے ہی کار پوری قوت سے پھاٹک چیر کر اندر جا گھسی۔ اگر جہانگیر کے گھر کا پھاٹک غیر معمولی طور پر مضبوط نہ ہوتا تو اس شدید ضرب کے نتیجے میں ستون ہی جڑ سے اکھڑ سکتے تھے۔

کھڑکی کی جھری سے چند ثانیوں ہی میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ صورتِ حال ہمارے حق میں اتنی خراب نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

بلوچ میں موجود میری سیاہ شیراڈ سمیت جہانگیر کی دونوں گاڑیاں بُری طرح چھلنی ہو چکی تھیں۔ چوتھی کار تباہ شدہ فاکس ویگن تھی اور احاطے میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار حریف ان گاڑیوں کی اوٹ لے کر ایک دوسرے کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

فائرنگ کے رُخ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سینڈو کے آدمیوں نے ویرا کی ٹولی پر زبردست دباؤ ڈالا تھا جس سے گھبرا کر وہ جہانگیر کے گھر میں گھسنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ لیکن اندر جہانگیر کے مسلح آدمی ان کے قدم جمنے نہیں دے رہے تھے۔ اس لیے پھاٹک اور اس کے باہر پورے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ جاری تھا۔

جہانگیر کے آدمیوں نے احاطے میں نسبتاً اندرونی سمت میں پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھیں اس لیے ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر گھس آنے والے گاڑیوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ اس بارے میں انھوں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی عمارت کے رخ پر نظر نہیں آرہا تھا۔ انھوں نے ایسی سمت کا انتخاب کیا تھا کہ وہ مکان کے اندر سے چلائی جانے والی گولیوں سے محفوظ رہ سکیں۔
"یہ تو سب گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اندھیرے میں اپنے اور پرائے کی تمیز بھی بہت دشوار ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس پر فائر کیا جائے۔" سلطان شاہ میرے قریب بڑبڑایا۔
"پھاٹک سے باہر اور گاڑیوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے سب لوگ ویرا کے آدمی ہیں۔ میں پھاٹک کے سوراخ سے باہر برسٹ مارتا ہوں۔ تم دونوں پوزیشنیں لے کر گاڑیوں کے نیچے فائر کرو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

میں نے آہنی پھاٹک کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے اس پار برسٹ مارا تو پہلا ہی راؤنڈ کارگر رہا اور فضا ایک دلدوز چیخ سے لرز اٹھی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ رائفل داغ چکا تھا...

گاڑی کے پیچھے سے اُچٹ کر پار نکلنے والے چھروں کی برسات نے تباہی پھیلا دی تھی۔ دو افراد بری طرح اچھلے تھے، ان میں سے ایک کو جہانگیر نے باڑھ پر لے لیا۔

ہماری یہ مداخلت اس قدر بھرپور ثابت ہوئی کہ حملہ آوروں کے قدم اکھڑ گئے کیوں کہ ان پر بیک وقت تین سمتوں سے موت کی برسات شروع ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے ایک زخمی ہیولا بلند آواز میں کراہتا اور لنگڑاتا ہوا پھاٹک کے سوراخ کی طرف بھاگا تھا اور میں نے اسے راستے ہی میں خاک و خون میں نہلا دیا۔ میری سب مشین گن کے برسٹ کی آدھی سے زیادہ گولیاں اس کے بدن میں پیوست ہو گئی تھیں۔

پھر باہر سے ایک سُریلی چیخ سنائی دی تو میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ شاید ویرا بھی کسی گولی کا شکار ہو گئی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان لوگوں نے اتنی بڑی کارروائی کا منصوبہ بناتے ہوئے صرف فائر کرنے والے اسلحے پر ہی انحصار کیا تھا۔ اگر ان کے پاس دستی بموں کا مختصر سا ذخیرہ بھی ہوتا تو وہ نہ صرف مسلح محافظوں کو آسانی سے خاموش کر سکتے تھے بلکہ عمارت کے مخصوص حصوں کو نقصان پہنچا کر ہمیں بھی باہر نکلنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ میرے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ انھوں نے کسی غیر معمولی مزاحمت کی توقع نہ کرتے ہوئے بھاری تیاریوں کو یک سر نظر انداز کر دیا تھا۔ بموں سے کام لیا جاتا تو فوکس ویگن کو تباہ کیے بغیر پورے پھاٹک کو بھی اڑایا جا سکتا تھا۔

"تم دونوں کارروائی جاری رکھو!" میں نے اپنی ایس جی ایم سلطان شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا ویرا کی خبر لیتا ہوں۔ شاید وہ بری طرح زخمی ہوئی ہے۔"

سلطان شاہ نے جواب میں آہستہ سے کچھ کہا جو فائرنگ کے شور میں میرے پلے نہ پڑ سکا اور میں تیزی سے قدرے پیچھے ہٹ آیا۔ اس وقت ویرا پر اپنی بالادستی قائم کر کے مجھے خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

"ڈیئی کالنگ فار ویرا ڈارلنگ... اوور!" میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے آہستہ سے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آج کی رات ہم میں سے کسی ایک کے لیے فیصلہ کن ہو گی... اوور!" اس کی درد میں ڈوبی ہوئی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

"فی الحال تو یہ فیصلہ تمھارے خلاف جاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تمھارے دو آدمی تو میں نے ابھی پچھلے چند ثانیے میں جہنم واصل ہوتے دیکھے ہیں۔ آخری آدمی تک لڑنے کا ارادہ ہے تو اور بات ہے ورنہ تمھاری چیخ بھی میں سن چکا ہوں۔ زخمی کمانڈر کے سپاہی لڑنے کے بجائے فرار کی راہ ڈھونڈتے ہیں... اوور!"

"رات گزرنے میں ابھی بہت وقت پڑا ہوا ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی اُمڈ آئی۔ "پہلا راؤنڈ جیت لینے پر اتنا گھمنڈ نہ کرو، تھوڑی دیر بعد نئی تیاریوں کے ساتھ حملہ ہو گا اور اس بار تم لوگ حقیر چیونٹیوں کی طرح بے رحمی کے ساتھ مسل دیے جاؤ گے۔ اوور!"

"کوّوں کے کوسوں سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑانے والے لہجے میں کہا۔ "چاہو تو ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔ ہم مرہم پٹی اور ناشتا فراہم کر کے تمھیں چھوڑ دیں گے۔ تم چاہو تو ویسے ہی اداؤں سے دسیوں کو ڈھیر کر سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمھاری سچائی کرتے ہوئے ہم ہی میں سے کوئی تمھارے دام میں آ جائے۔ ویسے میں اتنا بتا دوں کہ اس راؤنڈ کے خاتمے کے بعد میں یہاں نہیں رکوں گا۔ چاہو تو ٹرانسمیٹر پر آدھے گھنٹے بعد رابطہ قائم کر کے لوکیشن فائنڈر پر چیک کر لینا۔ اس بار تم نے اپنے ارمان نکالے ہیں، اب میری باری ہے۔ اوور!"

"تم ابھی تک اندازہ نہیں کر سکے ہو کہ کس راہ پر چل رہے ہو۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے اور میں تمھاری زندگی کو ایک عذاب بنا کر رکھ دوں گی۔ اوور!"

"بال بیکا نہیں ہو سکا تو پھر ابھی تمھاری چیخ کیوں گونجی تھی؟ کون آ گیا تھا تمھارے پاس؟ اوور!"

"یہ نہ سمجھنا کہ مجھے کوئی بڑا زخم آیا ہے۔ میری اضطراری چیخ نے تمھیں کسی بڑی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ میں شیر کی بیٹی ہوں اور مرتے مرتے بھی دشمن کو ساتھ لے مروں گی۔ اوور!"

"میں اس شیر سے اچھی طرح واقف ہوں جو ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر اپنی بیٹی کو رُوم والوں کے لیے چارے کے طور پر استعمال کرتا رہا... اوہ! شاید پولیس آ رہی ہے؟" میں نے فضا میں کسی پولیس کار یا ایمبولنس کے سائرن کی موہوم سی آواز سن کر کہا۔

"انھیں کس نے خبر کر دی؟ اوور!"

"اوور اینڈ آل!" کہہ کر ویرا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جان لڑا کر مقابلہ کرتے ہوئے میں یہ بات بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس آفت رسیدہ علاقے کا کوئی بھی دہشت زدہ مکین اس ڈراؤنی صورت حال کے خاتمے کے لیے کسی بھی وقت پولیس سے رجوع کر سکتا تھا اور پولیس کی آمد ہمارے حق میں پریشان کن ثابت ہو سکتی تھی۔

سائرن کی آواز واضح ہوتے ہی باہر فضا میں یک لخت سناٹا چھا گیا۔ جیسے کسی نے ایک مرکزی بٹن دبا کر گولیاں چلانے والے سارے ریوالوروں کو ناکارہ کر دیا ہو۔

ویرا اپنے مدِ مقابل صف آرا لوگوں کی اصلیت سے بے خبر تھی لیکن میں جانتا تھا کہ مافیا والے جرائم کی دنیا اور باہمی تنازعات میں پولیس کو کبھی مداخلت کی نہ دعوت دیتے تھے اور نہ موقع دیتے تھے۔ اسی طرح شی والے بھی کسی اصول کے تحت نہیں بلکہ اپنی خلافِ قانون سرگرمیوں کی بنا پر پولیس سے دور بھاگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پولیس کی مداخلت کے آثار نمودار ہوتے ہی دونوں فریقوں میں کسی قسم کے مذاکرات کے بغیر جنگ بندی ہو گئی تھی اور شاید انھوں نے اپنے مُردے اور زخمی بھی سمیٹنے شروع کر دیے تھے تاکہ کسی کلیو کے سہارے پولیس اُن تک نہ پہنچ سکے۔

باہر کا مقابلہ ختم ہو جانے کے بعد چند ثانیے تک جہانگیر کے مسلح محافظوں کی دوربینیں گرجتی رہیں لیکن کہیں بھی کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر انھوں نے بھی چپ سادھ لی۔

"پولیس کے آتے ہی معاملہ ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔" سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"یہ بہت برا ہوا۔ پولیس کو ہم بالکل ہی بھلا بیٹھے تھے..." میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "فائرنگ بند ہو گئی ہے لیکن پولیس کے آنے تک ہم باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اندر بھی اسلحہ موجود ہے۔ کچھ مسلح ملازمین احاطے میں موجود ہیں، وہاں ہر طرف استعمال شدہ گولیوں کے سیکڑوں خول بکھرے ہوئے ہوں گے۔ پولیس کے سامنے ان سب کے بارے میں جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔"

"اب تو اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔" جہانگیر بولا۔ "جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں سلمیٰ کی خبر لینا چاہیے۔ وہ نہ جانے اب کس حال میں ہو؟ خدا کا شکر ہے کہ معاملہ باہر ہی نمٹ گیا ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ آج کہیں دست بدست مقابلے کی نوبت نہ آ جائے۔"

لڑائی ختم ہونے کے بعد پہلی اہمیت واقعی سلمیٰ کی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کی کہ مجھے کیوں اس بے چاری کا خیال نہیں آیا؟

ان دونوں میاں بیوی کی بہت سی ذاتی خامیوں کے باوجود ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ مجھ سے بار بار کی تکرار اور لڑائی جھگڑے کے باوجود وہ مجھے دل و جان سے عزیز رکھتے تھے اور ان کے درمیان میں ہمیشہ ایسی اپنائیت محسوس کرتا تھا جو قریبی رشتے داروں میں بھی عنقا ہوتی ہے۔

موم بتیوں کی یرقان زدہ روشنی میں بستر پر بے ہوش پڑی ہوئی سلمیٰ کے سینے میں اگر سانس کی آمد و رفت سے زیر و بم پیدا نہ ہو رہا ہوتا تو اس کے زرد چہرے اور پھیکے ہونٹوں کو دیکھ کر یہی گمان ہوتا تھا کہ وہ زندگی کے سارے جھمیلوں سے آزاد ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ حجاب کی وجہ سے بستر سے دور رہا اور میں جہانگیر کے ساتھ مل کر سلمیٰ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔

فضا میں سائرن کی گونج لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر رضاکارانہ جنگ بندی ہو جانے کے بعد دونوں میں سے کسی بھی فریق نے گولی نہیں چلائی تھی۔

امن اور قانون کے ازلی دشمنوں کا بقائے باہمی کا یہ عملی مظاہرہ میرے لیے ایک حیران کن تجربہ تھا۔ ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے قانون کو نیچا دکھانے کے لیے اپنی ساری رنجشوں کو فراموش کر بیٹھے تھے۔

معاملات

یک بہ یک بہت سنگین رُخ اختیار کر چکے تھے۔ میں نے شی کے مقامی سربراہ ڈی ڈی یا دلدار آغا کو تو جہنم واصل کر دیا تھا لیکن اس بڑے معرکے میں سرخ رُوئی حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے آرام اور سکون کی چند گھڑیاں میسّر نہیں آ سکی تھیں۔ میرے لیے یہ تصور ہی لرزہ خیز تھا کہ چوکنڈی کے ویرانے میں میں اسرار رضوی کی مدد سے دلدار آغا کو کیفرِ کردار کو پہنچا رہا تھا تو ہزاروں میٹر کی بلندی پر، خلا میں چوکنڈی پر ٹھہرے ہوئے ایک مواصلاتی سیارے کے حسّاس کیمرے اس ہولناک خونریزی کی لمحہ بہ لمحہ تصویریں سمندر پار، ہزاروں میل دور اٹلی میں بیٹھے ہوئے جمی لائیڈ کو اس کے مخصوص مانیٹرنگ یونٹ کی روشن اسکرین پر پہنچا رہے تھے۔ میں محض ایک فرد تھا اور مجھے رُوئے زمین پر لے دے کر بس ایک سلطان شاہ کی ذات کا عملی سہارا حاصل تھا اور دوسری طرف جمی لائیڈ ایک منظم گروہ کا سربراہ تھا۔ اس کے پاس نہ کالے دھن کی کمی تھی اور نہ افرادی قوت کی۔ اس کے پاس ہر شعبے میں لوگوں کی ایک فوجِ ظفر موج موجود تھی۔ میں ایک دلدار آغا کو مار چکا تھا لیکن جمی لائیڈ جب چاہتا، میرے مقابلے میں ویسے ہی دس ڈی ڈی اتار سکتا تھا لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس موقع پر اس کی، اپنی بیٹی ویرا لائیڈ سے صلح ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی ٹھکرائی ہوئی بیٹی کو نہ صرف اپنا لیا تھا بلکہ اسی بنت الحرام کو میری سرکوبی کے لیے حیرت ناک سرعت کے ساتھ پاکستان پہنچا دیا تھا۔

جمی لائیڈ میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ میری ذات اور مزاج کے بہتیرے گوشے اس کے لیے سربستہ راز تھے لیکن ویرا کی بات مختلف تھی۔ ابتدا

میں وہ میری مضبوط حریف بن کر سامنے آئی تھی لیکن اپنے باپ کی سرد مہری اور مسلسل روپوشی نے اسے جمی لائیڈ کے مقابلے میں میرا ہم نوا بنا دیا تھا۔ میری حلیف بننے کے بعد وہ مجھ سے اس قدر قریب آنے میں کامیاب ہو گئی کہ اس تعلق کو بلا مبالغہ دوستی کا نام دیا جا سکتا تھا۔ دوستی تو میری سلطان شاہ اور جہانگیر سے بھی تھی مگر وہ دونوں میرے ہم نفس ہونے کے ساتھ ہی ہم جنس بھی تھے اس لیے پوری طرح میرے مزاج آشنا ہرگز نہیں ہو سکتے تھے مگر ویرا نہ صرف جنس مخالف سے تعلق رکھتی تھی بلکہ بے پناہ حسن کی بھی مالک تھی اسی کے ساتھ اس کے ذہن میں نسوانی وقار، احترام اور عزتِ نفس کا کوئی تصوّر موجود نہیں تھا۔ اس کے باپ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر روم میں اس کی ایسی مکمل برین واشنگ کی تھی کہ وہ اپنا عورت ہونا ہی بھول بیٹھی تھی۔ بجائے اس کے کہ مرد اس کی ایک نگاہِ کرم کی امید میں اس کے طواف میں لگے رہتے، وہ خود ہی اپنا دل بہلانے اور تنہائی کے احساس کو بھلانے کے لیے گھات لگا کر مردوں کا شکار کرنے کی عادی ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ مجھ سے اس قدر قریب ہونے میں کامیاب ہو گئی کہ میرے لیے اپنی ذات کا کوئی گوشہ چھپائے رکھنا ناممکن ہو گیا۔ وہ میری خوبیوں کے ساتھ میری خامیوں سے بھی اچھی طرح واقف تھی اور میرے مقابلے پر آنے کے بعد اسے میرے بارے میں مؤثر ترین فیصلے کرنے کے سارے مواقع حاصل تھے۔

میرا خیال تھا کہ اگر میں ویرا کو بدترین زک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو شاید جمی لائیڈ ہمیشہ کے لیے مجھے بھول جانے پر مجبور ہو جاتا۔ اس ٹکراؤ میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ غزالہ دلدار آغا کی جاں گسل قید سے تو رہا ہو چکی تھی لیکن میری تحویل میں آنے کے بجائے لاپتا تھی اور ویرا نے چھوٹتے ہی مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیے تھے۔ اسے تو میں نے ٹال دیا تھا مگر وہ بہت مکار تھی۔ غزالہ کے ساتھ میرے قلبی لگاؤ سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسے اگر کہیں سے بھنک بھی مل جاتی کہ غزالہ شہر میں ہی بھٹک رہی ہے تو ویرا مجھے بلیک میل کرنے کے لیے اپنی پوری توجّہ اسی پر مرکوز کر سکتی تھی۔

مگر وہ سب بعد کے امکانات تھے۔ اس وقت کے فوری مسائل دو تھے۔ ان میں سے اوّل کا تعلق سلمیٰ کی بے ہوشی سے تھا۔ اسے جلد از جلد ہوش میں لایا جانا اس کی اپنی صحت اور جہانگیر کے ذہنی سکون کے لیے ضروری تھا اور دوسرا مسئلہ ذرا سنگین اور قانونی نوعیت کا تھا۔ مافیا اور ویرا والے غالباً اپنے زخمی اور مردے سنبھال کر نکل بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف تھے جبکہ جہانگیر کے مکان میں چھ مسلح ملازمین، غیر قانونی اسلحہ اور احاطے میں ہر طرف بکھرے ہوئے استعمال شدہ گولیوں کے سیکڑوں خول موجود تھے۔ ان سب کے بارے میں پولیس کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اگر کوئی افسر وہاں بال کی کھال اتارنے پر تل جاتا تو آسانی کے ساتھ ہمیں دو میں سے ایک متحارب فریق قرار دے کر دشواریوں سے دوچار کر سکتا تھا۔

پولیس کار کے سائرن کی آواز کافی قریب آ کر دم توڑ چکی تھی اور ہم دونوں سلمیٰ کو ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ آخر کار ہماری کوششیں رنگ لائیں اور سلمیٰ نے کراہتے ہوئے، دہشت زدہ انداز میں آنکھیں کھول دیں۔ پہلی بار روم کی دھندلائی ہوئی روشنی میں غالباً اس کی بصارت پوری طرح کا ساتھ نہ دے سکی اور اس نے ہم میں سے کسی کو پہچانے مخاطب کیے بغیر دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسری بار اس نے آنکھیں کھولیں تو بے اختیار اس کے دہانے سے لرزتی ہوئی سی آواز برآمد ہوئی۔

"میں کہاں ہوں؟ وہ درندے کہاں چلے گئے؟" اس کی نظریں جہانگیر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم اپنی خواب گاہ میں ہو۔" جہانگیر والہانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ گھر میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور فرار ہو گئے۔"

"پھر یہ اندھیرا کیوں ہے؟ روشنی کرو، فضا میں بارود کی بو سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔" اس نے دھیمی اور خوفزدہ آواز میں کہا۔ چند روز کے عرصے میں دوسری بار پیش آنے والے خونریز اور وحشیانہ حملے کے اثرات نے اس کے اعصاب کو بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس وقت وہ اپنی حرکات و سکنات سے سہمی ہوئی پاگل عورت نظر آ رہی تھی جو اپنے سائے کو دیکھ کر خوف سے بدکنے لگتی ہے۔

"فائرنگ سے بجلی کے تار ٹوٹ گئے ہیں۔" میں نے اسے نرم لہجے میں سمجھایا۔ "بارود کی بو رفتہ رفتہ ختم ہو گی اور شاید صبح سے پہلے روشنی بھی بحال نہ ہو سکے اس لیے تم خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ مجرم فرار ہو چکے ہیں اور پولیس علاقے میں پہنچ چکی ہے۔"

"پولیس پورے شہر میں آج تک کیا کر سکی ہے جو اب لے گی؟" اس کی نقاہت آلود آواز میں کربناک بے بسی امڈ آئی۔ وہ جہانگیر کا سہارا لے کر مسہری سے اٹھ گئی۔

"تم ذرا سلمیٰ کو دیکھو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جہانگیر سے کہا اور پھر سلطان کو اشارے سے اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

"صورتِ حال نازک ہو گئی ہے۔" میں نے تاریک راہداری سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "کسی بھی لمحے پولیس یہاں پہنچ سکتی ہے۔"

"علاقے میں تو پولیس آ چکی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اندھیرے کے باعث وہ لوگ ادھر آنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے ہمیں نکلنے کا موقع مل جائے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"چند گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس پورے علاقے کو روشن کر دیں گے۔ پھر قرب و جوار میں رہنے والے انھیں بتائیں گے کہ جہانگیر کا گھر اس چاند ماری کا مرکز تھا۔ رہی سہی کسر آہنی پھاٹک کی پھٹی ہوئی چادریں پوری کر دیں گی جنھیں چیر کر فوکس ویگن اندر گھسی تھی۔۔۔"

"یہ سب تو میں بھی جانتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"میں پولیس والوں کے سامنے نہیں آؤں گا۔ تمھیں ان کو مطمئن کر کے واپس کرنا ہو گا۔ ویسے میں ابھی فون پر اپنے دفتر میں سینڈو سے بھی رابطہ قائم کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مافیا والوں کے روابط اس وقت ہمارے کام آ سکیں۔ ویسے بھی وہ لوگ میرے اور جہانگیر کے مراسم سے بخوبی واقف ہیں۔"

"خدا کرے کہ سینڈو والا معاملہ کامیاب ہو جائے۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "پولیس والے یہاں آ ہی گئے تو انھیں آسانی کے ساتھ واپس لوٹانا ممکن نہیں ہو گا۔ گھر کے احاطے میں میدانِ جنگ کا سا سماں ہے۔ اندر جہانگیر کے جسم پر تشدد کے واضح نشانات باقی ہیں پھر محلّے والے یہ بھی بتائیں گے کہ اس سے پہلے بھی اس گھر کے اطراف میں جم کر گولیوں کا تبادلہ ہوا ہے۔ اتنا مواد مل جانے کے بعد تو وہ لوگ یہیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔"

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے اپنا پیش قدمی کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا اس لیے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے ٹریڈ لائن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

پہلی دو گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہیں ملا تو میرے ذہن پر جھلاہٹ سوار ہونے لگی کہ سب لوگ نہ جانے کہاں مر گئے تھے لیکن پھر فوراً ہی مجھے یاد آ گیا کہ سینڈو کو اس کے تمام آدمیوں سمیت میں نے خود ہی ویرا کی پارٹی کے مقابلے کے لیے جہانگیر کے مکان کے قریب طلب کیا تھا۔ باہر ہونے والی معرکہ آرائی کو ختم ہوئے بمشکل چند منٹ ہوئے تھے اس لیے یہ توقع کرنا بے سود تھا کہ وہ لوگ اتنی جلدی اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ جاتے۔

متعدد بار گھنٹی کی آواز سننے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ جھلاہٹ اور مایوسی کی ملی جلی کیفیت میں کئی منٹ تک میرا ذہن کام نہ کر سکا پھر مجھے کی کلب کی مس پارسن کا خیال آیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ عیاشی کے اس خفیہ اڈے پر کافی تعداد میں اہم سرکاری اہلکار آتے تھے لیکن بنیادی طور پر وہ مافیا کا ایک طفیلی اڈا تھا جہاں سے کسی مدد کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ مس پارسن اور اس کی خوبرو لڑکیوں کا کام وہاں ہانکے جانے والے افسران کو کھلی تفریح کے مواقع فراہم کر کے ان کی ذاتی خامیوں کو اس انداز میں اجاگر کرنے تک محدود تھا کہ اس کی مدد سے مافیا کے بڑے ان افسران کو اپنے اشاروں پر نچا سکیں۔ مس پارسن ذاتی طور پر شاید کسی کو اپنے دباؤ میں لینے کی اہل نہیں تھی۔

پھر اچانک ہی مجھے سیٹھ حبیب جیوانی یاد آ گیا۔ وہ مافیا کی عملی کارروائیوں سے دور رہتا تھا لیکن مقامی چیف اور پالیسی ساز ہونے کی وجہ سے ان لوگوں سے اچھی طرح واقف تھا جو مال کھا کر یا اپنی بے اعتدال رنگ رلیوں کو راز میں رکھنے کی خاطر مافیا کے وفادار تھے۔ اس مشکل وقت پر میں سیٹھ حبیب کو اس کے گھر پر پکڑنے میں حق بجانب ہوتا کیونکہ اس نے یوروپی جیل سے فرار کے بعد غالباً پہلی بار اپنا رہائشی فون نمبر کسی کو دیا تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی پر مجھے ریسیور پر ایک دلکش نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ بولنے والی نے اردو زبان ہی استعمال کی تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا اور شہر میں اپنے رشتے داروں سمیت اس کے کسی سے روابط نہیں تھے۔ اسی کے ساتھ وہ مجھے بتا چکا تھا کہ بیوی سارے معاملات میں اس کی قابلِ اعتماد راز داں تھی اس لیے میں نے اسے فوراً ہی اپنا نام بتا کر چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور چند ثانیے کے توقف کے بعد ہی سیٹھ حبیب جیوانی لائن پر آ گیا۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ اس نمبر پر تم مجھے کبھی فون کرو گے... کہو کیا ضرورت پیش آ گئی؟" اس نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ دنیا بھر کے دوسرے کاروباری سربراہوں کی طرح اس نے مجھے میری گزشتہ کامیابیوں کی بنیاد پر ذرا بھی رعایت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور براہِ راست اپنی ناپسندیدگی کے اظہار پر اتر آیا تھا جس پر میری طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔

"اس کال سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میری ضرورت ناگزیر ہے۔" میں نے بھی خشک لہجے میں کہا۔ "میں جہانگیر کے گھر پر ہوں۔ یہاں کے حالات میرے حق میں نہیں ہیں۔ علاقے میں پولیس آ چکی ہے، وہ لوگ یہاں آ گئے تو میں انھیں مطمئن نہیں

کر سکوں گا...“

”تم نے سینڈو سے بات کی؟“ اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

”اس قسم کی مدد کی فریاد نیچے والوں سے نہیں اوپر والوں سے کی جاتی ہے۔“ میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی۔ ”پھر بھی میں نے اسے فون کیا تھا مگر وہ واپس اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچا۔ وہ بھی اسی علاقے میں بتی والوں کی سرکوبی کے لیے آیا ہوا تھا۔“

”خیر! میں اس فون پر زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ تم بے فکر رہو، میں کوشش کرتا ہوں کہ تمھاری گلو خلاصی ہو جائے۔ مجھے جہانگیر کا پتا اور فون نمبر لکھوا دو۔“

”تم نے غالباً ابھی تک پولیس کے محکمے میں اپنی آمد کا اندراج نہیں کرایا ہے؟“ مجھ سے وہ کوائف لینے کے بعد اس نے چبھتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کا یہ سوال سنتے ہی مجھے ڈان نفری کی مکارانہ سازش یاد آ گئی مگر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”تم پیٹر واک ہو اور باہر سے آئے ہو۔ ڈان نے تمھیں اپنی آمد کا اندراج کرانے کی ہدایت کی تھی۔“

”اوہ! وہ پرانی بات ہو گئی۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”اس کی ہدایت کے بعد صورتِ حال اتنی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئی کہ میں نے وہ نام ہی ترک کر دیا اور پاسپورٹ تلف کر دیا۔ اس کو تو اب قصۂ پارینہ ہی سمجھو۔ لیکن اتنے دنوں بعد تمھیں وہ پرانی بات کیسے یاد آ گئی؟“

”کل ڈان نے اس بارے میں خاص طور پر سوال کیا تھا۔ ویسے وہ تمھاری اب تک کی کارکردگی پر خوش ہے۔ کل اس سے میری بات ہوئی تھی۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔

”مجھے خوشی ہے کہ کوئی تو میری کارکردگی پر خوش ہے۔“ میں نے بھی سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”کارکردگی کے بارے میں میرے پاس کچھ اور خبریں ہیں جو میں دفتر میں سناؤں گا۔“

”تمھیں شاباش میں نے بھی دی تھی لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ میں اپنی ہر گفتگو اور ہر فقرے میں تمھارے گزرے ہوئے کارناموں کا ریکارڈ لگاتا رہوں۔“ اس کی آواز سے برہمی مترشح تھی۔

”میں نے تم سے شکایت تو نہیں کی...“ میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات اڑا دی۔

”دفتر میں بات ہو گی... تمھارے مسئلے کے حل کے لیے میں ابھی فون کرتا ہوں۔“

”شکریہ اور اللہ حافظ!“ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس سے بات کرنے کے بعد میرے دل پر سے بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بس میں جو کچھ بھی ہوا وہ کر گزرے گا اور اس کی کوششوں کے نتائج سینڈو کی جدوجہد سے کہیں زیادہ بہتر اور مؤثر ہوتے کیوں کہ مافیا میں وہ بہرحال چیف کے درجے پر فائز تھا۔

اسی وقت اندر سے جہانگیر کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ مجھے پکار رہا تھا۔

”آ رہا ہوں۔ ایک منٹ کے لیے صبر سے کام لو۔“ میں نے ڈرائنگ روم سے اونچی آواز میں جواب دیا اور سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر واپس جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔

”ہم بلاوجہ موم بتیوں کی روشنیوں میں سڑ رہے ہیں۔“ میرے پہنچتے ہی جہانگیر خفت آمیز لہجے میں بولا تھا۔ ”میری بھی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی سلمیٰ نے یاد دلایا کہ گھر کے ہر کمرے میں ری چارج ایبل بیٹریوں سے منسلک روشنیاں موجود ہیں۔ انھیں آن کر کے ہم پورا گھر منور کر سکتے ہیں۔“

”تمھاری عقل کے پتھر تخلیے کی وجہ سے ہٹے ہیں اور شاید اسی وجہ سے سلمیٰ کو بھی کچھ افاقہ ہوا ہے۔“ میں نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی نیت سے کہا۔ ”اگر ڈوز پورا ہو چکا ہے تو فوراً بتیاں روشن کرو۔ میرا خیال ہے کہ اب خطرہ ٹل چکا ہے... لیکن یہ بتیاں آف کیوں رکھی گئی تھیں؟“

”ان کے سوئچ میں نے آف کیے تھے۔“ سلمیٰ کی کمزور آواز سنائی دی۔ ”مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان کے بے موقع جل اٹھنے کی وجہ سے ہم پریشانیوں سے دوچار نہ ہو جائیں۔“

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں اندر کی روشنیاں ہمارے حریفوں کو اپنی چاند ماری کے لیے نشانے فراہم کر سکتی تھیں۔

جہانگیر نے اسی وقت اپنے بیڈ روم کے سوئچ بورڈ کے قریب وال بریکٹ سے لگی ہوئی ایمرجنسی لائٹ کا سوئچ آن کر دیا اور کمرے میں تیز مگر خوشگوار روشنی پھیل گئی۔

روشنی ہوتے ہی سلمیٰ کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ چند ثانیے بعد جب اس نے مجھے اپنے روبرو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”تمھارا دوست کہاں گیا؟“ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی متحیر آمیز آواز برآمد ہوئی تھی۔

”وہ ڈرائنگ روم میں موجود ہے۔ تم کسی اور کے بجائے اپنی فکر کرو اور جوس وغیرہ پی کر ترو تازہ نظر آنے کی کوشش کرو۔ ہمیں کسی بھی لمحے پولیس کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔“

یکے بعد دیگرے ہم نے متعدد کمروں میں بیٹری سے چلنے والی ایمرجنسی لائٹس آن کر دیں اور جہانگیر کا گھر دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرے کے سمندر میں روشنیوں کا جزیرہ بن گیا اور ہم چاروں ڈرائنگ روم میں ہی آ بیٹھے کیوں کہ وہاں سے باہر آنے والی آوازوں کا اندازہ بھی لگانا آسان تھا۔

چند ہی ثانیے بعد ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنائی دی اور ہم سب چونک پڑے۔

”کون ہے؟“ جہانگیر نے اضطراری طور پر فوراً ہی سوال کیا تھا۔

”گل بدن خان، صاب!“ باہر سے کرخت لیکن دھیمی آواز سنائی دی۔

میں نے بڑھ کر فوراً ہی بولٹ گرا دیا اور تنومند چوکیدار اپنے کندھے پر رائفل سنبھالے دروازے سے اندر آ گیا۔ ”ابی باہر جنگ بند ہو گیا۔ ام لوگ کا واسطے کیا حکوم ہے صاب؟“ اس نے اسی سرگوشیانہ لہجے میں مشینی انداز میں سوال کیا۔

”اپنی اپنی جگہ سنبھال لو۔“ میرے بجائے جہانگیر نے کہا۔ ”بغیر لائسنس والا اسلحہ چھپا دو۔ پولیس آئے تو یہ کہنا کہ تمھیں کچھ معلوم نہیں۔ بس اچانک ہی باہر سے کچھ لوگوں نے فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھسنے کی کوششیں شروع کر دیں اور تم نے انھیں روکنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔“

اس نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا اور واپس لوٹنے لگا۔ کچھ ہی لمحے بعد تاریک آہنی پھاٹک کے نزدیک کچھ آہٹیں سنائی دینے لگیں اور میں دروازے کی اوٹ سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسی سمت میں دیکھنے لگا لیکن میری یہ کوشش اپنے بصری اعصاب کو تھکانے سے زیادہ بارآور ثابت نہ ہو سکی اور میں نے اندر کی روشنی گل کرا دی۔

”پھاٹک پر اندھیرا ہے لیکن اندر چراغاں نظر آ رہا ہے۔“ ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ ”ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی بکتر بند ہوئی گاڑی فولادی پھاٹک کو چیرتی ہوئی اندر گھسی ہو۔“ اسی کے ساتھ ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں جن میں قیاس آرائیوں کے ساتھ مشورے بھی شامل تھے۔ ان کا لبِ لباب یہ تھا کہ روشنی میں نقصان رسیدہ ویران پھاٹک کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر ان میں سے کوئی بھی اندر گھسنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

میرا دل چاہا کہ باہر نکل کر ان لوگوں کا بے بنیاد خوف دور کرنے کی کوشش کروں لیکن وہ سب پولیس والے تھے جن سے نہ عدم تعاون میں عافیت رہتی ہے اور نہ تعاون کرنے کی صورت میں کسی حوصلہ افزائی کا امکان ہوتا ہے۔ میرے سننے میں یہی آیا تھا کہ جو بھی امن پسند شہری اپنے جامے سے باہر ہو کر پولیس کے گھاگ اور پیشہ ور افسران کی رہنمائی کرنے کی کوشش کرے اسے مشتبہ ملزمان کی فہرست میں سب سے اوپر رکھ کر باقاعدہ تفتیش کا آغاز کر دیا جاتا ہے اور جب تک تفتیش مکمل ہوتی ہے، عام طور پر تعاون کرنے والا اپنی پیش قدمی پر نادم ہو کر زندگی بھر کے لیے ایسے افعال سے تائب ہو چکا ہوتا ہے۔

پھاٹک پر باہر کی سمت سے متعدد روشنیاں گردش کرنے لگیں پھر سب سے پہلے ایک سپاہی ڈنڈا تھامے پھاٹک میں بنے ہوئے خلا سے گزر کر اندر داخل ہوا تھا۔ اندر اگر واقعی کوئی مجرم موجود ہوتا تو باہر سے پڑنے والی ٹارچز کی روشنی میں نہایت اطمینان کے ساتھ اس ڈنڈا بردار سپاہی کو اپنی گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا جو قربانی کا بکرا بنائے جانے پر بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔

جب اس پر کسی سمت سے کوئی وار نہ ہوا تو بیک وقت متعدد باوردی پولیس والے اسی راستے سے اندر گھس آئے۔ وہ سب مسلح تھے اور ان کی سربراہی کرنے والے نے ڈنڈا بردار ہراول کو ایک طرف ہٹا کر قیادت کا کٹھن فریضہ خود سنبھال لیا تھا۔

احاطے میں نظر آنے والے بھیانک منظر نے ان سب کو ہی متحیر کر دیا۔ میں دروازہ بند کر کے پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ اگر ان میں سے کوئی مجھے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہوا دیکھ لیتا تو میری فی الفور شامت آ سکتی تھی۔ ویسے بھی میں نے چیف سے گفتگو ہونے کے بعد اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور روپوش ہونے کے بجائے خود سامنے رہ کر پولیس والوں کی بازپرس کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔

میری توقع کے عین مطابق چند ہی ثانیے بعد برآمدے کے پختہ فرش پر پولیس والوں کے وزنی جوتوں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازے پر دستک دی گئی۔

میں نے خود ہی اندر کی ایمرجنسی لائٹ دوبارہ آن کی اور دروازہ کھول دیا۔

وہ تعداد میں چار تھے۔ ان میں سب سے آگے ایک نوجوان اور صحت مند سب انسپکٹر تھا جس نے اپنے ساتھیوں کے برعکس چست وردی زیب تن کی ہوئی تھی اور اس کا پستول اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

”اندر آنے سے پہلے اپنے ہتھیار اپنے ہولسٹر میں رکھ لو۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔ ”ان ہتھیاروں کی گھن گرج نے آج ہمارے جسموں سے آدھا خون نچوڑ لیا ہے۔ تم فکر نہ کرو، مکان کے اندر مجرموں کا کوئی ساتھی داخل نہیں ہو سکا تھا۔“

”تم اس مکان کے مالک ہو؟“ سب انسپکٹر نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے مجھ سے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ ہتھیاروں کے بارے میں میری درخواست کو انھوں نے یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔

"تقریباً!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے کہا۔

"مجھے گول مول نہیں، سیدھا اور دو ٹوک جواب چاہیے"۔ اس کا لہجہ بگڑ گیا۔

"یہ میرے دوست کا مکان ہے"۔ میں نے صوفے پر بیٹھے ہوئے جہانگیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بیمار ہے اس لیے سارے واقعات میں ہی بتا سکوں گا"۔

اس دوران میں جہانگیر کے اشارے پر سلمیٰ وہاں سے اندر چلی گئی تھی۔

"یہاں کوئی بڑی واردات ہوئی ہے"۔ وہ بغور ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتا ہوا معنی خیز لہجے میں بولا۔ "باہر کئی جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے موجود ہیں لیکن کہیں بھی کوئی زخمی یا مُردہ نظر نہیں آیا۔ باقاعدہ تفتیش شروع کرنے سے پہلے میں پورے واقعات سُننا چاہتا ہوں"۔

"اس علاقے میں بہت دیر سے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ درمیان میں انسانی چیخیں بھی سُنائی دے رہی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو مسلح گروہ آپس میں برسر پیکار ہوں۔ ہم لوگ کھڑکیاں دروازے بند کر کے کمرے میں چھُپ گئے۔ رفتہ رفتہ فائرنگ کی آوازیں بہت قریب آگئیں پھر ہمارے آہنی پھاٹک پر زبردست دھماکا ہوا جیسے کوئی گاڑی اس سے ٹکرائی ہو۔ شاید لڑنے والوں میں سے کسی ایک پارٹی نے بدقسمتی سے ہمارے گھر میں گھُس کر پناہ لینی چاہی تھی اور اسی کے ساتھ قیامت آگئی۔ ہمارے احاطے میں بے تحاشا گولیاں چلنے لگیں اور ہم اندر محبوس اپنی جانوں کے خوف سے کانپتے رہے۔ ہم اتنی ہمت بھی نہیں کر سکے کہ کسی کھڑکی سے جھانک کر باہر کی پوزیشن دیکھ سکیں۔ جیسے ہی دُور سے پولیس کار کے سائرن کی آواز سُنائی دی، اسی وقت یکلخت فائرنگ ختم ہو گئی اس کے بعد سے ابھی تک مہیب سناٹا ہے ہمیں کچھ نہیں پتا کہ باہر کیا ہوا اور زخمی یا مُردے کہاں غائب ہو گئے"۔

"لڑنے والوں میں سے کسی نے تمھارے گھر میں گھُسنے کی کوشش نہیں کی؟" اس نے میرے مقابل ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ میری کہانی سُن کر اس کے چہرے اور پیشانی پر متعدد تشویش آمیز لکیریں اُبھر آئی تھیں جن سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے میری کہانی پر خاصی حد تک یقین کر لیا تھا۔

"کسی نے نہیں، البتہ کبھی کبھار بھٹکی ہوئی گولیاں دروازوں اور شیشوں کو نقصان پہنچاتی رہیں"۔ میں نے پُرشوق لہجے میں کہا۔ "ایسی شدید فائرنگ تھی کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے"۔

"تمھارا چوکیدار وغیرہ کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔ "کیا وہ باہر نہیں ہیں؟ ان دونوں کو تو..."

"اس قدر خونریزی میں وہ اپنی جگہ کیسے ٹکے رہ سکتے تھے"۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ان کی کل تعداد کتنی ہے؟"

"دو چوکیدار اور چار دیگر ملازمین باہر رہتے ہیں"۔ میں نے کہا۔

میری بات سُنتے ہی وہ اپنے ماتحتوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان میں سے ایک کو چوکیداروں وغیرہ کی تلاش میں باہر روانہ کر دیا اور دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "نام کیا ہے تمھارا؟"

"تنویر علی!" اس وقت میں نے مدتوں بعد ماں باپ کے رکھے ہوئے نام سے اپنا تعارف کرایا تو لمحہ بھر کے لیے مجھے خود بھی وہ نام اجنبی محسوس ہوا۔ سچی بات یہ تھی کہ گھر سے نکلنے کے بعد ڈینی نے تنویر علی کو اس طرح نگل لیا تھا کہ نام کے ساتھ میری شخصیت بھی یکسر بدل کر رہ گئی تھی۔

"میرے عملے کے لوگ باہر مصروف ہیں تمھیں اعتراض نہ ہو تو میں ایک بار اندر سے پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتا ہوں"۔ اس نے اپنی جیبی ڈائری پر کچھ اندراج کرنے کے بعد کہا اور میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

اندرونی کمروں کا سرسری جائزہ لینے کے لیے روانہ ہونے سے قبل اس نے اپنے بقیہ دو ماتحتوں کو وہیں روک دیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اندر کسی افراتفری کی علامات کا متلاشی تھا جو وہاں سرے سے مفقود تھیں۔ راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ اپنے انداز میں تبصرے بھی کرتا رہا اور مجھ سے پُرپیچ سوالات بھی کرتا رہا جن کے جوابات میں نے پہلو بچا کر دیے۔ مجھے امید تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی اس وقت تک اپنا کام دکھا چکا ہوگا اور سب انسپکٹر اپنے طور پر جو رپورٹ چاہے، مرتب کر لے مگر وہ ریکارڈ پر نہیں جائے گی۔

اپنی زیرِ زمین سرگرمیوں کے سلسلے میں مَیں ہمیشہ ہی پولیس اور دوسرے سرکاری اہل کاروں سے دُور ہی رہا تھا لیکن اس بار چند ہی دنوں میں بار بار ان لوگوں سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ پہلے شرف کے فلیٹ میں سیما کے قتل کے چکر میں ایک پولیس افسر خطرناک تیوریوں کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا مگر اسے مافیا کے ڈان ٹھری نے اپنی ذاتی نگرانی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں قتل کروا دیا۔ اس کے بعد ایکسائز انسپکٹر اصغر علی نے مجھے کلفٹن پر ہیروئن کی کھیپ کے ساتھ رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے حوالات میں پہنچا دیا لیکن وہاں اسرار رضوی نے مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی تھی اور حقیقت یہ تھی کہ میں ایکسائز والوں کے چنگل سے بچ کر ڈی ڈی کے شکنجے میں پہنچ گیا تھا اور اب یہ نئی مصیبت سر پر سوار تھی۔

میں نے باتوں ہی باتوں میں اس کا نام بھی معلوم کر لیا تھا، وہ سرور کہا جاتا تھا! اندر کے جائزے کے دوران اس نے مسہریوں کے نیچے جھانکنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ ماسٹر بیڈروم جو جہانگیر اور سلمیٰ کے زیرِ استعمال تھا، اس کی توجہ کا خاص مرکز بنا تھا۔ وہاں اس نے باتھ روم بھی دیکھ ڈالا تھا اور آخرکار واپس لوٹتے ہوئے اس نے اپنے دل کی بات زبان سے کہہ ہی ڈالی۔

اس کا نظریہ بہت صاف اور سیدھا تھا۔ اس علاقے میں اور بھی بہتیرے مکانات تھے، بعض کے پھاٹک تو اتنے کمزور تھے کہ فوکس ویگن کے جھٹکے سے دیوار سمیت زمین بوس ہو جاتے اس لیے وہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ لڑنے والے دو میں سے ایک فریق نے محض پناہ لینے کی خاطر جہانگیر کے مکان کا مضبوط پھاٹک اُکھاڑنے کی احمقانہ حرکت کی ہوگی۔ انھیں پناہ ہی لینی ہوتی تو وہ کسی دوسرے کمزور پھاٹک کا انتخاب کرتے۔ اس گھر کا پھاٹک توڑنے کے لیے فوکس ویگن کو تباہ کرنے کے پس پشت کوئی اور مقصد کارفرما تھا۔

میں خود کو ایسے کسی مقصد سے لاعلم ظاہر کرتا رہا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے واشگاف الفاظ میں اپنا عندیہ ظاہر کر دیا کہ واردات کے مقاصد کی تہ تک پہنچنے کے لیے وہ اپنے عملے کے ذریعے پورے مکان کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔ اگر ہم سیدھی طرح اسے اجازت نہ دیتے تو وہ ہم سب کو زیرِ نگرانی رکھ کر مجسٹریٹ سے گھر کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے ارادے میرے لیے جتنے خطرناک تھے اس سے زیادہ جہانگیر کے لیے تشویشناک تھے لیکن اس موضوع پر گفتگو آگے نہ بڑھ سکی کیوں کہ گُل بدن خان کو اس کے پانچ ساتھیوں سمیت پانی کے پمپ والی عقبی کوٹھری سے دو رائفلوں کے ساتھ 'برآمد' کر لیا گیا تھا۔

سرور نے انتہائی درشت لہجے میں گُل بدن خان کو رُعب میں لینے کی کوشش کی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ تیور گُل بدن سے زیادہ ہم لوگوں کے لیے تھے۔ چوکیدار کو پھٹکار کر وہ ہمیں یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ اگر ہم نے اس کی مرضی پر عمل نہیں کیا تو وہ ہمارے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرنے پر قادر تھا۔

گُل بدن خان بہت مخلص، سادہ لوح اور وفادار آدمی تھا۔ سرور کے الفاظ نے اس کا چہرہ ضرور دُھواں کر دیا لیکن جب وہ بولا تو وہی کچھ بولا جو اسے رٹایا گیا تھا۔ اس کے نزدیک اپنے مالک کا حکم ماننا عبادت کا درجہ رکھتا تھا اس لیے جب وہ اپنی کہانی سُنا رہا تھا تو اس کے چہرے کے رُوئیں رُوئیں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔

سرور اس کے طرزِ بیاں سے دھوکا کھا گیا اور اس نے جھلائے ہوئے انداز میں ایک سپاہی کے ہاتھ سے وہ دونوں رائفلیں لے لیں جو گُل بدن خان اور اس کے ساتھی سے لی گئی تھیں اور انھیں فضا میں لہراتے ہوئے مجھ پر غرّایا۔ "ان کے لائسنس کہاں ہیں؟"

"یہاں تمھیں کوئی غیر قانونی چیز نہیں مل سکے گی۔ مہلت ملنے پر ان کے لائسنس بھی فراہم کر دیے جائیں گے لیکن ازراہِ کرم اپنے لہجے پر قابو رکھو۔ گرہ کٹوں اور معززین سے گفتگو کے لیے ایک جیسا انداز اختیار کرنا تم جیسے سلجھے ہوئے نوجوان افسروں کو زیب نہیں دیتا"۔

"سر! یہاں کوئی خوف ناک لڑائی ہوئی ہے"۔ باہر سے آنے والے ایک ہیڈ کانسٹیبل نے کسی تمہید کے بغیر کہنا شروع کر دیا۔ "گاڑیاں اور دیواریں گولیوں سے چھلنی ہیں۔ ہر طرف گولیوں اور کارتوسوں کے خول ہی خول بکھرے ہوئے ہیں۔ کلاشنکوف، رائفل، ایس ایم جی، ریوالور اور پستول، سب ہی چلائے گئے ہیں۔ فرش پر کم از کم تین جگہ بہت خون پڑا ہوا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ چڑیا کا بچہ بھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکا"۔

"یہاں تو کچھ معلوم نہیں ہو رہا۔ ذرا اپنے تنویر علی صاحب کو تھانے لے جا کر باتیں کریں گے تو کچھ پتا چل سکے گا۔ یہی کچھ زیادہ باخبر معلوم ہوتے ہیں"۔ سرور نے میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا اور اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ واضح طور پر مجھے حراست میں لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

"روشن خان! تم یہیں تنویر صاحب کے پاس ٹھہرو"۔ سرور اُٹھتا ہوا ایک سپاہی سے بولا۔ "ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ باہر کے کام سے فارغ ہو کر واپسی میں ہم ان دونوں کو ساتھ لے لیں گے"۔

"یہ نہیں ہو سکتا، کوئی الزام عائد کیے بغیر تم مجھے حراست میں نہیں لے سکتے"۔ میں نے تیز لہجے میں احتجاج کیا۔ "یہ سراسر دھاندلی ہے کہ ہمارے گھر کو تباہ کیا گیا اور ہم ہی کو گرفتار کیا جا رہا ہے"۔

"تم بہت بھولے بادشاہ ہو تنویر صاحب!" سرور استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم پاکستان میں بیٹھ کر ولایت کی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے پاس قانون کی ایسی ٹیڑھی دفعات موجود ہیں کہ جب چاہیں کسی کو بھی داد فریاد کے بغیر اندر کر سکتے ہیں مگر تم مت گھبراؤ، ہم صرف تمھارا بیان لیں گے اور پھر چھوڑ دیں گے۔ ہمیں بھی تو اتنی بڑی واردات پر اپنے روزنامچے میں کچھ نہ کچھ دکھانا ہی پڑے گا۔ تمھاری طرح ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ لوگ لڑتے ہوئے آئے اور پولیس کار کا سائرن سنتے ہی گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گئے۔ زخمی ہوا میں اُڑ گئے اور مُردے زمین میں دھنس گئے۔ تمھارے بیان کو تھوڑا بہت چکر دے کر ہمیں اپنی کہانی پوری کرنی ہوگی یا پھر تم کسی ایسے آدمی کا نام بتاؤ جو ہماری مدد کر سکے"۔

...ہونس، دھاندلی اور زبردستی کو تم مدد کہتے ہو؟" میں نے ... سے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ ضرور چلوں گا مگر..." میں نے اسے گھورتے ہوئے اپنا جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اب دیکھو شاہ جی! تم خود ہی تاؤ میں آکر پھنس گئے۔" وہ بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "کارِ سرکار میں مداخلت بہت سنگین جرم ہے اور تم نے ابھی ابھی اتنے آدمیوں کے سامنے مجھے اپنے فرائض کی انجام دہی سے روکنے کی غرض سے دھمکی دی ہے اور میں اس وردی میں یہاں قانون کا نمائندہ ہوں۔ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے تو تمھیں سیدھا لاک اپ میں ڈال سکتا ہوں پھر ریمانڈ کا سلسلہ چلے گا اور چالان پیش ہونے کے بعد تمھیں سیدھا جیل بھیج دیا جائے گا۔ فرض کرو کہ تم نے اچھا اور مہنگا وکیل کرلیا اور بری ہونے میں کامیاب ہوگئے تب بھی عدالت سے فیصلہ صادر ہونے میں کم از کم دو سال لگ جائیں گے اور اس وقت تک تم جیل میں سڑتے رہو گے۔ اس لیے میرا مشورہ مانو اور کھوپڑی ٹھنڈی رکھو ورنہ مجھے گرمی چڑھ گئی تو مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ قصور خود میرا اپنا تھا کہ میں اس سرزمین پر جو میری اپنی تھی، اپنے قانونی حقوق سے یکسر نابلد تھا اور سرور کی کہی ہوئی باتوں کو مان لینے پر مجبور تھا۔ کارِ سرکار میں مداخلت واقعی سنگین جرم تھا لیکن یہ الزام عائد کرنے کے لیے کچھ حالات کا موجود یا رونما ہونا لازمی ہونا چاہیے تھا اور میں اس سے بھی نابلد تھا۔ ان حالات میں میری ساری امیدیں سیٹھ حبیب جیوانی کے اثر و رسوخ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس نئی صورتِ حال کی وجہ سے ڈرائنگ روم کی فضا بوجھل سی ہوگئی۔ سپاہی روشن خان نے نکاسی کے دروازے کے قریب ایک کرسی سنبھال لی تھی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک باوردی مگر غیر مسلح سپاہی بوکھلایا ہوا ڈرائنگ روم میں گھس آیا۔ "صاب کہاں ہے؟" اس نے اندر آکر چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد سپاہی روشن خان سے سراسیمہ لہجے میں سوال کیا۔

"باہر ہی کہیں ہوں گے۔" روشن خان نے اٹھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے؟ تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے۔ گاڑی تو ٹھیک ہے نا تیری؟"

"یار! مذاق مت کر۔" نووارد اپنا بازو روشن خان کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "سب ٹھیک ہے، ابھی وائرلیس پر ایس پی صاحب کی کال تھی۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ سرور صاحب فوراً ان سے بات کریں۔ دیر ہوگئی تو ایس پی صاب ناراض ہوں گے۔"

روشن خان نے ہنستے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا اور وہ جس رفتار سے اندر آیا تھا اسی رفتار سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ غالباً پولیس وین کا ڈرائیور تھا اور اپنی دھن میں وہاں آیا تھا لیکن میرے لیے اس کی آمد نعمت سے کم نہیں تھی۔ ایک سب انسپکٹر کے لیے اتنی رات گئے ایس پی کا لاسلکی پیغام خالی از علت نہیں ہوسکتا۔ مجھے امید پیدا ہو چلی تھی کہ شاید ایس پی ہمارے ہی مسئلے پر بات کرنے والا ہے۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہی ایک سپاہی آکر روشن خان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سرور خفت اور شرمندگی سے بچنے کے لیے خود واپس نہیں آیا تھا۔ میں روشن خان کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم سے نکاسی کے دروازے پر پہنچا اور میں نے دیکھا کہ سرور پھاٹک کے قریب کھڑا ہوا تھا اور اس کے عملے کے لوگ تیزی کے ساتھ احاطے میں پھیلے ہوئے ناکارہ خول سمیٹ رہے تھے۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے سرور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن وہ مجھے نظر انداز کرکے مڑا اور لوٹتے ہوئے پھاٹک سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس والوں کی ساری نفری واپس لوٹ گئی اور یوں ایک بار پھر مافیا والوں کی حکمتِ عملی کامیاب ہوگئی تھی۔

اس وقت رات تیزی سے گزر رہی تھی اور وال کلاک کی سوئیاں تین سے آگے کے سفر پر رواں تھیں۔ میرے لیے اس وقت بستر ناگزیر تھا لیکن صورتِ حال مجھ سے مزید قربانی کی متقاضی تھی۔ ویرا نے واپس جاتے جاتے زیادہ تیاریوں کے ساتھ دوبارہ لوٹنے کی دھمکی دی تھی اور اگر میری وجہ سے جہانگیر کے گھر پر تیسری بار بڑا حملہ ہوجاتا تو مجھے پورا یقین تھا کہ سلمیٰ دوستی اور رشتے پر لعنت بھیج کر پہلی پرواز سے لاہور اپنے میکے کے لیے روانہ ہوجائے گی اور جہانگیر مجھے کوستا رہ جائے گا۔

ویرا کو جہانگیر کے مکان پر حملہ آور ہونے سے روکنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں جہانگیر کے گھر سے بہت دور کسی غلط سمت میں جاکر ٹرانسمیٹر پر ویرا سے رابطہ قائم کرتا اور وہ اپنے لوکیشن فائنڈر پر خود دیکھ لیتی کہ میں جہانگیر کے گھر سے کوسوں دور تھا۔

ویرا کو یہ فریب دینے کے لیے میرا وہاں سے جانا ضروری تھا۔ کال کے بعد میں بے خوفی کے ساتھ وہیں واپس آسکتا تھا اور اطمینان سے پاؤں پسار کر چند گھنٹے تک سو سکتا تھا۔

پولیس والے جہانگیر کے گھر سے واپس لوٹ گئے تھے لیکن باہر ان کی نقل و حرکت جاری تھی۔ میں نے گل بدن خان کو بلا کر اس کی ثابت قدمی پر اسے شاباش دی اور پھاٹک کھول کر تباہ شدہ فوکس ویگن گھر سے باہر کسی ویران گلی میں دھکیل دینے کے لیے کہا مگر وہ گھر کی حدود سے باہر پولیس والوں سے خوف زدہ تھا۔ اس لیے میں نے خود پھاٹک پر کھڑے ہوکر اس کارروائی کی نگرانی کی۔ اس وقت دو پولیس والے گھر کے قریب ہی سڑک پر موجود خون کے ایک بڑے دھبے کی پیمائش میں مصروف تھے۔ علاقے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اپنا کام ٹارچوں کی روشنی میں کر رہے تھے۔

جب انھوں نے فوکس ویگن کے باہر نکالے جانے پر ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا تو میں از خود اظہارِ خیر سگالی کے طور پر ان کے قریب گیا اور انھیں پیشکش کی کہ وہ چاہیں تو اپنا کام کرنے کے لیے ہم سے چند ایمرجنسی لائٹس مستعار لے لیں مگر انھوں نے انکار کردیا۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ سرور ہم لوگوں کو سڑی سڑی گالیاں دیتا ہوا واپس لوٹا تھا اور بھنا کر دوسرے ہی رخ پر چلا گیا تھا۔ اس لیے وہ ہماری کوئی مدد لے کر اس کے غصے کو دعوت دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

میدان صاف ہوجانے اور پولیس کے آجانے کے باوجود اہلِ ثروت لوگوں کی اس آبادی میں رہنے والوں نے اپنے گھروں سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی تاکہ خود کو گواہی و شہادت کے روایتی چکروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ شاید انھوں نے ایسی ہی پابندی اپنے ملازمین پر بھی عائد کردی تھی کیونکہ گنتی کے چند ہی پھاٹکوں پر اکا دکا چوکیدار نظر آرہے تھے، ورنہ سب غائب تھے۔

فوکس ویگن سے گلو خلاصی کے اس اہم مرحلے سے نمٹ کر میں نے کچھ دیر کے لیے غائب ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ تینوں ہی مضطرب ہوگئے۔ جہانگیر اس وقت گھر سے باہر جانے کے قابل نہیں تھا۔ سلمیٰ ہر لمحے اس کے ساتھ رہ کر بجا طور پر اس کی دیکھ بھال کرنا چاہ رہی تھی لیکن ان دونوں کو ہی میری ذات سے ایسی ڈھارس تھی کہ وہ مجھے روکنے پر تلے ہوئے تھے۔ ادھر سلطان شاہ میرے تنہا جانے کے خلاف تھا اور خود میرے ساتھ نکلنا چاہ رہا تھا لیکن میری دانست میں اس کا جہانگیر اور سلمیٰ کے پاس ٹھہرنا ضروری تھا تاکہ وہ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال میں ان کو سہارا دے سکے۔

کافی بحث اور تمحیص کے بعد میں انھیں اپنی روانگی کی فوری اہمیت کے بارے میں قائل کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ غنیمت یہ تھا کہ گولیوں نے میری کار کی باڈی میں کئی سوراخ بنا دیے تھے لیکن اس کے ٹائر اور شیشے بالکل صحیح و سالم تھے۔

جہانگیر کے گھر سے نکل کر میں نے شیراڈ لیاقت آباد، فیڈرل بی ایریا اور سہراب گوٹھ جانے والے راستے پر ڈال دی۔ میرا ارادہ سہراب گوٹھ کے قرب و جوار سے ویرا سے رابطہ قائم کرنے کا تھا۔ ٹرانسمیٹر کے علاوہ میرے پاس حفظِ ماتقدم کے طور پر ایک بھرا ہوا پستول بھی تھا جو میں نے نشستوں کے نیچے اڑسنے یا گلوز کمپارٹمنٹ میں چھپانے کے بجائے بونٹ کے نیچے ایک کھانچے میں رکھ کر ان پر میلا ڈسٹر ڈال دیا تھا۔ ان دنوں شہر فساد زدہ تھا۔ بہت سے علاقوں میں کرفیو نافذ تھا۔ اس لیے یہ امر یقینی تھا کہ اتنی رات گئے کہیں نہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے میرا سامنا ہوتا اور پھر کار کی تلاشی لی جاتی۔

میرا تجربہ شاہد تھا کہ پولیس پارٹیاں عام طور پر ڈکی، ڈیش بورڈ کے خانوں اور نشستوں کی نچلی جگہ کی ہی تلاشی پر اکتفا کرتی تھیں۔ انجن والا حصہ عموماً ان کی توجہ سے محروم رہتا تھا۔ ہاں کسی پر پکا شبہ ہوجائے تو پھر پوری گاڑی کی ہی شامت آسکتی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں غیر قانونی اشیاء کو چھپانے کے لیے انجن والے حصے کا انتخاب کیا تھا۔

راستے میں گرومندر کے چوراہے پر پہلی بار میری کار روک کر تلاشی لی گئی پھر تین ہٹی کے چوراہے سے مجھے داہنی طرف گھوم جانا پڑا کیونکہ لیاقت آباد میں کرفیو نافذ تھا۔ پورے راستے پر خاردار تاروں کی باڑھ پھیلا کر صرف اتنی جگہ چھوڑی گئی تھی کہ ایک وقت میں ایک سمت میں صرف ایک گاڑی گزر سکتی تھی۔ ان رکاوٹوں کے عقب میں مسلح فوجی علاقے میں داخل ہونے والوں کے کرفیو پاس اور شناختی کارڈ چیک کر رہے تھے۔ کراچی جیل کے پھاٹک سے ذرا آگے ایلیٹ اسکواڈ کے جوانوں نے دوسری بار کار کی تلاشی لی، بالآخر میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے گزر کر سپر ہائی وے پر کریم آباد کے مقام پر نکل آیا۔

اس وقت سڑک ویران پڑی ہوئی تھی البتہ مال بردار وزنی ٹرک شہر میں داخلے اور شہر سے بیرونِ شہر روانگی کے لیے لیاقت آباد کے بجائے متبادل راستے اختیار کر رہے تھے۔

واٹر پمپ سے آگے نکل کر میں نے اپنی گاڑی بائیں جانب ایک گلی میں موڑ کر تاریکی میں روک لی۔ بونٹ اٹھا کر میلے ڈسٹر کے نیچے سے ٹرانسمیٹر نکالا اور گاڑی دوبارہ آگے

بڑھادی۔ میں چلتی ہوئی کار سے ویرا سے بات کر کے اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں اتنی رات گئے اس کے خوف سے شہر کی سڑکوں پر بھٹک رہا ہوں اس لیے میں نے پہلا خالی میدان نظر آتے ہی موقع پا کر کار اس میں اتاری اور ایک زیرِ تعمیر یا متروک مکان کی اوٹ میں روک کر انجن بند کر دیا۔

میری پہلی ہی کال پر دوسری طرف سے ویرا نے بذاتِ خود جواب دیا تھا۔

"تو میرے بعد تم کو بھی وہاں سے بھاگنا ہی پڑا۔" اس کا لہجہ فخر آمیز تھا۔ "میں جانتی تھی کہ ان حالات میں تم وہاں پولیس کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس وقت شہر کے مشرقی حصے میں مجھ سے کافی دور پہنچے ہوئے ہو... اوور!"

"پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن ان کا سامنا کرنے سے گریز ممکن ہو تو خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔" میں نے اسی کی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اس مقابلے میں تم زخمی ہو گئیں۔ اب تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟ اوور!" مزاج پرسی کے لیے میں نے ہمدردانہ لہجہ اپنایا تھا۔

"مجھے الّو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" وہ تلخ اور چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "اب ہمارے درمیان پرانے رشتے باقی نہیں رہے ہیں۔ موقع ملا تو میں بے رحمی کے ساتھ تمہیں چھلنی کر ڈالوں گی۔ اوور!"

"یہ اور بات ہے۔ اگر گولی تمہارے دل میں اتری ہوتی تو مجھے ذرا بھی قلق نہ ہوتا لیکن زخمی کر کے اور سسکا سسکا کر مارنا شاید میرے لیے ممکن نہ ہو۔ تم جیسی دلکش عورت کے ساتھ میں ایسا ظالمانہ سلوک نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہوا، وہ اتفاقاً ہوا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اب اگلی ملاقات کب ہو رہی ہے؟ اوور!"

"تمہارے ستارے اچھے ہیں کہ بات کچھ دن کے لیے ٹل گئی ہے۔ میرے کئی آدمی مرے ہیں اور کئی زخمی ہوئے ہیں، ان کی صحت یابی کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ اس دوران میں تم میری پیشکش پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتے ہو۔ میری مصالحت کی پیشکش اب بھی برقرار ہے... اوور!"

"ابھی چھلنی کیے ڈال رہی تھیں، اب مصالحت کی بات کر رہی ہو۔" میں نے تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آج کے واقعے نے تمہارے اعصاب پر اچھے اثرات نہیں چھوڑے ہیں... اوور!"

"مصالحت کی پیشکش تو آخر تک برقرار رہے گی۔ تم چاہو تو مرتے مرتے بھی اپنا مستقبل ہم سے وابستہ کر کے زندہ رہ سکتے ہو۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو میں ہی تم کو فنا کر دوں گی۔ میرے مزاج سے تم اچھی طرح واقف ہو کہ میں جن کھلونوں سے اکتا جاتی ہوں انہیں بے دردی کے ساتھ توڑ دیتی ہوں۔ تمہارے بارے میں وہ ناخوشگوار مرحلہ ابھی نہیں آیا ہے... اوور!"

"مگر میں اپنے کھلونے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ ہمارے بارے میں مشکل یہ ہے کہ ہم آج تک ایک دوسرے کو یہی باور نہیں کرا سکے کہ کون کس کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ تم اپنی جگہ برتری کے زعم میں مبتلا ہو اور میں خود کو استاد سمجھ رہا ہوں۔ جب دونوں ہی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوں تو کون کس کے سامنے ہتھیار ڈال سکتا ہے؟ اس کا فیصلہ تو لڑ کر ہی ہو سکے گا... اوور!"

"شاید تم یہ ہرزہ سرائی اس خیال سے کر رہے ہو کہ تمہاری کمین گاہ میرے علم میں نہیں ہے لیکن تم میرے ہوٹل سے واقف ہو اور جب چاہو گے مجھ پر چڑھ دوڑو گے لیکن میں یہ واضح کر دوں کہ اب میں ہوٹل میں نہیں ہوں بلکہ میں نے کراچی میں اپنا ایک آپریشنل بیس بنا لیا ہے جہاں تم پر بھی نہ مار سکو گے... اوور!"

قدرت کی اس ستم ظریفی پر میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں نے اسے اس ارادے سے کال کی تھی کہ اسے لوکیشن فائنڈر کے ذریعے یہ یقین دلا سکوں کہ میں مستقل طور پر جہانگیر کے گھر پر مقیم نہیں ہوں اور وہ مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ ہوٹل میں نہیں ہے۔ شاید ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی چال چل رہے تھے۔ اس مقابلے میں کامیابی اسی فریق کو نصیب ہو سکتی تھی جو اپنے عزائم کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے اپنے حریف کی چالوں کو سمجھنے میں کامیاب رہتا۔

"تمہارے آپریشنل بیس سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ وہاں جانے والے ہمیشہ سرنگوں ہو کر ہی واپس آتے ہیں۔ تمہارا پیچھا کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے کیونکہ میرا نشانہ تم نہیں ہو بلکہ میری اصل پرخاش تمہارے باپ سے ہے۔ اب میں دیگر لوگوں پر اپنا وقت ضائع نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو میرے فراق میں اپنا سر کھپاتی رہو۔ میں نے اپنا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اوور!"

"میرا مقابلہ کرنے والے تمہارے اپنے آدمی تھے یا تم کسی سے مل گئے ہو؟ اوور!"

"کسی اور سے ملنا ہوتا تو شی کو ہی کیوں چھوڑتا؟ میں نے اپنی چھوٹی سی مگر ناقابلِ تسخیر فوج بنا لی ہے۔ تمہارے مقابلے میں گنتی کے لوگ اترے تھے جن کی کارکردگی کا تم خود اعتراف کر چکی ہو۔ تمہارے مرنے اور زخمی ہونے والوں کے مقابلے میں میرے صرف دو آدمی زخمی ہوئے ہیں اور پوری نفری اگلے کسی بھی راؤنڈ کے لیے پوری طرح تیار اور تازہ دم ہے۔ تم دشمنی پر اتر آئی ہو تو میری دشمن ہی بن کر رہو۔ دوستانہ لب و لہجہ اختیار کر کے تم میری زبان سے کوئی ایسی بات نہیں اگلوا سکو گی جو میں تم سے چھپانا چاہتا ہوں۔ نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے، ایک خونریز راؤنڈ ہو چکا ہے اس لیے اب بات آگے بڑھ چکی ہے۔ اوور!"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری جس میں شکست کا ایک موہوم سا احساس لرزاں تھا پھر اس کی رسیلی سی آواز سنائی دی۔ "پہلے دوستی تھی اس لیے اب صرف دشمنی نہیں چل سکتی، تم چاہو تو اسے دشمنی نما دوستی یا دوستی نما دشمنی کہہ سکتے ہو۔ کوئی لکیر کھینچ دی تو تم ہی خسارے میں رہو گے۔ اوور!"

"میرے خسارے کے بجائے اپنے فائدے کی فکر کرو گی تو تم اپنے دغاباز باپ کے سامنے جلد سرخروئی حاصل کر سکو گی۔ اوور!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اتنی بڑی بات نہ کہو!" اس کی آواز میں سرد مہری اور چیلنج تھا۔ "پہلے میرا خیال تھا کہ صرف غزالہ تمہاری کمزوری ہے۔ اس کا دکھ تمہیں پریشان کر دیتا ہے۔ اس بار وہ تمہارے ساتھ ہے لیکن میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ جہانگیر بھی تمہارے لیے کم اہم نہیں ہے۔ اسے تم اپنی وجہ سے پریشانیوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ اسی لیے تم اس کے ساتھ نہیں رہ رہے ہو۔ اگر ہمارے درمیان کھلی کھلی دشمنی ہی چل نکلی تو میں ان دونوں میاں بیوی کو اٹھوا کر ان پر ایسا ناقابلِ تصور تشدد کراؤں گی اور پھر شہر کی کسی سڑک پر پھنکوا دوں گی کہ تمہاری روح تک لرز اٹھے گی۔ جب تک تم ہاتھ نہیں آؤ گے ان کے ساتھ بار بار یہی ہوتا رہے گا۔ تم غزالہ کو لے کر تو کہیں بھی روپوش ہو سکتے ہو لیکن مصیبت زدہ خانہ بدوشوں کا پورا قافلہ جمع کر کے نہ تم خود پوشیدہ رہ سکتے ہو، نہ انہیں تحفظ فراہم کر سکتے ہو۔ جہانگیر کے گھٹنوں، ٹخنوں، کہنیوں اور ریڑھ کی ہڈی میں ڈرل مشین سے کیے جانے والے سوراخ اسے مردوں سے بدتر بنا کے رکھ دیں گے... اوور!"

اس کا بتایا ہوا خاکہ سن کر میں جھرجھری لے کر رہ گیا اور چند ثانیے تک اسے جواب دینے کے قابل نہ ہو سکا۔ پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم واقعی جمی لائیڈ کی اولاد اور پکی بلیک میلر ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا نظریہ عملی حقیقت سے زیادہ قریب ہے... اوور!"

"کس نظریے کی بات کر رہے ہو؟ اوور!" اس کی آواز ترش ہو گئی تھی۔

"دشمنی نما دوستی یا دوستی نما دشمنی کی!" میں نے با دلِ ناخواستہ اس کی کہی ہوئی بات دہرائی۔ "تم نے تو مثال کے طور پر اپنی طرف سے دی جانے والی ایک رعایت کا ذکر کر دیا مگر اس کے عوض مجھ سے کیا چاہو گی؟ اوور!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر واضح طور پر غالب نہیں آ جاتا، تم اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھ سے رابطہ برقرار رکھو گے اور اب جاز فارماسیوٹیکل والے معاملے کو بالکل نہیں چھیڑو گے۔ اگر تم نے مجھ کو زیر کر لیا تو وہ فیکٹری از خود ختم ہو جائے گی۔ اوور!"

تو یہ چکر تھا ساری دوستی کا! میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان لوگوں کے منصوبے میں اس فیکٹری کی کوئی کلیدی اہمیت تھی، جب ہی دلدار آغا کی موت کے بعد ویرا اس کے بارے میں سمجھوتا کرنا چاہ رہی تھی۔

"فیکٹری والی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن اس سزا کا جواز میری سمجھ میں نہیں آیا جو پولیس دس نمبری بدمعاشوں کو دیتی ہے۔ وہ روزانہ تھانے میں حاضری لگوانے کے پابند ہوتے ہیں اور مجھے ہر روز تمہیں ریڈیائی سلام کرنا ہوگا... اوور!"

"تم بس ایپریٹس آن رکھنا، سلام میں خود کر لیا کروں گی۔ اوور!"

"میں عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہوں ویرا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ٹرانسمیٹر آن رکھنے کا مطلب ہوگا کہ میں ہر لمحے تمہیں اپنی پوزیشن دیتا رہوں۔ اور تم لوکیشن فائنڈر کی مدد سے مجھے گھیر لو۔ میں صرف اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں شہر میں موجود رہا تو تمہیں کال کرتا رہوں گا۔ ویسے اس ایپریٹس کی رینج کیا ہے؟ اوور!"

وہ بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ "تم شاید سوتے ہوئے بھی جاگتے رہتے ہو۔ اس ایپریٹس سے سو کلومیٹر تک آسانی سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے تو کیا میں توقع رکھوں کہ تم جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی نہیں کرو گے؟ اوور!"

"جب تک تم جہانگیر اور اس کی بیوی کو تنگ نہیں کرو گی،

میں اس فیکٹری کو بھولا رہوں گا۔ وہاں جو کچھ ہو چکا ہے، اس کے بعد میں اس فیکٹری کو مرکزی محکمۂ آب کاری کے ذریعے ختم کرانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔۔۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمھارے زخم کا کیا حال ہے اور وہ کہاں آیا ہے؟ اوور۔"

"زخم نہیں، وہ معمولی سی خراش تھی۔ ایک گولی کولہے کی جلد سے مَس ہوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ چیخ درد کا نتیجہ نہیں تھی، بس اضطراری چوک ہو گئی تھی۔۔۔ اوور۔"

"نشانچی بڑا باذوق تھا جو اندھیرے میں بھی اس نے کام دکھا دیا۔ ویسے تم نے چیخ نہ ماری ہوتی تو میں تم کو عورتوں کے زمرے سے بالکل ہی خارج کر دیتا۔ اپنی ساری مردانگی اور بہادری کے باوجود عورتیں ایسی ہی اضطراری حماقتوں کی بنا پر اپنا امتیاز برقرار رکھتی ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر اپریٹس آف کر دیا۔ میں اپنی اس کال کا مقصد حاصل کر چکا تھا۔ بظاہر ویرا نے میری اس بات پر یقین کر لیا تھا کہ میں جہانگیر کے ساتھ نہیں رہ رہا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ویرا نے خود ہی جاز فارماسیوٹیکل کے بدلے جہانگیر کو تنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر کے میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اس وقت جہانگیر کا سکون اور اس کی سلامتی میرے لیے بہت اہم تھی، جب کہ جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف مزید کوئی کارروائی میرے بس سے باہر تھی۔ میں نے ایک روزنامے کے چیف رپورٹر کو فون پر دلدار آغا کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس کا ایک لفظ بھی کہیں شائع نہ ہو سکا تھا اور میری وہ بالواسطہ کوشش بُری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح صحافت کے میدان میں بھی شی والوں نے نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے اور اگر میں جاز فارماسیوٹیکل کی بیخ کنی کے لیے کھل کر کسی سرکاری محکمے سے رابطہ قائم کرتا تو خود میرے خلاف فائل کھلنے کے قوی امکانات موجود تھے۔

اس طرح میں نے اپنی دانست میں ویرا کو کچھ بھی نہ دے کر اسے جہانگیر سے دور رہنے پر آمادہ کر لیا تھا اور وہ اس رات کے لیے میری بڑی کامیابی تھی۔

اس ویران میدان سے واپس جہانگیر کے گھر لوٹتے ہوئے میرا ذہن پھول کی طرح ہلکا ہو چکا تھا۔

⟵

دفتر میں اس دن سب ہی مطمئن اور خوش نظر آ رہے تھے۔ شہر کے بیشتر علاقوں میں بدستور کرفیو چل رہا تھا جس میں صبح اور شام کے اوقات میں وقفہ دیا جاتا تھا۔ اس لیے ٹریڈ لائن کے دفتر سے ملحقہ رہائشی حصے میں مقیم عملے کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ڈیوٹی پر موجود تھے۔ مجرموں کی ایک تنظیم کے لیے کام کرنے والوں میں فرض شناسی کا وہ جذبہ میرے لیے قابلِ رشک تھا۔ ورنہ میں ایسے لوگوں سے بھی واقف تھا جو ملیر میں ہنگامہ ہونے کی خبر سن کر ناظم آباد میں اپنے گھروں میں دُبک کر بیٹھ جاتے تھے اور دفتری کام کی ذمے داریوں سے مکمل چشم پوشی کو اپنا حق تصور کرتے تھے۔

"ٹیلی فون آپریٹر اور دو ٹائپسٹوں کے علاوہ سارا ہی عملہ پچھلی رات والے مقابلے میں شامل تھا اس لیے آج سب خوش ہیں۔ رات کو ہمارے حریف کی نفری زیادہ تھی لیکن ہم شروع سے آخر تک ان پر حاوی رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان کے کم از کم دو تین آدمی ضرور مرے ہوں گے جب کہ ہمارے صرف دو آدمیوں کو زخم آئے اور وہ بھی جلد ہی بھر جائیں گے۔" سینڈو نے مجھے بتایا۔ اس وقت وہ میری طلبی پر میرے دفتر میں آیا ہوا تھا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ویرا کا مورال گرانے کے لیے اپنے نقصان کے بارے میں جو شیخی بگھاری تھی، وہ اتفاق سے درست ثابت ہوئی تھی اور اگر سینڈو کے آدمی اپنی اس کارکردگی پر نازاں تھے تو انھیں اس کا حق حاصل تھا جس پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔

"تم لوگوں کی کارکردگی قابلِ فخر ضرور رہی لیکن تم محدود نفری کی بنا پر شاید ابتدا سے ہی مدافعانہ جنگ لڑ رہے تھے جس کی بنا پر ان لوگوں کو پھاٹک توڑ کر گھر میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اگر اندر گولیوں کی باڑھ ان کا خیر مقدم نہ کرتی تو وہ دندناتے ہوئے عمارت میں گھس آتے۔" میں نے خوبصورتی کے ساتھ اس کا خمار اتارنے کے ارادے سے نرم الفاظ میں کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم اندر موجود ہو اور انھیں سنبھال لو گے ویسے بھی ہم ذرا تاخیر سے پہنچے تھے، وہ لوگ ہمارے اور مکان کے درمیان حائل تھے اس لیے ہمارے دباؤ کے نتیجے میں پسپا ہونے کے باوجود انھیں گھر میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اگر ہمیں مزید دس منٹ مل جاتے تو ہم ان کے سروں پر پہنچ کر اسی مکان کو ان کا قبرستان بنا دیتے۔ پولیس کار کے سائرن نے ہمارا کام خراب کر دیا۔"

"ان حالات میں تم اس سے بہتر کارکردگی دکھا بھی نہیں سکتے تھے۔" میں نے اس کے مدافعانہ جواب پر مربیانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہاں ایک عورت کی بے ساختہ چیخ بھی سنائی دی تھی۔ وہ کون تھی؟" اس نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایک گولی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ڈرائنگ روم کی اندرونی دیوار میں گھس گئی تھی۔ اس پر جہانگیر کی بیوی خوفزدہ ہو کر چیخ پڑی تھی۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اوہ!" اس کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "مجھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ عورت کھلی فضا میں چیخی ہو۔ میرا خیال بھی مسز جہانگیر کی طرف گیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ دشمن کے آدمی شاید اسے قابو میں کر کے باہر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈی ڈی کے مر جانے کے باوجود معراج دین کے حوصلے بلند ہیں۔"

"اس کا خیال کیسے آ گیا تمھیں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"بجلی کے تار ٹوٹنے سے پہلے میں نے اس کے ایک آدمی کی جھلک دیکھی تھی۔ وہ اقتدار کا بھوکا ہے اور اپنے علاقے میں کسی اور کا سایہ تک برداشت نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ ڈی ڈی کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسی لیے اس کی موت کے بعد بھی تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تم جوش میں آ کر حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہو۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "اخبارات میں ڈی ڈی نہیں، دلدار آغا کی موت کی خبر شائع ہوئی ہے۔ تمھیں تو میرے ذریعے معلوم ہو گیا کہ وہ کون تھا لیکن اس کے لیے کام کرنے والے اس کی شخصیت سے لاعلم تھے۔ ان کے لیے وہ بس ڈی ڈی ہی تھا۔ جب تک ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا آقا جہنم واصل ہو گیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی جگہ لینے کا تصور نہیں کر سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ ماجے نے اپنی دانست میں ڈی ڈی کے ادھورے کام کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہو۔" یہ ایک اچھی بات تھی کہ اس نے مقابلے کے دوران میں معراج دین عرف ماجے کے آدمی کو پہچان لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرا اسی کے آدمیوں سے کام لے رہی تھی لیکن میں سینڈو کو ویرا کی آمد کی اطلاع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ویرا کی چیخ کو سلمٰی کے حساب میں لگا دیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ مقابلے کا کھلا آغاز ہو جانے کے بعد میں پہلی فرصت میں ویرا کے فتنے کی مکمل سرکوبی کرنا چاہ رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ میرے دل کے کسی گوشے میں یہ بے سبب سی خواہش بھی پوشیدہ تھی کہ کوئی اور اسے ہاتھ بھی نہ لگا پائے ویرا کو میں خود اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار کو پہنچاؤں۔

"سچ پوچھو تو شروع میں میں اپنے اوپر تمھارے تسلط سے خوش نہیں تھا۔" اس نے نظریں جھکا کر کھلے دل کے ساتھ کہا۔ "تمھارے آنے سے پہلے میں سیاہ و سفید کا مالک اور پوری طرح خود مختار تھا۔ اپنی خوشی سے کوئی خود کو لگام نہیں لگواتا لیکن تم نے آتے ہی چند روز میں ہر طرف اپنا سکہ جما لیا ہے۔ تم بہت دور تک سوچتے اور دیکھ لیتے ہو جب کہ میں سامنے کی باتوں پر زیادہ مغز کھپانے کا قائل نہیں ہوں۔ معراج دین کا حوصلہ توڑنے کے لیے کیوں نہ اس کے آدمیوں میں ڈی ڈی کے مرنے کی خبر پھیلا دی جائے؟"

"یہ تجویز قابلِ عمل ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کام بہت احتیاط سے کرنا ہو گا۔ اس خبر کے سلسلے میں جو بھی سامنے آ گیا، وہ معراج دین کے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے ڈی ڈی سے تواتر کے ساتھ ایک معقول رقم حاصل ہوتی رہتی تھی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام تو میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کر سکتا ہوں۔ میراں ناکے میں شیدی ٹھرّے کا خفیہ اڈا چلاتا ہے۔ وہاں کسی کو بھنک بھی مل گئی تو آناً فاناً میں ہی ڈی ڈی کی موت کی خبر ہر طرف پھیل جائے گی اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ خبر کہاں سے چلی تھی۔"

"یہ کام تم کر ہی گزرو۔" میں نے چند ثانیے کے توقف کے دوران سوچتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح ویرا کی قوت پر کاری ضرب لگائی جا سکتی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں دفتر میں بیٹھا سگریٹیں پھونکتا رہا۔ مجھے سیٹھ حبیب کی آمد کا انتظار تھا کیونکہ وہ بعد کے بہت سے واقعات سے آگاہ نہ ہونے کے باوجود میرے لیے بہت کچھ کر رہا تھا۔ دوسری طرف میں اسے اکسا کر معراج دین سے مقابلے کی راہ پر ڈالنا چاہتا تھا تاکہ منشیات فروشوں کے باہمی تصادم کے نتیجے میں شہر پر ان کی گرفت کمزور پڑ سکے۔

پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ اس بھاگ دوڑ میں میں غزالہ کو ایک بار پھر فراموش کر بیٹھا ہوں۔ سلطان شاہ کے ساتھ تبادلۂ خیال میں یہ امکان بہت قوی نظر آیا تھا کہ کہیں غزالہ مار دھاڑ میں بُری طرح زخمی نہ ہو گئی ہو۔ جب تک اس کی جان پر بنی رہی، وہ اپنے زخم کو بھول کر دیوانہ وار آزادی کی جدّوجہد کرتی رہی اور جب اسے آزاد فضا میں اپنی مرضی سے سانس لینے کی مہلت ملی ہو گی تو اس کے زخم یا چوٹ نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا ہو گا۔ اس بارے میں سلطان شاہ نے دلدار آغا کی مثال دی تھی جو لیاقت آباد میں اپنی ہڈیاں تڑوا کر کسی نہ کسی طرح میلوں دور باتھ آئی لینڈ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اگر غزالہ واقعی شدید زخمی حالت میں کسی اسپتال میں مسکّن ادویہ کے زیرِ اثر صاحبِ فراش تھی تو میری بدنصیبی تھی

کہ میں ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور اس میں سے نمبر تلاش کر کے ایک سرے سے شہر کے اسپتالوں کو فون کرنے شروع کر دیے۔

میں نے بڑی امید کے ساتھ اسپتالوں کو فون کرنے کے سلسلے کا آغاز کیا تھا لیکن ابتدائی چند ناکامیوں کے بعد میرا حوصلہ پست ہو گیا۔ ہر بار میں نے واضح تر شناخت کے سہارے سوالات کیے لیکن ہر بار جواب نفی میں ہی ملتا رہا اور رفتہ رفتہ شہر کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری قابلِ ذکر اسپتالوں کی فہرست ختم ہو گئی مگر کہیں بھی غزالہ کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

غزالہ زندہ تھی، آزاد تھی اور اسی شہر میں تھی لیکن کہاں اور کس حال میں تھی، یہ میرے علم میں نہیں تھا اور اپنی بے بسی پر میرے دل میں ناقابلِ بیان کسک اُبھر اُبھر کر ماند پڑ رہی تھی۔

شاید میری یہ کیفیت میرے پورے وجود پر محیط ہو کر مجھے ناکارہ کر دیتی لیکن اسی لمحے انٹرکام کی گھنٹی نے میرے مہیب خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

انٹرکام پر سیٹھ حبیب جیوانی نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تو میں نے فوراً ہی دفتر چھوڑ دیا۔ اس کے دروازے پر سرخ روشنی نہیں جل رہی تھی۔ اس لیے میں نے دروازے کے دستے پر ہاتھ رکھا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ اس روشن کمرے میں چیف حسبِ معمول میز کے عقب میں نیم تاریکی میں موجود تھا۔

"رات کیا رہا؟" رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"تمہاری محنت بار آور ہوئی اور پولیس پریشان کیے بغیر واپس چلی گئی۔"

"لیکن وہ چکر کیا تھا۔ پولیس تمہارے پیچھے کیسے لگ گئی؟" اس کی آواز پُر تجسس تھی۔

میں نے بلا تامل سینڈو کے خیالات دُہرا دیے۔ "دلدار آغا مر گیا ہے لیکن اس کے لیے کام کرنے والوں کو ڈی ڈی کی موت کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ اس لیے شاید معراج دین پچھلی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے کل رات کو پھر میرے دوست کے گھر پر چڑھ دوڑا تھا..."

"معراج دین۔" اس کی معنی خیز اور پُر خیال آواز اُبھری۔ "اس سے تمہیں ہوشیار رہنا ہو گا۔ مجھے اٹلی سے خبر ملی ہے کہ ویرا لائیڈ اور جمی لائیڈ کی صلح ہو چکی ہے۔ باپ نے اپنی بیٹی کو دوبارہ شی میں ملازم رکھ لیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلدار آغا کی موت کے بعد ویرا ایک جہاز چارٹر کر کے میلان سے کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ادھر کا ہی رخ کیا ہو۔ وہ یہاں آئی تو لازمی طور پر معراج دین سے ہی مدد لے گی۔"

میں اس کی معلومات پر ششدر رہ گیا۔ اتنا باخبر آدمی ہی مافیا کا چیف کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھی کہ اس کو ویرا کی پاکستان آمد کی حتمی اطلاع نہیں مل سکی تھی، ورنہ وہ ویرا کے بارے میں میرا جھوٹ فوراً ہی پکڑ سکتا تھا۔

"ویرا اگر یہاں آئی تو اس کا مطلب ہو گا کہ شی والے پاکستان میں آسانی سے پسپائی اختیار نہیں کریں گے اور ہمیں انھیں ختم کرنے کے لیے کوئی بڑا آپریشن کرنا پڑے گا۔"

"اس بارے میں ہمیں زیادہ قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔" اس نے کاغذ کا ایک چھوٹا سا پُرزہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ویرا کے جہاز کا رجسٹریشن نمبر اور ماڈل ہے۔ اگر وہ کراچی آئی ہے تو اپنے جہاز کو کہیں نہ چھپا سکے گی۔ کراچی ائرپورٹ کے علاوہ وہ کہیں اور لینڈ نہیں کر سکتی۔ اپنے کسی آدمی کو جہاز کی نشان دہی پر مامور کر دو۔ اگر یہ جہاز ائرپورٹ کی کسی بے رن وے سے ملحق پارکنگ ایریا میں کھڑا ہوا ہے تو ہمیں اس سے ٹکراؤ کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔ اس کا پہلا ہدف ڈی ڈی کا قاتل ہو گا۔ مجھے شبہ ہے کہ ویرا کل دن میں کراچی پہنچ چکی ہے اور اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔"

میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ "یہ اندازہ کس بنا پر قائم کیا ہے تم نے؟"

"تم ہی نے سینڈو کو اسرار رضوی کے قتل کی خبر دی تھی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اسے واقعی بہت بے دردی سے مارا گیا ہے۔ تم دونوں اس کے قاتل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے لیکن میرا خیال ہے کہ اسے دلدار آغا سے غداری کرنے اور تمہارا ساتھ دینے کے الزام میں مارا گیا ہے۔"

"مگر وہاں تو میرے، دلدار اور اسرار کے علاوہ کوئی چوتھا فرد موجود نہیں تھا۔ پھر پردیس سے آنے والی ویرا کو اس کے کردار کا کیسے علم ہوا؟" میں نے اسے اُلجھانے کی نیت سے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ان کے اپنے وسائل ہوں گے۔" چیف نے بے پروائی سے کہا۔ "تم جہاز کے بارے میں معلوم کرو۔ تمہاری فراہم کردہ ہوئی معلومات کی روشنی میں ہی میرے اس نظریے کی تصدیق یا تردید ہو سکے گی۔"

"میں جہاز کا پتا لگا کر جلد از جلد تمہیں مطلع کروں گا۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اب تمہیں کچھ دن کے لیے نتائج اخذ کر کے خود ہی فیصلے کرنے ہوں گے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "کیا تم کہیں باہر جا رہے ہو؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔ میرے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" اس کا لہجہ غیر ارادی طور پر دھیما ہو گیا۔ "میرا جو ہم شکل جرمنی کی جیل میں میری جگہ سزا کاٹ رہا تھا، اس کا دل کے دورے میں انتقال ہو گیا۔ اس بارے میں اتنی احتیاط کی گئی تھی کہ سارے ریکارڈ میں میرے فنگر پرنٹس تک بدل دیے گئے تھے لیکن اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم اور طبّی معائنے سے پتا چلا کہ اس کے سارے دانت پورے اور اصلی تھے جبکہ میرے اگلے تین دانت مصنوعی ہیں۔ یہ بات ریکارڈ پر تھی اس لیے اب جرمن حکّام میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ نیچے سے اوپر تک سب پریشان ہیں کہ اصل مجرم کی جگہ دوسرا آدمی کیسے جیل میں پہنچ گیا۔ اس بارے میں تفصیلی تحقیقات کے لیے وہاں سے ایک ٹیم کسی بھی وقت یہاں پہنچنے والی ہے جب تک یہ قصّہ ختم ہو کر مطلع صاف نہیں ہو جاتا مجھے مکمل طور پر انڈر گراؤنڈ رہنا پڑے گا۔ میں کراچی کو خیرباد کہہ کر کسی غیر معروف صحت افزا مقام پر آرام کروں گا۔"

"اوہ! یہ تو بہت سنگین معاملہ نظر آتا ہے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے دانتوں کا معاملہ فائل پر کیسے آ گیا؟ عام طور پر فنگر پرنٹس پر ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔"

"منشیات کی اسمگلنگ میں ملوّث مجرموں کو وہ خطرناک تصوّر کرتے ہیں اور ہر مجرم کی طبّی اور جسمانی ساخت کا مکمل ریکارڈ تیار کرتے ہیں تاکہ سزا پوری ہونے کے بعد بھی ضرورت کے وقت اس تک رسائی میں کوئی دقت نہ ہو۔ اپنے لوگوں کی اور بات ہے لیکن ان سفید بھیڑیوں کو جُل دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم بے فکر رہو۔ تمہاری غیر حاضری میں میں سارے معاملات پر نگاہ رکھوں گا لیکن باہر والوں سے مراسم کے بارے میں مَیں بالکل تاریکی میں ہوں۔"

"باہر والوں سے کوئی خاص رابطہ نہیں رہتا۔ البتہ ان میں سے کوئی ہم سے رابطہ کرتا ہے تو اسے شناخت کے لیے کوڈ دینا ہوتا ہے۔ صحیح کوڈ کے ذریعے اجنبی راز داں بن جاتے ہیں۔ میرا کوڈ خفیہ ہے لیکن تم سے بات کرنے والے مافیا کے بڑے ریگاٹا فور کا کوڈ استعمال کریں گے۔ اس کے بعد تم ان پر مکمل بھروسا کر سکو گے۔ تمہیں کسی مشکل مرحلے پر صرف ڈان تھری سے بات کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ اس کا فون نمبر میں دے دوں گا۔ اسے بھی تم ریگاٹا فور کے کوڈ سے اپنی شناخت کراؤ گے لیکن یہ سمجھ لینا کہ ڈان تھری سے کوئی مدد یا مشورہ طلب کرنے کا مطلب عموماً اپنی ناطاقتی کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے یونٹ کو مکمل خود مختاری ملنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے بڑی مجبوری کے عالم میں ہی کال کرنا۔ مجھے پوری امید ہے کہ تمہیں میری غیر حاضری میں ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے تفصیل سے پوری صورتِ حال سمجھا دی۔ اب میں ڈان تھری کے بغیر ہی گاڑی چلا لوں گا لیکن اسے یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ تم فوری طور پر انڈر گراؤنڈ ہو رہے ہو؟"

"درحقیقت یہ قدم میں اسی کے مشورے سے اٹھا رہا ہوں۔" اس نے کھُلتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ میں مشکل حالات میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر روپوش ہو رہا ہوں۔ معراج دین کے آدمی شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ اُدھر ویرا یہاں آ گئی ہے یا آنے والی ہے۔ تمہیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہمارا اصل کام لڑائی بھڑائی نہیں بلکہ ہیروئن کی خرید اور نکاس ہے۔ ایکسائز والوں کے چھاپے کے بعد سے ہمارا یہ کام عملاً ٹھپ پڑا ہوا ہے جبکہ ہمارے اخراجات اسی آمدنی سے چلتے ہیں اور اسی میں سے ملنے والے حصّے کی مقدار سے اٹلی والے ہماری کارکردگی کا اندازہ لگاتے ہیں۔"

"فوری ضروریات کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟" اس کے یاد دلانے پر مجھے یہ اہم ترین سوال یاد آ گیا۔ ایک معقول رقم کے بغیر میری عارضی سربراہی چار روز بھی نہیں چل سکتی تھی۔

"تجوری میں دس لاکھ روپے نقد موجود ہیں۔" اس نے ایک چابی میرے حوالے کرنے کے بعد ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مال کی وصولیابی شناختی کاغذ سے ہوتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں واپسی پر کروں گا لیکن فروخت کی رقم نقد وصول ہوتی ہے۔ ادھار مال لے کر نقد فروخت کرنے کے بعد تمہارے پاس ہر وقت پیسے کی ریل پیل رہے گی۔ چاہو تو مال کی وصولی اور نکاسی کا کام سینڈو کو ہی سونپ دینا۔"

"وہ اب راہِ راست پر آ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس

کام کے لیے وہی بہتر رہے گا۔" میں نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد پوچھا۔"کلب اور یہاں کے اسٹاف کی تنخواہوں کا کیا ہوگا؟" مجھے رہ رہ کر وہ ساری عملی دشواریاں یاد آ رہی تھیں جو بعد میں میرے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھیں۔

"اس کے لیے باقاعدہ دفتری انداز ہے۔ آخری تاریخ کو تنخواہوں کے رجسٹر تمہارے پاس آئیں گے۔ ان کے مطابق ادائیگی کر دینا۔ کسی کو اس کی کارکردگی پر انعام دینا چاہو تو وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ ان معمولات کے لیے سینڈو کارآمد ثابت ہوگا کیونکہ پہلے وہی سارے کام کرتا تھا۔"

"مال کی آمد کا علم کیسے ہوگا؟" مجھے خوشی تھی کہ سیٹھ حبیب کی ایک ذاتی الجھن کی وجہ سے مجھے فوری طور پر وہ سب کچھ جاننے کا سنہری موقع مل رہا تھا جو بصورتِ دیگر شاید برسوں بھی میرے علم میں نہ آسکتا تھا اور دوسری سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مافیا کی باگیں میرے ہاتھ میں آجانے کے بعد مجھے مافیا اور شی کو ایک تباہ کن معرکے میں الجھانے کی پوری آزادی میسر آجاتی۔

"مال کی آمد کا طریقہ بہت سہل ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک ڈیلیوری کے وقت اگلی ڈیلیوری کے لیے شناختی کاغذ یا نوٹ کا ٹکڑا دے دیا جاتا ہے لیکن اولڈ کلفٹن والے چھاپے کی وجہ سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے اب ٹریڈ لائن کے پتے پر ایک رجسٹری آئے گی۔ اس میں شناختی پرزے کے ساتھ ایک کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا فون نمبر اور دو کوڈ ہوں گے۔ تم وہ نمبر ملا کر پہلا کوڈ دہراؤ گے۔ دوسری طرف سے دوسرا کوڈ بتا کر تمھیں مال کی ڈیلیوری کے وقت اور مقام سے آگاہ کر دیا جائے گا اور یہ سلسلہ پھر چل پڑے گا۔"

"تم مجھے بہت بڑے امتحان میں ڈال رہے ہو۔" میں نے تجوری کی چابی اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔" ذمے داریوں اور کام کی حد تک تو سب ٹھیک ہے لیکن پرائے پیسے کا معاملہ بہت خراب ہوتا ہے۔ جو کچھ تم نے بتایا، اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اس تجوری میں کروڑوں کی رقم آجائے گی۔ اول تو اس کی حفاظت کا بوجھ بہت بھاری ہوگا۔ پھر میں بھی انسان ہی ہوں، یہ میری نیت کا امتحان بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ اتنی رقم سمیٹ کر میں دنیا کے کسی بھی حصے میں سکھ کی زندگی گزار سکتا ہوں۔ جہاں نہ تمھارے ہاتھ مجھ تک پہنچ سکیں گے اور نہ ہی شی والوں کی چیرہ دستیوں کا کوئی خطرہ ہوگا۔"

گمبھیر فضا میں اس کی ہنسی کی آواز مجھے نامانوس سی محسوس ہوئی۔" تجوری کی حفاظت کی فکر نہ کرو۔ اگر تم اسے مقفل کر [illegible] بھولے تو یہ محفوظ رہے گی۔ اس کا راز سینڈو کو بھی معلوم [illegible] ہے۔ کی ہول میں غلط چابی لگاتے ہی دروازے کے [illegible] سوراخوں سے بہ یک وقت تین فائر ہوں گے جو تجوری پر [illegible] آزمائی کرنے والے کو خون میں نہلا دیں گے۔ رہا تمھاری [illegible] کے امتحان کا معاملہ تو مجھے اسی وقت پتا چل گیا کہ وہ [illegible] تمھارے من میں کوئی کھوٹ ہوتا تو تم اس وقت اتنی بے تکلفی [illegible] ساتھ رقم سمیٹ کر کہیں غائب ہونے کا ذکر نہ کرتے۔ ویسے احتیاطاً تم کو یہ بتا دوں کہ میں اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ [illegible] ہی اٹلی والوں کو نہیں دیتا۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان [illegible] سے جو، جہاں ہے، جونک بن کر چمٹا ہوا ہے۔ مافیا کی یہ بڑی پرانی تاریخی روایت ہے کہ ان کا کوئی غدار آج تک ان کے [illegible] سے نہیں بچ سکا ہے۔ اپنے مشن اور منصوبے میں ناکامی کو [illegible] کے بڑے خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے ہیں لیکن کسی کی غد[اری] اور بے ایمانی کے سدِباب کے لیے دیوانگی کی حد تک اپ[نے] سارے وسائل داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلات [اور] جنوبی امریکا کی دشوار گزار وادیوں تک سے انھوں نے اپ[نے] مجرموں کو کھینچ نکالا ہے۔ اسی لیے جرائم کی دنیا میں مافیا کی [دھاک] بیٹھی ہوئی ہے۔ جو ایک بار ان کا ہو جاتا ہے وہ پھر مر کر ہی [ان] سے جدا ہو سکتا ہے۔۔۔"

وہ بولتا رہا اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ مافیا کے بارے میں ان لوگوں نے شدید دھوکا کھایا تھا۔ میں نہ ان کا مخلص تھا اور نہ ان کا وفادار۔ اس لیے ان کی برسوں پرانی [روایت] میرے ہی ہاتھوں ٹوٹتی نظر آ رہی تھی۔ رقم لے اڑنے کی [بات] تو محض رسمی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں کم [از کم] پاکستان میں مافیا کی بنیادوں میں بارود بھرنے کا مصمم ارادہ کر [چکا] تھا۔ جسے سیٹھ حبیب بھانپ ہی نہیں سکا تھا۔ میرا ارادہ [تو یہ] تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا[ؤں] لیکن یہ میری خوش نصیبی یا مافیا والوں کی بدنصیبی تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی حالات سے بے بس ہو کر میرے لیے کھلا میدان چھوڑ کر اندرونِ ملک روپوش ہو جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ میرے ساتھ دیر تک گفتگو کرتا رہا اور پھر اچانک ہی ایک بے تکا سوال کر بیٹھا۔" دلدار آغا کی موت کے [بعد] غزالہ کہاں ہے اور اب تمھارے دل میں اس کے لیے کتنی [جگہ] باقی ہے؟"

اس کی زبان سے یہ سوال سن کر میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ مافیا میں حبیب جیوانی کی جو بھی حیثیت رہی ہو لیکن ایک بار ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کے بعد وہ امیرزادہ میری نگاہ میں دو ٹکے کے اچکے سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں رہا تھا۔ اب یہ میرے مقدر یا حالات کی ستم ظریفی تھی کہ وہ میرے قطعی نجی معاملات میں بھی دخیل ہونے کی جسارت کر رہا تھا۔

"دلدار آغا نے اسے بہت بڑا فریب دیا تھا۔" میں نے ہمیشہ کے لیے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی نیت سے پہلی بار اسے پورے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔" پہلے غزالہ کو یقین دلایا گیا کہ میں زندہ نہیں ہوں۔ پھر اس کے غنڈوں نے غزالہ کو اغوا کر کے اسے قید کرنے کا ڈراما رچایا اور پھر اس کے ساتھ دست درازی کا آغاز کر دیا۔ وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ جب غزالہ کو ہر طرف سے بے دست و پا کر کے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی گئیں تو اچانک دلدار آغا ایک شریف اور دلیر آدمی کے روپ میں وہاں پہنچ گیا۔ جسے غزالہ کی چیخوں نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ مصنوعی فائرنگ کے تبادلے کے بعد دلدار آغا کے آدمی غزالہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے اور دلدار آغا نے غزالہ کو اپنی شریفانہ تحویل میں لے لیا۔ میری زندگی سے مایوس ہونے کے بعد غزالہ اس دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ ایک جاں گسل معرکے سے بچ نکلنے کے بعد اس کی حیثیت گرم لوہے جیسی تھی جسے ایک ہلکی سی ضرب سے کسی بھی طرف موڑا جا سکتا تھا۔ اس مردود نے صورتِ حال کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور محتاط انداز میں اس طرح پیش رفت کی کہ غزالہ اس کے کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور یوں وہ دونوں ازدواجی رشتے میں بندھ گئے۔ لیکن شادی کے بعد جب رفتہ رفتہ غزالہ کو دلدار آغا کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں ملیں تو وہ اس سے بدظن ہونے لگی۔ چند کھلے ثبوت سامنے آجانے کے بعد اسے دلدار آغا سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ عملاً ان کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تھا اور غزالہ کافی عرصے سے دلدار آغا کے مکار ملازمین کی نگرانی میں اس کے مکان میں ایک قیدی کی طرح محصور تھی۔ اس کی موت کے بعد کیا صورت ہو سکتی ہے، اس کا تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"اس دوران میں غزالہ سے تمھارا رابطہ برقرار تھا؟" میری کہانی اس کے لیے دلچسپی اور تجسس کا سبب ثابت ہوئی تھی۔

"دلدار کی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں غزالہ کے شبہات اپنی جگہ تھے لیکن بعض اہم مواقع پر میں نے اسے دلدار کے بارے میں ایسی معلومات بہم پہنچائیں جن کی بنا پر اس کے شبہات یقین میں بدل گئے اور وہ دلدار آغا سے متنفر ہوتی چلی گئی۔۔۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب اس کا جھکاؤ تمھاری طرف ہوگا۔"

"دلدار آغا ایک حادثہ بن کر اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا اور اسی طرح نکل بھی گیا۔ غزالہ کو اپنی مشرقی اقدار کا پاس نہ ہوتا تو وہ بہت پہلے اس درندے کو چھوڑ کر میرے پاس آگئی ہوتی۔ دلدار کی موت کے بعد وہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو چکی ہے اور میں نے بھی دلدار آغا کو ایک ناخوشگوار حادثہ سمجھ کر بھول جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" میں نے آدھی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر غیرارادی طور پر نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا اور سیٹھ حبیب کی آنکھوں میں تجسس کے سائے گہرے ہو گئے۔

"یعنی اب وہ تمھارے ساتھ ہے؟" میری توقع کے برعکس اس نے یہ براہِ راست سوال پوچھ ہی لیا۔

"پھر اسے تمھارے خیال میں کہاں ہونا چاہیے؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں الٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور وہ میرے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے پہلو بدل کر جلدی سے کہا۔" نہ میں دوسروں کے ذاتی معاملات میں حد سے زیادہ دخل دینا پسند کرتا ہوں لیکن تمھارا اور غزالہ کا معاملہ زیرِ زمین دنیا میں بہت شہرت پا چکا ہے۔ پرانے لوگ کہتے ہیں کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن شی والوں نے اختلافات کی بنا پر اسے اغوا کر کے بیرونِ ملک بھجوا دیا اور تم غزالہ کے پیچھے پیچھے باہر چلے گئے۔ طویل عرصے کے بعد شی کے حلقوں سے نے دلدار آغا اور غزالہ کی شادی کی خبر پھیلائی مگر اس وقت تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ دلدار ہی شی کا مقامی سربراہ تھا۔ میں تو اسے درمیانی سطح کا ایک محنتی کارکن سمجھتا تھا۔ اب سمجھ میں آتا ہے کہ دلدار نے اپنی شادی کی تشہیر کر کے ایک شعبے میں تم پر اپنی بالادستی ثابت کرنے کی بھونڈی اور غیرضروری کوشش کی تھی اور وہی اس کے گلے پڑ گئی۔ اگر غزالہ کی شادی کا معاملہ تمھارے علم میں نہ آتا تو شاید تم اس پر زیادہ توجہ نہ دیتے اور وہ ابھی تک دندناتا پھر رہا ہوتا۔" وہ سانس لینے کے لیے لمحہ بھر کے لیے رکا پھر آہستہ سے بولا۔" بس اسی داؤ پیچ کی وجہ سے میں تمھارے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔ دنیا میں نہ جانے کتنے لوگ ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں لیکن کوئی ان پر توجہ نہیں دیتا۔ لیکن لیلیٰ مجنوں کی کہانی آج بھی لوگ شوق سے پڑھتے اور اسکرین پر دیکھتے ہیں۔ ان دونوں کا عشق ادب میں ایک ممتاز مقام پا چکا ہے۔ ایسا ہی کچھ تھوڑا بہت تمھارے ساتھ ہوا ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ میری مداخلتِ بے جا

کو معاف کر دو گے۔"

"ہمیں لیلیٰ مجنوں سے نہ ملاؤ۔" میں نے رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چاہت اور دیوانہ وار عشق میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہم دونوں ایک مدت تک ایک دوسرے سے دور رہے لیکن نہ میں نے گریبان چاک کیا اور نہ غزالہ نے عقل و شعور کا دامن ہاتھ سے جانے دیا۔" آخری فقرہ میں نے اس کے ابتدائی سوال کا سلسلہ سرے سے منقطع کرنے کے خیال سے کہا تھا تاکہ میرے اعتراف یا انکار کے بغیر وہ بذاتِ خود یہ نتیجہ اخذ کر لے کہ فراق کے لمبے وقفے کے بعد آخر کار وصال کی گھڑی آ چکی تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی کو بہلا لینا ایسا محال اور ناممکن نہیں تھا۔ میں نے اپنی چرب زبانی سے اس کی زبان بند کرا دی تھی۔ لیکن غزالہ کا ذکر آنے پر میرے وجود کی گہرائیوں میں جو آگ بھڑک اٹھی تھی اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

میں نے کہنے کو تو اس سے کہہ دیا تھا کہ ہم دونوں لیلیٰ مجنوں نہیں تھے لیکن اس کی زبان سے وہ موازنہ سننے کے بعد مجھے دل ہی دل میں مان لینا پڑا تھا کہ اس نے صحیح تمثیل کا سہارا لیا تھا۔ مجنوں شاید مکتب سے نابلد ایک سچا اور سادہ لوح عاشق تھا اس لیے جو محسوس کرتا تھا' وہ اپنا گریبان چاک کر کے دنیا کو سناتا پھرتا تھا۔ ورنہ اس کے قلب پر بھی وہی واردات گزرتی ہو گی جو مجھے مضطرب کیے رکھتی تھی۔ میں جہاں دیدہ اور تجربے کار تھا اس لیے دل کا درد دل ہی میں لیے پھرتا تھا جس کا درماں غزالہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا۔

"ٹریڈ لائن کا بھرم قائم رکھنے کے لیے میں درآمد کا تھوڑا بہت کام کرتا ہوں۔ میرے اسٹاف میں حامد تنہا اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ مارکیٹ پر نگاہ رکھتے ہوئے بارڈ ویئر کے آئیٹموں کی ایل سی کھولتا رہے۔ آج کل ریگ مال کی درآمد میں سونا برس رہا ہے۔ اس کی ایک ایل سی پچھلے ہفتے کھولی گئی ہے۔ مال چائنا سے آ رہا ہے' اس کے بعد جیسا چاہو کر لینا۔" آخر کار اس نے موضوع بدل ہی لیا۔

"اس مال کی ذخیرہ اندوزی اور فروخت کا بھی تو کوئی انتظام کرنا ہوتا ہو گا۔" میں نے سوال کیا۔ "درآمدی تجارت یوں ہی کاغذوں پر تو نہیں چل سکتی۔"

"حامد اسی کام کا ماہر ہے۔ وہ وہی مال منگواتا ہے جو گودی میں جہاز لگنے سے پہلے نقد بک جاتا ہے۔ بازار میں جمالو نامی ایک دلال اس کے لیے کام کرتا ہے اور نفع کی رقم دے کر کاغذات پر ہی سودا کرا دیتا ہے۔ مال چھڑانے اور بیچنے کا کام خریدنے والی پارٹی خود کرتی ہے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ اس دفتر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مجھے یہ چکر چلانا پڑا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ اپنے اخراجات پورے کر کے ٹریڈ لائن ہر سال ایک لاکھ سے اوپر انکم ٹیکس بھی ادا کرتی ہے۔ یہ ڈھکوسلا نہ چلایا جائے تو بہت سے سرکاری ادارے ہماری آمدنی کے ذرائع دریافت کرنے کے لیے ہمارے پیچھے لگ سکتے ہیں۔"

"اگر یہ معاملہ حامد اور جمالو تک ہی محدود رہتا ہے تو ٹھیک ہے کیوں کہ ٹریڈنگ کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"ٹریڈنگ۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہیروئن کی اسمگلنگ نے تو خیر اس دور میں آمدنی کے سارے جائز اور ناجائز ذرائع کو مات کر دیا ہے ورنہ ٹریڈنگ وہ فن ہے جو آدمی پوری طرح جانتا ہو تو محض ہزاروں کی پونجی سے لاکھوں کما سکتا ہے اور یہ ساری آمدنی قانونی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بھاری انکم ٹیکس بچانے کے لیے خود ہی کھاتوں میں ردوبدل کر کے آدمی دھن کو کالا دھن بنانے میں لگ جائے۔"

"اتنی عمر گزار لی ہے' جو باقی رہ گئی ہے' وہ بھی گزر ہی جائے گی۔ مجھے ایسے فن سیکھنے کا شوق نہیں۔ ہزاروں سے لاکھوں کمانے کی آرزو کرنا تجارت نہیں قزاقی ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جو جس پیشے سے روزی کماتا ہے اسے فن اور ہنر بلکہ عبادت تک کا درجہ دینے لگتا ہے۔ قاتل انسانی خون بہانے کی باریکیوں اور نزاکتوں کو فن کہتا ہے۔ تم ہیروئن کی بیرونِ ملک اسمگلنگ کے نادر طریقوں کو ہنر کہتے ہو گے اور جیب تراش اپنے شکار کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس کی جیب کاٹ لینے کو آرٹ اور فن قرار دیتا ہے لیکن میری دانست میں کسی بھی پیشے کے معیار اور تقدس کے بارے میں صحیح رائے وہی فریق دے سکتا ہے جو فن کے مظاہرے سے فوراً اور براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن فی زمانہ کسی بھی فن' ہنر اور پیشے کو ناپنے کا معیار صرف پیسہ بن کر رہ گیا ہے۔ جتنا زیادہ کما لیتا ہے' وہ اتنا ہی زیادہ کامیاب اور معزز بن جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا پیشہ دوسروں کے لیے قابلِ تقلید بن جاتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "طوائف کسی قابلِ ذکر سرمایہ کاری کے بغیر باپ کے ساتھ بہت کچھ کماتی ہے مگر کتنی عورتیں ہیں جو اس کی تقلید کرتی ہیں؟ ڈاکو کسی سرمایہ کاری کے بغیر ایک ہی ہلے میں لاکھوں اڑا لے جاتے ہیں لیکن کتنے لوگ اپنے بچوں کو ڈکیت بنانے کی آرزو کرتے ہیں؟ ہمارا معاشرہ ابھی اتنا تباہ نہیں ہوا ہے کہ صرف پیسہ زندگی کی ساری زندہ قدروں کو بہا لے جائے۔ جو لوگ اپنی سرمایہ کاری پر کئی گنا نفع کماتے ہیں وہ بھی عمر بھر گھاٹے کا رونا روتے نظر آئیں گے تاکہ معاشرے میں ذخیرہ اندوز اور منافع خور جونکوں کی طرح نہ پہچانے جائیں۔ میں تو جس تاجر سے ملا ہوں وہ مندی اور گھاٹے کا سوگ مناتا ہوا نظر آیا ہے' اس کے باوجود ان کا سرمایہ اور جائیدادیں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ سب کہاں سے آتا ہے۔"

"تمہارے تجربات بہت تلخ اور محدود معلوم ہوتے ہیں۔" وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس بحث کو یہیں ختم کر دیا جائے تو بہتر رہے گا۔ میرے گھرانے کا تعلق بھی نامور کاروباری برادری سے ہے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آبائی پیشے میں اپنا مستقبل تباہ کر لیا۔ ان لوگوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ حقیقت ہے کہ کمانے کے ساتھ ہی تجارت میں کبھی کبھار گنوانا بھی پڑتا ہے۔"

"پھر ختم کرو اس قصے کو!" میں نے اسی کی بات کا سہارا لے کر کہا۔ "تم نے ویرا کی آمد کا شبہ ظاہر کر کے مجھے تھوڑا سا پریشان کر دیا ہے۔ میں سینڈو کو اسی وقت ائرپورٹ پر ویرا کے جہاز کا کھوج لگانے بھیجتا ہوں۔ وہ آ گئی ہے تو اب وقت مصروفیت میں گزرے گا۔"

"اب تم مجھ سے آ ملے ہو' بلکہ میرے دستِ راست بن گئے ہو تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پاکستان میں اور بیرونِ ملک بھی میں نے تمہارا بہت شہرہ سنا تھا اور تم میرے روبرو موجود ہو اسی طرح میں نے مافیا کے بڑوں سے ویرا کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ وہ ہٹی میں تھی تو اس نے بڑے کام دکھائے۔ پاکستان کے قبائلی علاقے میں ایک ماہر جرمن کیمسٹ کی مدد سے ہیروئن تیار کرنے کی پہلی فیکٹری بھی اسی نے لگائی تھی اور جب اس کی اپنے باپ سے ٹھن گئی تو اس نے اسے بھی تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا۔ مجھے اپنی سلامتی کے ڈر سے روپوش نہ ہونا پڑتا تو میں ویرا سے ضرور ملتا۔ وہ تمہارے ہاتھوں ماری گئی تو میری یہ حسرت دل ہی میں رہ جائے گی۔"

"موقع ملا تو تمہاری خاطر اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ بہت خوبرو' خوش مزاج اور خوش ذائقہ لڑکی ہے۔ تمہیں واقعی اس سے ملنا چاہیے۔"

"میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ عورتوں کے معاملے میں میرا دامن صاف ہے۔ مجھے اپنے گھر کا سکھ میسر ہے اس لیے کبھی کسی پرائی عورت میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔" اس نے میرے تبصرے پر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی وہ باضابطہ طور پر پرائی نہیں ہوئی ہے۔ خود کو مس کہتی ہے۔ تم اسی قدر درویش ہو تو پھر ویرا کی لاش کی ممی بھی تیار کی جا سکتی ہے۔ کم از کم اسے دیکھ تو لو گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم جاؤ۔" اس نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا پھر یوں چونک کر بولا جیسے اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "تمام سرکاری اور قانونی ضروریات کے لیے یہ یاد رکھنا کہ ٹریڈ لائن کا مالک سینڈو ہے۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"یہ کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے اسے ضرورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ اگر وہ تمہاری دی ہوئی ان رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں اسے زیادہ قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی یہی کچھ کرتا۔"

"تم میری مجبوری کو بھول جاتے ہو!" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "قانونی طور پر اس وقت بھی میں پاکستان میں موجود نہیں ہوں۔ مجھے جرمنی کی جیل میں ہونا چاہیے تھا اسی وجہ سے میں اپنے نام سے پاکستان کی سرزمین پر کوئی قانونی لین دین نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جیل سے اپنے فرار کے سلسلے میں میں نے صرف اپنی بیوی کو اعتماد میں لیا ہے۔ میرے والدین بھی ابھی تک میرے فرار سے لاعلم ہیں ایسی صورت میں میں ٹریڈ لائن کے لیے کس کا نام تلاش کرتا۔ پہلے دے کر سینڈو ہی نظر آتا تھا۔"

"سینڈو' سینڈو' سینڈو!" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "تم اپنا نام بھی بدل سکتے تھے۔ چند سو روپے خرچ کر کے جب غیر ملکی یہاں کی اصلی شناختی دستاویزات بنوا سکتے ہیں تو تمہیں کیا دشواری تھی؟ تم تو اسی دھرتی کے فرزند ہو۔ ایسی جعل سازیوں پر تمہارا بھی حق بنتا ہے۔"

"عملاً ایسا ہی ہوا۔" اس نے کہا۔ "ہر جگہ نام سینڈو کا ہے اور دستخط میں کرتا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے اپنا نام سینڈو رکھ لیا ہے۔ میرے دستخط کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔"

"لیکن اسی طرح وہ جب چاہے تمہیں اپنا بستر بوریا لپیٹنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ وہ ٹریڈ لائن کی سرگرمیوں سے اپنی برأت کا اعلان کر دے تو تمہارے دستخط بے معنی لکیروں کی حیثیت اختیار کر لیں گے۔"

"ہاں' بس یہی خرابی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں نے یہ بندوبست اسی لیے کیا تھا کہ کسی وقت وہ میرے اثاثوں پر قابض نہ ہو سکے۔"

میں خاموش ہوگیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ خود کو سادہ لوح اور معصوم ظاہر کر کے دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنا اس کا شیوہ تھا ورنہ درحقیقت وہ اتنا احمق نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ احمق سینڈو تھا جو اپنے مالک کا احسان مند تھا کہ اس نے سینڈو کو اپنے کاروبار کا مالک بنایا ہوا تھا جب کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ اس کی دُم ہر وقت سیٹھ حبیب کے جوتے کی زد میں رہتی تھی۔ وہ جب چاہتا، اسے ایڑی سے مسل کر کسی باؤلے اونٹ کی طرح بلبلانے پر مجبور کر سکتا تھا۔

وہ محفل وہیں ختم ہوگئی۔ سیٹھ حبیب نے میری کامیابی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور میں اس کے کمرے سے نکل آیا۔

اپنے دفتر میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ میں سیٹھ حبیب سے اپنے مشاہدے کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں نے دوبارہ اس کے دفتر کا رُخ کرنے کے بجائے ہاٹ لائن کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف وقفے وقفے سے گھنٹی بجتی رہی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

غالباً سیٹھ حبیب مجھے رخصت کرتے ہی خود بھی دفتر سے روانہ ہوگیا تھا۔

میں نے اس کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی ناگہانی موت کے نتیجے میں شروع ہونے والی قانونی کارروائیوں سے بُری طرح خوف زدہ تھا اور شاید فوری طور پر شہر چھوڑ کر کہیں اور جانے کا مصمّم ارادہ کر چکا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ میں قدرت کی طرف سے ملنے والے اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ کیوں نہ اُٹھاؤں؟

دفتر کے بلکہ مافیا کے تمام کارندوں سے میرا تفصیلی تعارف ہو چکا تھا اور مجھے ان میں سے کئی کے نام بھی یاد ہو چکے تھے لیکن جو بے تکلفی سینڈو کے ساتھ تھی، کسی اور کے ساتھ نہیں تھی اس لیے میں نے اسی کو اپنے دفتر میں بلوا لیا۔

"تمہارے آدمیوں میں جو سمجھدار ہو، اسے ائرپورٹ روانہ کر دو۔" میں نے سیٹھ حبیب سے ملا ہوا رقعہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اس نمبر کے جہاز کے بارے میں معلوم کرنا ہے آیا کراچی پہنچا ہے یا نہیں اور اگر پہنچا ہے تو کب پہنچا ہے؟ کہاں پارک کیا گیا ہے؟ اس سے آنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ وہ لوگ کب تک واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ مجھے یہ ساری متعلقہ معلومات جلد از جلد درکار ہیں۔"

"میں حامد کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ سرکاری دفاتر میں لوگوں سے مل بیٹھنے میں خاصا ماہر ہے۔ وہ پورا کھوج نکال لے آئے گا۔" اس نے رقعے کے مندرجات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ حامد وہی تو نہیں جو ہماری درآمدی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

سینڈو کی آنکھوں میں حیرانی تیر گئی۔ "تم حیرت ناک تیزی کے ساتھ ہمارے تنظیمی ڈھانچے کے بارے میں جانتے جا رہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے اوپر آنے والا مجھ سے بہتر صلاحیتوں کا مالک ہے۔"

"یہ گھِسا پِٹا خوشامدانہ جملہ تیسری بار مجھے سُنا رہے ہو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ طے ہو چکا ہے کہ میں ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہوں۔ دو فیصد فرق کا اعتراف تو تم نے خود ہی کیا تھا۔ اس لیے اس طے شدہ بات کا بار بار دُہرانا فضول ہے۔"

"آیندہ احتیاط رکھوں گا۔" میری تادیب پر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگیا۔

"میں فوری طور پر معراج دین کی گوشمالی کا ارادہ رکھتا ہوں تاکہ اسے اس قدر مفلوج کر دوں کہ چند ہفتوں تک وہ میرے خلاف کسی مہم جوئی کا خیال اپنے دل میں نہ لا سکے۔"

"میرے لیے جو حکم ہو، میں حاضر ہوں۔"

اس کے سعادت مندانہ جواب پر میں چڑ گیا۔ "بولو گے تو رائے زنی، تعریف اور تنقیص کرو گے ورنہ کا ہے الّو کی طرح کھوپڑی ہلاتے رہو گے۔ میں نے تمھیں مطلع نہیں کیا ہے بلکہ اس معاملے میں تمھاری رائے مانگی ہے۔ جو کچھ ذہن میں آتا ہے کھل کر کہتے چلے جاؤ۔"

"وہ تمھیں ڈی ڈی یا دلدار آغا کا نشانہ سمجھ کر جہانگیر کے گھر پر چڑھ دوڑا تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد دھیمی آواز میں کہا۔ "اسے پیغام بھجوا دو کہ اب تم مافیا کے ساتھ آملے ہو تو اس کا سلا جوش اور غصہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔ ویسے بھی پچھلی رات کے مقابلے میں اس نے خاصا نقصان اُٹھایا ہے۔ تمھارا پیغام ملنے کے بعد وہ دوبارہ اِدھر کا رُخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ میری عقل ذرا موٹی ضرور ہے لیکن تمھاری دعاؤں سے شہر میں میرے آدمیوں کی ایک دھاک اور ساکھ قائم ہے۔"

"یہ مردانگی کے خلاف ہوگا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی بچہ اپنے حریف سے مار کھانے کے بعد اپنے ماموں کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے اور اپنے حریف سے کہے کہ اب تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میرے ماموں تیرے دانت توڑ دیں گے۔ اس قصّے کو میں مافیا کا نام درمیان میں لائے بغیر اپنے طور پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ باز نہ آیا تو پھر کچھ سوچیں گے۔"

"پھر تو اسے اس کے گھر میں گھس کر مارنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔ اس نے اپنے اڈّے کو ناقابلِ تسخیر قلعہ بنایا ہوا ہے جس کے گرد اس کے آدمی دن رات پہرا دیتے ہیں۔"

"تو پھر تیاری شروع کر دو۔ ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

میری بات ختم ہو جانے پر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ اس کے چہرے سے تذبذب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہہ ڈالو! میں بُرا صرف احمقانہ اور خوشامدانہ باتوں کا مانتا ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر اس کی حوصلہ افزائی کی نیت سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"عجائب گل خان اُدھر گیا تھا اور دن دہاڑے مارا گیا۔" اس نے بظاہر کوئی لمبا اسٹارٹ لیا تھا۔ "اس علاقے میں دن کے وقت بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے اور عام لوگوں میں مل کر کسی دشمن کا ان کے ٹھکانے تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے دن میں ماجے کے گُرگے چوکنے رہتے ہیں اور اس راستے پر آنے والے ہر مشتبہ یا نئے شخص پر اس وقت تک نظر رکھتے ہیں، جب تک کہ وہ اڈّے کے قریب سے گزر کر راستے کی دوسری جانب نہ نکل جائے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غیر محتاط ہو جاتے ہوں گے۔ ان میں چرسی اور نشے باز بھی ہیں جو رات ہوتے ہی ٹھرّے کا لوٹا پی کر اوندھے ہو جاتے ہوں گے۔ اگر ہم رات کا پروگرام رکھیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

میں نے ایک لحظے کے لیے اس کے مشورے پر غور کیا پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "رات کو انھیں بھی ہم پر گولیاں چلانے کی آزادی ہوگی۔ دن کو بھیڑ بھاڑ میں وہ کسی ایک آدمی کو تو تاک کر نشانہ بنا سکتے ہیں لیکن ہمارے غول کے سامنے ان میں سے کوئی نہیں رکے گا۔ تم تیاریاں کر لو لیکن ہم شام کو دُھندلکے کے وقت اپنی کارروائی کا آغاز کریں گے۔ وہ لوگ تمھارے آدمیوں میں سے کس کس کو پہچان سکتے ہیں؟"

"تم جانتے ہو کہ اپنی دانست میں تو ہر ایک پُراسرار بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن زیرِ زمین دنیا میں ایک دوسرے سے کچھ کہے یا پوچھے بغیر ہر ایک جانتا ہے کہ کون کس کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ماجے کے آدمی ہم سب سے ہی اچھی طرح واقف ہوں گے۔ اگر وہ ہماری ٹولی میں سے کسی کو بھی نہ پہچان سکے تو یہ اُن کی صریح بدقسمتی اور نااہلی ہوگی۔"

"اپنی شناخت کے بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو احتیاطاً سب لوگوں کے لیے نقابوں کا بندوبست کر لینا۔ آج میں ماجے کا دماغ درست کرنا چاہتا ہوں۔"

"ڈی ڈی کی موت کے بعد اس کا سر کچلنا ضروری ہوگیا ہے۔" اس نے حسبِ عادت پھر تبصرہ کر ڈالا لیکن اس بار میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

بُرا یا بھلا، وہ جو کچھ بھی تھا اسے اس کی فطرت اور عادتوں کے ساتھ قبول یا مسترد کرنا تھا اور اس مرحلے پر، خصوصاً سیٹھ حبیب کی غیر حاضری میں مافیا کے کاروبار کو چلانے کے لیے سینڈو کا ساتھ ہونا ناگزیر تھا ورنہ میرا کامیابی سے آگے بڑھتا ہوا مشن وہیں ناکام ہو سکتا تھا۔

اسی وقت مجھے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ویرا کے ایئر پیس میں ہلکی سی تھرتھراہٹ کا احساس ہوا جو ایئر پیس آن مگر آواز بالکل بند ہونے کی وجہ سے کال سگنل موصول ہونے کا اشارہ تھا۔

"ٹھیک ہے، تم جا کر تیاری کرو، باقی باتیں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے اسے وہاں سے رخصت کرنے کی نیت سے کہا اور وہ فوراً ہی واپس لوٹ گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی میں نے اپنے جیکٹ کی جیب سے ایئر پیس گھما کر تھوڑی سی آواز کھولی تو لحظہ بھر بعد ہی ویرا کی آواز سُنائی دی جو مجھے کال کر رہی تھی۔

میں اس کال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ٹرانسمٹنگ بٹن کی طرف بڑھتی ہوئی، میری انگلی ایک اضطراری خیال کے تحت درمیان میں ہی رک گئی۔

پچھلی رات جہانگیر کے گھر پر ہونے والے خونریز تصادم کے دوران میں وہیں سے ویرا سے کئی بار ٹرانسمٹر پر بات ہوئی تھی۔ ویرا سمجھ رہی تھی کہ میں جہانگیر کے پاس مقیم تھا اس لیے اُس کے اس تاثر کو ختم کرنے کی نیت سے میں نے، مقابلہ ختم ہو جانے کے بعد، جہانگیر کے گھر سے میلوں دور، فیڈرل بی ایریا جا کر ایک ویران میدان سے ویرا کو ٹرانسمٹر پر کال کی تھی اور اس کے لوکیشن فائنڈر کے ذریعے اسے یہ دھوکا دینے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ میں اسی علاقے میں مقیم تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکی تھی کہ میں نے صرف اسے دھوکا دینے کے لیے اتنی دور آنے کی زحمت کی ہوگی۔

اگر میں اس وقت ویرا کی کال کا جواب دے دیتا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کیونکہ ٹریڈ لائن کا دفتر جہانگیر کے گھر سے بہت دور بولٹن مارکیٹ کے مصروف کاروباری علاقے میں واقع تھا لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اس بار بھی ویرا سے کسی اور جگہ کے بجائے فیڈرل بی ایریا سے ہی بات کی جائے تاکہ اسے میری کمین گاہ کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

اگر میں اس وقت اس کی کال کا جواب نہ دیتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ وقفے وقفے سے اس وقت تک مجھے کال کرتی رہے گی جب تک

میری طرف سے اُسے جواب نہ مل جاتا۔

"میں نے اسی وقت دفتر چھوڑ دیا اور وہاں سے تیز رفتاری کے ساتھ فیڈرل بی ایریا کے لیے روانہ ہو گیا چلتے ہوئے میں نے ٹیلی فون آپریٹر کو بتا دیا تھا کہ مجھے تھوڑی دیر بعد واپس لوٹ آنا تھا۔

دن کا وقت تھا اس لیے شہر سے واپس جانے والا ٹریفک خاصا کم تھا اس لیے مجھے اپنی تیز رفتار برقرار رکھنے میں دشواری پیش نہیں آئی لیکن فاصلہ طویل تھا اس لیے میرے قیاس کے عین مطابق راستے میں دو بار ویرا کی کال کا اشارہ ملا مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس علاقے میں پہنچ کر میں نے سیدھا اسی میدان کا رخ کیا جہاں ایک زیرِ تعمیر مکان کی اوٹ سے پچھلی رات ویرا سے بات کی تھی مگر مجھے دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ خنک ہواؤں میں بچے چمکتی ہوئی دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ شہر میں دلدار آغا کے برپا کرائے ہوئے بھیانک فسادات کے بعد شہر کے دوسرے حساس علاقوں کی طرح اس علاقے میں بھی زندگی کے معمولات درہم برہم سے نظر آتے تھے اور شاید اسکول بھی بند تھے کیونکہ تمام خالی گلیوں اور گزرگاہوں پر کھلاڑی بچے قابض نظر آرہے تھے۔

وہ صورت حال دیکھ کر میں لمحے بھر کے لیے چکرا کر رہ گیا اور مجھے اپنی وہ لمبی دوڑ رائیگاں جاتی ہوئی نظر آنے لگی مگر پھر فوراً ہی خیال آیا کہ فاصلہ کم ہوتا تو پوزیشن کی تبدیلی لوکیشن فائنڈر پکڑ سکتا تھا لیکن طویل فاصلے کی صورت میں پچیس، پچاس گز کا فرق زاویے پر بہت کم اثر انداز ہوتا اس لیے میں نے قرب و جوار میں کسی طرف ایسے پُرسکون ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی جہاں میں کسی کی نظر میں آئے بغیر ویرا سے ٹرانسمیٹر پر بات کر سکتا۔

آخر کار میں ایک مسجد کے زیرِ سایہ پُرسکون گوشۂ عافیت تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو چلا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ خانۂ خدا خالی تھا جو دو چار لوگ نظر آرہے تھے، وہ مسجد سے کنی کترا کر گزر رہے تھے کہ مبادا نادیدہ ہاتھ انھیں اندر، ان کے معبود کے حضور دھکیل دیں۔

میں نے اس سازگار ماحول میں جیب سے ایر پیس نکال کر کال بٹن دبا کر ویرا کے لیے پیغام نشر کیا اس وقت اچانک مجھے یاد آیا کہ بے دھیانی میں مجھ سے ایک سنگین حماقت سرزد ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میرا ایر پیس آن ہونے کی صورت میں ویرا مجھ سے بات کیے بغیر بھی میری پوزیشن کا اندازہ لگا سکتی تھی اور دفتر سے وہاں تک میرا ایر پیس آن رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرا میری لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی پوزیشن سے میرے سفر کا اندازہ کر چکی ہوگی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا تھا۔ البتہ ویرا کی گفتگو سے یہ نکتہ ضرور صاف ہو سکتا تھا۔

ویرا کی طرف سے میری کال کا فوری جواب ملا تھا "تم کہاں غائب تھے؟ میں کافی دیر سے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اوور۔"

اس کے پہلے ہی فقرے نے میری اُلجھن دور کر دی۔ اگر میرا ایر پیس آن ہونے کی وجہ سے اس کا لوکیشن فائنڈر کام کر رہا ہوتا تو مجھ سے میرے غائب ہونے کے بارے میں دریافت کرنے کے بجائے مجھے یہ بتاتی کہ وہ کافی دیر سے میری بدلتی ہوئی پوزیشن کا جائزہ لے رہی تھی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہاری کال کئی مرتبہ آئی تھی اس لیے میں نے جوابی کال کی ہے۔" میں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا "میری کیا ضرورت پیش آگئی تم کو؟ اوور!"

"اگر تمہارا کوئی آدمی میرا پیغام سن ہی رہا تھا تو اس نے جواب کیوں نہیں دیا؟ اوور۔" اس کی آواز سے چڑچڑا پن ظاہر ہو رہا تھا۔

"میں نے اپنے لوگوں کو اس ایر پیس کو چھونے تک سے منع کیا ہوا ہے؟ اوور۔"

"کیوں؟" اس کی غصیلی آواز اُبھری تھی۔ "مجھے پہلی بار ہی معلوم ہو جاتا کہ میرا پیغام تم کو مل جائے گا تو میں بار بار اپنا وقت ضائع نہ کرتی... اوور۔"

"تم سے ڈر لگتا ہے۔ تم غیر ملکی ہونے کے باوجود اُردو پر عبور رکھتی ہو۔ اپنی لچھے دار باتوں سے میرے کسی بھی آدمی کی زبان سے بہت کچھ اگلوا سکتی ہو۔ اوور۔"

"آدمیوں سے نہیں، اب تو تم سے ہی اگلواؤں گی۔" اس کی تلخ آواز سنائی دی۔ "میرا لوکیشن فائنڈر بتا رہا ہے کہ اس وقت ہم تم اسی پوزیشن پر ہو جہاں سے پچھلی بار بات کی تھی۔ پچھلی ریڈنگ کے مطابق میرے آدمی نے کراچی کے نقشے پر نشان دہی کی ہے تم فیڈرل بی ایریا کے ایک مخصوص علاقے میں مقیم ہو۔ بہت جا[illegible] میں تمہارے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں گی۔ اوور۔"

"میں بھی اتنا احمق نہیں ہوں ویرا بی بی!" میں نے اپ[illegible] حکمتِ عملی کی کامیابی پر دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہو[illegible] کہا۔ "آج میں نے دوسری بار محض اس خیال سے اسی مقام [illegible] تم سے بات کر لی کہ کہیں تمہیں مجھ سے کوئی ضروری کام نہ ہو ور[illegible] میں پہلے سے تہیہ کیے بیٹھا ہوں کہ تم سے ہر بار نئی پوزیشن [illegible] بات کروں گا تاکہ تم مجھ تک نہ پہنچ سکو۔ اگلی بار تم فیڈرل بی ایر[illegible] علاقے سے کال کر کے میرے بلاک نمبر کا اندازہ لگا لو گی اور [illegible] کوششوں میں میرے ٹھکانے تک پہنچ جاؤ گی۔ اگر تم مجھ پر لو[illegible] فائنڈر کا راز فاش نہ کرتیں تو شاید میں دھوکے میں مارا جاتا [illegible] اب میں اس داؤ میں نہیں آسکتا اس لیے ان فضول باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ مجھے کیوں کال کی تھی؟ بے مقصد گپ شپ کرنی ہے تو میں بعد میں بات کروں گا۔ اوور۔"

"اس وقت کیا مصروفیت ہے؟ اوور!" وہ مجھے چڑانے پر تُلی ہوئی تھی۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تمہیں اب ایسے نجی سوالات زیب نہیں دیتے۔ اوور۔"

"اوہ! میں بھول ہی گئی تھی کہ بڑی مدت کے بعد غزالہ تمہارے ہاتھ لگی ہے۔" اس نے میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "اور تم دونوں آج کل جوانی کی راتیں اور مُرادوں کے دن گزار رہے ہو گے... ویسے تم بہت بے مروّت ہو۔ کم از کم غزالہ سے ہی میری بات کرا دو۔ اوور۔"

"وہ تم سے اس قدر بدظن ہے کہ کبھی تم اس کے سامنے آگئیں تو وہ تمہارا مُنہ نوچ لے گی اس لیے اس سے بات کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اوور۔"

"دفع کرو اسے۔ مجھے بھی اس سے بات کرنے کا کوئی ایسا شوق نہیں ہے۔ میں تو اس سے ماضی کی زیادتیوں پر معذرت کرنا چاہ رہی تھی۔ اب وہ اپنی ایسی تیسی میں جائے۔ وہ تو میرا مُنہ بعد میں نوچے گی، اسے یہ بتا دینا کہ میں اس کی ایسی چیزیں نوچوں گی کہ وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ اوور۔"

"اس بکواس کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے غُراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہی اول فول بکنا ہے تو میں سلسلہ منقطع کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"یہ تو میرا لاڈ پیار تھا۔ کام کی بات اب شروع ہوگی۔" اس کی آواز یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے شی سے بغاوت کیوں کی ہے؟ اوور۔"

اس کا یہ سوال بہت عجیب تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اسے سچی بات نہیں بتا سکتا تھا۔ شی کے خلاف میری مہم کی ابتدا صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ میں پاکستان کی حدود میں ان کی گھناؤنی سرگرمیوں سے نفرت کرنے لگا تھا اور انھیں یہاں سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا جبکہ ویرا یہ سمجھتی رہی کہ میں شی سے باغی ہونے کے بعد انتقامی جذبے کے تحت اس تنظیم کو بھاری نقصانات پہنچا کر اسے نیست و نابود کرنا چاہتا تھا اس لیے ہر ملک اور شہر میں، میں تاک تاک کر ان کے مفادات اور اثاثوں کو نشانہ بنا تا رہا تھا۔

"یہ ریاضی کا کوئی پیچیدہ سوال نہیں ہے جو تم اپنے ساتھ میرا بھی وقت برباد کر رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ تم مجھے فنا کرنے پر تلی ہوئی ہو اور میں تم لوگوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے پر تُلا ہوا ہوں۔ کل تک تم میرے ساتھ تھیں لیکن آج مجھے دغا دے کر اپنی اصلیت کی طرف لوٹ چکی ہو... اوور۔"

"لیکن اب میں دُشمنی ختم کر کے دوستی کا پیغام لائی ہوں تو تمہیں ہتھیار نیام میں ڈال لینے میں کیوں شرم آرہی ہے۔ تمہاری انا کے لیے تو یہی اعزاز کافی ہونا چاہیے کہ شی جیسی تنظیم تم سے سمجھوتے کی خواہش مند ہے۔ تم جانتے ہو کہ شی نے اپنے غداروں کو ہمیشہ بھیانک سزائیں دی ہیں۔ اوور۔"

"میری دانست میں معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ دوستی برابری کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہاتھی اور چیونٹی میں تو دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میری ذات سے تمہارے باپ یا شی کو خاصے نقصانات اُٹھانے پڑ رہے ہیں اس لیے وہ ہر قیمت پر میرا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ دُشمنی سے بات نہیں بنی تو اب تمہیں دوستی کا سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تم سے دوستی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ایک بار پھر شی کی غلامی قبول کر لوں۔ کچھ عرصے تک مجھے بہلایا جائے گا اور پھر اچانک مجھے بے بس کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ میں دیدہ و دانستہ اپنی شہ رگ تمہارے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔ اوور۔"

"تم اسے شی کی غلامی سمجھتے ہو تو ایک درمیانی راستہ بھی ہے۔ تم ہمیں بھول جاؤ، ہم تمہیں بھول جائیں گے۔ اس طرح تم سکون کی زندگی گزار سکتے ہو۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم اکیلے ہو اور شی ایک خوفناک ہزار پا بَلا کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ تم اس سے لڑتے لڑتے اور بھاگتے بھاگتے تھک جاؤ گے۔ ضروری نہیں کہ تمہارا ہر بار مجھ ہی سے سامنا ہو۔ میری جگہ جو بھی آیا، وہ بے رحمی کے ساتھ تمہارا پیچھا کر کے تمہیں بُری طرح تھکائے گا اور پھر ایک دن تمہارا شکار کر لے گا۔ اوور۔"

"یہ بات میں بہت پہلے سمجھ چکا تھا۔ باہر میں اپنے غول سے بچھڑا ہوا تھا۔ پاکستان لوٹ کر مجھے وقت اور وسائل میسّر آگئے ہیں، اب میں اکیلا نہیں ہوں۔ پچھلی رات کا تلخ تجربہ تمہیں یاد ہوگا۔ کم از کم پاکستان کی حد تک میں تمہارے خلاف ایک ایسا مضبوط گروہ کھڑا کر دوں گا کہ یہاں سے تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے۔ پاکستان میں شی کے ہر بڑے کو دلدار آغا جیسے بھیانک انجام کا سامنا کرنا ہوگا۔ اوور۔"

"مجھے کچھ اُڑتی اُڑتی خبریں ملی ہیں کہ شی کے ساتھ یہاں مافیا بھی زور پکڑ رہی ہے اور وہ لوگ بھی تم سے معاہدہ کرنے کے لیے پَر تول رہے ہیں؟ اوور۔"

ویرا کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ غالباً اس کی ساری

تمہید کا نچوڑ ہی یہ سوال تھا۔ اس نے اپنی دانست میں بڑی چالاکی دکھائی تھی کہ براہ راست کچھ پوچھنے کے بجائے لمبی چوڑی گفتگو کرکے یہ منطقی سوال میرے سامنے لائی تھی۔

”تمھاری خبروں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں“، میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”مافیا والے آتے ہیں تو انھیں آنے دو میں ان کے بھی پرخچے اڑا دوں گا۔ اور آج میں تمھیں بتاتا ہوں ویرا کہ میں نے تم لوگوں کا گھناؤنا کھیل تمھاری صفوں میں رہ کر کھیلا اور دیکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ہیروئن کی تباہ کاریاں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ خشک اور سوکھے معدوں میں اترنے والا یہ زہر رگوں میں پھیل کر دماغ اور اعصاب کو تباہ کر ڈالتا ہے اور تم اسے پاکستان میں پھیلا رہی ہو۔ شی ہو یا مافیا، ویرا ہو یا دلدار آغا، جو بھی ہیروئن کے کاروبار میں ملوث ہوگا میں اسے بے دردی سے تباہ و برباد کر دوں گا۔ ہیروئن کے خاتمے کو اب میں نے اپنا مشن بنا لیا ہے۔ اوور...“

”میرا بھی یہی خیال تھا“، ایرپیس پر اس کی پرخیال آواز ابھری۔ ”مجھے آج اپنے ایک اہم سوال کا جواب مل گیا ہے۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ شی کے خلاف تمھارے جذبات میں مجنونانہ شدت کیوں ہے؟ ذاتی عناد میں کوئی قدم اٹھاتے ہوئے آدمی اپنی ذاتی سلامتی کو زیادہ عزیز رکھتا ہے لیکن تم بدترین حالات میں بھی مجھے بالکل بے خوف نظر آئے ہو جسے میں حماقت اور دیوانگی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دے سکتی۔ اصل بات یہی ہے کہ تم نے ایک مشن بنا لیا ہے اور مشنری ہمیشہ پاگل اور دیوانے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں تم سے مفاہمت کا امکان کم ہی ہے لیکن پھر صرف شی تمھارے انتقام کا نشانہ کیوں بن رہی ہے۔ ہمیں کچل کر تم ایک طرح سے نادانستہ طور پر مافیا کی راہ ہموار کر رہے ہو۔ وہ بھی بڑے پیمانے پر ہیروئن کا کام کر رہے ہیں۔ جب تم نے اپنے کام کو مشن ہی بنا لیا ہے تو صرف شی کے پیچھے کیوں لگے ہو؟ دوسروں کو بھی گھیرو! اوور۔“

”شی کی بدقسمتی یہ ہے کہ میں کافی عرصے تک اندر کا آدمی رہ چکا ہوں اور ان کے گھر گھاٹ سے واقف ہوں۔ اس لیے وہی میری زد میں آئے ہوئے ہیں۔ مافیا والوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس لیے وہ ابھی تک مجھ سے بچے ہوئے ہیں۔ جس دن وہ میری نگاہوں میں آگئے تو پھر میرے انتقام سے نہ بچ سکیں گے۔ میرے نزدیک گلیوں اور بازاروں میں ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والے مجرم نہیں ہیں۔ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے اس لعنتی کام میں ملوث ہوتے ہیں۔ میں یونیورسٹی کے ایسے کئی طالب علموں سے ڈیل کرتا رہا ہوں جنھوں نے اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے یا گھر کا کوئی کفیل نہ ہونے کی وجہ سے یا بہنوں

کی شادی کے لیے پیسہ کمانے کی خاطر یونیورسٹی میں ہیروئن کو متعارف اور رائج کرایا۔ ان کا مقصد صرف پیسہ کمانا تھا۔ وہ جبلّی طور پر مجرم نہیں تھے لیکن ان کی ضروریات نے انھیں مجرموں کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔ اس لیے اس سطح کے لوگوں کو میں کچھ نہیں کہتا۔ میری نظروں میں مجرم وہ ہیں جو ایسے مجبوروں کو یکجا اور منظم کرکے حرکت میں لاتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی سامنے آجائے، میں رنگ، نسل، زبان، مذہب، فرقے اور وطن کا لحاظ کیے بغیر اسے خاک و خون میں نہلا دوں گا۔ یہ میرا اپنی ذات سے عہد ہے اور آج تم سے وعدہ بھی... تم سے وعدہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تم نے مجھ پر شی کو ختم کرکے مافیا کے لیے راہ ہموار کرنے کا الزام لگایا ہے۔ میں تمھیں اتنا بتا دوں کہ میں نے ساری دنیا کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا ہے۔ میں صرف ان کا دشمن ہوں جو صرف میرے وطن کے گلی کوچوں میں ہیروئن کا زہر پھیلاتے ہیں۔ تمھارے مومن خان اور دوسرے قبائلیوں کے کارخانوں تک میری رسائی نہیں ہے جس کی وجہ سے میں ہیروئن کے پیداواری سرچشموں کو بانجھ نہیں کر سکتا اس لیے ایسے لوگوں کو میں اپنے ملک اور قوم کا محسن تصور کرتا ہوں جو ہیروئن کا ایک گرام بھی مقامیوں میں فروخت کیے بغیر باہر اسمگل کر دیتے ہیں۔ اوور۔“

اس سے گفتگو کے دوران میں فینڈر مرر میں اس شخص کا جائزہ لیتا رہا تھا جو ٹرک کی دوسری جانب کھڑا ہوا بڑی توجہ سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ شاید ویرا سے گفتگو کے دوران میرے لبوں کی جنبش اور اضطراری حرکات و سکنات نے اسے میری طرف سے شبہے میں ڈال دیا تھا اور میں اس کی طرف سے بے آرامی محسوس کرتے ہوئے گفتگو ختم کرکے جلد از جلد وہاں سے روانہ ہونا چاہ رہا تھا۔

”یہ تمھاری سنگدلی اور خود غرضی ہے ڈیئر!“ ویرا کی احتجاجی آواز سنائی دی ”مشنری بننا آسان ہے، اس منصب کو نباہنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ مشنری ہر ایک کا محسن اور مہربان ہوتا ہے۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو کہ یہاں ہیروئن بیچنے والے تمھارے دشمن اور یہاں سے اسمگل کرنے والے تمھارے محسن ہیں۔ کیا امریکی اور یورپی نوجوان تمھارے نوجوانوں کی طرح اپنی قوم کا بیش قیمت اثاثہ نہیں ہیں؟ اپنوں کو بچا کر تم دوسروں کو تباہی میں دھکیلنے کا عزم کرکے مشنری تو نہیں کہلا سکتے۔ اوور۔“

”میں نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا ویرا ڈارلنگ!“ میں نے آئینے میں اس شخص پر نگاہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لیے مختصراً یہ سمجھ لو کہ بیک وقت پوری دنیا کی اصلاح کا مشن ایک پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے۔ دوسروں پر خیرات گھر سے شروع ہونے والا محاورہ صادق آتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کو ہیروئن کے مہلک اثرات سے محفوظ کرنے کے بعد ہی میں سفید

چمڑی والے آقاؤں کے بارے میں کچھ سوچ سکوں گا۔ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ان گورے آقاؤں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ پاکستان میں تیار ہونے والی ہیروئن کی پاکستان میں ہی کھپت پیدا کی جائے تاکہ ان کے بچے اور جوان ہیروئن کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ میں بالکل باعمل نہ سہی لیکن مسلمان ہوں۔ ہم ایک تھپڑ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے فلسفے پر یقین نہیں رکھتے بلکہ تھپڑ کے جواب میں اتنی ہی شدت سے تھپڑ رسید کرنے کے قائل ہیں۔ جس دن اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو میں منصوبہ سازوں کے ہر گھر کو ہیروئن سے روشناس کرانے کو اپنا مشن بنا لوں گا۔ اس پر نہ تم کو اعتراض ہونا چاہیے نہ مجھے کوئی شرمندگی ہوگی۔ اوور۔“

”تم جو کچھ بکتے ہو اس کے لیے خود ساختہ دلائل پر انحصار کرتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں تم سے ایک بار مل لوں؟ میرے پاس ایسی معلومات موجود ہیں کہ تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ تم اپنے محافظوں کا حصار قائم رکھنا، میں تنہا آؤں گی اور وعدہ کرتی ہوں کہ اس میں کوئی سازش نہیں ہوگی۔ اوور۔“

”میں تھوڑی دیر بعد خود تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت میرے کچھ مہمان آگئے ہیں اس لیے میں ایرپیس آف کر رہا ہوں لیکن اتنا بتا دوں کہ اب میں نئی جگہ سے بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔“

ایرپیس آن کرتے ہی میں نے اپنی کار کا اگنیشن آن کرکے انجن اسٹارٹ کر لیا۔

مسجد کے سائے سے کار پیچھے ہٹتے ہی میری نگرانی کرنے والے نے آگے چلنا شروع کر دیا تھا۔ مگر میں کار گھما کر اسی سمت میں اس کے پاس رک گیا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ میں نے پسنجر سیٹ کا شیشہ گرا کر اس شخص سے سوال کیا جو میری اس دیدہ دلیری پر بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”پان لینے گلبرگ جا رہا ہوں۔“ اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

”اس گاڑی میں کیا نظر آگیا تھا جو آپ پان بھول کر پندرہ منٹ سے اسے گھور رہے تھے؟“ میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ سوال کیا۔

”مم... میں تو کچھ بھی نہیں گھور رہا تھا۔ تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ وہ میرے تیوروں سے گڑبڑا کر مدافعانہ انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے ہکلایا۔

مجھے شبہ تھا کہ کہیں وہ کوئی سرکاری اہل کار یا دشمن کا آدمی نہ ہو لیکن اس کے اضطراری ردِعمل سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بے چارہ ایک عام سا راہ گیر تھا جو میری کسی حرکت سے میری طرف متوجہ ہو گیا تھا ورنہ اس کا کوئی مخصوص ارادہ نہیں تھا۔

”چاہو تو آجاؤ، میں تمھیں گلبرگ اتار دوں گا۔“ میں نے اس شریف آدمی کو پیش کش کی۔

جواب میں اس کے حلق سے ایک ڈری ڈری، بے معنی آواز برآمد ہوئی اور اس نے اچانک پلٹ کر دوڑ لگا دی۔ غالباً میری پیشکش نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا کہ اگر وہ سیدھی طرح گاڑی میں سوار نہ ہوا تو میں اسے طاقت یا اسلحے کے بل پر زبردستی اغوا کر لوں گا۔ شہر میں دلدار آغا کے پھیلائے فساد کے بعد سے جو صورتِ حال چل رہی تھی اس کی روشنی میں بھاگنے والے کا خوف ایسا بے جا بھی نہیں تھا۔

فیڈرل۔ بی ایریا میں مجھے کوئی خاص کام نہیں تھا بلکہ میں صرف ویرا کو کال کرنے کے لیے ادھر آیا تھا اس لیے واپسی میں میں سیدھا ٹریڈلائن کے دفتر کی طرف ہو لیا۔ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں کم از کم ایک اہم بات یہ معلوم ہوگئی تھی کہ صرف میرا ایرپیس آن ہونے کی صورت میں ویرا کا لوکیشن فائنڈر کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی کارکردگی کے لیے دونوں طرف سے گفتگو کا ہونا ضروری تھا شاید سمت نما لہریں ٹرانسمیشن کے دوران آواز کی لہروں کے ساتھ ہی حرکت میں آتی تھیں۔

دفتر میں گیٹ پر کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر ٹیلی فون آپریٹر سے چوکیدار کے بارے میں استفسار کیا تو پتا چلا کہ پورے دفتر میں اس وقت آپریٹر کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ سینڈو سب کو سمیٹ کر عمارت کے رہائشی حصے میں لے گیا تھا اور آپریٹر سے کہہ گیا تھا کہ کوئی بھی فون آئے تو متعلقہ شخص کے باہر ہونے کا عذر کرکے صرف پیغام نوٹ کر لیا جائے۔

پیغامات میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ آپریٹر کو سینڈو کو بلانے کی ہدایت دے کر میں سیدھا اپنے دفتر میں چلا گیا۔ اندر گھستے ہی مجھے ایک شدید ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا اور میرے قدم دروازے پر ہی جم کر رہ گئے کیوں کہ میری کرسی پر بغیر گردن کا ایک قدِ آدم انسانی دھڑ نما ہیولا براجمان تھا۔

وہ منظر میرے لیے اس قدر غیر متوقع اور سنسنی خیز تھا کہ میں کئی ثانیوں تک اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ پھر میں نے اپنی میز کے قریب جا کر دیکھا کہ وہ ہوا سے پھولنے والا پلاسٹک کا ایک قدِ آدم پتلا تھا جس کی گردن کاٹ کر وہ حصہ کسی محلول سے جوڑ دیا گیا تھا تاکہ اس جگہ سے خول میں بھری جانے والی ہوا خارج نہ ہو۔ اس میں قدرے کم ہوا بھر کر ٹانگیں وغیرہ موڑ کر اسے میری کرسی سے ٹیپ کے ذریعے اس طرح چپکایا گیا تھا کہ دور سے اصل صورتِ حال کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

ٹریڈلائن مافیا کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی چھلاوا

بھی کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے دفتر تک رسائی حاصل کر سکے اگر کوئی آیا ہوتا تو آپریٹر مجھے ضرور بتاتی۔ اس کی لاعلمی کا مطلب تھا کہ کوئی خفیہ طور پر میرے دفتر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ویسے تو اس پُتلے میں ہوا بھرنے اور نکلنے کا سوراخ بھی ہونا چاہیے تھا مگر میں نے بروقت اپنے سگریٹ والے ہاتھ کو پلاسٹک کے خول میں سوراخ کرنے سے روکا اور ٹیپ اکھاڑ کر وہ پُتلا اسی حالت میں دُور اُچھال دیا۔

پُتلے کو دیکھ کر کوئی بچہ بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اصل کھلونے میں گردن سے اوپر چہرہ بھی موجود رہا ہوگا جسے کاٹ کر جُدا کر دیا گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ سر کٹا مجسمہ مجھے اپنے کسی حریف کی جانب سے وارننگ کی کھلی علامت کے طور پر نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذریعے مجھے یہ بتانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اگر میں نے اپنی سرگرمیاں ترک نہ کیں تو جس طرح وہ پُتلا میرے دفتر میں پہنچایا گیا تھا اسی طرح میرے دفتر میں یا شہر میں کہیں بھی میری گردن کاٹ کر دل و دماغ کے سارے رشتوں کو منقطع کیا جا سکتا تھا۔

سینڈوا اس پُتلے کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص ان لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر دفتر میں گھس سکتا تھا۔

”مگر یہ منحوس پُتلا تمھارے سامنے ہے۔“ میں نے اس کے بُشرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ”یہ یہاں کیسے آ گیا؟“

”اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ کوئی خطرناک دشمن ہماری راہ پر لگا ہوا ہے۔“ اس نے خوف زدہ نظروں سے اس آسیبی پُتلے کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”اندر کے سب آدمی میرے اعتماد کے ہیں۔ باہر سے یوں رازدارانہ طور پر کسی کا اندر آنا ناممکنات میں سے ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ یہ مجسمہ یہاں کیسے آیا؟“

”آنے والے کو اتنی مہلت دی گئی تھی کہ اس نے اس پُتلے کو بیٹھنے کے انداز میں میری کرسی کے ساتھ چپکایا ہوا تھا۔ اسے میں نے اکھاڑ کر دُور پھینکا ہے۔ تم نے دفتر سے اپنے تمام آدمی اندر، رہائشی حصّے میں کیوں بُلا لیے تھے؟ میرا خیال ہے کہ یہ کارروائی اسی دوران میں کی گئی ہے۔“

”میرے لیے یہ سب ناقابلِ فہم ہے۔“ وہ اُلجھن آمیز لہجے میں بولا۔ ”میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میرا کوئی آدمی اِس حرکت میں ملوّث نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی مجھے دیکھنا ہوگا۔“

”اِسے بہت باریکی کے ساتھ دیکھو!“ میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ”سانپ کے بل میں نیولے شکار کھیلنے لگیں تو سانپ کو خاموشی سے خودکشی کر لینی چاہیے۔“

”میں دیکھتا ہوں۔“ وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

”اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ دو بجے میرے آدمی پوری طرح تیار ہوں گے۔ تم جب چاہو، ہمیں ملجے کے اڈّے پر دھاوا بولنے کا حکم دے سکتے ہو۔ آج ہم اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔“

”اس کی اینٹیں بجانے سے پہلے اپنے کنکر بچانے کی کوشش کرو۔ کچھ پتا نہیں کہ پُتلے کی طرح ہم میں سے کس کی گردن پہلے کاٹی جائے۔ یہ دھمکی میرے ساتھ ساتھ تمھارے لیے بھی ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں۔“ اس نے جاتے جاتے کہا اور میرے کمرے سے نکل گیا۔ وہ منحوس، گردن زدہ پُتلا وہیں پڑا رہ گیا۔ میں نے کرسی چھوڑ کر اس کا ہوا کا سوراخ کھولا اور پھر جلتی ہوئی سگریٹ کا سرا لگا کر پُتلے پلاسٹک میں جابجا سوراخ کر دیے۔ پُتلے کی ہوا نکال کر میں نے اُسے چھوٹی سی تہ میں تبدیل کر کے ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

وہ ایک ناگہانی مرحلہ تھا جو درمیان میں حائل ہو گیا۔ اس سے نمٹتے ہی میں نے برقی سوئچ کی مدد سے اپنے کمرے کو مقفل کیا اور پھر ڈیرا سے رابطے کے لیے ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

”اوہ! تم تو شہر کے کسی دوسرے حصّے میں پہنچے ہوئے ہو اوور۔“ غالباً اس نے اپنے لوکیشن فائنڈر کا جائزہ لیتے ہوئے تحیّر زدہ آواز میں کہا۔

”عمل اور رفتار میں ہم آہنگی ضروری ہے۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا جو پورا کر دیا۔ اب تمھیں جو کچھ کہنا ہے، وہ جلدی سے کہہ ڈالو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اوور۔“

”تم کسی احمق دیہاتی کی طرح لُٹھ لے کر شی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو لیکن تمھاری ناک کے نیچے مافیا والے دن رات مونگ دَل رہے ہیں۔“ اس کی آواز بھی جذبات سے یکسر عاری تھی۔ ”ہمیں معلوم تھا کہ وہ یہاں سرگرم ہیں لیکن ان کے سربراہ کی ذات پوشیدہ تھی۔ اب پتا چلا ہے کہ وہ جرمنی کا ایک سزا یافتہ قیدی ہے اور اپنی جگہ، جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کو پھنسوا کر یہاں عیش کر رہا ہے۔ ہم شکل کی اچانک موت سے اس کا یہ راز فاش ہو چکا ہے۔ اگر تم اپنے مشن میں واقعی مخلص ہو تو اس کا سراغ لگاؤ۔ اس کی تلاش میں جرمنی سے خفیہ پولیس کا ایک افسر، ہربرٹ کارادیلی یہاں آیا ہوا ہے۔ تم اس سے بھی تعاون کرو گے تو ایک ہی جھٹکے میں یہاں سے مافیا کا صفایا ہو جائے گا...“

وہ بول رہی تھی اور میرا دماغ سُن تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دیا جائے۔ مافیا والے ان کے ہر راز سے واقف تھے اور ڈیرا مافیا کی اندر کی خبریں سُنا رہی تھی۔ دنیا اس وقت اتنی مختصر اور سکڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کہ کسی کی نظروں سے چھُپا کر کچھ کرنے کی کوشش ہی سرے سے بے سود نظر آ رہی تھی۔

اُن کے ہولناک نظم و ضبط اور معلومات کے ذرائع نے مجھے ششدر کر کے رکھ دیا تھا! اپنی دانست میں دونوں فریق پوری احتیاط کے ساتھ سنبھل سنبھل کر اپنی چالیں چل رہے تھے، رازداری کا پورا اہتمام کر رہے تھے لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے کی صفوں میں اس طرح گھُسے ہوئے تھے کہ دونوں کو اپنے حریف کی اندر کی خبریں معلوم تھیں۔ تھوڑی دیر پیشتر سیٹھ حبیب جیوانی نے ڈیرا کی پاکستان آمد کے بارے میں اپنے قوی شبہات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے ڈیرا کے جہاز کی ساخت کے ساتھ ہی اس کا رجسٹریشن نمبر تک دے دیا تھا اور اس وقت ڈیرا مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کی تلاش کی مہم پر پاکستان آئے ہوئے جرمن خفیہ پولیس کے افسر ہربرٹ کارادیلی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

لیکن اسی کے ساتھ مجھے حیرت تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بڑی بڑی خبروں سے واقف ہونے کے باوجود اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ میرے ان دونوں سے رابطے تھے اور میں ان شہ زور حریفوں کو ایک دوسرے سے بھڑا کر انھیں نڈھال کرا دینے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

”یہ دَور بہت بُرا ہے ڈینی!“ ڈیرا کی آواز اپر پیٹس پر سُنائی دے رہی تھی۔ ”تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے وطن اور ہم وطنوں سے محبت کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یاد رکھو کہ سائنس اور خاص طور پر مواصلات کے ذرائع کی بے پناہ ترقی نے ہر مقصد کے لیے جغرافیائی سرحدوں کو بے مقصد لکیروں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہر طرف صرف اور صرف طاقت کا راج چل رہا ہے۔ جو طاقت ور ہیں، وہ جب چاہتے ہیں مستحکم سرحدوں کو عبور کر کے کسی بھی ملک میں خونریزی اور افراتفری کا بازار گرم کر کے فاتحوں کی طرح واپس لوٹ آتے ہیں اور جو کمزور ہیں، وہ اپنے ملکوں، شہروں بلکہ گھروں تک میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تم نے پیغمبر اور مشنری کی بات چھیڑی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے پیغمبری کے دعوے سے اپنی برّیت ظاہر کر دی لیکن مشنری بن کر بھی تم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو۔ مشنری دوسروں کے لیے گالیاں اور پتھر کھاتا ہے بلکہ آج کے دَور میں تو شاید اسے گولیاں ہی کھانی پڑیں گی۔ شی یا مافیا میں آسمان سے اُترے ہوئے یا جہنم سے گرائے گئے لوگ کام نہیں کرتے۔ ان سب کا کاروبار تمھارے ہی سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہم وطنوں کے سہارے چل رہا ہے اور روز بہ روز فروغ پا رہا ہے۔ مشنری بن کر تمھیں سب سے پہلے اپنے ان خود غرض ہم وطنوں سے جاں گُسل مقابلہ کرنا پڑے گا۔ چند ہی دن میں تم چوکڑی بھول جاؤ گے۔ تمھارے یہ ہم زبان اور ہم نسل برندے ہی تم کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ وطن پرستی کا نشہ بہت گہرا ہوتا ہے مگر یہ تم جیسے سمجھدار آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ یہ سستے نعرے سیاست داں غریب اور اَن پڑھ لوگوں کو ورغلانے کے لیے ایجاد کرتے ہیں۔ جہاں ان کے مفادات پر نظر پڑتی ہے، یہ بلبلا کر وطن اور قوم پرستی کی دُہائی دینے لگتے ہیں اور بیسیوں جیالوں کو ایک ہی ہلّے میں ڈھیر کرا دیتے ہیں اس لیے یہ گھٹیا باتیں چھوڑ دو، کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو صرف اور صرف اپنے لیے کرو۔ اپنی ذات اور اپنے گھر کو مضبوط بناؤ۔ اسی کو اپنا وطن اور ملک سمجھو تاکہ تمھارا کوئی احمق پڑوسی تمھاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ تم سے میری بہترین دوستی رہی ہے۔ ہم نے خلوت اور جلوت میں اکٹھے رہ کر بہترین وقت گزارا ہے۔ اس لیے میں تمھیں یہ مخلصانہ مشورہ دے رہی ہوں اسے قبول کرنے میں عار محسوس کرتے ہو تو چند روز کے لیے مجھے بھول کر ہربرٹ کارادیلی کی مدد کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اس کام میں دلی خوشی محسوس ہوگی لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اسی کے ساتھ مافیا والوں کی شہ پر تمھارے اپنے ہم وطن افسر تمھارے خلاف فائلیں کھول لیں گے۔ مافیا چیف بچا رہے یا مارا جائے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ تم بہت جلدی اپنی زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کے امکانات پر غور کرنے لگو گے... اوور۔“ وہ اپنی گفتگو کے دوران میں کوئی قابلِ ذکر وقفہ دیے بغیر تسلسل کے ساتھ بولتی ہی چلی گئی۔

اس کی اثر انگیز مگر مکّارانہ گفتگو سُنتے ہوئے میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا اور آخر کار میں ایک اہم ترین سوال کا جواب پا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے ڈیرا کے جہاز کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا، یا ڈیرا نے ہربرٹ کارادیلی کے بارے میں جو کچھ کہا، ان دونوں باتوں کا تعلق بیرونِ پاکستان بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں مغربی دُنیا سے تھا۔ ایک خبر کا ماخذ اٹلی تھا اور دوسری کا جرمنی۔

اس کے برعکس وہ دونوں کراچی کی اہم خبروں سے بے خبر تھے۔ نہ ڈیرا کو یہ معلوم تھا کہ میں باقاعدہ مافیا سے مل چکا تھا اور نہ سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ اندازہ ہو سکا تھا کہ پچھلی رات اس کے آدمیوں کے ساتھ تصادم میں ڈیرا بنفسِ نفیس معراج دین عرف ملجے کے آدمیوں کی راہنمائی کر رہی تھی۔

ان واضح تضادات سے صرف ایک ہی سیدھا سادہ

نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ خاص طور پر یورپ میں ان دونوں جرائم پیشہ تنظیموں کے مخبری کے ذرائع حیرت ناک حد تک منظم اور ایک دوسرے کے خلاف مؤثر تھے جب کہ پاکستان میں اس میدان میں دونوں کی ہی کارکردگی مایوس کن تھی بصورتِ دیگر مجھے دونوں طرف سے شہ ملنے کے بجائے دونوں تنظیمیں میرے لہو کی پیاسی ہو چکی ہوتیں۔

"تمھاری تقریر خاصی دل پذیر تھی ویرا بے بی!" میں نے اس کے خاموش ہونے پر اس کا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔ "لیکن تم خود مجھے سمجھداری کا تمغا دے چکی ہو اس لیے یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکتی کہ میں اپنے جسم میں صرف اپنی آنکھوں کی حفاظت کروں اور دوسرے اعضاء کو ہر قسم کی تباہی کے لیے کھلا چھوڑ دوں۔ میں ابھی صاحبِ اولاد نہیں ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ اگر آج میرے پڑوسیوں کے بچے کھلے بندوں ہیروئن پئیں گے تو کل میرے بچے بھی اس موذی نشے سے نہیں بچ سکیں گے اس لیے تم مجھ پر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پسپائی کی منصوبہ بندی کرو۔ تمھارے خلاف کامیابی حاصل کرنے میں مجھے شاید دیر تو ہو سکتی ہے لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہوگی... اوور!"

"ہربرٹ کار اوپلی سے تعاون نہیں کرو گے؟" اس کی طنزیہ آواز ابھری "معلوم ہوتا ہے کہ مافیا والوں سے تمھارا کوئی گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ اوور!"

"تم میرے سامنے ہو اس لیے مخاطب تمھی کو کرتا ہوں لیکن میری دشمنی تمھارے پورے قبیلے سے ہے۔ میں دیکھوں گا کہ مافیا چیف کی بیخ کنی کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں... اوور۔" میں نے اس کے طنزیہ لہجے پر تاؤ کھائے بغیر پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں تمھیں ایک بار پھر بتائے دیتی ہوں کہ تم اپنے ان ہم وطنوں کے لیے یہ مصائب جھیل رہے ہو جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ذرا سی بھی رواداری باقی نہیں ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ ہاتھی مرتے مرتے بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ دلدار آغا نے اپنی مکمل شکست کو گلے لگانے سے پہلے اپنی مکاری سے کام لے کر تمھارے اس شہر میں بسنے والوں کو بھوکے کتوں کی طرح کتنی آسانی کے ساتھ آپس میں لڑوا دیا تھا۔ تم نے اسے مار دیا لیکن اس کی سلگائی ہوئی آگ کی چنگاریاں مہینوں تمھیں اپنا رنگ دکھاتی رہیں گی... اوور!"

"ایسی تنگ نظری کی باتیں نہ کرو ویرا!" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "دلدار آغا جیسے بے ضمیر لوگ صرف یہاں نہیں ہوتے۔ کمینے لوگوں کے معاملے میں تمھارا ہر ترقی یافتہ معاشرہ بھی نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ ایسے لوگوں کو رنگ دار معاشروں میں برآمد بھی کر سکتا ہے... اوور!"

"کیا مجھ پر کیچڑ اچھال رہے ہو؟ اوور۔" اس کی برہم آواز ابھری۔

"میں ایک عام سی بات سمجھا رہا تھا۔ تم اپنے بارے میں اتنی حساس کیوں ہو گئی ہو؟ ویسے یہ تو حقیقت ہی ہے کہ تمھارے وطن میں تمھارا کام آگے بڑھانے والوں کی خاصی تعداد پل رہی ہے جب ہی تم کو یہاں آ کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر آزمانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ دلدار آغا جہنم واصل ہو چکا ہے لیکن تمھارے مقدر نے یاوری کی تو مجھے یقین ہے کہ تم یہاں جلد ہی اس کا کوئی ہم زاد پیدا کر لو گی... اوور!"

"ظاہر ہے کہ میں اسی خلا کو پُر کرنے کا بندوبست کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تم سے جو ہو سکے، وہ کر لو مگر تم میرا راستہ نہیں روک سکو گے۔ اوور!"

"اور نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکو گی۔ اوور!" میں نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب تم جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔" اس کی تادیبی آواز گونجی "جس دن تم نے فیکٹری کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی کی اسی دن سے جہانگیر کے بدن کی ہڈیوں میں ڈرل مشین سے سوراخ ہونے شروع ہو جائیں گے... اوور!"

"تم نے بدعہدی کی ابتدا نہ کی تو میں اس زہریلی عمارت کو بھولا رہوں گا۔ میں تمھاری مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں اس لیے امید ہے کہ یہ دو طرفہ معاہدہ برقرار رہے گا۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ "ویسے تم مجھ سے ملنے کے لیے کب آ رہی ہو؟ اوور!"

"تمھارے دماغ میں لچک نہیں رہی ہے اس لیے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" اس کی آواز یک بیک مضمحل ہو گئی "تم سے تو اب جلد ہی کسی اور انداز میں ملاقات ہوگی۔ اوور!"

"چلو! میں اس وقت کا بھی انتظار کر لوں گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے اپریٹس آف کر دیا۔

میں نے یک طرفہ طور پر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا لیکن ویرا سے ہونے والی بات چیت کی بنا پر میرے ذہن میں بہت واضح سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

پاکستان میں ہیروئن اور ناجائز اسلحہ کے فروغ کے لیے شی کی منظم جدوجہد کو بہت قریب سے دیکھ کر مجھے ان لوگوں سے نفرت سی ہو گئی۔ چند برس پرانی بات تھی کہ پاکستان میں عام لوگ ہیروئن کے موذی نشے کے وجود تک سے باخبر نہیں تھے۔ شوقین مزاج نوجوانوں کی آشنائی بس اس ہیروئن سے تھی جو فلمی پردے پر اپنی اداکارانہ صلاحیتوں اور قلابازیوں کے جوہر دکھاتی تھی۔ ان دنوں مزدور طبقے کے محروم اور ناآسودہ لوگ مشقت کی چکی پیسنے کا دکھ بھلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ چرس کا نشہ کرتے تھے جس کا استعمال آسان نہیں تھا کیوں کہ سگریٹ کے تمباکو کے ساتھ سلگتی ہوئی چرس کی تیز بو دور تک پھیلتی تھی اس لیے لوگ آزادانہ طور پر اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ کونوں کھانچوں میں دبک کر اور عام شہریوں سے چھپ کر چرس پیتے تھے۔ ان دنوں شی بھی چرس کے کاروبار میں ملوث تھی۔ پھر شی کے بڑوں نے ایک منظم سازش اور منصوبے کے تحت پورے شہر سے چرس غائب کرا دی۔ اس ہولناک قحط کی وجہ سے عادی نشے بازوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ چند روز تک وہ سفاکانہ خلا برقرار رکھنے کے بعد شہر میں یک بیک ہیروئن کے ہوش ربا سفوف کی ننھی ننھی پڑیاں چرس فراہم کرنے والے اڈوں سے مفت تقسیم کی گئیں۔ چرس کو ترسے ہوئے نشے بازوں نے ہیروئن کو چرس سے سو گنا بہتر پایا کیوں کہ اس نشے کا پہلا ہی کش انھیں نئے جہانوں کی سیر کرانے لگا تھا۔ پھر ہیروئن کی مانگ پیدا ہوتے ہی اس کے واجبی دام مقرر کر دیے گئے جو مانگ بڑھنے کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھتے چلے گئے اور یوں ہیروئن ایک اجنبی جنس ہونے کے باوجود پاکستان کی سرزمین میں مضبوطی سے پنجے گاڑتی چلی گئی۔

اس نشے میں نہ بو تھی نہ کوئی مخصوص ذائقہ لیکن سرور ہر نشے سے ہزاروں گنا زیادہ ملتا تھا اس لیے ہیروئن مزدور اور نچلے طبقے سے نکل کر متوسط اور خوشحال لوگوں میں بھی مقبول ہونے لگی پھر مجبور طلبا کے سہارے اسے درسگاہوں اور جامعات میں متعارف کرایا گیا۔ ہیروئن وہاں بھی نئی نسل کے سر پر چڑھ کر ناچی اور فیشن سے ہوتے ہوئے وبائی عادت کی صورت اختیار کر گئی۔ میں نے وہ سارے مراحل بچشم خود دیکھے تھے بلکہ ان گھناؤنی کارروائیوں میں شی والوں کا مؤثر ترین آلۂ کار بنا رہا تھا۔

اس وقت تک میں شی کے آدرش سے واقف نہیں تھا۔ میں اسے چرس، ہیروئن اور دوسری منشیات کی تجارت کرنے والے مجرموں کا ایک منظم اور مضبوط گروہ سمجھتا تھا۔ لیکن ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہونے کے بعد میں نے درپردہ ان کے مفادات کو زک پہنچانا شروع کر دی لیکن میرا وہ دُہرا کردار زیادہ دن نہ چل سکا اور مجھے کھل کر ان کے سامنے آنا پڑ گیا۔

میں نے پاکستان سے ہیروئن کے سدِباب کو اپنا مشن بنایا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں جوش کے عالم میں سنگلاخ زمین چھوڑ کر دلدل میں جا گھسا تھا جہاں میں لمحہ بہ لمحہ اندر ہی اندر دھنستا جا رہا تھا۔

شی کی مخالفت مول لے کر میں نے بہت جارحانہ انداز میں ان کو ہر طرح نقصان پہنچایا تھا۔ پاکستان میں ان کی قابلِ رشک تنظیم کے چیتھڑے اڑا دیے تھے۔ ان کے اہم کاروباری اور مواصلاتی اڈوں کو تباہ کیا تھا، پاکستان سے فرانس تک، کئی مقامات پر ان کے غیر قانونی بارودی ذخائر کو نیست و نابود کیا تھا لیکن دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اتنی بڑی کارروائیاں کرنے کے باوجود مجھے بے فکری کے چند لمحے میسر نہیں ہو سکے تھے۔ مجھے ہر آن غنیم کی طرف سے کسی ناگہانی اور مہلک حملے کا خوف لاحق رہتا تھا جس کی وجہ سے میرے اعصاب پر برا اثر پڑ رہا تھا کیوں کہ عملاً میں ہر وقت حالتِ جنگ میں تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میری غفلت کا پہلا لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ بن سکتا تھا۔ اسی دفاعی فکر اور اعصابی تناؤ کی وجہ سے میں نے مافیا والوں کی طرف سے دوستی کی پیش کش قبول کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ان کی نچلی صفوں میں رہ کر میں اپنے سازشی حربوں کے ذریعے انھیں شی سے بھڑا دوں گا اور جب دو مست سانڈ آپس میں لڑتے ہیں تو مفتوح وحشی کی موت کے ساتھ ہی فاتح بھی گھنٹوں اپنے پیروں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں رہتا۔

مگر مافیا میں صورتِ حال غیر متوقع طور پر تیزی کے ساتھ بدلتی جا رہی تھی۔ میں درمیانی سطح پر کام دکھانے کا ارادہ کر کے سیٹھ حبیب جیوانی سے ملا تھا لیکن ناگزیر حالات کی وجہ سے مافیا کی مقامی سطح پر سربراہی کا بوجھ میرے کندھوں پر آ پڑا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس وقت دونوں میں سے کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ میں کس کے ساتھ تھا اور میری وفاداریوں کا محور کیا تھا لیکن ویرا کو میرے ماضی کی بنا پر اتنا یقین ضرور تھا کہ میں اس کے باپ کے خلاف سرگرمِ عمل تھا جس کا تازہ ترین شاہکار دلدار آغا تھا۔

ویرا کی پاکستان آمد سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ اس ملک کی زرخیز پیداواری منڈی شی کے بڑوں کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی جس سے وہ آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے اور اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے اپنا مطیع دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ایسی ذلت آمیز صلح سے میرے انکار کی صورت میں یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے بے رحمی کے ساتھ میری گردن کاٹ دینے پر تل جاتے۔

معاً میرے ذہن میں ہوا سے پھولنے والا وہ گردن کٹا پتلا ابھر آیا جو تھوڑی دیر قبل میری کرسی پر موجود تھا اس کا خیال آتے ہی میرے بدن میں سرد جھرجھریاں سی دوڑ گئیں۔

اس منحوس اور پُراسرار پتلے کے ذریعے دیا جانے والا پیغام بہت واضح تھا۔ وہ جو بھی تھا اتنی طاقت اور صلاحیت کا مالک تھا کہ میرے اس مضبوط اور محفوظ دفتر میں کوئی پتلا پہنچانے کے بجائے میری ہی کرسی پر میرا سر قلم کر سکتا تھا۔

وہ کون ہو سکتا تھا؟ یہ ایک گمبھیر سوال تھا جس کا جواب تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

میں سیٹھ حبیب جیوانی کا قریبی حلیف تھا اس لیے اس کی طرف سے دھمکی کا خیال بعید از قیاس تھا۔ دوسرا نام ویرا کا تھا لیکن اس سے چند ثانیے قبل میں بات کر چکا تھا۔ مافیا چیف کی کمین گاہ تو دُور کی بات تھی، وہ تو اس کی اصلیت سے بھی لاعلم تھی اور اپنی راہ صاف کرنے کے لیے مجھے مافیا چیف کے خلاف ہربرٹ کارادیلی کی مدد کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

پتلے کے سلسلے میں فوری طور پر کوئی تیسرا نام میرے ذہن میں نہیں آسکا مگر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا کی پاکستان آمد میرے لیے مصائب کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ دلدار آغا کی طرح اپنے وسائل میں محدود رہنے پر مجبور نہیں تھی۔ جب بھی چاہتی مخبری اور سراغ رسانی کی وہی تمام سہولتیں پاکستان میں درآمد کر سکتی تھی کہ جن کے سہارے جمی لائیڈ اٹلی میں رہتے ہوئے بھی چوکنڈی کے ویرانے کی نگرانی کرنے پر قادر تھا۔

معاً میرے ذہن میں خیال کوندا کہ اس آدم قد پتلے پر کہیں کوئی پیغام درج نہ ہو جس سے اسے پہنچانے والے کی ذات اور اس کے مقاصد پر روشنی پڑ سکے۔ میں نے اضطراری طور پر ردی کی ٹوکری سے تہ کیا ہوا وہ پتلا نکال کر میز پر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

میں نے رنگین پلاسٹک کی پتلی سی نرم پرت سے ڈھلے ہوئے آدم قد مجسمے کے ہر انچ کا گہری نظر سے جائزہ لے ڈالا لیکن اس پر ہوا کے سوراخ کے نزدیک پلاسٹک میں ابھرے ہوئے ننھے حروف میں کمپنی کے نام اور ساختہ جاپان کے الفاظ کے علاوہ کچھ دریافت نہیں کر سکا۔

جھلاہٹ میں میں نے اس پتلے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس عمل کے دوران میں پھاڑے گئے ٹکڑوں میں سے کوئی چیز میری گود میں سے ہوتی ہوئی قالین پر گری اور میں تباہ حال پتلے کو چھوڑ کر بے ساختہ اسی طرف متوجہ ہو گیا۔

قالین پر میرے قدموں میں کاغذ کی ایک چھوٹی سی نلکی موجود تھی جو کسی ورق کو بل دے کر بنائی گئی تھی۔ اس نلکی کو کھولتے ہوئے بات میرے ذہن میں آ گئی تھی کہ اس پُراسرار پیغام کو ہوا کی نلی کے ذریعے اس پتلے میں داخل کرنے کے لیے کاغذ کو چٹکی میں بل دے کر نلکی میں تبدیل کیا گیا تھا۔

'اب تم سربراہ ہو۔ آنکھیں کھلی رکھو۔ یہ پتلا میں نے پہنچایا ہے تاکہ اسے بنیاد بنا کر تم ماتحتوں پر اپنی گرفت مضبوط کر سکو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ عمارت محفوظ اور تمھارا کمرا محفوظ تر ہے۔ اِدھر آنے والا خود ہی فنا ہو جاتا ہے۔ پیغام پڑھ کر اس کاغذ کو نذرِ آتش کر دینا۔ تم نے جب مجھے رِنگ کیا تو میں دفتر میں موجود تھا لیکن میں نے دانستہ ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔ میں تمھیں مضبوط اور پُراعتماد دیکھنا چاہتا ہوں۔'

بے اختیار میرے دہانے سے ایک گہری سانس آزاد ہو گئی۔ سادے کاغذ پر بال پین سے عجلت سے لکھا گیا وہ پیغام یقیناً میرے ہی لیے تھا۔ نیچے لکھنے والے کا نام موجود نہیں تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ سیٹھ حبیب جیوانی کی تحریر تھی۔

اگر میں نے اپنی کوشش سے پتلے میں وہ پیغام تلاش کیا ہوتا تو مجھے خوشی ہوئی ہوتی لیکن اس وقت وہ پیغام میری جھلاہٹ کے نتیجے میں غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا اس لیے مجھے سیٹھ حبیب جیوانی پر غصہ آنے لگا کہ اس نے وہ پیغام پتلے کے اندر کیوں ڈالا تھا؟ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں وہ رقعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔ اگر وہ کاغذ میرے ہاتھ نہ لگتا تو حبیب جیوانی سے اگلی ملاقات یا گفتگو ہونے تک پتلے والا معاملہ میرے ذہن کو بچھو کی طرح ڈستا رہتا اور میں نہ جانے کن خطوط پر سوچ کر کچھ غلط فیصلے کر بیٹھتا۔

میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور اسی دیا سلائی سے کاغذ کو آگ دکھا دی۔

کاغذ کے راکھ بننے تک حبیب جیوانی پر میرا غصہ تیزی سے سرد ہوتا چلا گیا۔ اس امر میں شبہ نہیں تھا کہ مافیا کا چیف ہونے کے باوجود اس نے اپنے گروہ میں جس طرح میری پذیرائی کی تھی وہ انداز کسی کے لیے بھی باعثِ اعزاز ہو سکتا تھا۔ شاید اس نے میری ذہانت سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لی تھیں اور سمجھ رہا تھا کہ پتلا مل جانے کے بعد اس پر پوری طرح غور و فکر کیے بغیر اسے ضائع نہیں کروں گا اور اسی غور و فکر میں میں اس پیغام تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

غلطی میری تھی کہ میں نے ٹھنڈے دماغ سے پوری صورتِ حال کا ادراک کرنے کے بجائے جھلاہٹ اور اشتعال کا عقل دشمن مظاہرہ کیا تھا۔

میرے دفتر میں اس پُراسرار پتلے کی موجودگی کی پیچیدہ گتھی سلجھ جانے کے بعد میرا ذہن دوسرے معاملات کی طرف بھٹک گیا جن میں سرِفہرست سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔

پچھلی رات ویرا سے جاز فارماسیوٹیکل کے بارے میں معاہدہ ہونے کے بعد میں نے بھانپ لیا تھا کہ شی کے لیے اس فیکٹری کی کوئی خاص اہمیت تھی۔ ہارمونیم کیپسولز کے ذریعے ہیروئن ملک سے باہر اسمگل کرنے کا معاملہ تو میرے علم میں آ چکا تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ اسی فیکٹری کے کسی خفیہ حصے میں افیم سے بیش قیمت ہیروئن بھی کشید کی جاتی رہی ہو۔

اس فیکٹری کے رازوں کو بے نقاب کرنے کی نیت سے سلطان شاہ نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ایک دن آرام کرنے کے بعد وہ حسبِ معمول فیکٹری جانا شروع کر دے گا۔ اسے جاز فارماسیوٹیکل کے مزدوروں کی بھیڑ میں گھسنے کا جو موقع مل گیا تھا اسے وہ گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی تجویز پر میں نے بھی کسی منفی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا کیوں کہ ویرا کی طرف سے سلمٰی اور جہانگیر کی سلامتی کو جاز فارماسیوٹیکل سے منسلک کیے جانے کے بعد خود میرے ذہن میں بھی اس فیکٹری کے رازوں کے بارے میں تجسس پیدا ہو چکا تھا۔

مگر اس وقت مجھے احساس ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کا فیصلہ غلط تھا۔ دوبارہ فیکٹری کا رُخ کر کے وہ کسی بڑی پریشانی سے بھی دوچار ہو سکتا تھا۔ دلدار آغا مارا جا چکا تھا۔ پولیس والے اس لاوارث فیکٹری کے عملے کے ساتھ من مانا رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اگر شی کے لیے اس فیکٹری کی ذرا بھی اہمیت اور افادیت باقی تھی تو ویرا پولیس والوں کو وہاں کھلی چھوٹ نہیں دے سکتی تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی بہروپ میں خود فیکٹری کا انتظام سنبھالے گی اور اس وقت تک باقاعدگی سے وہاں کے معاملات میں دخیل رہے گی جب تک اسے کوئی کام کا آدمی نہیں مل جاتا۔

سلطان شاہ کی موجودگی میں ویرا کا وہاں پہنچنا تصور سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیوں کہ وہ سلطان شاہ کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اسے وہاں دیکھتے ہی وہ اپنی رائے قائم کر لیتی کہ میں نے اس سے فیکٹری سے دُور رہنے کا معاہدہ توڑ کر سلطان شاہ کو تخریبی کارروائیوں کے لیے وہاں بھیجا تھا۔

وہ جتنی خوب صورت اور دل نواز دوشیزہ تھی اسی قدر سفاک بھی تھی۔ مجھے تلخ سبق دینے کے لیے وہ فوری طور پر سلطان شاہ کو بے بس کرا کے ہلاک کرا سکتی تھی اور اسی کے ساتھ وہ جہانگیر کے ساتھ بھی خونریز چھیڑ چھاڑ کا محاذ کھول دیتی۔ ایک بار یہ سلسلہ چل پڑنے کے بعد میں کسی بھی طرح اسے معاہدے کے بارے میں اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔

حالاں کہ ہمارے درمیان طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ سلطان شاہ کے آرام کا دن تھا اور اسے اگلے دن ڈیوٹی پر فیکٹری جانا تھا لیکن میں اسے فوری طور پر فون کرنے کی اپنی اضطراری خواہش نہ دبا سکا۔ سامنے کی بات تھی کہ شام کو گھر لوٹنے کے بعد میں اسے فیکٹری کا رُخ کرنے سے روک سکتا تھا مگر شاید میرے لاشعور میں کہیں یہ خیال بھی جما ہوا تھا کہ شام کو ماجے کے اڈے پر حملے کے دوران اگر میں زخمی ہو کر چند روز کے لیے بستر پر دراز ہو گیا تو تیر کمان سے نکل سکتا تھا۔ سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو پاتی کہ میرے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ وہ بے خبری میں فیکٹری جاتا اور اگر ویرا اسے وہاں دیکھ لیتی تو وہ بے خبری میں دھر لیا جاتا۔

میں نے اپنی ڈائریکٹ لائن پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو پہلی گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے سلمٰی نے ریسیور اٹھا لیا۔ پچھلی رات وہ بہت زیادہ تباہ حال نظر آ رہی تھی مگر اس وقت فون پر اس کی آواز میں تازگی رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ڈینی بول رہا ہوں۔ طبیعت کیسی ہے اب تمھاری؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"پچھلے کچھ دنوں سے تو روز ہی مر مر کر جینا پڑ رہا ہے۔"

اس کی آواز میں مایوسی کے بجائے صورتِ حال سے مفاہمت کا جذبہ جھلک رہا تھا۔ "اندھیرا پھیلتا ہے تو ہر طرف موت کے سائے سرسراتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو اپنی ذات سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اِس وقت میں خود کو بہت دلیر اور محفوظ تصور کر رہی ہوں۔ دیکھو رات کیسی گزرتی ہے؟"

"خوف یا خوشی!" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ "دونوں صورتوں میں اچھا خاصا آدمی شاعر ہو جاتا ہے۔ تم نے

اس صنف پر کبھی طبع آزمائی کی ہے؟"

"کیا تم شاعروں کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" خلافِ توقع ریسیور پر اس کی غصیلی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"میری کیا مجال کہ ایسی جسارت [illegible]ں۔ کسی نے ایک ہجو بھی لکھ دی تو پورے شہر سے منہ [illegible] [illegible]وں گا۔ میں تو تمہاری مبالغہ آرائی کی تعریف کر رہا تھا۔ مبالغے کے بغیر شاعری روکھی پھیکی اور سپاٹ محسوس ہوتی ہے۔ مگر تم کو شاعروں سے اتنا لگاؤ کب سے ہے؟"

"شاعروں سے نہیں، مجھے شاعری سے ہمیشہ سے لگاؤ ہے۔ اختر شیرانی کا کلام میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھتی رہی ہوں۔ ہزاروں اچھے اشعار مجھے زبانی یاد ہیں۔"

"شاید تم ناموں کی مماثلت سے دھوکا کھا گئیں۔" اس وقت سلمیٰ سے ہونے والی وہ ہلکی پھلکی گفتگو مجھے دلچسپ اور خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ "اختر شیرانی کے کلام میں تمہارا ذکر نہیں ہے۔ ان کی اپنی بھی ایک سلمیٰ ہوا کرتی تھی جس سے دل لگا کر وہ بدنام ہوتے رہے تھے۔"

"مجھے نہ پڑھاؤ۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "شاید تمہیں علم نہ ہو کہ شادی سے پہلے میری ہی فرمائش پر جہانگیر نے وہ کلام پڑھا تھا اور میرے سامنے موقع بے موقع سلمیٰ سے دل لگا کر بدنام ہو رہا ہوں، گنگناتے رہتے تھے۔" پھر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی تھی۔ "وہ بھی کیا دن تھے؟ ہر دن جو گزر جاتا ہے ایک یاد بن کر دل میں اپنی کسک چھوڑ جاتا ہے۔ جو آج اچھی نہیں لگتی، ماضی کی یاد بن کر وہ یادگار ہو جاتی ہے۔ اب ان باتوں کو ختم کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اس وقت تم نے واقعی مجھے حیران کر دیا ہے۔" میں نے اس کے آخری سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی خوب صورت گفتگو کا ذوق رکھتی ہو گی۔ کتنی پیاری بات کہی ہے تم نے کہ آج کبھی حسین نہیں ہوتی لیکن کل بن کر وہی آج نہ صرف حسین نظر آتی ہے بلکہ یادگار بن جاتی ہے۔ عورت میں اتنی سمجھ ہو تو وہ واقعی پرستش کے قابل ہوتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ سے مایوس ہو گئے ہو، جبھی مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس کی تلخ آواز نے مجھے بھونچکا کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری سیدھی سادی گفتگو کو وہ اچانک ایسا نازک موڑ دے بیٹھے گی۔

"میری بات کا غلط مفہوم نہ لو!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مسز جہانگیر کی حیثیت سے میں تمہاری کتنی عزت کرتا ہوں۔۔۔"

"لیکن اس وقت مسز جہانگیر کے بجائے سلمیٰ کی بات ہو رہی تھی۔" وہ قطع کلام کرتے ہوئے بولی تھی۔ "شاید گفتگو کی روانی میں تم اپنا وہ خول برقرار نہ رکھ سکے جو تم نے جہانگیر کے خوف سے اپنے اوپر منڈھا ہوا ہے۔ حالاں کہ میں ہمیشہ تم سے دوستی کی خواہاں رہی ہوں۔ کاش! مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ میری نیم شاعرانہ گفتگو تمہارے دل کے بعض خفیہ تاروں کو چھیڑ سکتی ہے تو۔۔۔"

میں نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔ "جہانگیر سے میں کبھی خوف زدہ نہیں رہا سلمیٰ۔۔۔ میں ہمیشہ سے تمہارا احترام کرتا ہوں اس لیے کبھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھا ورنہ میں کبھی اس کے بارے میں سوچ سکتا ہوں جب کہ غزالہ کی الگ ہی کہانی ہے۔ تم اس سے اپنا موازنہ نہیں کر سکتیں۔ تم جہانگیر کے بچے کی ماں بننے والی ہو اور اس کی امانت دار ہو جب کہ غزالہ ایک بلا عنوان کہانی ہے۔"

"احترام کی بات نہ کیا کرو۔" اس کی آواز سے ہلکا سا تنفر جھلک رہا تھا۔ "عورت کے احترام کا منظر اور انجام میں ایک مدت تک بہت قریب سے دیکھتی رہی ہوں۔ عورت صرف احترام کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ محبت اور چاہت کی پیاسی ہوتی ہے۔ محبت نہ ملے تو وہ دیوانی ہو جاتی ہے۔"

"کس کی بات کر رہی ہو؟" میں نے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"میری ایک خوب صورت اور دھان پان سی کزن ہے جو بدقسمتی سے ذرا قبل از وقت ہی بالغ ہو گئی تھی مگر اس کے گھر والے اس تبدیلی کے مضمرات کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ پھر اس بدنصیب پر اس کے شہ زور فطری جذبے غالب آنے لگے تو کسی نے اس کی ضروریات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے ہمیشہ گڑیوں اور کھلونوں سے بہلانے کی کوشش کی گئی جس کے نتیجے میں ایک بار اس پر ہسٹیریا کا شدید دورہ پڑا۔ اس کے گھر والے سہم گئے۔ سب کا خیال تھا کہ لڑکی پر کوئی جن آ گیا تھا کیوں کہ دورے کی حالت میں اس کی آواز اور لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی، جسم میں بلا کی توانائی حلول کر گئی تھی۔ ان جاہلوں نے طبی علاج کے کسی مشورے کو قبول نہیں کیا اور نام نہاد روحانی علاج پر تل گئے۔ لڑکی پر دوسرا دورہ پڑا تو اس کے کمرے میں عود و عنبر، لوبان اور اگر بتیوں کے سہارے فضا کو دھواں دھار بنا کر سارے گھر والے ادب اور احترام سے

لڑکی کے سامنے دو زانو ہو گئے۔ وہ بے چاری بلبلاتی اور تڑپتی رہی، گھر والے اس کا احترام کرتے رہے۔ آخر کار وہ کثیف، بوجھل دھوئیں کی یلغار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی۔ دورہ ختم ہونے کے بعد اسے ہوش آیا تو گھر میں سب کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ ہر فرد اس سے خوف زدہ ہونے کی حد تک اس کا احترام کر رہا تھا۔ حد یہ ہوئی کہ لوگ اس سے اپنے مقدر کا حال پوچھنے لگے۔ کسی نے اس کے باقاعدہ علاج پر توجہ نہیں دی۔ جب بھی اس پر دورہ پڑتا اس کے کمرے کو بھانت بھانت کی خوشبویات کے دھوئیں سے بوجھل کر دیا جاتا۔ آخر کار چند ہی ماہ میں گھر والوں کے اس بے پناہ احترام نے اسے ہمیشہ کے لیے پاگل کر دیا۔ وہ آج بھی زندہ ہے۔ اس کے گھر والوں کا خیال ہے کہ ان سے جن کی شان میں کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی جو احترام کے منافی تھی اس لیے روبینہ کا دماغ الٹ گیا ورنہ اس کی بدولت ان کے گھرانے کا مقدر بدل سکتا تھا۔

"یہ واقعی بڑے دکھ کی بات ہے۔" میں نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "مگر یہ ایک غیر معمولی کہانی ہے۔ احترام ہو یا محبت، انتہا پسندی کہیں بھی کامیاب نہیں رہتی۔ میری نگاہ میں عورت ہر لحاظ سے اس کائنات کی محترم ترین مخلوق ہے۔"

"روبینہ کی پوری کہانی قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے احترام کے لفظ سے چڑ ہو گئی ہے۔" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی۔ "اس لفظ کے حوالے سے میرے ذہن میں یہ تصور بس گیا ہے کہ جس کا احترام کرنا ہو اس کی فریاد، آواز، للکار یا پیغام پر کان دھرے بغیر اسے دن رات لوبان اور اگر بتیوں کی دھونی دکھاتے رہو۔ تم عورت کی بات کر رہے ہو، میں تو مذہب، آئین، قانون، وطن اور رشتوں کے احترام کی بھی یہی حالت دیکھتی ہوں۔ جب کسی کے احترام کا ذکر آتا ہے، میری آنکھوں میں خوب صورت اور معصوم روبینہ کی ویران آنکھیں گھوم جاتی ہیں جن میں ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ ہمارا احترام کب تک ہوتا رہے گا۔" وہ ایک لمحے کے لیے رک کر تلخ لہجے میں بولی تھی۔ "روبینہ کے حوالے سے مجھے تو اس لفظ میں دھمکی پوشیدہ نظر آنے لگی ہے۔ جس کو زک پہنچانی مقصود ہو اسی کا احترام کر ڈالو۔ اس ترکیب سے زیادہ تیر بہدف نسخہ میری نگاہ سے نہیں گزرا ہے۔"

"یہ بری بات ہے کہ تم شاعری جیسے لطیف موضوع سے اب فلسفے کی طرف آ رہی ہو۔" میں نے گفتگو کا رخ بدلنے کی نیت سے کہا۔ "یہ باتیں رات کو گھر پر ہوں گی۔ اس وقت تو میں نے تم لوگوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ جہانگیر کہاں ہے؟"

"رات کو وہ بہت زیادہ تھک گئے تھے۔ ابھی تک سو رہے ہیں۔" میری ترکیب کارگر رہی اور اس کا لہجہ اعتدال پر آ گیا۔ "اسی لیے تو میں کھل کر بات کر رہی ہوں ورنہ اب تک وہ میرے ہاتھ سے ریسیور لے چکے ہوتے۔ تم دونوں کے درمیان کچھ ایسا لگاؤ ہے کہ کبھی کبھی تو میں تمہیں اپنا رقیب سمجھنے لگتی ہوں۔"

"عورت ہو [illegible]" موڈ بحال ہوتے ہی میں نے اسے چڑانے کی کوشش کی۔ "ذرا ذرا سی بات کو اپنے دل پر لے لیتی ہو۔ رقابت ہم جنسوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مخالف جنسوں میں تو رفاقت ہی رفاقت ہوتی ہے۔ پتا نہیں تم میری اور جہانگیر کی دوستی سے کیوں چڑتی ہو؟"

"تم نہ میری رقابت کو تسلیم کرتے ہو نہ رفاقت پر آمادہ ہوتے ہو تو میں چڑنے کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں؟ میرے لیے تو تم ایک پہیلی بن کر رہ گئے ہو۔"

"میرا احترام کرنا شروع کر دو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں لوبان کے بغیر بھی گزارہ کر لوں گا۔"

"تھوڑی دیر پہلے پولیس اسٹیشن سے ایک گاڑی میں باوردی لوگ آئے تھے۔" آخر کار اس نے خود ہی کام کی بات چھیڑ دی۔ "سلطان شاہ ان سے ڈرائنگ روم میں ملا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ پولیس والے پچھلی رات کے رویے کی معذرت کرنے آئے تھے۔"

"ناقابلِ یقین سی بات ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سیٹھ حبیب جیوانی کے مراسم کی مضبوطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلمیٰ کو جواب دیا۔ "ذرا سلطان سے میری بات تو کراؤ۔"

"ذرا ہولڈ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں وہ کہاں مرا ہوا ہو گا۔ مجھے دیکھ کر یوں کتراتا پھر رہا ہے جیسے میں اسے کھا جاؤں گی۔" اس کی بیزار سی آواز سنائی دی۔

"وہ شرمندگی کی وجہ سے تم سے منہ چھپا رہا ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کی وجہ سے جہانگیر نے تمہاری خاصی دل آزاری کر ڈالی تھی۔ اس معاملے میں سلطان شاہ بہت حساس آدمی ہے۔"

"تم ہولڈ کرو! میں تمہارے حساس آدمی کو تلاش کرتی ہوں۔"

میرے لیے سلمیٰ کا کردار ابتدا ہی سے ناقابلِ فہم رہا تھا۔ وہ جہانگیر کے ساتھ ہوتی تو میاں بیوی کی معمول کی نوک جھونک سے قطع نظر

اس کی وفادار نظر آتی تھی لیکن علیحدگی میں اس کے دماغ میں کچھ اور محرکات رویہ عمل نظر آنے لگتے تھے جو میری دانست میں ان کی ازدواجی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے لیکن سلمیٰ کبھی بھی اپنی لاابالی حرکات کے نتائج کا صحیح ادراک کرتی ہوئی نظر نہیں آئی تھی۔ بظاہر اس ذہنی بے راہ روی کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کی شادی کے ابتدائی دنوں میں جہانگیر بخشی کا سرگرم کارندہ تھا اور اس نے اپنی آمدنی کے ناجائز ذرائع کو اپنی بیوی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا اس لیے وہ کبھی بھی اپنی مشتبہ اور وقت ناوقت نقل و حرکت کے بارے میں سلمیٰ کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا اس لیے ابتدا ہی میں ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی پیدا ہونے کے بجائے عدم اعتماد کا ذہنی خلا بڑھتا چلا گیا اور سلمیٰ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جو کم از کم میری حد تک ناکام رہی تھیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسز ڈی سلوا جیسی عورت سے دوستی رکھنے کی وجہ سے اس کے مراسم کی جڑیں کہاں تک اتری ہوئی تھیں۔

میرے کان سے لگے ہوئے ریسیور پر سلطان کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"تم سلمیٰ سے کیوں بھاگ رہے ہو؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا تھا۔

"جہانگیر اپنی خواب گاہ میں گہری نیند سو رہا ہے۔ سلمیٰ سے جتنی بار بھی میرا سامنا ہوا میں نے اسے ایسی نظروں سے اپنی طرف گھورتے ہوئے پایا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے۔" اس کی دھیمی اور شرمسار آواز سنائی دی۔ "تم جانتے ہو کہ میں عورتوں سے ویسے ہی دور بھاگتا ہوں سلمیٰ تمہارے دوست کی بیوی ضرور ہے مگر مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ کل سے میں فیکٹری جانے لگوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سلمیٰ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "کسی بھی مرد کی طرف سے خود کو نظر انداز کیے جانے کو وہ اپنی توہین سمجھتی ہے۔ اس سے بات چیت کر دیتا کہ اسے سمجھ سکو۔ فی الحال ان دونوں کو ہماری ضرورت ہے۔ ہم انہیں حالات کے حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم اب فیکٹری کا رخ نہیں کرو گے۔"

"یہ کیوں؟" میری ہدایت سن کر اس نے تحیّر زدہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کل رات ہم یہ بھول گئے کہ دلدار آغا کے بعد اب ویرا خود بھی لاوارث فیکٹری کا انتظام سنبھال سکتی ہے۔ وہ تمہیں اچھی طرح پہچانتی ہے اس لیے اب تمہیں اس چوہے دان سے دور رہنا چاہیے۔ اس مرحلے پر میں کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"پھر ہمیں فیکٹری کے اندر کی خبریں کیسے مل سکیں گی؟"

"فی الحال ہمیں فیکٹری کو بھولنا ہوگا۔ آج رات مجھے واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ یہ امکان بھی ہے کہ شاید میں واپس نہ آ سکوں۔ میری طرف سے کسی کو فکر مند نہ ہونے دینا۔ رات کو میں تنہا نہیں رہوں گا۔"

"تمہارے الفاظ سے خون کی بو آ رہی ہے کیا آج رات کم کارروائی کا ارادہ ہے؟"

"فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔" میری آواز غیر ارادی طور پر سخت ہوگئی۔ "میرے دوست اور ہمدرد میرے ساتھ ہیں۔ ان کی موجودگی میں شاید مجھے ہدایات جاری کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے لیکن برے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ بھٹکی ہوئی گولی کسی کو بھی چاٹ سکتی ہے۔"

"کیا ویرا سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہے ہو؟" میرے غیر واضح جواب نے اس کے تجسّس کو بھڑکایا۔

"براہِ راست نہیں بلکہ میں اس کے دستِ راست ماجے کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہ رہا ہوں۔ اسے جہنم داخل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ویرا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"ویرا کو ہی کیوں نہیں پکڑتے؟ چیلے چانٹوں کے بجائے گرو کا ہی قصہ تمام کرنے کی کوشش کرو کیونکہ اس کے بعد تو جمی لارڈ کو خود ہی یہاں آنا پڑے گا۔"

"مجھے ماجے کا اڈا معلوم ہے جبکہ ویرا کا ٹھکانا معلوم نہیں۔ وہ سامنے آ گئی تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔ فی الحال تو ماجے پر ہی قناعت کرنی ہوگی۔"

"تم مجھے کیوں کاٹ رہے ہو؟ میں بھی تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"مجبوری ہے۔ میں تمہیں مافیا والوں کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔" بات کرتے کرتے اچانک ہی مجھے ایک اور خیال آگیا۔ "اگر تم گھر سے نکل سکو تو تمہارے لیے بھی ایک کام موجود ہے۔"

"جلدی بتاؤ میں تو گھر سے باہر نکلنے کے لیے بہانے کی تلاش میں ہوں۔"

میں نے اسے مختصراً ہربرٹ کاراویلی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس کا کہاں قیام ہے؟ اس کے پاس کیا مواد ہے؟ اور اب وہ کس سمت پیش قدمی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"یہ کام میرے لیے دلچسپ ثابت ہوگا لیکن مجھے کم از کم کسی ایمرجنسی کے لیے اپنے دفتر کا فون نمبر تو دے دو۔ یہ میں اپنی ذات تک محدود رکھوں گا۔"

"ان نمبروں پر تم مجھ سے بلا تکلف بات کر سکتے ہو۔ یہاں میں ٹریڈ لائن کا جنرل مینیجر ہوں۔ میں موجود نہ ہوں تو تم پیغام چھوڑ سکتے ہو۔" میں نے اپنے فون نمبر نوٹ کرانے کے بعد کہا۔ "بس یہ دھیان رہے کہ کوئی اہم بات ہو تو ایکسچینج کے بجائے ڈائریکٹ لائن پر رابطہ قائم کرنا۔"

اس کال سے فارغ ہو کر میں نے سینڈو کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور وہ کسی سہمے ہوئے مجرم کی طرح سر جھکائے میرے روبرو آ کھڑا ہوا۔

"پتلے کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی؟" میں نے اسے بیٹھنے کی اجازت دیے بغیر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں چل سکا۔ مجھے اپنے آدمیوں پر مکمل اعتماد ہے۔ میری عقل کام نہیں کرتی کہ وہ پتلا کس نے یہاں پہنچایا ہوگا۔" اس کے چہرے پر چھائی ہوئی مردنی گہری ہوگئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اسے حکم دیا۔ "چہرے پر یتیمی طاری کر لینے سے ساری مشکلات حل نہیں ہو جائیں گی۔ جو کچھ ہوا ہے، تمہارے سامنے ہوا ہے۔ وہ پتلا میں اپنے ساتھ یہاں لے کر نہیں آیا تھا۔ اگر ہم سب کی لاعلمی میں کوئی شخص پتلا میری کرسی پر بٹھا کر واپس جا سکتا ہے تو یقین رکھو کہ کسی بھی لمحے یہ پوری عمارت اپنی مضبوط بنیادوں سمیت اڑائی جا سکتی ہے۔"

"تم یقین کرو باس کہ یہ واقعہ میرے لیے کسی ننگی گالی سے کم نہیں ہے۔" اس نے ندامت کے ساتھ سر جھکا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے میرے مقدر میں تمہارے سامنے صرف رُوسیاہی لکھی گئی ہے۔ ایک کام ٹھیک کرتا ہوں تو دوسرا خود بخود غلط ہو جاتا ہے۔۔!"

"مقدر کو کوسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "کسی نئی نویلی بیوہ کی طرح باتیں نہ بناؤ اور اپنے نظام کا بار بار جائزہ لو کہ خامی کہاں ہے اور اس کا سدِ باب کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جب تم اپنی ناکامی کا اعتراف کر لوگے تو میں خود دیکھوں گا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

میرے آخری فقرے پر سینڈو کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ ان الفاظ میں واضح طور پر اس کی معزولی کی دھمکی پوشیدہ تھی اور مافیا میں کام سے معزولی کا عام مفہوم جان سے محرومی ہی لیا جاتا تھا کیونکہ ایک بار اندر کا آدمی بن جانے کے بعد مافیا سے باہر کوئی زندہ نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

"اتنی اٹل بات نہ کہو باس!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا ماضی گواہ ہے کہ اپنی ذاتی کمزوریوں کے باوجود میں نے اپنے کام سے ہمیشہ انصاف کیا ہے۔۔!"

"اپنے کام سے انصاف کے صلے میں تم کو معاوضے کے ساتھ تعریفی کلمات بھی سننے کو ملتے رہے اس لیے پچھلا حساب بے باق ہے۔ اس کا حوالہ نہ دو۔ ہمیں کسی بھی فرد کی ضرورت کا فیصلہ اس کی موجودہ صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھ کر کرنا پڑتا ہے۔ ماضی کی بین بجانے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ میں تمہیں وقت کا پابند نہیں کر رہا لیکن یاد رکھنا کہ اب تمہاری کارکردگی پر ہر لمحے میری کڑی نگاہ رہے گی اور میرا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر ایک بار میری طرف دیکھا اور دوبارہ سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں اور کمرے میں ائرکنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی جیسے میری زبان سے فرمان امروز جاری ہوتے ہی اجل کے فرشتے نے اس کے عقب میں اپنی پوزیشن سنبھال لی ہو اور اگلے اشارے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سینڈو جیسے جفاکش کارکن کے ساتھ میرا بے رحمانہ سلوک خود میری نظروں میں ناروا تھا۔ پتلے کے اندر سے چیف کا پیغام برآمد ہونے کے بعد تو اس سختی کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا لیکن میری نظروں میں وہ سب چور اور گرہ کٹ تھے جن میں حدِ فاصل قائم کرنا محال تھا۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اتنا کہ شی والے بربادی کے زیادہ مستحق تھے۔ مافیا والوں کو بھی میرے زیرِ عتاب آنا تھا اس لیے اس کارِ خیر کی اسی وقت داغ بیل ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اگر خود مجھے سینڈو کی مدد اور حمایت کی ضرورت نہ ہوتی تو شاید میں اسی بہانے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ ہیروئن کی غیر قانونی تجارت میں ملوث جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ عام آدمیوں جیسا برتاؤ کرنا امن پرور شہریوں کے ساتھ بے انصافی کے مترادف ہوتا۔

"میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں باس!" سینڈو بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میز کے گرد گھوم کر اچانک میرے قدموں میں گر پڑا اور میری خودی اچانک ہی کچھ بلند ہوگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سینڈو نہیں بلکہ کوئی آدم خور درندہ تھا جو مجھے بھاڑ کھانے کے بجائے مجھ سے رحم کا طالب تھا۔ میں نے اسے اپنی ٹھوکر سے ہی پیچھے ہٹا دیا۔ "بزدلی مت دکھاؤ سینڈو! تم

جس پیشے سے منسلک ہوا اس میں موت سایہ بن کر ہمارا تعاقب کرتی ہے۔ موت سے دہشت زدہ ہونے والا کبھی اچھا کارکن نہیں بن سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا باس! ابھی تم ماجے کے اڈے پر جاؤ گے تو میری بے خوفی کے جوہر دیکھ لینا۔ میں دشمن کی گولی پشت کے بجائے سینے پر کھانا پسند کرتا ہوں لیکن اس موت سے پناہ مانگتا ہوں جو میری کسی لغزش کے نتیجے میں اپنوں کی طرف سے مجھ پر مسلط کی جائے۔"

"تیاریوں کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کرتے ہوئے سوال کیا اور سینڈو رعشے کے کسی مریض کی طرح لرزتا ہوا میرے قدموں سے اٹھ گیا۔

"سب تیار ہیں، میں بھی تیار تھا لیکن اب مجھے خود کو سنبھالنے کے لیے تھوڑا سا وقت درکار ہوگا۔ اس وقت میں اندر سے بری طرح ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہوں۔"

"تمہاری حالت اتنی ہی ابتر ہے تو آرام کرو۔ مہم کی قیادت میں خود کر لوں گا۔" میں نے اسے ایک اور جھٹکا لگایا جو اس کی برداشت سے باہر تھا۔

سینڈو تڑپ کر تقریباً چیخ پڑا۔ "نہیں باس! ابھی میرے بازوؤں میں اتنی جان ہے کہ میں اپنے بڑوں کی پشت پناہی کے ساتھ خود ہراول بن سکتا ہوں۔ تم یہ سعادت مجھ سے نہیں چھین سکتے۔ تم حکم دو تو میں ابھی اور اسی وقت روانہ ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

"جاؤ!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور آرام کرو۔ ہم ایک گھنٹے بعد روانہ ہوں گے۔ یہاں سے صرف دو گاڑیاں جائیں گی ان کی نمبر پلیٹیں بدلوا لینا۔ ابھی میں نہیں چاہتا کہ شی والوں کو اپنے مقابلے میں مافیا کے اترنے کی بھنک مل سکے۔ آدمیوں کے لیے نقابوں کے ساتھ ہی دستی بم بھی ضروری ہیں۔ دھوئیں کے بے ضرر بم پھینک کر ہم آسانی کے ساتھ اپنا راستہ بنا سکیں گے۔ پورے علاقے میں وسیع پیمانے پر خوف و ہراس پھیل گیا تو ماجے کا مخبری کا نظام آپ ہی آپ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے۔ اس کی حرف بہ حرف تعمیل ہوگی۔" اس نے گھگیا کر کہا۔

"درباریوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور جا کر آرام کرو۔ اب سے ٹھیک ایک گھنٹے بعد تم سے ملاقات ہوگی۔"

وہ مضمحل اور شکست خوردہ انداز میں میرے دفتر سے واپس چلا گیا۔ میں نے دیدہ و دانستہ جس بے رحمی سے اس کی انا کو لہولہان کیا تھا اس کے پیش نظر مجھے پورا یقین [illegible] اپنے وجود کو منوانے کے لیے وہ ماجے والی مہم میں شاید [illegible] کی بہترین کارکردگی دکھلانے کی کوشش کرے گا جو ہ[illegible] لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔

وہ علاقہ بہت زیادہ مصروف نہیں تھا کہ ٹریفک [illegible] میں گاڑیاں آگے بڑھانا محال ہوتا اور نہ ہی اتنا ویران [illegible] استعمال کیے بغیر بے خطر ڈرائیونگ کی جا سکے۔ پانچ آدمی کار میں تھے جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر سینڈو بذات خود تھا۔ اس کے پیچھے میری جیپ تھی جس میں میں ڈرائیور کے [illegible] والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور پچھلی نشستوں پر دو [illegible] محافظ موجود تھے جو کسی بھی صورت میں پل بھر میں حرکت [illegible] آ سکتے تھے۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا لیکن آسمان [illegible] ڈوبتے ہوئے سورج کی ہلکی سی روشنی موجود تھی جس کی [illegible] سے غبار آلود فضا کی دھندلاہٹ نہ صرف نظر آ رہی [illegible] بلکہ اس سے گھٹن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں اس[illegible] لیمپ روشن کیے جا چکے تھے مگر بیشتر سڑکیں تاریک تھیں۔ اس تاریکی میں کچھ حصہ متعلقہ اہل کاروں کی کسل مندی کا [illegible] کچھ کار فرمائی لوڈ شیڈنگ کی نظر آ رہی تھی۔ ایسے مقامات [illegible] صرف دکانوں سے پڑنے والی روشنیاں ہی ڈرائیوروں کی راہنمائی کر رہی تھیں ورنہ خستہ حال سڑک کے نشیب [illegible] اور گندے پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں سے گاڑی [illegible] نکال لے جانا محال ہو جاتا اور پیدل چلنے والے ادھر [illegible] ادھر نکلنے کی عملی تفسیر بن جاتے۔

ماجے کے اڈے سے ہو کر گزرنے والی سڑک کی [illegible] ڈیڑھ کلومیٹر تھی۔ وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا ہوا نہیں تھا [illegible] لیے ہمارے درمیان یہ طے پا چکا تھا کہ ماجے کے اڈے کی طرف آخری موڑ گھومنے سے ذرا پہلے سینڈو اپنی کار کے دونوں انڈیکیٹر بیک وقت روشن کر دے گا تاکہ ہم لوگ [illegible] ہو سکیں۔ اس مخصوص اشارے پر میری جیپ کی رفتار سست کر کے درمیانی فاصلہ بڑھا لیا جاتا اور پھر دونوں [illegible] یکے بعد دیگرے اس سڑک پر گھوم جاتیں جو سوئے مقتل [illegible]

اس راستے پر دونوں پارٹیوں کو اپنی ضروریات [illegible] مطابق آزادانہ کارروائی کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا [illegible] گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سڑک کی ایک سمت [illegible] ہیروئنچیوں سے بھرا ہوا ایک تاریک پارک [illegible] اور دو [illegible] متعفن نشیبی جوہڑ آتا تھا۔ اس مقام پر ہم میں سے ہر ایک کو اپنے چہروں پر ربر کے وہ نرم اور رنگین نقاب منڈھ لینے تھے جو فینسی ڈریس کے مقابلوں وغیرہ میں روپوشی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان نقابوں میں خاص بات یہ تھی کہ چلتی ہوئی کار پر نگاہ پڑنے کے باوجود کوئی شخص بادی النظر میں ان پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

گاڑیوں کا سفر جاری تھا اور میں اپنے ذہن میں آنے والے خونیں لمحات کے بارے میں نقشہ جما رہا تھا تاکہ شہر والوں میں سفید موت کے ہولناک جراثیم پھیلانے والوں کو سنبھالا لینے سے قبل ہی ان کی کمین گاہوں میں موت کے گھاٹ اتارا جا سکے۔

اچانک سینڈو کی کار کے دونوں عقبی انڈیکیٹر جلتے بجھتے نظر آئے اور میں اضطراری طور پر اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ تین بار اشارہ ہونے کے بعد وہ روشنیاں معدوم ہو گئیں۔ چند ثانیے بعد ہی سینڈو نے داہنی طرف مڑنے کا سگنل دیا۔ اس وقت میری جیپ اور اس کی کار کا درمیانی فاصلہ مناسب حد تک بڑھ چکا تھا اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دونوں گاڑیاں ایک ساتھ تھیں۔

وہ موڑ گھومتے ہی جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ سرخ ٹی شرٹ اور سیاہی مائل نیلی جینز میں ملبوس ایک اوباش قسم کا نوجوان ایک کیبن کے پہلو میں اپنی موٹر سائیکل کو کک لگا کر اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس کی نظریں سڑک پر جاتی ہوئی سینڈو کی کار کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے علاقے میں اپنے لوگوں کے درمیان تھا اس لیے اس وقت حد سے زیادہ خود اعتمادی میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر کوئی بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ نوجوان اپنی موٹر سائیکل پر سینڈو کی کار کے تعاقب میں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"رفتار کم کرو۔" میں نے دھیمی مگر سخت آواز میں اپنے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ "پہلے موٹر سائیکل والے کو نکل جانے دو پھر اسے درمیان سے نکلنے نہ دینا۔"

اس کی ساری توجہ سینڈو کی کار پر مرکوز تھی اس لیے اس نے مڑ کر ہماری رینگتی ہوئی جیپ کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی اور انجن اسٹارٹ ہوتے ہی گیئر ڈال کر چشم زدن میں سینڈو کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ میرے ڈرائیور نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

موٹر سائیکل سوار اس وقت پوری طرح جیپ کے ہیڈ لیمپس کی زد میں آیا ہوا تھا۔ سینڈو کی کار سے قریب ہوتے ہوئے اس کا بایاں ہاتھ جینز کی جیب کی طرف گیا اور اگلے ہی لمحے میں نے اس کے ہاتھ میں پستول کی جھلک دیکھی جو اس نے شاید حفظ ما تقدم کے طور پر نکالا تھا۔

وہ نوجوان میرا ہم وطن تھا۔ دوسروں کی طرح وہ بھی نہ جانے کس ماں کا لال تھا اور کس کس کی امیدوں کا مرکز و محور تھا مگر اپنی جیب سے پستول نکال کر اس نے اپنی شناخت ظاہر کر کے میرے شبے کی تصدیق کر دی تھی۔

وہ جو بھی تھا اس وقت میری نظروں میں یک بیک اپنی ساری افادیت کھو کر، معاشرے میں ہیروئن کی ترویج اور تبلیغ کرنے والوں کا نمائندہ بن کر رہ گیا تھا جو میری دانست میں بدترین سزا کے مستحق تھے۔ میں نے باہر کے مقابلے میں جیپ میں تاریکی ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے چہرے پر ربر کا رنگین انسانی نقوش والا نرم نقاب منڈھ لیا۔ میری دیکھا دیکھی ان تینوں نے بھی وہی کیا۔

"جیپ اس کے برابر میں لے جاؤ۔" میں نے اپنی گود میں رکھا ہوا بے آواز پستول سنبھالتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ میری لوڈ کی ہوئی کلاشنکوف میرے قدموں میں موجود تھی۔

جیپ کے انجن کی غراہٹ ذرا تیز ہوئی اور ایک ہی جست میں وہ موٹر سائیکل سوار کے پہلو میں پہنچ گئی۔ اس نوجوان نے مڑ کر غصے اور تنفر کے عالم میں جیپ کی طرف دیکھا مگر اس بدنصیب کو تاخیر ہو چکی تھی۔ اس وقت تک میرے ہاتھ میں موجود پستول کی نال ہارڈ ٹاپ جیپ کی کھڑکی سے نکل چکی تھی۔ میں نے ذرا بھی ملال کیے بغیر بلا توقف اس کے چہرے پر ہی فائر کر دیا۔ ٹریگر کے میکانیکی جھٹکے کی ہلکی سی آواز ہوئی اور موٹر سائیکل لہرا کر بائیں طرف جھکتی چلی گئی۔ وہ بدنصیب نوجوان میری گولی کھاتے ہی اچھل کر اپنی سیٹ سے نیچے گر چکا تھا۔

فائر کارروائی دھماکا نہ ہونے کے باوجود وہ منظر دیکھنے والے اضطراری طور پر چیختے چلاتے ہوئے زخمی کی طرف لپکے جو میری دانست میں چند ہی لمحوں میں آنجہانی ہونے والا تھا۔ اس کی طرف لپکنے والوں کا سارا ردعمل اس حادثے پر تھا۔ غالباً اس واقعے میں میرے کردار کا اندازہ کسی کو بھی نہیں ہو سکا تھا مگر پھر بھی لوگوں کا وہاں جمع ہو کر منظم ہونا میرے مفادات کے حق میں نہیں تھا اس لیے میں نے جھک کر پائیدان میں اپنی کلاشنکوف کے ساتھ رکھے ہوئے تھیلے میں سے دھوئیں کا ایک بم نکالا اور اس کی فیوز پن کھینچ کر اسے کھڑکی

میں سے باہر پیچھے کی طرف اچھال دیا۔

ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ فضا بُری طرح لرز اٹھی اسی کے ساتھ خوفزدہ لوگوں کی چیخ و پکار نے وہاں ایک گمبھیر سماں باندھ دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ پھٹنے والے بم سے خارج ہونے والے کثیف اور سیاہ دھوئیں کے بادل تیزی سے ہر طرف پھیل گئے تھے اندھیرے کی اس چادر میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن میرا دل مطمئن تھا کہ وہ ایک بے ضرر بم تھا اگر اس کا پلاسٹک کا خول پھٹنے سے کسی کو معمولی سی خراشیں آئی ہوں تو اور بات ہے ورنہ وہ مہلک ہرگز نہیں تھا۔

اس دھماکے کے نتیجے میں جائے وقوع پر جو کچھ ہوا تھا وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن خرابی یہ ہوئی کہ پُرشور دھماکے کے نتیجے میں ہمارے راستے پر نظر آنے والی متعدد گلیوں سے بھی بہت بڑی تعداد میں ہراساں مردوں، عورتوں اور بچوں کے غول کے غول اُمڈ پڑے تھے اور سب کا رُخ اُسی طرف تھا جہاں گاڑھے دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہونے کے بجائے زمین سے چند فٹ کی بلندی پر ہلکورے لے رہے تھے۔

بظاہر کسی نے ہماری گاڑیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ سب لوگ ایک اجتماعی اور اضطراری ردِ عمل کا شکار نظر آرہے تھے۔ دھماکے کی آواز اتنی بلند تھی کہ مجھے یقین تھا کہ ماجے کے اڈے پر بھی سنی گئی ہوں گی اس طرح ان لوگوں کو ہوشیار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔

اچانک ہی مخالف سمت سے دو موٹر سائیکلیں ہارن بجاتی ہوئی تیزی کے ساتھ نمودار ہوئیں۔ سڑکوں کے کناروں پر بھاگتے ہوئے لوگ انھیں خود بخود راستہ دے رہے تھے کیونکہ وہ دونوں کچھ چلا بھی رہے تھے۔ انھوں نے سینڈو کی کار کو نظر انداز کر دیا تھا پھر پہلا موٹر سائیکل سوار ہماری جیپ سے آگے نکلتا چلا گیا مگر دوسرا نہایت جارحانہ تیوروں کے ساتھ اچانک ہی موٹر سائیکل جیپ کے سامنے لے آیا۔ اگر ڈرائیور فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو تصادم ہونا یقینی تھا۔

اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک پیر زمین پر ٹکایا اور پھر پے در پے گالیاں دیتے ہوئے ہم سے جیپ کی چابیوں کا مطالبہ کرنے لگا۔ ہراساں لوگوں کی بھیڑ میں سے کچھ لوگ وہ تماشا دیکھنے کے لیے رک گئے۔ ہم لوگوں کی طرف سے کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر موٹر سائیکل سوار نے اپنی موٹر سائیکل بے پروائی سے وہیں سڑک کے وسط میں سائیڈ اسٹینڈ پر کھڑی کی اور پستول تان کر داداگیروں والے انداز میں ہماری طرف بڑھا تھا اسی کے ساتھ مجمع میں سے مارو پکڑو کی آوازوں کے ساتھ جیپ پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔

وہ بہت سنگین صورتِ حال تھی۔ ہمارے چہروں پر چڑھے ہوئے ماسک اس وقت تک اندھیرے میں پوشیدہ تھے لیکن قریب آ کر کوئی بھی ان کی اصلیت بھانپ سکتا تھا۔ مجھے بے اختیار دلاور کی وہ دُرگت یاد آگئی جو لیاقت آباد میں ایک مشتعل ہجوم نے بنائی تھی ہم ہو بہو اسی صورتِ حال سے دوچار تھے۔ ہماری گاڑی میں اسلحہ بھی موجود تھا اور ہم ہر اعتبار سے مشتبہ تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے خلاف لوگ خود بخود مشتعل نہیں ہوئے تھے بلکہ انھیں موٹر سائیکل سوار نے ہماری طرف متوجہ کرایا تھا جو واضح طور پر معراج دین عرف ماجے کا آدمی تھا جو دھماکے کا سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے اڈے سے اس طرف آیا تھا۔ غالباً اسے ہم پر شبہ ہو چکا تھا اور دھماکے کے بارے میں اپنی تحقیقات مکمل کرنے تک وہ جیپ کی چابیاں لے کر ہمیں اپنا مشتبہ قیدی بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ یہ سارے خیالات پلک جھپکتے میں میرے ذہن میں آ کر گزر گئے۔ اتنی دیر میں وہ اپنی موٹر سائیکل سے دو قدم آگے ہی بڑھ سکا تھا اور جیپ کی آہنی چادر پر پتھروں کی پہلی بوچھاڑ نے آہنی ترنگ بجائی تھی۔ اس وقت فیصلے کی ذرا سی تاخیر ہمیں ناقابلِ تصور دُشواریوں سے دوچار کر سکتی تھی۔

"چاروں طرف دھوئیں کے بم پھینکو!" میں نے دھیمی غراہٹ کے ساتھ کہا اور اچانک ہی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر پستول بردار داداگیر کے سینے پر فائر کر دیا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اسے بھرے مجمع میں اس طرح مار دیا جائے گا۔ گولی کھا کر وہ ایک کربناک چیخ مار کر سڑک پر گرا اور بُری طرح تڑپنے لگا۔ اسی لمحے جیپ کے اطراف میں یکے بعد دیگرے بموں کے کئی دھماکے ہوئے۔ کثیف دھوئیں کے بادلوں میں ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ اسی کے ساتھ آگے سے تیز فائرنگ کا شور گونجنے لگا۔

شاید سینڈو نے ہماری مخدوش پوزیشن کا اندازہ لگا کر بھیڑ میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ شروع کرا دی تھی جو نے ہمارے حق میں امرت دھارا کا کام دکھایا۔ یہ سب کارروائیاں کسی سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر پلک جھپکتے میں تقریباً بیک وقت رونما ہوئیں جس کے نتیجے میں تماش بین اپنی جانیں بچانے کے لیے بلبلاتے ہوئے بھاگ لیے اور ہم پر سنگ باری کرنے والوں کو فوری طور پر اپنا سر یاد آگیا۔ اس افراتفری میں ڈرائیور کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

پستول بردار شہدے کے ڈھیر ہوتے ہی اس نے جیپ آگے بڑھائی تھی اس کی ٹکر سے موٹر سائیکل اُچھل کر دور جا گری جیپ سڑک پر آگے نکلتی چلی گئی۔

"اکا دُکا بم پھینکتے رہو!" میں نے آگے کی گلیوں سے نمودار ہونے والوں کو تشویش آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ہوائی فائرنگ بھی شروع کر دو ورنہ انسانوں کا یہ سیلِ رواں ہمیں تنکوں کی طرح اپنی رَو میں بہائے جائے گا۔ ان کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک دھماکا ہوا اور پھر فضا سب مشین گن کے اعصاب شکن نغمے سے لرز اٹھی۔ سینڈو کی کار کے ساتھ ہی جیپ سے بھی ہوائی فائرنگ شروع کر دی گئی تھی۔

گلیوں سے لوگ اس طرح اُمڈے چلے آرہے تھے جیسے انھیں مشینوں سے ڈھال کر کھیپ در کھیپ باہر دھکیلا جا رہا ہو۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس علاقے کی آبادی اس قدر گنجان ہوگی۔ گلیوں سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چھوٹے چھوٹے کچے اور نیم پختہ مکانات میں رہنے والوں کو کھانے، کمانے اور بچے پیدا کرنے کے علاوہ کوئی دوسری مصروفیت میسر ہی نہیں تھی۔

سخت متعفن ہوا کے جھونکے سے اندازہ ہوا کہ ہم بدبودار جوہڑ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ دوسری جانب تاریک پارک تھا جہاں سینڈو کے بیان کے مطابق، دن رات ہیروئن پینے والوں کا راج رہتا تھا۔ ان مدہوشوں اور غافلوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ نہیں تھا ورنہ ہی جوہڑ میں سے کوئی مخلوق برآمد ہو کر ہماری راہ میں حائل ہو سکتی تھی اس لیے ہم نے اپنے اسلحے کا استعمال ترک کر دیا۔

اس سے آگے سڑک کے دونوں طرف ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔ کچھ فاصلے پر داہنی طرف ایک روشن عمارت نظر آرہی تھی جو علامات کے اعتبار سے ہماری منزل ہو سکتی تھی۔

پیچھے رہ جانے والے شور و غل کی اونچی بازگشت وہاں تک سنائی دے رہی تھی۔ ماجے کی راجدھانی میں بسنے والوں کے لیے غالباً وہ پہلا تجربہ تھا کہ اجنبی حملہ آور علاقے میں گھس کر دہشت گردی اور خونریزی میں کامیاب ہوئے تھے۔ ہم لوگ اپنی ابتدائی کوشش میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ماجے کے دو مخبروں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے خون میں نہلا دیا تھا اس لیے مزید کسی احمقانہ احتیاط کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اور جیپ سینڈو کی گاڑی سے تقریباً مل کر اس سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

ہم ماجے کے اڈے سے تقریباً سو گز دور رہ گئے تھے کہ سڑک کے دونوں طرف سے ہماری گاڑیوں پر گولیوں کی باڑھ ماری گئی اور سینڈو نے اضطراری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی جس کی میرے ڈرائیور نے بھی تقلید کی۔

میرے حساب سے وہ صورتِ حال خطرناک ہو سکتی تھی کیونکہ ماجے کے آدمی خطرہ بھانپ کر ہماری پیشوائی کے لیے اپنے اڈے سے باہر مورچا زن ہو چکے تھے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے ان کی گولیاں ہماری گاڑیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں البتہ سینڈو کی کار کا ایک پچھلا ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ سینڈو نے اس کی پروا نہیں کی تھی اور نہ ہی اپنی رفتار میں کوئی کمی آنے دی تھی۔ ہم معصوم اور بے گناہ شہریوں کے مسکن سے گزر کر مردم آزار بھیڑیوں کے خون میں آچکے تھے جہاں رحم، نرمی یا رعایت سے کام لینا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ ہم انھیں نہ مارتے تو وہ بے رحمی کے ساتھ ہمیں خاک و خون میں نہلا دیتے۔ اس لیے میں نے پھرتی کے ساتھ گرینیڈ اُٹھا کر دانتوں سے اس کی پن کھینچی اور وہ آہنی گولا اندازے سے اس طرف اُچھال دیا جدھر سے گولیاں چلائی گئی تھیں۔

میں وہاں ماجے کو تہس نہس کر دینے کا عزم لے کر آیا تھا تاکہ ویرا کو بے بسی اور تنہائی میں مبتلا کر سکوں۔ وہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا اس لیے ہم وہاں طویل مقابلے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میرا تجربہ تھا کہ آبادیوں میں اپنا گھناؤنا کاروبار چلانے والے علاقے کے لوگوں کی اجتماعی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عموماً ان کی ضروریات کے سلسلے میں فراخ دلی سے کام لیتے ہیں تاکہ طاقت سے خوفزدہ نہ ہونے والے لوگ مروّت کی وجہ سے ان کی مذموم سرگرمیوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اگر وہاں ہمارا مقابلہ طول پکڑتا تو عین ممکن تھا کہ ماجے کے آدمی مروّت، محلے داری اور داداگیری کے زور پر علاقے کی آبادی سے ہمارا گھیراؤ کرا کے ہمارے فرار کی راہیں مسدود کرا دیتے اس لیے ہمیں جو کچھ کرنا تھا، آناً فاناً میں کرنا تھا اور حریف کو کسی منصوبہ بندی کا موقع دیے بغیر اس خطرناک علاقے سے نکل جانا تھا۔

محض اسی فوری خیال کے تحت میں نے گولیوں کا جواب گولی سے دینے کے بجائے دستی بم استعمال کیا تھا جو اپنی تباہ کاری کی وجہ سے ایک ہی وار میں، اندھیرے میں چھپے ہوئے حریف کے پیر اکھاڑ سکتا تھا۔

میں نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ ہینڈ گرینیڈ کے ہولناک بارودی دھماکے میں کئی انسانی چیخیں اُبھری تھیں۔ وہ وقت ہر مرحلے پر ہدایات جاری کرنے کا نہیں تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں میں ایسے نازک مواقع پر خود بخود ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کسی تبادلۂ خیال کے بغیر خاموشی سے ایک دوسرے کے خیالات کی لہریں پڑھ کر عمل کر گزرتے ہیں۔

میں نے اپنی سمت میں، سڑک کے بائیں طرف کی کمین گاہوں پر مہلک وار کیا تھا، اگلی گاڑی والوں نے لمحہ بھر بعد وہی کارروائی دائیں جانب کی لیکن وہ اتنی مؤثر ثابت نہیں ہو سکی کیونکہ وقت کے

اس خفیف سے فرق میں متحرک گاڑیاں دشمن کے مورچوں سے آگے نکل گئی تھیں لیکن اس کا ایک فائدہ ضرور ہو سکتا تھا کہ فائرنگ کرنے والوں میں سے بچ رہنے والے ہمارے تعاقب میں آنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ان کا مقابلہ ایک مضبوط ترین اور سفاک دشمن سے تھا۔

ماجے نے اپنی دانست میں ان لوگوں کو اسلحہ دے کر باہر صف آرا کر کے بہت بڑا کام دکھایا تھا لیکن ان کے پستول، رائفلیں اور دوسرا خودکار اسلحہ بموں کے معاملے میں بہت حقیر تھا البتہ مجھے پورا یقین تھا کہ ماجے کے اڈے پر صورتِ حال اتنی یک طرفہ نہیں رہے گی۔ وہاں ہمارا واسطہ زیادہ مہلک اور جدید اسلحے سے پڑ سکتا تھا جس کے سدِباب کے لیے جیپ کے عقبی حصے میں ایک درمیانی رینج کا ہلکا پھلکا راکٹ لانچر تین راکٹوں سمیت موجود تھا۔ اس لانچر کو کندھے کے سہارے کسی ٹینک سی رائفل کی طرح ایک شخص استعمال کر سکتا تھا اور شانے کی ہڈیوں پر کوئی بھی ناروا جھٹکا کھائے بغیر راکٹ کی مدد سے تیس کلومیٹر تک کسی بھی شے کو اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔ افغانستان میں ہونے والے خونریز فوجی معرکوں کی بدولت روسی ساخت کے وہ ہلکے لانچر پشاور سے کراچی تک، ہر جگہ سستے داموں، آسانی کے ساتھ مل جاتے تھے۔ ان کے ساتھ دقت صرف اتنی تھی کہ انھیں کلاشنکوف کی طرح بغل میں، کوٹ کے نیچے یا چادر کی اوٹ میں چھپانا ناممکن نہیں تھا اور نہ ہی ان سے فائر کیے جانے والے راکٹوں کو کلاشنکوف میگزین کی طرح جیبوں میں چھپایا جا سکتا تھا۔

معاملہ اتنا پھیل چکا تھا کہ آبادی سے الگ تھلگ، وسیع رقبے پر آباد، ماجے کے دو منزلہ اڈے میں لوگ تیار تھے۔ وہ عمارت پختہ تھی اور اوپری منزل سے تقریباً دس فٹ کی اونچائی پر پانی کی ٹنکی تھی جس کے اوپر آبزرویشن پوسٹ کی شکل میں ایک چوکی بنی ہوئی تھی۔ اس چوکی میں روشنی ہو رہی تھی اور غالباً وہاں کوئی نگراں بھی موجود تھا جو نظر نہیں آ رہا تھا۔

ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح ہماری گاڑیوں کے بارے میں خبر مل چکی تھی اس لیے جوں ہی ہم ان کے اسلحے کی رینج میں آئے، عمارت سے دھواں دار فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اس مقام پر دونوں گاڑیاں روک دی گئیں اور بیک وقت سب لوگ نیچے اُتر کر انھی گاڑیوں کی اوٹ میں آ گئے۔

اس وقت ہمارا عمارت سے فاصلہ زیادہ تھا اس لیے ہمارے پاس موجود تین رائفلیں تین افراد نے اٹھا لیں اور تیزی کے ساتھ عمارت کی کھڑکیوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مقابلے میں ابتدا سے ہی اتنی شدت تھی کہ اس کے انجام کے بارے میں کوئی [illegible] نہیں کی جا سکتی تھی۔

دشمن کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم تھی اس لیے ہم زیادہ منظم تھے اور محفوظ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی فائرنگ سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن ہماری رائفلوں کے فائر کے تیسرے ہی راؤنڈ میں عمارت سے دو انسانی چیخیں اُبھری تھیں جن کے بعد پوری عمارت اچانک اندھیرے میں ڈوب گئی۔

ماجے کا وہ اقدام بہت دانشمندانہ تھا۔ اندھیرے میں کھڑکیوں اور دروازوں کا صحیح اندازہ کر کے اُن کے پیچھے موجود لوگوں کو نشانہ بنانا دشوار تھا۔ اس طرح ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

ہمارے سب آدمیوں کے چہروں پر ربر کے مضحکہ خیز ماسک چڑھے ہوئے تھے اس لیے مقابلے کی گرم بازاری میں ایک دوسرے کو پہچاننا ممکن نہیں رہا تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ رائفل والوں کی مصروفیت اور اڈے سے دوری کا فائدہ اُٹھا کر ہمارے ایک آدمی نے کسی کی ہدایت کے بغیر ہی سینڈو کی کار کا پچھلا ہوا [illegible] پھرتی سے بدلنا شروع کر دیا۔

"یہ تو تعطل پیدا ہو گیا۔" ایک ادھیڑ عمر سفید فام کے ماسک کے عقب سے مجھے سینڈو کی تشویش زدہ آواز سنائی دی۔ "اس طرح تو ہم ایک گز بھی پیش قدمی نہیں کر سکیں گے۔ وہ رفتہ رفتہ چھت پر پوزیشنیں لے رہے ہیں، وہاں سے ان کو ہم پر سبقت حاصل ہو جائے گی۔"

"پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے تاریک عمارت کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اس عمارت کو نیست و نابود کرنے جا رہا ہوں۔" وہ اٹل لہجے میں میرے سوال کا جواب دیتا ہوا جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

اسی لمحے عمارت کی چھت سے ایک دستی بم پھینکا گیا جو درمیان میں ہی گر کر ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم بم کے براہِ راست اثرات سے محفوظ رہے لیکن دھماکے کے ساتھ اڑنے والے آہنی ٹکڑے اور پتھر وغیرہ ہماری گاڑیوں پر آ گرے۔ اگر ہم ان کی آڑ میں نہ ہوتے تو ہمارا بھی زخمی ہونا یقینی تھا۔ پتھر اور وغیرہ سے ہمارے دو آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا جبکہ ماجہ خسارے میں رہا تھا۔

سینڈو نے جیپ میں سے راکٹ لانچر نکال کر لوڈ کر لیا۔ پھر ایک لمبے پائپ جیسا وہ ہتھیار اس نے عمارت کی سمت میں سیدھا کیا اور چند ثانیوں بعد اسے فائر کر دیا۔

راکٹ اپنے پیچھے بے رنگ دھوئیں کی لکیر چھوڑتا ہوا، شوں کی تیز آواز کے ساتھ تاریکی میں عمارت کی طرف تیر گیا۔ وہ راکٹ خاصے طاقتور بارودی چارج سے لیس تھا کیونکہ عمارت سے ٹکرا کر اس کے پھٹتے ہی دھماکے کی وجہ سے ہمارے قدموں کی زمین تک لرز اٹھی تھی۔

بارودی روشنی میں عمارت کی اوپری منزل کا ملبہ دور تک بکھرتا ہوا نظر آیا تھا۔ ساتھ ہی وہاں موجود لوگوں کی بے ساختہ چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔

اس وقت میں خود کو محاذ پر جیتتی ہوئی ایسی فوج کا کمانڈر محسوس کر رہا تھا جو کسی بھی لمحے دشمن کے مورچوں کو روند کر اجنبی سرزمین پر قبضہ کر سکتی تھی۔ میری عقابی نظریں عمارت کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں کسی ایسے حصے کی تلاش میں تھا جس کے منہدم ہوتے ہی پوری عمارت کی بنیادیں لرز اٹھیں۔ اسی اثنا میں سینڈو ماجے کے اڈے پر دوسرا راکٹ فائر کر چکا تھا۔ اس اُڑن بم نے پہلے راکٹ سے زیادہ تباہی پھیلائی پھر اسی لمحے میں نے اپنا ہدف تلاش کر لیا۔

وسیع و عریض پانی کی ٹنکی اس عمارت کی چھت سے تقریباً دس فٹ کی بلندی پر کنکریٹ کے ستونوں پر ٹھہری ہوئی تھی۔ ٹنکی کو اوپر لے جا کر عمارت میں مزید ایک منزل کے اضافے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس ٹنکی میں ٹنوں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش تھی اور اگر راکٹ مار کر اسے تباہ کر دیا جاتا تو ملبے کے ساتھ ہی پانی کی جھونک اوپر سے نیچے تک پوری عمارت کو لے بیٹھتی۔ اس عمارت کا وسیع رقبہ اس وار کی زد میں آ جانے کے بعد رہے سہے حصوں کا خود بخود منہدم ہونا یقینی تھا۔ اس کارروائی کے بعد ہم علاقے کے لوگوں یا پولیس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی بآسانی فرار ہو سکتے تھے۔

"پانی کی ٹنکی کو اڑاؤ! وہ پوری عمارت کو لے بیٹھے گی۔" میں نے سینڈو کو تیسرا راکٹ لوڈ کرتے ہوئے دیکھ کر سرد لہجے میں کہا۔ "اب ہمارا زیادہ دیر تک یہاں رُکنا خطرناک ہوگا۔"

"پوری عمارت گر گئی تو اندر سے ایک فرد بھی صحیح سلامت نہیں نکل سکے گا۔" اُس نے میری طرف سر گھما کر جھجکتے ہوئے کہا۔ ماسک کی وجہ سے تاروں کی چھاؤں میں میں اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکا لیکن اُس کے الفاظ سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اتنی بڑی قاتلانہ کارروائی کا فیصلہ کرنا اُس کے لیے سہل کام نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ میری کسی ہدایت سے انحراف اُس کے بس سے باہر تھا۔ ہیڈ کوارٹرز میں مبتلا ہونے کے واقعے نے ذہنی طور پر اُسے میرا غلام بنا کر رکھ دیا تھا۔

"ہم اُن سپولیوں کو دودھ پلا کر پروان چڑھانے کے لیے یہاں نہیں آئے ہیں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اس عمارت میں سب ہمارے جیسے لوگ ہیں۔ ان میں کوئی نیک اور پارسا نہیں ہوگا۔ ان کا مر جانا ہی ہمارے وسیع تر مفاد میں ہے۔"

زناٹے کی آواز کے ساتھ راکٹ اپنے ہدف کی طرف روانہ ہوا اور آناً فاناً میں ٹنکی سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ وہ طاقتور بارود کی طرح ایک دھماکا تھا لیکن اس کے بعد دھماکوں کا ایک قیامت خیز سلسلہ شروع ہو گیا۔ ٹنکی کا ملبہ پانی کی وحشی دھاروں کے ساتھ نیچے آیا اور پہلی منزل کی چھت کو ساتھ لیتا ہوا غالباً نچلی منزل کی چھت بھی لے بیٹھا۔

تینوں راکٹ استعمال ہو چکے تھے۔ ٹنکی گرنے کے بعد تاریکی میں عمارت کا تاریک ترہیولا لرزتے ہوئے زمین بوس ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک بارود کے دھوئیں اور ملبے سے اٹھنے والے گرد و غبار میں اس آگ کا دھواں بھی شامل ہو گیا تھا جو عمارت میں جا بجا بھڑک اٹھی تھی۔

ہم لوگ وہاں سے برق رفتاری کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ پیچھے رہ جانے والی غارت گری کے اثرات اگلی آبادی میں صرف اس حد تک پہنچے تھے کہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں جا بجا ہوٹلوں اور پان والوں کے کیبنوں کے گرد جمع تھے اور وہاں بھی افراتفری اور خوف و ہراس کی فضا نظر آ رہی تھی۔

پہلی ٹولی ہماری گاڑیاں دیکھتے ہی امید اور تجسس کے عالم میں سڑک کی طرف لپکی تھی کیونکہ آگ، دھماکوں اور دھوئیں کے آغاز کے بعد ہم ہی سب سے پہلے اس طرف سے نمودار ہوئے تھے اس لیے لوگوں کو امید رہی ہوگی کہ انھیں دور رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ہم سے قرینِ قیاس خبریں مل سکیں گی لیکن ہم لوگ وہاں کسی بھی اُلجھن میں نہیں پڑنا چاہتے تھے اس لیے رُکے بغیر آگے بڑھتے رہے۔

ہم سب نے اپنے چہروں سے نقاب اُتار دیے تھے۔ اگلے چوراہے پر ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے ہمیں رُکنا پڑا کیونکہ ہنگامے کی وجہ سے علاقے کے نوجوان وہاں سے ٹریفک کو گلیوں میں موڑ رہے تھے۔ وہاں ہونے والے سوال جواب سے اندازہ ہوا کہ لوگوں کو ماجے کے اڈے پر خفیہ پولیس کے بھرپور چھاپے کی افواہیں موصول ہو چکی تھیں اور کوئی بھی شخص ادھر جا کر ماجے کے خلاف پولیس کا گواہ بنائے جانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ ہماری طرف بھی متوجہ ہوئے لیکن میں نے انھیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم کسی دوست سے مل کر آرہے تھے جو ماجے کے اڈے سے پہلے ہی رہتا تھا۔

اس ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر سینڈو نے چوراہے سے بائیں طرف راستہ صاف دیکھ کر اپنی گاڑی اُدھر موڑ لی۔ پھر جیپ بھی اسی کے پیچھے ہولی۔

اس واقعے کے بارے میں افواہیں دور دور تک پہنچ چکی تھیں جنھوں نے چشم دید خبروں کا روپ دھار لیا تھا۔ متوقع ہنگامے کے پیش نظر بازار قبل از وقت بند ہو رہے تھے۔ ہوٹلوں وغیرہ میں بھی باہر پھیلا ہوا فرنیچر سمیٹ کر ایسی تیاریاں کرلی گئی تھیں کہ ضرورت پیش آنے پر فی الفور تالا بندی کی جاسکے۔ بے ہنگم ٹریفک میں رینگ کر راستہ بناتے ہوئے ہمیں فضا میں سائرن کی آواز سنائی دی تو چونک پڑے۔ اس بھیڑ میں کسی بھی پولیس والے کا کسی مشتبہ کار کو پہچان لینا معجزے سے کم نہ ہوتا جو اس صدی میں کم ہی رونما ہوتے ہیں مگر میرے دل میں چور موجود تھا۔ میں نے اپنی دانست میں مجرموں کے ایک خطرناک ٹولے کو اس انجام سے دوچار کیا تھا جس کا وہ مستحق تھا مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ قانون نے اس بارے میں مجھے کوئی اختیار نہیں دیا تھا۔ وہ جھلائے ہوئے ایک بیزار شہری کی انفرادی کارروائی تھی جو قانون کی نظروں میں شاید ماجے کے سنگین جرائم سے بھی زیادہ قابل نفرت ٹھہرائی جاتی۔ اس لیے میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھری کہ کاش پولیس والوں نے اپنی آمد کے لیے کوئی اور راستہ اپنایا ہوتا تاکہ ہم اُن کا سامنا کیے بغیر بے خوف و خطر اس مخدوش علاقے سے دور نکل گئے ہوتے۔

لیکن چند ثانیوں بعد یہ دیکھ کر مجھے دلی اطمینان ہوا کہ آنے والی دونوں سائرن بجاتی ہوئی گاڑیاں مولانا عبدالستار ایدھی کی ایمبولینسیں ہیں، علاقہ پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ویسے بھی پولیس والوں کا یہ ایک لگا بندھا اصول ہوتا ہے کہ کہیں جرائم پیشہ لوگوں کے گروہوں میں تصادم ہو رہا ہو تو خبر موصول ہونے کے باوجود متحارب فریقوں کو اتنا موقع دیا جانا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے پر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ اس سے قبل دخل اندازی کی صورت میں وہ باہمی اختلاف فراموش کرکے اپنی تمام ترتوجہ پولیس یا قانون نافذ کرنے والوں کی طرف مرکوز کرکے انھیں جانی نقصان سے دوچار کرسکتے تھے۔

وہ اصول نہ کسی مستند آدمی کا فرمودہ تھا اور نہ ہی کسی پولیس والے نے کبھی اسے تسلیم کیا تھا لیکن میں گروہ بند مقابلوں میں جا بجا اس اصول کی کارفرمائی دیکھتا رہا تھا جو جانوں کا بھی تھا اور قانون کی روایتی عمل داری میں بھی خلل نہیں ڈالتا

اس علاقے سے بحفاظت نکل جانے کے بعد ... طے تھا۔ ہمارے پاس موجود دونوں گاڑیاں چوری کی تھیں ... کے آدمیوں نے لانڈھی کے مل ایریا سے اٹھائی تھیں۔ پولیس کی فوری باز پرس سے بچنے کے لیے ان کی نمبر پلیٹیں بدل گئی تھیں لیکن ہم ان گاڑیوں کو ٹریڈ لائن کے دفتر تک لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے بندرگاہ کے علاقے میں کسٹم ہاؤس کی بغلی سڑک پر ہماری گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔ دن میں اس علاقے میں لوگوں کا ازدحام ہوتا تھا لیکن شام ہوتے ہی وہاں ایسی ویرانی اور بے رونقی چھانے لگتی کہ دل اُڑنے لگتا تھا۔ وہاں ہم مسروقہ گاڑیاں پارک کرکے ان میں سے اپنے ہتھیار اور بچا ہوا اسلحہ اپنی گاڑیوں میں منتقل کرکے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتے۔ ... کی گاڑیاں وہیں کھڑی رہ جاتیں جنھیں پولیس والے جب ... برآمد کرسکتے تھے۔

واپسی کا سفر بہت مختصر تھا۔ گاڑیاں اندر پہنچا کر میں سینڈو کو ساتھ لیا اور اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ بقیہ لوگ گاڑیوں سے سامان نکالنے میں مصروف ہوگئے۔

"آج کی کارروائی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سینڈو سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم اتنے بڑے آپریشن کے لیے جا رہے ہیں۔ راکٹ لانچر وغیرہ کو تو میں حفاظتی انتظام کے کھاتے میں رکھا تھا۔ آج تم نے واقعی ... کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اپنی لائن میں اب اس کی ... جائے گی اور وہ مدتوں نہ سنبھل سکے گا۔"

"اور اب وہ میرا پیچھا بھی چھوڑ دے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ دو اور دو چار والی بات ہے کہ اپنی عقل لڑا کر نتیجہ اخذ کرلے کہ اُسے تباہ کرنے والے تم تھے، اسی وقت تمھارا پیچھا چھوڑ سکے گا۔" اس کارروائی کو اس نے اپنے اور دشمن کے کھاتے میں ڈال دیا تو وہ بدستور تمھاری راہ پر رہے گا۔ تم نے تو کوئی ایسا سراغ بھی نہیں چھوڑا جس کی بنا پر وہ اپنے خوفناک دشمن کی اصلیت سے واقف ہوسکے۔

"تمھاری رائے درست ہے لیکن اس کی بنیاد مفروضے پر ہے کہ ماجا اس حملے میں بچ گیا ہو جب کہ میرے خیال میں وہ بھی اس معرکے میں کام آگیا ہوگا۔"

"ایسا ہوا تو پھر ماجے کی پارٹی کو ختم ہی سمجھو۔ پیاری ... اسی کے نام کی تھی۔ ابھی تک وہ اپنے آدمیوں میں اپنا کوئی جانشین تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس کا ہیروئن بیچنے کا نفع بخش دھندا اب کئی ہاتھوں میں بٹ جائے گا۔ ابھی تک وہ شہر پر راج کر رہا تھا۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر نسبتاً دھیمی آواز میں بولا۔" وہ زندہ ہو یا مر چکا ہو، دونوں صورتوں میں لوہا گرم ہے۔ اس وقت تمھیں شہر میں اپنے اور مافیا کے سمجھوتے کی خبر پھیلا دینی چاہیے تاکہ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے اور کوئی تمھاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت تک نہ کرسکے۔"

اسے ویرا کے بارے میں میری مجبوریوں کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ایسا مشورہ دے رہا تھا جب کہ میں اپنے اور مافیا کے مراسم کو اس وقت منظر عام پر لانے کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

"ابھی نہیں" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔ "کسی کو بھنک بھی نہ ملنی چاہیے کہ ماجے کی تباہی میں مافیا کا کوئی ہاتھ تھا۔ اب اس معاملے کو میں خود سنبھالوں گا۔ تمھاری آج کی شاندار منصوبہ بندی اور کارگزاری کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنی دوپہر کو دی گئی وارننگ واپس لے لی...."

"تم بہت عظیم ہو باس!" وہ میری بات کاٹ کر بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں بولا۔" مجھے اُمید تھی کہ میں اپنی بہتر کارکردگی سے کسی نہ کسی وقت تمھیں متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ تقدیر نے مجھے وہ موقع فوراً ہی فراہم کر دیا۔ اب تمھیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تم نے جس وقت ہیروئن کی فروخت میں میری دو فیصد کی ہیر پھیر کو بڑے پن کے ساتھ اپنی ذات تک محدود رکھا تھا، میں نے اُسی وقت سمجھ لیا تھا کہ تم بہت فراخ دل اور مردم شناس آدمی ہو جو ہم سب کے لیے باپ کی طرح مہربان ثابت ہوگے۔"

"یہ بات خود بھی یاد رکھنا اور اپنے آدمیوں کو بھی سمجھا دینا کہ ماجے سے مافیا کو کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس بارے میں کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکل گیا تو میرا کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا کہ چیف اب گوشہ نشین ہوگیا ہے، سارے چھوٹے اور بڑے فیصلے میں خود کروں گا۔ ایک محدود عرصے میں مجھے چیف کو اپنی کارکردگی دکھانی ہے۔ اندر یا باہر کا جو شخص بھی میرے عزائم کی راہ میں روڑے اٹکائے گا، میں اسے بے رحمی کے ساتھ پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں شکایت کا کوئی موقع نہیں آنے دوں گا۔ ویسے تو ہم سب تمھارے حکم کے غلام ہیں لیکن میں تمھیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے آدمیوں کی رسی بہت مضبوطی کے ساتھ تھامی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی تم سے سرکشی کی جرأت نہیں کرسکتا۔"

"ڈی ڈی یا دلدار آغا کے بعد آج میں نے ماجے کو بھی ملیا میٹ کردیا" میں نے کرب کے ساتھ سوچا۔ "وہ زندہ تھا یا مردہ، عملی طور پر میرے خلاف اس کا وجود دفنا ہوچکا تھا لیکن غزالہ؟ وہ کہاں تھی؟"

دلدار آغا کے خلاف میں نے محاذ صرف غزالہ کی وجہ سے کھولا تھا ورنہ شہر میں تو مجھے صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ شی کا سربراہ ڈی ڈی تھا جو اپنے ماتحتوں کے لیے صرف ایک نام تھا جس کی آواز حکم صادر کرتی تھی اور کوئی اس کی اصلیت سے باخبر نہیں تھا۔ پھر غزالہ ملی اور اس نے بتایا کہ وہ میری طرف سے مایوس ہوکر مسز دلدار آغا بن چکی تھی۔ اس کی بے بسی اور مجبوری کی کہانی اپنی جگہ بھرپور اور مکمل تھی مگر غزالہ کے اعتراف کے بعد میرے دل میں دلدار آغا کے خلاف نفرت کا جہنم بھڑک اُٹھا اور میں اس کی راہ پر لگ گیا۔

محبت کے ازلی تکون کے تیسرے اور جہنمی کردار کے پیچھے لگ کر میں نے اس کی ذات کے بخیے اُدھیڑنے شروع کیے۔ مدعا صرف یہ تھا کہ غزالہ کو اپنے رقیب کی اصل صورت دکھا سکوں مگر وہ درحقیقت شی کا ڈی ڈی ثابت ہوا اور میری جاں گسل جدوجہد کے نتیجے میں پیوند خاک ہوگیا۔

میرا خیال تھا کہ اسے بے نقاب کرنے کے بعد غزالہ اس سے متنفر ہو جائے گی اور اپنی غلطی کی معافی مانگ کر مجھ سے رجوع کرے گی۔ دلدار آغا کی موت کے بعد تو اس کی واپسی میں کوئی کلام ہی نہیں رہا تھا لیکن غزالہ لاپتا تھی۔ میں اپنی کوششوں کے باوجود شہر میں کہیں اس کا سراغ نہیں پاسکا تھا۔

اس وقت معافی تلافی کے بعد سینڈو ذہنی طور پر ... میرے بہت قریب آچکا تھا۔ وہ تیسرے درجے کا مجرم ضرور تھا لیکن اس کی ذات میں کچھ ایسا وصف تھا کہ اسے مُنہ لگانے کو جی چاہتا تھا۔ مجھے دلدار آغا اور ماجے کے انجام کے ساتھ ہی خیال آیا کہ کیوں نہ غزالہ کے بارے میں اس کو بھی اعتماد میں لے لیا جائے؟ اس وقت وہ مجھے سلطان شاہ کا ہمزاد نظر آرہا تھا۔

"میں تمھیں بتانا بھول گیا تھا!" سینڈو کی معذرت خواہانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔" شام کو ماجے کے اڈے کی طرف روانگی سے پہلے حامد خبر لایا تھا کہ تمھارے دیے ہوئے ماڈل اور نمبر کا جہاز کراچی ائیرپورٹ کے رن وے نمبر دو سے کافی دور ایک پارکنگ بے پر کھڑا ہے۔ اسے ماریا مانگبرائیل نامی ایک لڑکی میلان سے اپنے معاون کے ساتھ اڑا کر لائی ہے۔ راستے میں وہ لوگ قاہرہ اور دبئی رکتے ہوئے آئے ہیں۔ معاون کا نام انطونیو ہے۔ وہ دونوں ہوٹل شیرٹن میں مقیم ہیں۔ ان کی اگلی منزل دہلی ہے لیکن روانگی سے قبل وہ کافی دن یہاں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دونوں کے پاس پاکستان میں دو سال قیام کا ویزا ہے۔"

"حامد واقعی کام کی خبریں لایا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے کہا۔ ویرا کے بدلے ہوئے نام کی وجہ سے اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کتنی بڑی خبر تھی جو مجھے پہلے سے معلوم تھی لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کے سامنے اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کی وجہ سے حامد کو مخبری کے مشن پر بھیجنا پڑ گیا تھا۔ اس پوری تفصیل میں وہ نکتہ میرے لیے نیا اور اہم تھا کہ اس بار ویرا نے اپنے اصل نام سے سفر نہیں کیا تھا بلکہ ماریانا گبرائیل بنی ہوئی تھی۔ اس نکتے کو بروئے کار لا کر میں امیگریشن حکام کو اس کے پیچھے لگا سکتا تھا جو میری فراہم کی ہوئی معلومات کی بنا پر آسانی کے ساتھ اسے نام بدلنے کا مجرم قرار دلوا سکتے تھے۔

لیکن وہ بعد کا معاملہ تھا۔ اس وقت تو میرے ذہن پر غزالہ سوار ہو چکی تھی۔ اس لیے میں نے پُرخیال لہجے میں اس سے سوال کیا۔ "میرے بارے میں تم کیا کچھ جانتے ہو؟"

اس نے نظریں اٹھائیں تو ان میں خوف جھلک رہا تھا۔

"کک... کچھ بھی نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم ہمارے نئے ساتھی ہو اور باس کہلاتے ہو۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ جانتے ہو، ایمانداری کے ساتھ بتاتے چلے جاؤ۔" میں نے نرمی سے کہا۔

وہ چند ثانیوں تک زبان سے کچھ کہے بغیر غور سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے عزائم دریافت کرنا چاہتا ہو لیکن میرے سپاٹ چہرے پر کوئی تحریر نہ دیکھ کر اس نے تھوک نگل کر، اپنا حلق تر کرتے ہوئے مشینی انداز میں بولنا شروع کر دیا۔ "تم کئی برس پہلے یہاں شی کے بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔ تمھارا اصل نام تو بدر علی ہے لیکن تم ڈینی کے نام سے پہچانے جاتے تھے پھر کسی وجہ سے تمھاری شی سے ٹھن گئی۔ مجھے ٹھیک نہیں معلوم لیکن اپنی لائن کے لوگوں سے سُنا ہے کہ تم غزالہ نامی کسی لڑکی کو چاہتے تھے۔ شی والوں نے تم کو بے بس کرنے کے لیے غزالہ کو اغوا کر کے ملک سے باہر روانہ کر دیا۔ اس کی تلاش میں تم بھی یہاں سے چلے گئے۔ اب تم اپنے ماضی سے رشتے توڑ کر یہاں آئے تو تم سے پہلے دلدار آغا غزالہ کو پاکستان لا کر اس سے شادی کر چکا تھا۔ اس نے خود ہی اپنی شادی کی تشہیر کی تھی اور لوگوں سے یہ کہتا پھرتا تھا کہ اس سے شادی کرنے سے قبل غزالہ ڈینی کو چاہتی تھی۔ اس کے بعد کے قصے تو سامنے ہی ہیں۔"

"ہوں!" میں نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر ایک گہرا سانس لیا۔ "تو غزالہ والا معاملہ تم کو پوری طرح معلوم ہے۔ کبھی غزالہ کو دیکھا بھی ہے تم نے؟"

"نہیں!" اس نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ بس اِدھر اُدھر کے قصے ہی سنتا رہا ہوں۔"

"یہ دیکھو!" میں نے اپنے پرس سے غزالہ کی ایک پرانی لیکن واضح تصویر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔ "یہ تصویر پرانی ضرور ہے لیکن اب بھی وہ ایسی ہی نظر آتی ہے۔"

اس نے ایک سرسری نظر ڈال کر غزالہ کی تصویر مجھے واپس دی۔ اس وقت تک اس کے بشرے سے خوف اور حیرت کے [illegible] پوری طرح مٹ نہیں پائے تھے۔

"سارے پس منظر سے تم پوری طرح واقف ہو۔" میں نے [illegible] سلگاتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں شی کا وفادار رہا، میرے نام [illegible] کام تک، ہر بات سختی سے صیغۂ راز میں رکھی جاتی تھی۔ حد یہ ہے کہ [illegible] ساتھ کام کرنے والوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ پردہ میں ہی ان کو احکام جاری کرتا تھا لیکن بعد میں شاید انتقاماً ہر بات پھیلا دی [illegible] تاکہ کسی طرح مجھے گھیرا جا سکے اور یہی کچھ غزالہ کے معاملے میں بھی ہوا۔ پاکستان آنے کے بعد میں اس سے ملتا رہا ہوں۔ دلدار آغا کی حرکتوں [illegible] واقف ہونے کے بعد وہ اس سے بدظن ہو چکی تھی لیکن شادی کے بندھن کی وجہ سے مجبور تھی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آخری دنوں میں دلدار نے غزالہ کو اپنے مکان میں قید کر کے اس کی آمد و رفت پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ دلدار آغا مارا جا چکا ہے۔ اس کے گھر کو کھنڈر میں [illegible] کیا جا چکا ہے لیکن غزالہ کا کہیں پتا نہیں ہے۔ میں ہر قیمت پر جلد از جلد اس کا سراغ لگانا چاہتا ہوں۔"

"غزالہ کی تلاش ہماری ترجیحات میں پہلے نمبر پر ہو گی۔" اس [illegible] سر جھکا کر پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "تم اجازت دو تو میں اپنے آدمیوں کو بھی یہ تصویر دکھا دوں تاکہ وہ غزالہ کو دیکھتے ہی پہچان لیں اور اسے تمھارے پاس لے آئیں..."

مجھے اس کی احمقانہ بات پر اتنا تاؤ آیا کہ میں خود کو بمشکل [illegible] تھپڑ مارنے سے باز رکھ سکا اور اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی [illegible] بولا۔ "یہ معاملہ صرف میرے اور تمھارے درمیان ہے۔ ذاتی مسائل کی تشہیر نہیں کی جاتی۔ اپنے آدمیوں کو تم اس معاملے سے الگ رکھو گے۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تم [illegible] اسے قیدی بنانا چاہتے ہو۔"

"اب جاؤ اور اس معاملے میں جو کچھ کر سکتے ہو، وہ کرو۔" میں [illegible] کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے غزالہ کی ذات اتنی اہم ہے [illegible] اگر تم اس کا سراغ لگانے میں میری کوئی بھی مدد کر سکے تو میں ساری [illegible] تمھاری احمقانہ غلطیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ نظرانداز کر تا رہوں [illegible]"

اس دن سینڈو کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نظر آئی اور [illegible] میرے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

معراج دین کے اڈے کے خلاف کارروائی میں ہمیں خلاف توقع بہت کم وقت لگا تھا کیونکہ ہمارے حد سے زیادہ جارحانہ [illegible] کی وجہ سے وہاں مقابلے یا محاذ آرائی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ میں [illegible] رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو اس کے ڈائل پر آٹھ بجنے والے تھے۔ میرا ارادہ وہاں سے نکل کر سیدھا جہانگیر کے گھر جانے کا تھا مگر اس سے پہلے میں ویرا سے بھی بات کرنا چاہ رہا تھا اس لیے سینڈو کے چلے جانے کے بعد میں نے دوبارہ اپنی نرم کرسی میں دھنس کر دراز میں سے ایرپیس نکال لیا۔

مجھے پہلی ہی کال پر دوسری طرف سے جواب مل گیا۔ "ویرا اسپیکنگ!" اس کی آواز میں اس وقت ہلکا سا خمار جھلک رہا تھا۔ "کیا بات ہے؟ آج دن میں دوسری بار کال کر رہے ہو... اوور!"

"دن تو ڈھل گیا، اب رات اتر آئی ہے۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ "تنہائی میں اداسی گھر کرتی جا رہی تھی تو سوچا کہ تم ہی سے کچھ گپ شپ لڑالی جائے... اوور۔"

"تم تنہا اور اداس ہو؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھاری بلبل تمھیں چھوڑ کر کہیں اور گئی ہوئی ہے۔ جبھی تو کہتے ہیں کہ جسے سات گھر جھانکنے کی عادت پڑ جائے وہ کبھی گھر میں نہیں ٹک سکتی۔ تم اداس اُلو کی طرح بیٹھے رہو، وہ کسی اور کے ساتھ اپنی طبیعت ہری کر رہی ہو گی۔ اوور۔"

اس کے الفاظ سنتے ہی میں سنبھل گیا۔ اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے میں یہ بھول ہی بیٹھا تھا کہ اسے میں نے غزالہ کے مل جانے کی من گھڑت کہانی سُنائی ہوئی تھی۔ "وہ [illegible] میری مرضی اور اجازت سے گئی ہے۔ اب اس کے بارے میں ایسے ناروا کلمات تمھیں زیب نہیں دیتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ درست ہے کہ اب تم سے میری ٹھن گئی ہے لیکن اس مقابلے میں ہم ایک دوسرے کے لیے کم از کم شائستگی تو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اوور۔"

"دشمنی میں زندگی یا موت تو ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے۔ ہم میں سے جس کو پہلے موقع ملا، وہ دوسرے کو مار دے گا۔ اصل دشمنی تو باتوں سے کلیجے میں چٹکیاں لے کر نکالی جاتی ہے۔ اس طرح دشمن مرنے سے پہلے ہی بار بار مر کر نئے وار سہنے کے لیے زندہ ہوتا ہے۔ اوور۔"

"لیکن ہمارے درمیان تو دوستی نما دشمنی ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ایسی تلخ باتیں کر کے طبیعت کو بدمزہ کرو گی تو میں سلسلہ منقطع کر دوں گا۔ اوور!"

"یہ دھمکی نہ دو!" وہ جلدی سے بولی۔ "تمھیں تمھاری وفا نے اکیلا چھوڑا ہوا ہے اور میں تمھاری بے وفائی کا سوگ منا رہی ہوں۔ میرے سامنے بوتل بھی ہے اور پیمانہ بھی لیکن اس مے میں کچھ مزہ نہیں آ رہا۔ آدمی اندر تک سے اکیلا ہو تو گلابوں کی مہک بھی بے کیف محسوس ہوتی ہے۔ اوور۔"

"تم تو کسی الم رسیدہ محبوبہ کے انداز میں بول رہی ہو جسے اس کا آشنا دغا دے گیا ہو۔" میں نے اس کے الفاظ پر اپنی حیرت چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم جیسی کھلنڈری عورت کو بھلا کون دغا دے سکتا ہے۔ دغا تو اسے دی جاتی ہے جو وفا کے معنے جانتا ہو۔ اوور۔"

"کھیل کھیل میں بھی کبھی ایسی اٹوٹ دوستیاں ہو جاتی ہیں جو بھلائے نہیں بھولتیں۔" اس کی آواز میں درد سا سمٹ آیا۔ "اپنے بارے میں مجھے یہی خوش فہمی تھی کہ دنیا کا کوئی مرد مجھے متاثر نہیں کر سکتا جب تک تم میری دسترس میں رہے میری یہ خوش فہمی برقرار رہی لیکن جب سے تم نے غزالہ کے ملنے کی خبر سُنائی ہے میرے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی ہے۔ تم مانو یا نہ مانو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم میرے دل میں گھر کر چکے تھے۔ تم سے آشنائی مجھے بہت مہنگی پڑی ہے لیکن میں یہ صدمہ جھیل لوں گی۔ تمھیں اور تمھاری یادوں کو اسکاچ میں تحلیل کر کے میں ایک روز یکسر بھلا دوں گی اور کسے خبر کہ اس سے پہلے ہی میں تمھارے پہلو میں گولی اتارنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اوور!"

"شاید اس وقت بھی تم پی رہی ہو؟ اوور!" میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر تلخی آ گئی۔

"پی رہی ہوں!" اس نے اعتراف کیا۔ "تم آ جاؤ تو تمھیں بھی پلاؤں گی۔ آج رات کے لیے کیوں نہ ہم اپنی دشمنی معطل کر کے پہلے کی طرح دوست بن جائیں؟ اوور!"

میں انکار کرنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے ایک چال سوجھ گئی۔ وہ پیتی تھی تو پیتی ہی چلی جاتی تھی۔ الکحل اس کے ذہن اور اعصاب پر سوار ہوتی تھی، لب و لہجے سے اس کی کیفیت کا پتا چلانا ہمیشہ دشوار ثابت ہوتا تھا اور اس وقت بھی وہ نشے میں تھی۔ اس جھونک کا فائدہ اٹھا کر میں اس کی زبان سے بہت کچھ اگلوا سکتا تھا اس لیے میں نے فی الفور اداکاری کا فیصلہ کر لیا۔

"اس وقت اداسی کے لمحات میں تمھارا خیال آیا تو اس کا بھی کچھ سبب تھا۔" میں نے دھیمے اور رومانوی لہجے میں کہا۔ "غزالہ کے بعد اگر میرے دل میں کسی کے لیے جگہ ہے تو وہ تم ہو..... تم یعنی ویرا لائیڈ۔ اپنے اس روپ میں تم ہمیشہ میری دوست رہو گی لیکن جب تم شی والوں کا بہروپ دھار لیتی ہو تو میرے لیے ایک ڈراؤنی صورت بن جاتی ہو۔ اصل روپ میں ملنے کا وعدہ کرو تو میں ابھی اور اسی وقت تمھارے پاس آ سکتا ہوں۔ غزالہ نہ شراب پیتی ہے اور نہ میرا پینا پسند کرتی ہے۔ ہم دونوں مل بیٹھے تو ہو سکتا ہے کہ اپنے مقاصد کو قربان کیے بغیر آئندہ کے لیے مفاہمت کی کوئی راہ نکال لیں۔ تم دیکھ چکی ہو کہ میں آسانی کے ساتھ مرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ تم آسانی سے زیر ہو سکو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کم از کم ایک بار آپس میں مل لینا چاہیے... یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو اور میں کیسے تم تک پہنچ سکتا ہوں؟ اوور!"

ایرپیس پر اس کی استہزائیہ ہنسی ابھری۔ "نہیں ڈینی! مجھ سے مکاری نہیں چلے گی۔ تم مجھے دھوکا دے کر میرا سراغ نہیں پا سکتے۔ میں

تمھاری لمحہ بہ لمحہ قلابازیوں سے خوب واقف ہوں۔ تم نے ابھی ابھی کوئی نئی چال سوچی ہے اور مجھے پھانسنے کے لیے آیندہ کی مفاہمت کا چارا ابھی ڈال رہے ہو ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے مقاصد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کو اپنا سر جھکائے یا کٹوائے بغیر کسی قسم کے سمجھوتے کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ یہ فریب تم کسی اور کو دے سکتے ہو، مجھے نہیں۔ اوور!"

"تم میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہو رہی ہو۔" میں نے دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا "تم نہیں ملنا چاہتیں تو نہ ملو، لیکن میرے جذبوں کو الزام نہ دو.. اوور!"

"آیندہ کی مفاہمت کا ذکر درمیان میں لا کر تم نے اپنی نیت ظاہر کردی ہے۔ میں پی ضرور رہی ہوں لیکن اتنا نشہ نہیں ہے کہ بہک کر تمھیں اپنی کمین گاہ کا پتا بتا دوں۔ اوور۔"

"کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں تمھیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکتا۔ اوور!" میں نے ایریٹس اپنے دہانے کے قریب لا کر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ایسی بھی ایک صورت ہے۔" اس حرافہ نے فوراً ہی میری بات پکڑلی "اگر تم مجھ سے محبت کے دعوے میں مخلص ہو اور مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو اپنا پتا بتا دو، میں خود تمھارے پاس آجاتی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تنہا اور غیر مسلح آؤں گی اور یہ ہماری دوستانہ ملاقات ہوگی۔ اوور۔"

میں اس کے مکّارانہ مطالبے پر چڑ گیا "جب تم کو مجھ پر اعتماد نہیں تو میں تم پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے فراق میں اپنے اپنے آشیانوں میں دُبکے ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں۔ محبت کے دعوے کے ساتھ ایسی کھلی بے اعتمادی میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔ اوور!"

"مجبوری ہے ڈیبی ڈارلنگ! جب واسطہ تم جیسے مکّار اور سفّاک محبوب سے ہو تو عورت کو کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ میں نے تمھیں بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ سفید جھوٹ بولتے ہوئے بھی تمھاری آنکھوں میں سچائی کی معصومانہ چمک برقرار رہتی ہے۔ تمھاری صورت اور باتوں کا فریب کھا کر میں نے بہتیرے لوگوں کو زندگی کی بازیاں ہارتے دیکھا ہے اس لیے میں مجبور ہوں۔ اس وقت تم سچے بھی ہو تو میرا دل اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میری اس مجبوری کو معاف کردو گے۔ اوور۔"

"چلو پھر کسی تفریحی مقام پر مل لیتے ہیں۔ وہاں موڈ ہوا تو باہمی رضامندی سے یا قرعہ اندازی کے ذریعے کسی ہوٹل میں شب بسری کرلیں گے۔ اوور۔"

ایک بار پھر اس کی تلخ ہنسی سُنائی دی "اب یہ تمھاری نئی قلابازی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ملاقات کی تجویز میری تھی اور اب اصرار تم کر رہے ہو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ ہمارے لیے ایک دوسرے کو فریب دینا بہت مشکل ہے۔ تم مقام طے کرلو مگر میں شرط لگاتی ہوں کہ مقررہ وقت پر ہم دونوں میں سے کوئی طے شدہ مقام پر سامنے آنے میں پہل نہیں کرے گا۔ میں تمھارے نمودار ہونے کے انتظار میں کسی گلی میں چھپی رہوں گی اور تم کہیں اور گھات لگا کر میرے سامنے آنے کا انتظار کرو گے اور ہم دونوں کئی گھنٹوں تک اسی طرح اعصابی دباؤ کے عالم میں جھک مار کر بے نیل مرام واپس لوٹ جائیں گے اس لیے پروگرام کی بات چھوڑ دو۔ ہاں ہم ایک شریفانہ معاہدہ کرسکتے ہیں کہ آج کے بعد پہلی بار جہاں بھی اتفاقاً ہمارا سامنا ہو، ہم ایک دوسرے پر ہتھیار اُٹھانے کے بجائے دوستانہ انداز میں ملیں گے اور اسی ملاقات میں اگلی ملاقات کے انداز کا فیصلہ کر کے رخصت ہوں گے۔ ایسی اتفاقی ملاقات میں ہم میں سے کوئی حالات کے بارے میں پیش بینی نہیں کرسکتا۔ یہ معاہدہ ہم میں سے بالادست کی عہد پروری کا امتحان ہوگا کیوں کہ ملنے یا مارنے کا اختیار اسی کو حاصل ہوگا اور اگر وہ بدعہدی پر اُتر آیا تب بھی زیادہ سے زیادہ وہی ہوگا جو معاہدے کے بغیر ہوتا۔ وہ بالادست میں بھی ہوسکتی ہوں اور تم بھی۔ بولو یہ منظور ہے؟ اوور۔"

ویرا بہت گھاگ اور شاطر تھی، وہ فوراً ہی میری نئی تجویز کی تہ تک پہنچ گئی تھی اس لیے میں نے اس کا پیش کیا ہوا "شریفانہ معاہدہ" قبول کرلینا ہی مناسب سمجھا کیوں کہ موقع آجانے پر اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا انحصار بالادست کی صوابدید پر تھا۔ میں حاوی ہوتا تو اسے گولی مار دیتا، وہ حاوی ہوتی تو معاہدے کی دُہائی دے کر اسے کسی انتہائی اقدام سے روکنے کی التجا کرسکتا تھا۔ وہ مان لیتی تو سودا خسارے کا نہیں تھا اور نہ بھی مانتی تو مجھے یہ ملال نہ رہتا کہ اس نے کس چال سے بازی کا رُخ پلٹا تھا۔

"چلو یہ معاہدہ ہی تسلیم کیے لیتا ہوں۔" میں نے کہا "تم ملو گی تو دیکھ لینا کہ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ میں تمھیں غزالہ پر فوقیت نہیں دیتا مگر پھر کہتا ہوں کہ غزالہ کے بعد اگر میں کسی اور عورت کو چاہتا ہوں تو وہ صرف اور صرف تم ہو... اوور۔"

"اپنا ایریٹس آن ہی رہنے دینا۔" اس کی مضمحل آواز اُبھری "اُدھر تم اُداس ہو اور اِدھر میرے وجود میں اُداسی اُترتی جا رہی ہے۔ وقفے وقفے سے باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔ تمھارے شبہات دُور کرنے کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ آج دوپہر کو ایریٹس گر جانے کی وجہ سے اس کا لوکیشن فائینڈر کام نہیں کر رہا اس لیے تم سے گفتگو کے دوران میں بھی مجھے تمھاری پوزیشن کا علم نہیں ہو سکا۔ ویسے بھی میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ ایریٹس آن ہونے سے لوکیشن فائینڈر کام نہیں کرتا۔ اس کی سوئیاں اسی وقت حرکت میں آتی ہیں۔ جب دوسری طرف سے آواز کی ریڈیائی لہریں موصول ہوں۔ اوور۔"

"میں اپنا ایریٹس آن رکھوں گا لیکن پندرہ بیس منٹ تک کال نہ کرنا۔" میں نے دفتر سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنے کے وقت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا "میں باتھ روم میں گرم پانی سے طویل غسل کرنے جا رہا ہوں۔ شاید نہا کر میرے ذہن سے کھولت دُھل جائے۔ اوور۔"

"یہ جام تمھارے نام۔ اور فی الحال اوور اینڈ آل۔" لبوں کے پُر تکلف کُھلنے کی چہکار کے ساتھ اس کی آواز سُنائی دی اور میں عجلت کے عالم میں دفتر سے نکل کھڑا ہوا تاکہ اس کا دوسرا پیغام آنے سے قبل میں جہانگیر کے گھر پہنچ کر اس سے گفتگو کے لیے تیار ہو سکوں۔

اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک خیال تھا۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ اسے معراج دین عرف بلیجے کے اڈّے کے بارے میں کوئی خبر مل چکی تھی یا وہ بے خبر تھی اور میں نے اندازہ لگایا کہ یہ معاملہ اس کے علم میں نہیں تھا۔

اس کی چالاکی کی بنا پر مجھے اپنی دوسری کوششوں میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا تھا لیکن وہ مسلسل اسکاچ پی رہی تھی اور اس سے خاصی تلخ و شیریں گفتگو ہو چکی تھی اس لیے مجھے توقع تھی کہ وہ تھوڑی دیر بعد گفتگو میں کوئی ایسی لغزش کرسکتی تھی جس کی بنا پر میرے لیے اس تک پہنچنا آسان ہو سکتا تھا۔

✪

جہانگیر کے ملازمین نے پھاٹک کے نقصان رسیدہ حصّوں کو اپنی پھرتی کے ساتھ مرمت کرایا تھا کہ اس وقت صبح والے پھاٹک کو شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہاں سے گزر کر میں اندر پورچ میں کار سے اُتر کر دروازہ لاک کر رہا تھا کہ سلطان شاہ برآمدے میں نکل آیا۔ شاید وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا بے تابی کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

مجھ سے ملاقات ہوتے ہی اس نے میری مہم کے بارے میں پے در پے سوالات کرنے شروع کردیے اور جب میں نے مختصراً اسے بتایا کہ میری مہم توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوئی تھی اور میں اپنی طرف کے کسی جانی نقصان کے بغیر معراج دین کے اڈّے کی پُرشکوہ عمارت کو کھنڈر میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا تو مسرّت سے اس کی باچھیں کِھل گئیں۔

اس سے پتا چلا کہ وہ لوگ رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ اور اس وقت سلمٰی خواب گاہ میں جہانگیر کے ساتھ شطرنج کھیل رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ خود بھی وہیں بیٹھا کھیل دیکھ رہا تھا لیکن اسے میری سلامتی کی فکر لاحق تھی اس لیے شطرنج سے دل اُچاٹ ہونے پر وہ بہانہ کر کے وہاں سے کھسک آیا تھا۔

"اگر تم نو بجے تک واپس نہ لوٹتے تو میں تمھارے دفتر فون کرتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "تم خود الگ رہ کر اپنے آدمیوں کو بھی اس کام پر روانہ کرسکتے تھے۔"

"ضرور کرسکتا تھا لیکن وہ خاک دھول میں نہا کر ناکام و نامراد واپس آئے ہوتے۔ موقع پر موجود رہ کر بروقت درست فیصلے کیے جاسکتے ہیں جو کسی بھی کام یا مہم کے نتائج پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ آج ذرا بھی چوک ہوئی ہوتی تو اس علاقے کے لوگ ہم سب کا وہی حشر کرتے جو لیاقت آباد میں دلدار آغا کا ہوا تھا۔" میں نے ایریٹس جیب سے نکال کر آن کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت میں تھکا ہوا تھا اس لیے سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے کیبنٹ سے اسکاچ کی ایک بوتل لے کر سیدھا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

"اسے کیوں آن کیا ہے تم نے؟" سلطان شاہ نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تھوڑی دیر میں ویرا بات کرے گی۔" میں نے ہنس کر کہا "دفتر میں اس سے عشق و محبت پر بڑی لچھے دار گفتگو ہوئی ہے مگر وہ میرے چکر میں نہیں آئی۔"

"خدا کی پناہ!" وہ آنکھیں نکال کر حیرت سے بولا۔ "کیا تمھارا دماغ چل گیا ہے ڈیبی؟ تم بھول گئے ہو کہ کل رات کو اس نے کتنے بڑے پیمانے پر یہاں حملہ کیا تھا اور تم کو مار ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی؟"

"سب یاد ہے۔" میں نے ٹرانسمیٹر اور اسکاچ کی بوتل میز پر رکھتے ہوئے کہا "یہی تو لطف کی بات ہے کہ رات کو وہ میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ سے محبت کا دم بھرتے ہوئے اپنی بدنصیبی کا گلہ کر رہی تھی۔"

"وہ اپنے وقت کی سب سے مکار عورت ہے۔ سارے ہتھیار کُند ثابت ہوئے تو اب وہ تم کو اپنی اداؤں سے مارنے پر تُل گئی ہے۔ وہ تمھارے مزاج کی رنگینیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"میں سب جانتا ہوں سلطان شاہ۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "میں اتنا نادان نہیں کہ اس کے نخروں سے مر جاؤں۔ میں بھی اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ مجھ سے کھیلنا چاہ رہی ہے جب کہ میں اس سے کھیل رہا ہوں۔ اس بارے میں تم اپنے ذہن کو زیادہ نہ تھکاؤ۔ میں موقع محل کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے جھانسے میں نہیں آؤں گا۔"

"اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو مگر میری چھٹی حس بار بار کہتی ہے کہ اگر تمھیں کبھی زک اٹھانا ہی پڑی تو کسی عورت کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گی۔"

"ویرا کے معاملے میں اپنی چھٹی حس کو کچھ دنوں کے لیے رخصت پر بھیج دو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ویرا چالاک ضرور ہے مگر میرے مقابلے میں دودھ پیتی بچی۔۔۔"

"جب ہی اس نے کل رات ہمیں گھر میں محصور کر کے چاروں طرف سے جہنم برسانا شروع کر دیا تھا۔" وہ میری بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولا "میں ایک بار پھر تمھیں آگاہ کر رہا ہوں کہ اس کے مقابلے میں تمھیں کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے کبھی کبھار اس کی آنکھوں میں ایسی وحشیانہ چمک دیکھی ہے کہ وہ رات بھر اپنے پہلو میں سونے والے مرد کو صبح ہوتے ہی بڑے سکون سے گولی مار سکتی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، ایسا موقع آیا تو میں گولیاں نکال کر سوؤں گا۔" میں اس کی بات کو مذاق میں ٹالتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

مُنہ ہاتھ دھو کر، لباس تبدیل کرنے کے بعد میں باہر آیا تو میں نے خوشگوار حیرت سے دیکھا کہ سلطان شاہ نے زندگی میں پہلی بار میرے لیے وسکی کا گلاس تیار کیا ہوا تھا۔

"آج تم نے اپنا عہد توڑ کر اُم الخبائث کو کیسے ہاتھ لگا لیا؟" میں نے پوچھا۔

"صرف تمھاری خوشی کے لیے۔" وہ مغموم لہجے میں بولا "اگر تمھارے ساتھ دوستی نباہنا ہی ہے تو پھر نہ چاہ[te] ہوئے بھی بہت سے کام کرنے پڑیں گے لیکن یہ بتا دو[...] اسے ہاتھ تو لگا لیا ہے مُنہ کبھی نہیں لگاؤں گا۔ پتا نہیں[...] تلخ لادے سے تمھیں کون سی خوشی مل جاتی ہے؟"

"خوشی نہیں ملتی، غم اس میں ڈوب جاتے ہیں[...]" نے دل ہی دل میں ویرا کی مے نوشی کا تصور کر کے اپ[...] لب تر کرتے ہوئے کہا "اور میری زندگی ابتدا ہی سے غم[...] کے بوجھ سے دبی رہی ہے۔ ان سے نجات مل گئی تو[...] یہ بھی چھوٹ جائے گی۔"

مجھے حیرت تھی کہ باہر میری کار کے انجن کی آواز [...] بھی جہانگیر یا سلمیٰ میں سے کسی نے خبر گیری کی ضرورت نہ[...] سمجھی تھی لیکن سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ دونوں دُنیا و ما[...] سے بے خبر شطرنج میں اس طرح منہمک تھے جیسے اُن[...] عاقبت کا فیصلہ اسی بازی کے نتیجے پر منحصر تھا۔

"تم کیا کر آئے؟" چند گھونٹ معدے میں اُتا[...] کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے دوپہر کو سلطان شاہ کو بھی [...] کام بتایا تھا جس کے بارے میں وہ خاموش تھا۔

"ہربرٹ کا راویلی بہت پُرعزم افسر ہے اور [...] تیاریوں کے ساتھ یہاں آیا ہے۔" سلطان شاہ نے بتا[...] شروع کیا "وہ اپنے ساتھ ایک سراغ رساں کتا بھی لایا تھ[...] سیٹھ حبیب جیوانی کی ذاتی استعمال کی اُن اشیاء پر تربیت [...] دی گئی تھی جو گرفتاری کے وقت اس کی تحویل سے بر[...] کے سیل کر دی گئی تھیں۔ وہ کتا ائیر پورٹ پر کسٹم والوں[...] ان کتوں کے ساتھ کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا جو مساف[...] سامان میں منشیات کا سراغ لگاتے ہیں لیکن آج صبح ک[...] زہر دے کر اس کتے کو ہلاک کر دیا جب کہ کتوں والے [...] میں کسی غیر متعلقہ شخص کی رسائی ناممکنات میں سمجھی جا[...] کتے کی ہلاکت کی اطلاع ملنے پر ہربرٹ جائے وار[دات کا] معائنہ کرنے ائیر پورٹ آ گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر ا[...] سے ذرا آگے ایک چلتی کار سے اس پر قاتلانہ حملہ ک[...] گولیاں اس کے چہرے اور بازو پر لگیں اور اب وہ جناح [...] میں زیرِ علاج ہے۔"

"قاتل پکڑے گئے یا فرار ہو گئے؟" اس کے [...] ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا۔

"صرف اتنا دیکھا گیا کہ وہ سفید ایکارڈ تھی جس [...] افراد سوار تھے۔ وہ لوگ فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہ[...] میں کامیاب ہو گئے کیوں کہ حملے میں ہربرٹ کا راوی[لی] بھی بُری طرح زخمی ہو گیا تھا اور ان کا تعاقب کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں مافیا والوں کے ہاتھ بھی لمبے ہیں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اس معاملے میں میرے ماتحتوں میں سے کوئی شریک نہیں تھا جس کا مطلب ہے کہ کچھ اور لوگ بھی مافیا چیف کے لیے کام کر رہے ہیں جن کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تنخواہ دار نہ ہوں بلکہ کرائے کے لوگ ہوں جنھیں معاوضہ دے کر بالا ہی بالا اس کام پر لگایا گیا ہو۔" سلطان شاہ نے اظہارِ خیال کیا۔

"اس سے پہلے ہربرٹ کہاں ٹھہرا ہوا تھا؟" میں نے چند ثانیوں بعد سوال کیا۔

"پرل کانٹی نینٹل۔" اس نے جواب دیا "کمرا نمبر چار سو اٹھارہ اس کے نام پر بُک ہے۔"

"تم نے مختصر سے وقت میں خاصی معلومات حاصل کر لیں لیکن تم اس تک رسائی حاصل کرنے میں تو کامیاب نہ ہو سکو گے؟" میں نے پوچھا۔

"کوشش کی تھی لیکن اسپتال میں اسے سخت پہرے میں رکھا گیا ہے جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔ گولیاں نکالنے کے لیے فوری طور پر اس کا آپریشن کیا گیا تھا۔ اس واقعے پر مقامی پولیس حکام بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔ واردات کے بعد سے پورے شہر میں ہنڈا ایکارڈ رکھنے والوں کی شامت آ گئی ہے اور انھیں جگہ جگہ روک کر تلاشی لی جا رہی ہے۔" وہ بتانے لگا "سُننے میں آیا ہے کہ اس کی حالت سنبھلتے ہی اسے پہلی پرواز سے وطن واپس روانہ کر دیا جائے گا۔ اسپتال میں صفائی کے انتظامات پر ہربرٹ بہت برہم ہے، اسے خوف ہے کہ اس کے زخموں میں ٹٹنس نہ ہو جائے۔"

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا کیوں کہ سلمیٰ ہمیں تلاش کرتی ہوئی وہیں آ پہنچی تھی اور میرے ہاتھ میں گلاس دیکھتے ہی پھٹ پڑی "نہ ملاقات، نہ دُعا سلام۔ کب کے پیاسے تھے جو آتے ہی گلاس بھر کے یہاں بیٹھ گئے۔ میں سارے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔"

"مجھے پتا چلا تھا کہ خواب گاہ میں معرکے کی بازی ہو رہی ہے۔ اس لیے رنگ میں بھنگ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ جیت کس کی ہوئی؟"

"پوری بازی کھیلتے تو میں ہی جیتتی۔" پسند کا موضوع میسر آتے ہی وہ ٹھنڈی پڑ گئی "جب ہار سامنے نظر آنے لگی تو انھوں نے سر میں درد کا بہانہ کرتے ہوئے بازی اُلٹ دی۔"

"بوتل اٹھاؤ تو تمھارے ہی کمرے میں چلتے ہیں۔" میں نے گلاس لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ سلطان شاہ نے ایر بیٹس اُٹھا لیا تھا جو میں نے آتے ہی آن کر دیا تھا۔

"وہاں پہلے سے بوتل موجود ہے۔" وہ جلے کٹے لہجے میں بولی "اسے یہیں اپنے سرہانے رکھ لو۔"

"یہ مشورہ بھی مناسب ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے ہنستے ہوئے کہا اور وہ غضب آلود نگاہوں سے مجھے گھور کر رہ گئی کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔

جہانگیر کسی جیتے ہوئے راجا کی طرح اپنی خواب گاہ میں وسیع و عریض بستر پر دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے پھُرتی سے اپنا بستر چھوڑ دیا اور مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "آؤ تم تو۔۔۔ باہر سے ہی گلاس لیے چلے آ رہے ہو اور میں گھر میں بار ہوتے ہوئے بھی پیاسا ہوں۔"

"پیاس بجھا کر کسی کے لیے بار بن جاتے ہو گے اسی لیے پیاسے رکھے گئے ہو۔" میں نے اسے آنکھ مار کر شوخ لہجے میں کہا اور سلمیٰ بھنّا گئی۔

"جگت بازی اور پھبتیاں اُڑانا تو کوئی تم دونوں سے سیکھے۔" وہ پیر پٹختی ہوئی چڑچڑے لہجے میں بولی "دونوں مل کر اچھے خاصے آدمی کو تماشا بنا دیتے ہو۔" پھر وہ میری طرف مُڑ کر غرّائی "مجھے کیا ضرورت تھی انھیں پیاسا رکھنے کی؟ میری بلا سے تم دونوں نہانے بھی لگو تو میں نہ روکوں گی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" میں پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "اچھی بیویاں تو کبھی بھی اپنے آدمیوں کے شوق پر معترض نہیں ہوتیں۔ جہانگیر بلاوجہ ہی تمھاری طرف سے شاکی رہتا ہے۔"

"یاد رکھنا کہ میرے ساتھ مسخرہ پن کر کے تم اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی "غزالہ کو مل جانے دو پھر دیکھنا کہ یہ خوش مزاجی کس طرح ہوا ہوتی ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں۔" میں نے جلدی سے گلاس میز پر رکھ کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "تم جو چاہے سزا دے لو لیکن غزالہ کے بارے میں ایسی بات نہ کہو۔ وہ مجھ سے اتنے عرصے تک دُور رہی ہے کہ اب تمھاری بہت سی باتوں کو سچ مان لے گی۔ اس معاملے میں تمھاری کوئی بھی شرارت مجھے بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔۔۔"

"دیکھ لیا۔" جہانگیر نے بستر پر بیٹھے بیٹھے فخریہ لہجے میں ہانک لگائی "میں تو میں، میرے دوست بھی تم سے ڈرتے ہیں لیکن تم ہو کہ پھر بھی ہم سے ناخوش رہتی ہو۔ جاؤ ڈیئی کے

لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ یہ صورت ہی سے بھوکا لگ رہا ہے۔ یہ دو تین گلاس پی کر کھانا کھائے گا۔"

میں بے بسی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا اور سلمیٰ ٹِنک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی جہانگیر نے مسہری کے نیچے ہاتھ ڈال کر بلیک اینڈ وھائٹ کی بوتل نکالی جو ایک چوتھائی خالی ہو چکی تھی۔ شاید وہ دن بھر بستر پر پڑا پڑا سلمیٰ کی نظریں بچا کر بوتل ہی سے چسکیاں لیتا رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ سلمیٰ اس کی حرکت سے واقف ہونے کے باوجود اپنا بھرم برقرار رکھنے کے لیے انجان بنی رہی ہو۔ وہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لانے سے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ اس کے کمرے میں جہانگیر کے پاس پوری بوتل موجود تھی جو اس وقت تین چوتھائی نظر آرہی تھی۔

"ذرا لپک کر فریج سے برف کے ڈلے تو لے آؤ۔"

میں نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے سلطان شاہ کو پچکارا اور اپنا گلاس جہانگیر کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"سلمیٰ کو چڑانے کی بات اور تھی لیکن اب آدمیوں کی طرح صبر سے پیو۔ نہ ہم کو اب کہیں جانا ہے اور نہ بوتل کہیں بھاگی جا رہی ہے۔" وہ میری ہلکی سی ہچکی پر بُرا سا منہ بناتا ہوا بولا۔ "ابھی سے ہچکیاں لو گے تو تھوڑی دیر میں سر کے بل کھڑے ہوئے نظر آؤ گے۔"

"یہ اسکاچ کی ہچکی نہیں تھی۔" میں نے بستر پر اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "غزالہ نے مجھے یاد کیا ہوگا۔ آج مجھے دن میں بھی ہچکیاں آتی رہی ہیں۔"

"آج تم سارا دن کہاں غائب تھے؟" وہ گلاسوں میں اسکاچ انڈیل کر بوتل کا منہ بند کرتے ہوئے بولا۔ "وہ بتا رہی تھی کہ دوپہر میں تم نے فون کیا تھا۔"

"بس بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔" میں نے کہا پھر دروازے پر نگاہ رکھتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "کل کے اخبارات سے پتا چلے گا کہ میں آج کہاں تھا۔ آج ایسا زبردست کام ہوا ہے کہ ویرا تو کیا اس کا باپ بھی کئی مہینوں تک یہاں شی کو نہیں سنبھال سکے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ اس مار دھاڑ اور دھما چوکڑی سے ہماری جان کب چھوٹے گی؟" اس کے لہجے میں دبا دبا سا احتجاج موجود تھا۔ "اب تو سلمیٰ پتا کھڑکنے پر بھی بُری طرح بھڑک رہی ہے۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے پر زردی نے ڈیرے جما دیے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آج وہ فتنہ بھی دفن ہوگیا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "شی والے یہاں معراج دین کی افرادی قوت کے بل پر اُودھم مچائے ہوئے تھے۔ آج میں نے اس کے اڈّے کی عمارت اور ساکھ کو بُری طرح خاک میں ملا دیا ہے۔"

"پھر یہ اپریٹس کیوں ساتھ لیے پھر رہے ہو؟" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"آدھا گھنٹا پہلے ویرا سے بات ہوئی تھی۔ وہ ماجے کے انجام سے بے خبر اپنے نامعلوم ٹھکانے پر اکیلی شراب پی رہی تھی۔ وہ مجھ سے دوبارہ کسی بھی وقت رابطہ قائم کرسکتی ہے۔ اسی لیے میں نے اپریٹس آن رکھا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نشے کی جھونک میں وہ کوئی ایسی بات بتا جائے جو میرے سارے مسائل کی کنجی ثابت ہو۔ تھوڑی دیر کے لیے سلمیٰ کو اس کمرے سے دُور ہی رکھنا۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "روٹیاں ختم ہو چکی ہیں اسے تمھارے لیے روٹیاں پکانے میں خاصی دیر لگ جائے گی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ہم سے دُور ہی رہے گی۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہے کہ اس وقت ہم دونوں ہی اس کی کھنچائی کے موڈ میں ہیں۔"

اسی وقت سلطان شاہ آئس پاٹ میں برف کے پارچے اور یخ بستہ پانی لے آیا۔ جہانگیر نے پگھلی ہوئی برف کا پانی باری باری دونوں گلاسوں میں انڈیلا تو سلطان شاہ فضا میں رچی ہوئی الکحل کی بُو پر بڑے بڑے منہ بنا رہا تھا۔

"چاہو تو تم کمرے میں جا کر آرام کرسکتے ہو۔" میں نے اسے کھسکنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے کہا۔ "کئی دن بعد ذہن کا بوجھ ہلکا ہوا ہے تو اب ہم ذرا دیر تک بیٹھیں گے۔"

"میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔" اس نے بے پروائی سے کہا اور میں سمجھ گیا کہ وہ وہاں موجود رہ کر ہماری گفتگو سُننا چاہ رہا تھا۔

جہانگیر ان دنوں اپنے گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا اس لیے اُسے میری سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ جان لینے کا خبط ہوگیا تھا مگر میں نے اُسے وہی کچھ بتایا جو میری دانست میں ضروری تھا۔ اسی مواد میں ویرا کا قصہ بھی تھا جسے سن کر جہانگیر کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں وہ یاد رہی نہیں کرسکتا تھا کہ ویرا جیسی عورت جو ایک طرف میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی، دوسری طرف مجھ سے محبت کا دعویٰ بھی کر سکتی تھی۔ شاید میں اسے وہ کہانی نہ سُناتا لیکن اپریٹس پر آنے والی متوقع کال کے پیشِ نظر اسے پورے پس منظر سے آگاہ کرنا ضروری تھا ورنہ وہ یہی سمجھتا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ پھر ویرا کے ساتھ گلچھرے اُڑانے شروع کر دیے تھے۔

"آخر یہ ویرا کس مٹی سے بنی ہوئی ہے؟" اس نے تعجب آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں بہت سی عورتیں دیکھی ہیں لیکن اتنی ڈھیٹ، دلیر اور بے شرم عورت نہیں دیکھی جو اپنے محبوب پر تلوار سونت کر اس سے عشق کا اظہار کرتی ہو۔"

"یہ ویرا ہی ہے جو آج بھی صحیح الدماغ ہے۔ اس کے باپ نے خاص طور پر ڈان مرسیا نو بن کر روم میں اُسے جو غلیظ تربیت دی تھی اس کے بعد تو کوئی بھی عام لڑکی مستقل ذہنی مریضہ بن سکتی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت دلیر اور حوصلہ مند ہے لیکن اُس کے باپ نے اپنے مذموم مقاصد کی خاطر اس کے خمیر میں ڈھٹائی اور بے شرمی کے جراثیم بھی گوندھ دیے ہیں۔" میں نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "وہ تو نفسیاتی طور پر بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے مگر میں ہر طرح سے نارمل ہونے کے باوجود اُس کے بارے میں متضاد جذبات کا شکار رہوں کبھی اُسے ذبح کر دینے کو دل چاہتا ہے اور کبھی اُسے ایک معصوم اور بے سہارا عورت سمجھ کر اُس سے ہمدردی پیدا ہونے لگتی ہے۔"

"یہی میں کہہ رہا تھا۔" سلطان شاہ ایک دم بول پڑا۔ "اور تم نہیں مان رہے تھے کہ شراب میں بس یہی ایک اچھائی نظر آتی ہے کہ یہ اندر جاتی ہے تو اندر سے سچ زبان پر آجاتا ہے اپنی اس ہمدردی کو قابو میں رکھو ورنہ وہ تمھارا سر سہلاتے سہلاتے اچانک تمھاری گردن اڑا دے گی میری نگاہ میں وہ ایک ہوس پرست، پاگل اور جنونی عورت ہے جو اپنی خوشی کے لیے کسی بھی وقت کچھ بھی کرسکتی ہے۔"

"سلطان شاہ درست کہہ رہا ہے۔" جہانگیر نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک زہریلی ناگن ہے، خوبصورت اور زہریلی، جو اپنے حُسن سے شکار کو مسحور کرلیتی ہے اور پھر اُسے ڈس لیتی ہے۔ تمھیں اُس کی طرف سے ہر وقت محتاط رہنا چاہیے ورنہ وہ کوئی بھی گُل کھلا سکتی ہے۔"

"میں شیر خوار بچہ نہیں ہوں یار۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "اپنی دلی کیفیات بتانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں واقعی اس کی خیر خواہی شروع کر دوں گا۔ یہ سب میں نے صرف اس کے کردار کی وضاحت کے لیے بتایا تھا۔"

"اس کے گھناؤنے کردار کا میں خود شاہد ہوں۔ تم اس بارے میں زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہوگا۔" سلطان شاہ اس وقت یکایک بزرگانہ موڈ میں آگیا تھا۔

"ویرا کالنگ فارڈینی۔ . . اوور!" اچانک خواب گاہ کی محدود فضا میں ویرا کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری اور ہم سب یوں خاموش ہوگئے جیسے ہمیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

میرے داہنے ہاتھ میں گلاس موجود تھا۔ اس لیے بائیں ہاتھ میں اپریٹس اٹھا لیا۔

"تم کچن میں جا کر سلمیٰ کو وہیں مصروف رکھو۔" جہانگیر نے ایک جھٹکے کے ساتھ سلطان شاہ سے کہا۔ "وہ ادھر آنکلی تو سارا معاملہ گڑبڑ کر دے گی۔"

"اسے آنے دو، بلکہ اسے بُلا لاؤ۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔ "اسے اپریٹس سے دور رہ کر غزالہ کی سی اداکاری کرنی ہے۔ ویرا کے لیے اپریٹس پر پس منظر سے سُنائی دینے والی نسوانی آواز ہی کافی ہوگی۔ فاصلے کی وجہ سے وہ لب و لہجے میں تمیز نہیں کرسکے گی۔"

اسی اثنا میں اپریٹس پر دوبارہ ویرا کا پیغام سنائی دیا اور اس بار میں نے لائن اوور ہوتے ہی اس کی کال کا جواب دے ڈالا۔

"غنیمت ہے کہ تمھاری آواز سنائی دی ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ تم اپنا اپریٹس آن رکھنا بھول گئے۔" اُس کی آواز پر واضح طور پر نشے کا غلبہ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ "اپریٹس آن ہونے کا مطلب ہے کہ تمھارے دل کے کسی گوشے میں میرا خیال ضرور موجود ہے۔ . . اوور!"

"یہ تمھاری خوش فہمی بھی ہوسکتی ہے ویرا!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے میں نے جو کچھ کہا اسے تم نے میری قلابازی قرار دیا تھا اس لیے اب کسی اور موضوع پر بات کرو کیونکہ اب میں تنہا نہیں ہوں۔ غزالہ واپس آچکی ہے اور کسی بھی لمحے ادھر آسکتی ہے اوور۔"

جہانگیر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور سلطان شاہ میری ہدایت پر پہلے ہی سلمیٰ کو بلانے جا چکا تھا جو کچن میں میرے لیے روٹیاں تیار کر رہی تھی۔

"غزالہ آگئی ہے؟" اس کی مخمور آواز تحیّر آمیز ہوگئی۔ "تو ذرا اس سے میری بھی بات کرا دو، اوور۔"

اسی وقت سلمیٰ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی سلطان شاہ کے ہمراہ خواب گاہ میں آگئی۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھتی رہی لیکن زبان سے کچھ نہ بولی۔ شاید سلطان شاہ نے اسے راستے ہی میں اس بارے میں بریف کر دیا تھا۔

"غزالہ شاید ہی تم سے بات کرنا پسند کرے گی . . . تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض و حسد کے جذبات موجود ہیں۔ اس لیے میں خود بھی یہ تماشا پسند نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے سے لڑتی ہوئی حسین ترین عورتیں بھی مجھے چمگادڑوں کی طرح محسوس ہوتی ہیں، اوور!"

"تم بہانے بازی کر رہے ہو ڈینی۔ شاید تم ابھی تک اکیلے

ہو اور تمہاری چمگادڑ کہیں کسی پرانے شہتیر سے اُلٹی لٹکی ہوئی ہے۔۔۔ سچے ہو تو اسے بلاؤ۔ یہ اپریٹس بہت حساس ہے۔ میں اس کی آواز سن لوں گی۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھے گالیاں ہی دے لے گی۔ اوور!"

"تم سنتی رہو۔ میں اسے بلاتا ہوں!" میں نے سلمیٰ کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اس لیے اپنا رول بخوبی سمجھ چکی تھی اور فوراً ہی کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں نے ٹرانسمیشن بٹن پر سے اپنی انگلی کا دباؤ ختم کیے بغیر غزالہ کا نام پکارا اور سلمیٰ نے دور سے "میں ابھی آئی" کی ہانک لگائی۔ چند ثانیوں بعد وہ خواب گاہ کے دروازے پر آ کر رُک گئی۔

"اپریٹس پر ویرا تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔" میں نے ویرا کو سنانے کے لیے کہا۔

"میں اس حرامزادی کی آواز کی بھی روادار نہیں۔" سلمیٰ نے بے مثال صداکاری کرتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "یہ حرافہ میرے سامنے ہوتی تو میں ابھی اس کا منہ نوچ لیتی۔"

"اچھا! تم جاؤ، میں اس سے بات کر کے آتا ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ جواب میں سلمیٰ نہ جانے کیا بڑبڑانے لگی اور پھر چپ ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اُس کی بڑبڑاہٹ دوسری طرف سن لی گئی ہو گی۔

"سن لیا تم نے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپریٹس میں ویرا سے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ انکار کر دے گی۔ اب بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ اوور!"

"جس کے پاس اپنے لیے کچھ نہ ہو اس سے میں کیا چاہ سکتی ہوں؟" اُس کی آواز بہت تلخ اور کاٹ دار ہو گئی۔ "مجھے خوشی ہے ڈینی کہ میرا دل دکھا کر تم بھی سکھی نہیں ہو، میری ہی طرح تنہا اور اُداس ہو۔ غزالہ کی موجودگی کا جو ڈراما تم نے رچایا ہے وہ سراسر فراڈ ہے۔ فاتح تم نہیں، میں ہوں۔" اور پھر اچانک ہی اپریٹس پر اس کا ہذیانی قہقہہ گونجنے لگا۔

اُس کا ہنسنے کا انداز خود میرے لیے بھی اجنبی اور بہت زیادہ پُراسرار تھا۔ نہ جانے وہ نشے کی جھونک میں ہنس رہی تھی یا اس ہنسی کا کوئی ٹھوس سبب بھی تھا!

مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ غزالہ کا سراغ لگا چکی تھی اور اس وقت مجھے بے وقوف بنا کر میری بے بسی کا مضحکہ اُڑا رہی تھی۔ وہ خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اچانک ہی بہنے لگا۔

میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا ہذیانی قہقہہ طویل ہوتا چلا گیا جو میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی ضرب بن کر لگ رہا تھا اور آخر میں نے خوف اور جھنجلاہٹ کے عالم میں اپریٹس آف کر دیا۔

قہقہے کی آواز معدوم ہوتے ہی یکلخت ایسا غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ جیسے کائنات گردش کرتے کرتے اچانک تھم گئی ہو اور کسی بھی لمحے سب کچھ ایک دوسرے سے متصادم ہو کر فنا ہونے والا ہو۔

"بڑی بھیانک ہنسی تھی اس کی!" کمرے میں چھائے ہوئے گمبھیر سکوت میں جہانگیر کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی۔ وہ ویرا سے ویسے بھی ذہنی طور پر بہت مرعوب تھا۔ پھر اس وقت تو ویرا کے غیر متوقع اور ہذیانی قہقہے نے خود مجھے بھی بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس لیے جہانگیر کا خوفزدہ ہونا کوئی تعجب انگیز واقعہ نہیں تھا۔ وہ شی سے عرصۂ دراز سے لاتعلق تھا لیکن ان لوگوں کی ماورائی بالادستی کے سحر سے نہیں نکل سکا تھا۔

"وہ عورت نہیں، پکی مداری ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔ "وہ جانتی ہے کہ کن حربوں سے تمھیں پریشان کر سکے گی۔ تمھارے ساتھ رہ کر اس نے تمھارے بارے میں بہت کچھ جان لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اس کا ہنسی کا دورہ ختم ہو گیا ہو۔ اپریٹس آن کرو تو پتا چلے گا کہ اب وہ کیا بک رہی ہے۔"

سلطان شاہ کی رائے معقول تھی۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا اضطراری ردِعمل تھا۔ اپریٹس آف کر کے میں کسی بھی صورتِ حال کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا جبکہ ویرا سے گفتگو جاری رکھ کر میں کم از کم اس کے ہذیانی قہقہے کا۔۔۔ سبب تو معلوم کر ہی سکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اپریٹس دوبارہ آن کر دیا مگر اس پر سکوت طاری تھا۔

"وقفہ خاصا طویل ہو گیا تھا۔" سلمیٰ نے رائے زنی کی۔ "تم کال کرو گے تو وہ ضرور جواب دے گی۔"

"نہیں۔" سلطان شاہ نے جلدی سے مجھے روک دیا۔ "اس نے قہقہہ لگا کر تمھیں پریشان کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب تو اگر تم رابطہ قائم کرنے میں پہل کرو گے تو وہ خوش ہو گی کہ اس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اپنا اپریٹس آن رکھ کر انتظار کرو، مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے بات کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس مکار عورت سے تم کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"اس کے الفاظ ذومعنی تھے۔" جہانگیر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "سلمیٰ کی آواز سن کر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ غزالہ کی موجودگی کا ڈراما سراسر فراڈ ہے۔ اس کا دل دکھا کر تمھارے سکھی نہ ہونے سے تو ایک ہی بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ اسے غزالہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو چکا ہے۔۔۔"

"یہ ضروری نہیں۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایسا ہوتا تو وہ غزالہ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار نہ کرتی بلکہ اپنی معلومات کے سہارے ڈینی کو جتاتی کہ غزالہ کے بارے میں بولے جانے والے جھوٹ سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے آواز کا فرق پہچان لیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم غیر ضروری قیاس آرائیوں میں اُلجھ رہے ہیں۔ چند منٹ تک اس نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کی تو میں خود اس سے بات کروں گا۔"

"تم تین مرد مل کر بھی اس ننھی سی آفت کو زیر نہیں کر سکتے۔" سلمیٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ تم میں سے کسی میں ذرا بھی ہمت ہو تو اس کی چوٹی کو تین بل دے کر ایک کونے میں ڈال سکتا ہے مگر تم لوگ سوچنے میں زیادہ وقت گزارتے ہو۔"

"مشکل یہی ہے کہ اس کی چوٹی نہیں ہے۔" جہانگیر گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا۔ "مردوں کا شکار کھیلنے والی ولایتی عورتیں سب سے پہلے اپنے بال ہی کٹواتی ہیں۔ تم نے ویرا کا صرف نام ہی نام سنا ہے۔ تمھیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کس خمیر سے پیدا ہوئی ہے۔۔۔"

"مجھے تو اسی وقت پتا چلے نا جب تم لوگ مجھے کسی قابل سمجھو۔ دن رات میری جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔ لیکن جب بھی کوئی گشت و خون ہوتا ہے تو تم لوگ مجھے جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر بہلا دیتے ہو۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ تم لوگ مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔ لیکن میں دانستہ خاموش رہتی ہوں۔ اس شہر میں لاکھوں اور گھرانے ہیں پھر آخر بار بار یہی گھر تشدد کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے۔ کیوں؟ ڈینی بیسیوں مسلح قاتلوں کو کہاں سے لے آتا ہے؟ تمھارے پاس وائرلیس اور ایسی ہی دوسری چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ یہ سب سامنے کے کھلے کھلے سوال ہیں مگر میں کس سے پوچھوں کہ۔۔۔"

سلمیٰ نے کسی دکھی خانہ دار عورت کی طرح شکوے شکایات کے لیے بظاہر ایک لمبا اسٹارٹ لیا تھا لیکن ٹرانسمیٹر پر ویرا کی مخمور آواز سن کر میں نے سختی سے سلمیٰ کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور وہ اپنا فقرہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گئی لیکن الفاظ کی راہ نہ پانے والی اس کی ساری شکایتیں اس کی آنکھوں میں مجسم ہو کر رہ گئی تھیں۔

"ویرا فار ڈینی ڈارلنگ۔۔۔ اوور!" اپریٹس پر اس کی خمار سے بوجھل آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اب کیا تکلیف ہے تمھیں؟ اوور۔" میں نے اپنے تجسس کو پوشیدہ رکھتے ہوئے بیزاری اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور اس کی ہنسی میں بھی نشے کے اثرات واضح تھے۔ "بس تمھاری یہی ادائیں تو مجھے دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ میری ہنسی سن کر اپریٹس تم نے بند کیا تھا اور اب میری تکلیف جاننا چاہ رہے ہو۔ سچ کہتی ہوں کہ اس وقت مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ میں اندر تک سے خوش ہوں۔ اوور۔"

"اندر کی اس خوشی کا کوئی قابلِ ذکر سبب بھی ہو گا؟ اوور۔" میں نے پوچھا۔

"خوشی اس بات کی ہے کہ اب میری طرح تم بھی دُکھی ہو۔" اس کی آواز ابھری۔ "تمھیں ہر وقت اپنے جیسا دیکھنے کی خواہش ہی اب میری سب سے بڑی خوشی ہے۔ اوور۔"

"اندھا اپنی آنکھیں حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے دوسروں کی آنکھیں پھوڑ کر خوشی حاصل کرتا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بڑی اچھی سوچ ہو گئی ہے تمھاری۔ اوور۔"

"میں تمھیں کھو کر اداس ہوں اور تم غزالہ سے بچھڑ کر تنہا ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس سودے میں خسارہ ہم دونوں کا ہوا ہے۔ غزالہ نفع میں رہی ہے۔ ہر روز آشنائیاں بدل کر زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے اور تم ابھی تک اس کے نام کی مالا جپ رہے ہو۔ اوور۔"

"الکحل شاید تمھارے دماغ کی جڑوں تک میں اُتر چکی ہے اسی لیے تم خرافات بکنے پر تل گئی ہو۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔ "یا پھر غزالہ کی آواز سن کر تمھارا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔ رات بھر کی نیند کے بعد صبح دماغ سے دھند صاف ہو گی تو مجھ سے بات کرنا۔ میں صبح آٹھ بجے تمھاری کال کا انتظار کروں گا۔ اوور۔"

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، الکحل میرے خون میں شامل چلی آ رہی ہے اور میرا ذہنی توازن بھی درست ہے۔ مگر تم یہ بھول رہے ہو کہ غزالہ کے بارے میں تم پوری

دنیا کو دھوکا دے سکتے ہو، مگر مجھے فریب دینا ناممکن ہے۔ تم نے مجھے جو آواز سنائی، وہ غزالہ کی ہرگز نہیں تھی۔ اوور۔"

"اب شاید تم یہ کہو گی کہ غزالہ میری محبوبہ ضرور ہے لیکن اس کو تم نے جنا ہے اس لیے تم اسے مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ اوور۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتی لیکن غزالہ کو میں اس سے بھی زیادہ جانتی ہوں۔" اس کی خمار آلود آواز سنائی دی۔ کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولی "شاید تمھیں علم نہیں کہ غزالہ جتنے عرصے میری تحویل میں رہی، میں اس کا گہرا مشاہدہ اور تجزیہ کرتی رہی ہوں۔ خوبصورتی میں اگر میں اس سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہوں۔ میں نے اس کی آواز اور چال ڈھال سے لے کر اس کے انداز و اطوار تک پر نگاہ رکھی تھی کہ اس میں وہ کون سی خوبی ہے جو تمھارے دل کو بھاتی ہے اور میں اس خوبی سے محروم ہوں۔ اس ارتکاز کے نتیجے میں غزالہ کے نقوش اور عادات سے اس کی آواز تک، ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں اسے لاکھوں کے ہجوم میں پہچان سکتی ہوں۔ شہر میں صُور پھونکا جا رہا ہو تب بھی اس کی آواز پہچان سکتی ہوں۔ اسی وجہ سے میں غزالہ سے بات کرنے پر اصرار کر رہی تھی اور آخر کار میرا شبہ درست ثابت ہوا۔ غزالہ تمھارے پاس نہیں ہے۔ تم اس کے فراق کی آگ میں جل رہے ہو مگر مجھے جلانے کے لیے تم نے کسی اور کو غزالہ بنا کر اس کی آواز مجھے سنائی اور یوں تم میری نگاہوں میں اپنا بھرم کھو بیٹھے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ دلدار کو دغا دینے کے بعد اب وہ کس کے پاس گئی ہے؟ اوور۔"

اس کے دلائل مضبوط تھے۔ اس لیے اس سے بحث میں الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اس کی چڑانے والی گفتگو کے جواب میں سرد اور سپاٹ رویّہ اختیار کر لیا۔

"میں نے غزالہ کی تم سے بات کرا دی۔ اگر تم اس کو غزالہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو یہ تمھاری اپنی مرضی ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہیے۔ کوئی خود فریبی اگر تمھارے تھکے ہوئے ذہن کو سکون دے سکتی ہے تو اسے ہر صورت میں برقرار رہنا چاہیے۔ اوور۔"

"خود فریبی نہیں، یہ میرا یقین ہے جسے تم اپنے کسی حربے سے متزلزل نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز میں قدرے برہمی پیدا ہو گئی تھی "جس طرح میں نے اپنی ہزاروں دوستیوں کے باوجود صرف اور صرف تمھیں چاہا، اسی طرح روئے زمین پر میں نے صرف غزالہ سے رقابت محسوس کی ہے۔ پچھلی بار میں نے غلطی سے غزالہ کو تم سے دور کر دیا تھا اور پھر بعد میں اپنے اس اقدام پر خود پشیمان رہی تھی۔ لیکن اس بار ہمارے درمیان ٹھن چکی ہے۔ غزالہ تم سے الگ ہے اس لیے میں اسے تلاش کروں گی اور اپنی قید میں رکھ کر ایسی ایسی نادر ایذائیں پہنچاؤں گی کہ وہ تم سے مل کر بھی نہ مل سکے گی۔ تم دونوں ہمیشہ کے لیے ہی پیاسے رہو گے۔ اس کے بارے میں میں پوری طرح آزاد ہوں اور آزاد رہوں گی۔ البتہ اپنے دو وعدوں کے سلسلے میں تم مجھے سچا پاؤ گے۔ جب تک تم جاز فارماسیوٹیکل کو بھولے رہو گے، میں جہانگیر اور اس کی بیوی کو بھولی رہوں گی۔ اسی کے ساتھ پہلی دو بدو ملاقات میں اگر مجھے تم پر بالادستی حاصل ہوئی تو تم میرا رویّہ دوستانہ پاؤ گے۔ ان دو شریفانہ معاہدوں کے علاوہ ہم دونوں پر ایک دوسرے کا نہ کوئی حق ہے اور نہ دعویٰ، تم اپنی من مانی کرتے رہو، میں اپنا کھیل کھیلوں گی۔ اوور۔"

"تم ہمیشہ ہی اپنے کھیل کھیلتی رہی ہو۔ تم جیسی آزاد خیال اور بے باک لڑکی کو اس کے من پسند کھلونے بھی آرام سے مل جاتے ہیں۔ غزالہ میری تحویل، رفاقت اور حفاظت میں ہے۔ اس بار تمھارا سایہ بھی اس تک نہیں پہنچ سکے گا۔" اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اٹلی سے تازہ بہ تازہ کراچی وارد ہوئی تھی اور اس نے پے در پے دو مُحرکے بھی سر کر ڈالے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ پُرعزم اور باعتماد محسوس ہو رہی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے اعتماد کو متزلزل کیا جائے تاکہ وہ اونچی اڑان لینے سے باز رہ سکے۔ اس فوری خیال کے تحت میں نے اچانک ہی اپنی گفتگو کا رُخ موڑ دیا۔ "میرے اور غزالہ کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرنے کے بجائے اگر تم اپنے گھر کی خبر لو تو زیادہ فائدے میں رہو گی۔ اوور۔"

"میں آفاقی برادری کی قائل ہوں۔ میرا کوئی بھی گھر نہیں اور دُنیا کا ہر گھر، میرا گھر ہے۔ تم کس گھر کی بات کر رہے ہو؟ اوور۔" اس نے شاید میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تھی۔

"فضا میں جہاز اُڑا لینے سے تم جیسی کوئی لڑکی آفاقی برادری میں شامل نہیں ہو جاتی مس ماریانا گبرائیل۔" میں نے استہزائیہ انداز میں اسے اس نام سے مخاطب کیا جو اس نے پاکستان میں داخلے کے لیے استعمال کیا تھا۔ "یہ اور بات ہے کہ میلان سے کراچی تک کے سفر میں انطونیو تمھیں نادیدہ جہانوں کی سیر کراتا رہا ہو۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم کو اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ اوور۔"

"یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ تم نے میرے فرضی نام اور میرے ساتھی کا سراغ لگا لیا ہے۔ یہ کام تو تیسرے درجے کے نکمے سراغرساں بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اپنی ان معلومات کے سہارے تم امیگریشن کے مقامی حکّام کو میرے پیچھے لگانے کی گھٹیا حرکت نہیں کرو گے۔ اوور۔"

"دو شریفانہ معاہدوں کے علاوہ ہمارا ایک دوسرے پر کوئی حق ہے اور نہ دعویٰ۔" میں نے اسی کی کہی ہوئی بات اسے لوٹا دی۔ "اگر تم انطونیو کی خوش فعلیوں کی وجہ سے امید سے ہو تو اور بات ہے لیکن مجھ سے کوئی امید ہرگز نہ رکھنا۔ جنگ میں ہر اعلیٰ اور گھٹیا حربہ جائز ہوتا ہے۔ اوور۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سلمیٰ بُرا سا منہ بناتی ہوئی خواب گاہ سے چلی گئی۔ جہانگیر کی موجودگی کی وجہ سے اس کے لیے یہ اداکاری لازم ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ عامیانہ گفتگو سے بھی لُطف اندوز ہونے کا خاصا ذوق رکھتی تھی اور کئی بار مجھے نرغے میں لے چکی تھی۔

"یہ حق اور دعوے کی بات نہیں، معیار کی بات ہے۔ چھچھورے دشمن سے ذلیل ترین وار کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن اصول پرست حریف دشمنی میں بھی وضعداری سے کام لیتے ہیں۔ میں تمھیں کسی بھی اقدام سے نہیں روک سکتی۔ لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ میں گھٹیا پن پر اُتر آئی تو میرے آدمی شہر کی سڑکوں سے تمھارا گزرنا بھی محال کر دیں گے اوور۔"

آخر کار اس کی زبان سے وہ بات نکل ہی گئی جس کا میں انتظار کر رہا تھا اور مجھے اس پر اپنی کارگزاری ظاہر کرنے کا موقع مل گیا۔

"تم جن آدمیوں پر تکیہ کر رہی ہو، ان کی خبر تو لے لو۔ وہ بے چارے اس وقت عالم بالا یا عالم نزع میں تم جیسی کسی فراخ دل اپسرا کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اوور۔"

"پتا نہیں، تم کیا بک رہے ہو اوور۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز اُبھری۔

"بک نہیں رہا، بلکہ فرما رہا ہوں۔" میں نے جھنجھلاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم معراج دین عرف ماجے کا لشکر لے کر میرے اوپر آئی تھیں۔ میں نے تمھیں نظر انداز کر کے ماجے کو سزا دی ہے۔ اب تم اس پر یا اس کے آدمیوں پر انحصار نہیں کر سکو گی۔ اس وقت ان سب کی بد روحیں آگ چاٹ کر جہنم میں بلبلاتی پھر رہی ہوں گی۔ ہو سکے تو ان میں سے زندہ رہ جانے والے لوتھڑوں کی خبر گیری کرو تاکہ ہر طرف سے تنہائیوں کے اندھیرے میں گھِر کر نہ رہ جاؤ۔ یہ شراب نوشی تمھیں فریب تو دے سکتی ہے سہارا نہیں۔ اوور۔"

"پی میں رہی ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ نشہ تم کو ہو رہا ہے۔" اس کی آواز اور لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "تم نے کہیں سے ماجے کا نام سُن لیا ہو گا اور اب مجھے بوکھلانے کے لیے اس کی موت کی ... گھڑ ... رہے ہو۔ اپنا یہ کارنامہ تمھیں اتنی دیر سے کیوں یاد نہیں آیا؟ اوور۔"

"میں اسے کارنامہ نہیں سمجھتا۔ یہ تو میرے جاں نثاروں کی معمولی سی کارگزاری ہے۔ اس وقت بہک رہی ہو تو صبح کا اخبار دیکھ لینا۔ اب رات ڈھل رہی ہے، میں صبح تک تمھاری دل جوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اب جلدی گفتگو ختم کرو، مجھے آرام بھی کرنا ہے اوور۔"

"تم بے پروائی ظاہر کر کے میری نیند نہیں اڑا سکتے۔ شاید تمھیں علم نہیں کہ ماجا شیر کی طرح دلیر اور چیتے کی طرح مکّار ہے۔ اس پر آسانی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اوور۔"

"میں نے تمھیں صرف ایک خبر سنائی ہے۔ تمھیں اس پر یقین کرنے پر مجبور نہیں کر رہا۔ اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو تو گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے سکون سے سو جاؤ۔ صبح کے اخبارات سے تمھیں اپنے دلیر اور مکّار درباری کے انجام کا علم ہو جائے گا اس وقت چاہو تو مجھ سے دوبارہ بات کر لینا اوور۔"

"ٹھیک ہے، صبح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ فی الحال اوور اینڈ آل۔"

میں نے جوں ہی اپریٹس آف کیا، سلطان شاہ اور جہانگیر نے پُرجوش آواز میں تقریباً ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ ان کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری کسی بات سے اختلافِ رائے کرنا چاہ رہے تھے۔ ان میں سے جہانگیر اہلِ خانہ تھا اور سلطان شاہ اس کا مہمان، لہٰذا سلطان شاہ نے خاموشی اختیار کر کے جہانگیر کو بولنے کا موقع دیا۔ وہ مجھ سے الجھ پڑا۔

"عورت کی لگاوٹ سے تم ایسے ریشہ خطمی ہو جاتے ہو کہ تمھیں اپنی کھوپڑی اور زبان پر بالکل اختیار نہیں رہتا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا تھا۔

"پتا تو چلے کس بات پر تم اتنے برہم ہو رہے ہو؟" میں نے پُرسکون انداز میں سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں تم دونوں کو مجھ سے کیا عداوت ہو گئی ہے کہ جب ویرا سے ذرا سی سیاسی گفتگو کرتا ہوں تو تم ایک دم بھڑک اٹھتے ہو۔ تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ جب میں اس سے بات کرتا ہوں تو ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر بولتا ہوں۔"

"سیدھے ٹریک پر چلتے چلتے تمھیں ماجے کے ...

میں زبان کھولنے کی کیا تکلیف لاحق ہو گئی تھی؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔ سلطان شاہ اپنی کھوپڑی کو تفہیمی انداز میں جنبش دے کر جہانگیر کا ساتھ دے رہا تھا۔

"میں نے وہ ذکر دانستہ تاخیر سے چھیڑا کیونکہ میں موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے یہ جتانا بہت ضروری تھا کہ ماجے کے کریا کرم میں ہمارا ہاتھ ہے۔"

"اگر اسے نہ بتلاتے تو کون سی قیامت آجاتی؟" جہانگیر مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔

"اس پر بالادستی حاصل کرنے کے لیے یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "صبح کے اخبارات میں پڑھ کر وہ ہم سے خوفزدہ ہو جائے گی۔"

"اور ہماری اس کارروائی کا انتقام لینے کے لیے کوئی نئی منصوبہ بندی شروع کر دے گی۔" جہانگیر نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہو، تو تم اس کے انتقام سے خوفزدہ ہو۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر استہزائیہ انداز میں کہا۔ "تم فکر نہ کرو، میرے انکشاف نے اس کی کمر توڑ دی ہو گی۔ اب اسے ہمارے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے دس بار سوچنا پڑے گا۔ اور تم تو ویسے بھی میرے اور اس کے معاہدے کی رو سے امان میں آئے ہوئے ہو۔ وہ تمھیں چھیڑ کر جاز فارماسیوٹیکل کے لیے کوئی خطرہ کھڑا نہیں کرے گی۔"

"بس اب چپ رہو۔" جہانگیر نے قدموں کی ہلکی سی دھمک محسوس کر کے اضطراری لہجے میں کہا۔ "سلمیٰ کے سامنے ماجے کا قصہ نہ چھیڑنا، ورنہ وہ واقعی خوفزدہ ہو کر میکے چلی جائے گی۔"

"تم بھی نرے جورو کے غلام ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"فکر نہ کرو، تمھاری شادی ہو گی تو ساری مردانگی سامنے آجائے گی۔" وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا ہوا غرایا۔

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اسی وقت سلمیٰ کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"پی چکے ہو تو اب کھانا لگا دوں؟" سلمیٰ نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں سوال کیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اسی کے ساتھ اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر سینٹر ٹیبل پہ کھانے کی ٹرے رکھ کر میرے سامنے پلیٹ سجا دی تھی۔

"تم مجھے بلاوجہ کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔" میں نے اپنے گلاس سے آخری قطرے اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے احتجاج کیا۔ "جہانگیر مجھ سے زیادہ پیتا ہے۔ ابھی ابھی اس نے اپنی مسہری کے نیچے سے جو بوتل نکالی تھی وہ ایک چوتھائی خالی ہو چکی تھی۔ یہ شاید شام سے ہی چوری چھپے چسکیاں لیتا رہا ہے۔"

"ہمیں آپس میں لڑانے کی کوشش نہ کرو۔" جہانگیر شرمندہ ہونے کے بجائے جارحانہ انداز میں غرایا۔ "ڈھکن ڈھیلا رہا ہو گا اسی میں سے تھوڑی بہت بہہ گئی ہو گی۔"

"وہ نئی بوتل تھی۔" سلمیٰ نے خشک لہجے میں کہا۔ "اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ ولایتی بوتلوں کی سیل توڑے بغیر ڈھکن لیک نہیں ہوتے۔ اس بوتل کی سیل کیسے ٹوٹ گئی؟"

"مجھے کیا پتا، اسی سے پوچھو۔" جہانگیر نے ڈھٹائی سے کہا۔ اس کا اشارہ میری جانب تھا۔ "میں تو دن بھر یہاں بستر میں پڑا رہتا ہوں۔ یہی کیبنٹ میں بوتلوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے۔"

میں نے اس کی دیدہ دلیری پر ایک گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور پھر بے بسی کے ساتھ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ریٹا کے ساتھ تمھارا کیا چکر چل رہا ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلمیٰ نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"کس ریٹا کی بات کر رہی ہو تم؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تو دو چار ریٹاؤں سے مراسم ہیں تمھارے؟" اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "کبھی شراب نوشی میں اپنے ساتھ کے لیے اسے یاد کرتے ہو اور اس وقت اسے پہچاننے سے بھی منکر ہو رہے ہو۔"

میں اپنی خالی الذہنی کی وجہ سے اضطراری طور پر وہ سوال کر بیٹھا تھا، ورنہ اگلے ہی لمحے میں مجھے سلمیٰ کی وہ خوب رو پڑوسن یاد آگئی تھی جسے مافیا والوں کے کی کلب میں دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔

ریٹا ڈی سوزا سلمیٰ کے محلے کی ایک شادی شدہ غیر مسلم خاتون تھی۔ جو لاولد ہونے کی وجہ سے سوشل سرگرمیوں میں خاصی دلچسپی لیتی تھی۔ پھر وہ متوفی اسرار رضوی سے اپنے نجی مراسم کی وجہ سے کی کلب جا پہنچی۔ وہ دونوں اپنے جس مذموم

تفریحی مقصد کے لیے کی کلب میں یکجا ہوتے تھے، وہ کی کلب والوں کے لیے کوئی راز نہیں تھا کیونکہ اس کلب کی آڑ میں ایسی ہی سرگرمیوں کو فروغ دے کر بااختیار اعلیٰ افسران کو مٹھی میں لیا جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی بے راہ روی کی فلمیں تیار کی جاتی تھیں تاکہ کسی مرحلے پر ان کے انکار کی صورت میں بدنامی کی دھمکی دے کر انھیں مافیا کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

ریٹا سے میری پہلی ملاقات سلمیٰ کے ڈرائنگ روم میں اس وقت ہوئی تھی جب دلدار آغا نے جہانگیر کو اغوا کرالیا تھا اور سلمیٰ اپنے گھر میں سخت تشویش اور اضطراب کے عالم میں تنہا تھی۔ دوسری بار میں نے ریٹا کو کی کلب میں اس رات دیکھا جب دلدار آغا کو جہنم واصل کیا گیا تھا۔

دوسروں کی طرح ریٹا نے بھی اپنی رنگین مزاجی کے بارے میں ایک معصومانہ سی کہانی تراشی ہوئی تھی۔ جس سے میں ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا لیکن میں نے ریٹا کی یہ التجا قبول کر لی تھی کہ اس کی کی کلب سے وابستگی کے بارے میں سلمیٰ کو کچھ نہ بتایا جائے۔ اپنے محلے میں وہ اپنا عزت دار گھریلو خاتون کا بھرم برقرار رکھنے کی آرزومند تھی جب کہ کی کلب میں پہلا سودا عزت ہی کا ہوا کرتا تھا۔

"ریٹا کیوں یاد آگئی اس وقت تمھیں؟" میں نے ہنستے ہوئے سلمیٰ سے سوال کیا۔ "اس سے تم نے ہی یہاں متعارف کرایا تھا۔ میرا کیا چکر چل سکتا تھا اس کے ساتھ؟"

"آج اس نے دوبار تمھارے لیے فون کیا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "دوسری بار اس نے پیغام چھوڑا تھا کہ جب تم واپس لوٹو تو اسے فون کر لینا۔"

"اور تم اب بتا رہی ہو؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمھیں فرصت ہوتی تو بتاتی۔ چاہو تو اس وقت بھی اس سے بات کر سکتے ہو۔"

"کافی دیر ہو گئی ہے۔ اس کا شوہر کیا خیال کرے گا۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں میں کافی ذہنی ہم آہنگی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسا کرتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈی سوزا تنگ نظر نہیں ہے۔"

سلمیٰ اپنا جواز دیتی رہی اور میں اندر سے جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ڈی سوزا تنگ نظر نہیں تھا اور اپنی بیوی پر بھروسا کرتا تھا لیکن ریٹا اس سے چھپ کر اس بھروسے کا خون کر رہی تھی۔ اسرار رضوی کے ساتھ اس کی دوستی کسی طرح بھی

قابل درگزر نہیں تھی لیکن اس معاملے میں ریٹا سے زیادہ قصور وار ڈی سوزا تھا۔ جس نے آزاد خیالی اور باہمی اعتماد کے نام پر اپنی خوبرو اور جواں سال بیوی کو غیر مردوں سے ملنے جلنے کی آزادی عطا کی ہوئی تھی۔ آگ اور تیل کو یکجا کر کے یہ توقع رکھنا کہ آگ نہیں بھڑکے گی، حماقت اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہا تھا۔

"دیر سویر کی بات تو بے معنی ہے مجھے الجھن یہ ہے کہ وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین کیوں ہے؟" سلمیٰ کے آخری فقروں نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"ایک عورت کسی مرد سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ یہ تو اس دنیا کا سب سے سیدھا اور آسان سوال ہے۔ جس کا جواب کوئی نیم بالغ بچہ بھی دے سکتا ہے۔ تم کیوں اپنا دماغ خراب کر رہی ہو۔" جہانگیر نے لقمہ دیا۔ اپنے معمولات میں وہ خاصا زیرک اور حاضر دماغ تھا لیکن میرے اور سلمیٰ کے معمولات میں اس نے کبھی بھی اپنے ذہن پر زور دینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے رویے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سلمیٰ کے مقابلے میں مجھے نابالغ یا اس کا کوئی محرم تصور کرتا ہو۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں دانستہ وہاں سے اٹھ گیا۔ میرا ارادہ ڈرائنگ روم سے فون کرنے کا تھا۔

"ریٹا کو فون نہیں کرو گے؟" جہانگیر نے اپنی سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"ڈرائنگ روم سے بات ہو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور سلمیٰ سے ریٹا کا فون نمبر دریافت کر کے جہانگیر کی خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

دوسری طرف سے ریٹا نے ہی کال ریسیو کی تھی اور آواز سنتے ہی مجھے پہچان گئی تھی۔

"تم کہاں غائب ہو؟ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"اسرار رضوی کے بعد اب تم مجھ پر مہربان ہو رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہونا پڑ جائے۔ ویسے تمھارا شوہر کہاں ہے اس وقت؟"

"اسرار کے اندوہناک انجام کی ذمے داری مجھ پر نہ ڈالو۔" اس کی آواز سے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تبصرے سے اسے دلی صدمہ پہنچا ہو۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ ہوا، وہ میرے تصور سے بعید اور میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میرا شوہر بے چارہ بے ضرر سا آدمی ہے۔ تمھیں اس کی طرف سے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اس

وقت خواب آور گولیاں لے کر گہری نیند سو چکا ہے۔"

'جو اپنی بیوی کا کچھ نہ بگاڑ سکے' وہ شوہر بے ضرر ہی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اور ماؤتھ پیس میں کہا "تمھیں یک بہ یک میری کیا ضرورت پیش آگئی؟ تمھاری بے چینی نے ہمارے تعلقات کے بارے میں سلمیٰ کو چوکنا کر دیا ہے۔"

"میں نے مجبوراً اسے فون کیا تھا کیونکہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ مجھے کِی کلب میں تمھاری حیثیت اور پوزیشن کا کوئی اندازہ نہیں لیکن میں جس الجھن میں گھر گئی ہوں، اس کے بارے میں صرف تم ہی سے بے تکلفی کے ساتھ بات کر سکتی ہوں کیونکہ کلب سے تمھارا تعلق ضرور ہے۔"

"پہیلیاں بُجھائے بغیر کھل کر سیدھی سیدھی بات کرو۔ سلمیٰ اِدھر آنکلی تو تمھاری بات ادھوری رہ جائے گی اور معاملہ کل پر ٹل جائے گا۔"

"کِی کلب والے اسرار رضوی کے بارے میں مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس کی روہانسی آواز شاید غیر ارادی طور پر دھیمی ہو گئی تھی کیونکہ وہ اس وقت اپنی نجی زندگی کے ایک ناگفتہ گوشے کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لیکن اس سے تمھارا کیا تعلق؟ وہ تو کسی اور ہی چکر میں مارا گیا ہے۔"

"کِی کلب والوں کے پاس میرے اور اسرار کے مراسم کے بارے میں جو مواد موجود ہے، اگر اس کی تشہیر کر دی گئی تو میں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی اور پولیس والے بھی ان مراسم کی بنا پر تفتیش کے سلسلے میں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"تمھیں کیا معلوم کہ کِی کلب والوں کے پاس تمھارے خلاف کیا مواد موجود ہے؟"

"اس وقت میں پراگندہ ذہنی کا شکار ہو رہی ہوں۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "جب تک میں شروع سے پوری بات نہیں بتاؤں گی، تم کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔ آج صبح میرے پاس مس شوچان کا فون آیا تھا۔ وہ فوراً مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں کِی کلب پہنچی تو اس نے تخلیے میں مجھ سے اسرار رضوی کی موت پر تعزیت کرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کِی کلب میں اپنی آمد و رفت کا سلسلہ اسی طرح برقرار رکھوں جیسے میں اسرار کی زندگی میں آتی تھی۔ میرے استفسار پر مس شوچان نے کہا کہ میں جوان اور خوبصورت ہوں۔ اس لیے وہ لوگ میرے ذریعے اپنے کچھ معزز ارکان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لیے وہ توہین آمیز تجویز کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں تھی۔ میں بُری طرح برہم ہو گئی۔ مس شوچان کی منطق ہی نرالی تھی۔ اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ ایک بار گھر سے نکل آنے کے بعد ناموں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اسرار رضوی کی جگہ دوسرے بھی لے سکتے ہیں۔ جب میں اس کو بُرا بھلا کہہ کر واپسی کے لیے اُٹھ رہی تھی تو وہ مجھے بہلا پُھسلا کر زیرِ زمین ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں ویڈیو ٹیپ کی مدد سے اس نے ٹیلی ویژن اسکرین پر مجھے طویل دورانیے کی وہ فلم دکھائی جو میری لاعلمی میں تیاری کی گئی تھی۔ ان حرام زادوں نے ہر وہ قابلِ ذکر لمحہ ریکارڈ کیا ہوا ہے جو میں نے کِی کلب کی خلوت میں اسرار رضوی کے ساتھ گزارا تھا۔ شوچان نے مجھے آگاہ کیا کہ اگر میں نے اس کی تجویز پر عمل نہ کیا تو وہ فلم نہ صرف میرے شناسا حلقوں اور میرے شوہر کے اہم کاروباری رفقا تک پہنچا دی جائے گی۔ بلکہ اس کا ایک پرنٹ پولیس کو بھی دے دیا جائے گا۔ جس کے بعد میں پورے شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ میں پہلے سے ان لوگوں کے لیے جو کچھ کرتی رہی ہوں اس سے زیادہ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ تو واقعی بڑی سنگین صورتِ حال ہے۔" میں نے مافیا والوں کے طریقۂ واردات کے اس عملی پہلو پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ان میں سے نہیں ہوں جو تمھاری کوئی مدد کر سکوں۔ میں خود ایک تماشائی کی حیثیت سے وہاں جاتا ہوں اور وقت گزاری کر کے لوٹ آتا ہوں۔"

"مجھے پورا یقین تھا کہ تم میری مدد کر سکو گے۔" اپنے تاریک مستقبل کے تصور سے اس کی آواز بھرانے لگی۔ "اس کی شرائط تسلیم کر کے تو میں ایک بازاری عورت بن کر رہ جاؤں گی۔ تم نے تو کلب کی ملکیت کا بھی دعویٰ کیا تھا؟"

"یہ پہلے سوچنے والی بات تھی ریٹا۔" میں نے نرم اور ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "جرم اگر پوری راز داری کے ساتھ کیا جائے تو اس کے اثرات محدود رہتے ہیں لیکن کھلے بندوں یا ڈنکے کی چوٹ پر وہی لوگ جرم یا گناہ کر سکتے ہیں۔ جنھیں اپنی عزت یا نیک نامی کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ میری ملکیت والی بات مذاق تھی۔ میں بس ان کا پرانا گاہک ہوں۔"

"لیکن میں نے ایسی کوئی بے حیائی نہیں کی، میں کلب میں اسرار رضوی کی ایک معزز ملاقاتی بن کر جاتی رہی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدنیت لوگ ابتدا ہی سے میری خفیہ نگرانی کراتے رہے ہیں تاکہ میرے خلاف مواد اکٹھا کر کے مجھے بلیک میل کر سکیں۔ تم ان کو سمجھا تو سکتے ہو۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی مرد سے ملاقات کے لیے ایک معزز عورت کیوں دوڑی چلی آتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو جمع دو لکھ کر یہ توقع کی جائے کہ کوئی اس کا جواب نہیں بوجھ سکے گا۔ تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے۔ میں تمھاری خاطر زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ کِی کلب میں توڑ پھوڑ مچا دوں اور مس شوچان کو مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ دوں۔ اس کو تو تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ کام پارسن کا تھا..."

"نہیں، ایسا ہرگز نہ کرنا۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہاں عملے کے لوگوں میں مسلح محافظ بھی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں گولی ہی مار دیں۔ ایسی صورت میں تو وہ بُری طرح میرے دشمن ہو جائیں گے...."

"پھر میں فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "فی الحال تم ان سے دور ہی رہو لیکن شوچان تمھیں طلب کر لے تو اس سے مل کر ٹال مٹول کرتی رہنا تاکہ ہمیں وقت مل سکے۔ اس دوران میں میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مس پارسن کوئی راہ نکال سکے۔"

"اوہ ڈارلنگ! یو آر گریٹ!" اس کی آواز فرطِ جذبات سے رُندھ گئی تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ تم سے میری مختصر سی دو ملاقاتیں ہوئی ہیں لیکن میں یوں محسوس کرتی ہوں جیسے ہمارے درمیان ایک لمبی مدت سے دوستی چلی آ رہی ہے۔"

"کوئی راستہ نظر آیا تو میں خود تم سے رابطہ قائم کر دوں گا۔ اب تم میرے لیے سلمیٰ کو فون نہ کرنا۔"

"پھر مجھے اپنا نمبر دے دو۔ تم رہتے کہاں ہو؟" اس نے اصرار کیا اور اسی لمحے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آزاد خیال عورت ہر ایک سے بہت جلد فری ہو جانے کے مرض میں مبتلا تھی جس کی وجہ سے ایک اسرار رضوی تو کیا، نہ جانے کتنے لوگ اسے قدم قدم پر فریب دیتے ہوں گے۔

"میں شرف آباد میں رہتا ہوں مگر میرے گھر پر فون نہیں ہے۔" میں نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بولا۔ "تم فکر نہ کرو، میں دن میں کم از کم ایک بار ضرور تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں فون رکھ کر پلٹا تو سلطان شاہ ایک صوفے پر براجمان تھا۔ وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب وہاں آ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے میری ساری نہیں تو بیشتر گفتگو ضرور سنی تھی۔ جس میں موضوع کے بارے میں بہت سی کھلی کھلی باتیں شامل تھیں۔

"یہ بھی امیدوار معلوم ہوتی ہے۔" آخر کار سلطان شاہ نے فقرہ چُست کر ہی دیا۔

"مظلوم عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ دے سکو تو یہ ثواب کا کام ہوگا۔"

"یہ ثواب تم ہی کماتے رہو، مجھے معاف رکھو۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر مظلوم اور دکھی عورت کو پوری دنیا میں تمھارے علاوہ اپنا کوئی ہمدرد نہیں ملتا۔ ویسے تمھارا یہ مشورہ سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ منہ کالا ہی کرنا ہو تو راز داری کا پورا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ سنگساری کی سزا نافذ کرنے کے لیے دو چشم دید گواہوں کی شرط سے تمھارے مشورے کو تقویت ملتی ہے۔ جو شخص دوسروں کو دکھا کر کوئی جرم یا گناہ کر لے وہ صرف خود ہی مجرم نہیں بنتا بلکہ دوسروں کو بھی اپنی تقلید پر اکساتا ہے اور اسے سخت سے سخت سزا ملنی ہی چاہیے۔"

"میرا یا اس کا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اس کی ایک لغزش اس کے لیے لعنت کا طوق بن گئی ہے۔ جس سے وہ اب خوفزدہ ہے۔" میں نے تاؤ کھائے بغیر ناصحانہ لہجے میں کہا۔

اگر اس نے میری گفتگو نہ سنی ہوتی تو شاید میں اسے ریٹا کے راز سے آگاہ نہ کرتا لیکن اس وقت اس کے ذہن کو صاف رکھنے کے لیے تفصیل میں جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔

اپنی خواب گاہ میں اسے اختصار سے سمجھاتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی خیال ڈنک مار رہا تھا کہ گھناؤنے جرائم میں ہیروئن فروشی، قتل و غارت گری، دہشت گردی اور اسلحہ کی غیر قانونی تجارت میں کسی نہ کسی طرح منسلک رہنے کے بعد بلیک میلنگ کا صرف ایک شعبہ باقی رہ گیا تھا جو مافیا کی سربراہی کے بعد میرے کھاتے میں شامل ہو گیا تھا۔

یہ اور بات تھی کہ میرے مافیا میں شامل ہونے کے مقاصد کچھ اور تھے! اور میں ان کی صفوں میں شامل ہو کر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مقصد سے قطع نظر اس وقت میں مافیا کا سربراہ تھا اور میری شمولیت سے قبل وہ بلیک میلنگ سمیت جو کچھ کر رہے تھے، اس کی براہ راست ذمے داری میرے اوپر آپڑی تھی۔ اچھے دنوں کی امید کا تعاقب کرتے ہوئے بلیک میلنگ کا آخری خطاب باقی رہ گیا تھا۔ جو کسی جدوجہد کے بغیر خود بخود میری پیشانی کا داغ بن گیا تھا۔

اُدھر میری غیر حاضری نے سلمیٰ کو تجسس میں مبتلا کر دیا

تھا۔ اس لیے تھوڑی ہی دیر بعد وہ میری خواب گاہ میں آپہنچی اور مجھے احتراماً بستر چھوڑ دینا پڑا۔ سلطان شاہ کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس نے سلمٰی کی آمد پر بھی اپنے انہماک میں فرق نہیں آنے دیا۔

"اس سے بات کر کے چوروں کی طرح یہاں کیوں چھپ گئے ہو؟" سلمٰی نے آتے ہی لڑاکا انداز میں اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر مجھ سے سوال کیا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تمھیں نیند نہیں آسکے گی۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ میں تمھارے ہی ساتھ رہتا ہوں یا میرا کوئی اور ٹھکانا ہے۔"

"یہ تو وہ مجھ سے بھی معلوم کر سکتی تھی۔" اس نے بے اعتباری کے ساتھ کہا۔

"اس کا جواب وہی دے سکی گی۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔

"تم نے اس کے ساتھ ہیرا پھیری کا کوئی چکر چلایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ مجھے گھورتی ہوئی غرائی۔

"اس طرح بیویاں ہی اپنے شوہروں کو دھمکی دینے کا حق رکھتی ہیں مگر پھر بھی تم جانتی ہو کہ میں اس قسم کی ہیرا پھیری سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں تمھاری طرح پارسا بننے والے گھنے لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "جو اپنی جاننے والیوں پر اپنی پارسائی کا رعب گانٹھ کر دن رات اجنبی عورتوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ یہ بدترین قسم کا ذہنی عارضہ ہے جو شاید تم کو لاحق ہو چکا ہے۔" سلطان باہر جا چکا تھا۔

"تم فکر نہ کرو، مجھے کبھی ایسی ضرورت پیش آئی تو ابتلا جاننے والیوں سے ہی ہوگی۔" میں نے تخلیے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ریٹا کا چہرہ اتنے گہرے میک اپ میں لتھڑا رہتا ہے کہ مجھے اس سے گھن آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں تم بدرجہا حسین ہو لیکن میرا مزاج تمھارے سامنے ہے۔"

"بس میں بھی تمھیں یہی سمجھانا چاہ رہی تھی۔" وہ مجھ سے نظریں چار کیے بغیر بولی۔ "تم نے ہمیشہ میری بہت توہین کی ہے۔ اب اگر غزالہ کے علاوہ کسی اور کے حوالے سے تمھارا کوئی کارنامہ سامنے آیا تو میں تمھاری زندگی اجیرن بنا کر رکھ دوں گی۔"

※

وہ پہلا موقع تھا کہ ہیروئن کے کاروبار میں ملوث لوگوں کے بارے میں اخبارات نے صحیح خبریں شائع کی تھیں اور [illegible] کے اڈے کی تباہی کو منشیات فروشوں کی باہمی چپقلش کا شاخسانہ قرار دیا تھا، ورنہ اس سے قبل ہر واقعے کو توڑ مروڑ کر کوئی رخ دے دیا جاتا تھا۔

اس صحیح رپورٹنگ کا سبب شاید یہ تھا کہ اس کارروائی میں [illegible] گیا تھا اور اخباری نمائندوں نے اڈے سے دور مار دیے جانے والے دو موٹر سائیکل سواروں کا تعلق بھی ملاجے سے نکال لیا تھا اور کھل کر لکھا تھا کہ اس مسلح مقابلے میں ملاجے کا بدنام اڈا ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو گیا تھا جس پر علاقے کے باشندوں نے سکھ کا سانس لیا تھا کیونکہ اس اڈے سے علاقے کے نوجوانوں میں ہیروئن اور کچی شراب سے لے کر جوئے بازی کے جراثیم تک پھیلائے جا رہے تھے۔

مرنے والوں کی تعداد گیارہ بتائی گئی تھی جن میں سے سات گولیوں سے مرے تھے اور چار عمارت کے ملبے میں دب کر ہلاک ہوئے تھے۔ زخمیوں کی تعداد اٹھارہ تھی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اس اڈے پر جوا کھیلنے والوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا تھا۔ چھ جواری زخمی ہوئے تھے اور بقیہ معجزانہ طور پر صاف بچ گئے تھے۔

نامعلوم حملہ آوروں کی اصلیت اور تعداد کے بارے میں مبالغہ آمیز قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

میں نے حسب وعدہ صبح اپریٹس آن رکھ کر ویرا کی کال کا انتظار کیا تھا لیکن شاید وہ اخباری خبریں پڑھ کر اس قدر دل شکستہ ہو گئی تھی کہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکی اور میں ناشتا کر کے سیدھا کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساحلِ سمندر سے ذرا پہلے ڈیفنس کے نیم آباد اور زیر تعمیر علاقے میں کلب کے پھاٹک پر اس وقت گوریلا چوکیدار مامور تھا جو کلب کے آٹھ رکنی عملے میں واحد مرد تھا۔ اس نے ذیلی کھڑکی کھول کر مجھے دیکھا اور پہچانتے ہی پھرتی سے پھاٹک کھول دیا اور میں اپنی کار اندر لیتا چلا گیا۔

صبح سویرے کلب میں بے رونقی کے آثار پھیلے ہوئے تھے لیکن مس پارسن اپنے خوبصورت استقبالیہ کاؤنٹر کے قریب ایک صوفے پر بیٹھی فائلوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس نے شدید حیرت اور اس سے زیادہ احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا۔

"آج اتنی صبح ادھر آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اس نے مجھ سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے حیرت کے ساتھ استفسار کیا۔

"میں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ تم نے اپنے اختیارات شوچان

کو کب سے منتقل کر دیے ہیں؟" میں نے اس کی گرم جوشی کے جواب میں سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! شاید مسز ریٹا کا معاملہ تمھارے علم میں آگیا ہے۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔ "دراصل چند روز پہلے ریٹا سے میری کچھ تلخ کلامی ہو گئی تھی اور اس نے مجھ سے بول چال بند کر دی تھی لیکن نیا معاملہ اہم اور فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اس لیے میں نے خود ہی شوچان کو آگے بڑھا دیا تھا۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ریٹا شادی سے قبل اپنے ایک نومولود بچے کے قتل کی مجرم تھی اور اسی بنا پر اسے کلب کی رکنیت دی گئی تھی۔ پھر اب اسے یہ جتلانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی کہ یہاں اس کی ایک فلم بھی موجود ہے؟" میں نے باز پرس کے لیے سختی برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"دراصل ریٹا ہمارے لیے بہت سے کام کرتی رہی ہے لیکن ہماری وجہ سے اس نے کبھی کسی اجنبی مرد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اسرار رضوی کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا مگر سینڈو کے حکم پر ہم نے اس کی فلم بنانا شروع کر دی تھی۔ اس وقت ہمیں خفیہ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کو اپنے دام میں لانے کا حکم ملا ہوا ہے۔"

"یہ حکم کس نے دیا تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تمھارے آنے سے قبل سینڈو کا حکم تھا۔" وہ بولی۔ "وہ افسر کسی چکنی مچھلی کی طرح چالاک ہے، مگر وہ ریٹا کی طرف بری طرح مائل تھا۔ ریٹا اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ میں بھی اسرار کی وجہ سے خاموش تھی۔ کیونکہ دو افسروں کی رقابت ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اسرار کے مارے جانے کے بعد میں نے ریٹا کو راہ پر لانے کا ارادہ کیا تھا اور شوچان نے اسی بارے میں پیش رفت کی تھی۔"

"سینڈو کی بالادستی کا دور ختم ہو گیا۔ اس معاملے میں تمھیں مجھ سے اجازت لینا چاہیے تھی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر سرجیکل مسکراہٹ جمی ہوئی تھی مگر بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری باز پرس پر سراسیمہ ہو گئی تھی۔ "یہ میری غلطی تھی۔ میں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ پچھلی ہدایات کی ازسرِنو توثیق کرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، آئندہ میں محتاط رہوں گی۔"

"ریٹا، شوچان کی حرکتوں پر بہت برہم ہے۔ وہ ایک کامیاب وکیل کی بیوی ہے اگر اس فلم کے بارے میں کوئی جھوٹ سچ بول کر اپنے شوہر کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا تو ہم بڑی مشکلات سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے مقاصد کے لیے ایک خاص حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ریٹا ایسی عورت نہیں ہے کہ ہم اسے موم کی ناک کی طرح جدھر چاہیں، ادھر موڑ لیں۔"

"شوچان اس سے معافی مانگ لے گی۔" پارسن نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"فلم کے کتنے پرنٹ ہیں تمھارے پاس؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک!" وہ بولی۔ "ماسٹر پرنٹ سینڈو کی تحویل میں ہے۔"

"ہم اس کلب میں جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کی ضرورت سے زیادہ تشہیر پسند نہیں کرتے۔ ریٹا سے تم کو ذاتی طور پر معذرت کرنا ہوگی۔ اس طرح تم شوچان کو ہدفِ ملامت بھی بنا سکو گی۔ اپنا پرنٹ یہ کہہ کر ریٹا کے حوالے کر دینا کہ یہی اکلوتا ماسٹر پرنٹ ہے۔ عارضی طور پر ہمیں ریٹا کو ڈھیل دینا ہوگی تاکہ وہ اس واقعے کو سرے سے بھول جائے۔ بعد میں اس پر ازسرِنو محنت کی جائے گی۔"

"یہ تجویز بہتر اور باعزت نظر آتی ہے۔ میں آج ہی اسے فون کروں گی۔"

مجھے دل ہی دل میں خوشی ہوئی کہ میں نے ریٹا کو بدترین سطح پر بلیک میل کیے جانے کے خطرے کا فوری طور پر سدباب کر دیا تھا۔ سینڈو کے پاس موجود ماسٹر پرنٹ کو میں بعد میں کسی بھی بہانے سے اپنی تحویل میں لے کر ضائع کر سکتا تھا۔

کلب سے فارغ ہو کر میرا ارادہ ٹریڈ لائن کے دفتر جانے کا تھا لیکن اس وقت طبیعت پر سستی غالب آنے لگی تھی کیونکہ شہر کی پرہجوم سڑکوں پر اب اعصاب شکن ڈرائیونگ خاصی مشکل تھی۔ اس لیے میں نے وہیں سے فون پر سینڈو سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سینڈو کو میں نے پچھلی رات جس اعزاز سے نوازا تھا۔ اس کی بنا پر وہ بہت مسرور تھا۔ رہی سہی کسر اخباری اطلاعات نے پوری کر دی تھی۔ ویسے بھی خود کوئی جانی نقصان اٹھائے بغیر فریقِ مخالف کے گیارہ آدمیوں کو ہلاک اور اٹھارہ کو بری طرح زخمی کر دینا ایک کارنامے سے کم نہیں تھا۔

دلدار آغا کی دردناک موت کے نتیجے میں پاکستان میں شی کو نقصان کے بجائے اس اعتبار سے فائدہ پہنچا تھا کہ فوری طور پر ویرا لائیڈ جیسی مکار اور چالاک عورت نے وہ خلا پورا کر دیا تھا اور اگر اسے اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کی تھوڑی سی مہلت بھی مل جاتی تو وہ ایک بار پھر شی کو طاقت اور اثر و نفوذ کی ان بلندیوں پر لے جاتی۔ جہاں شی سے ٹکرا کر بچنا

محال ہو جاتا۔ یہ میری اور مافیا والوں کی خوش نصیبی تھی کہ میں ابتدا ہی سے ان دونوں کو لڑانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا اور سیٹھ حبیب جیوانی کے ہٹتے ہی میں نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا میرا یہ فیصلہ معراج دین اور اس کے جانثاروں کے لیے اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھا کہ انھیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور شی کی وہ اہم ترین افرادی قوت کچھ سمجھنے سے پہلے ہی کنکریٹ اور لوہے کے ملبے میں دفن کر دی گئی۔ شی کی کمر توڑ دینے کے بعد ویرا تنہا رہ گئی تھی اسے ہراساں کر کے گھیرنا میرا اپنا کام تھا۔

اس کامیابی کے بعد ہیروئن کی مقامی منڈی میں مافیا باقی رہ گئی تھی جس کی قیادت خود میرے ہاتھ آ چکی تھی۔ اس کی تمام سرگرمیوں کو سبوتاژ کرنا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا لیکن ویرا کو لگام دینے سے پہلے میں مافیا کو مفلوج کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ ویسے بھی مافیا کی سرگرمیوں سے پاکستانی معاشرے کو کوئی بھیانک خطرہ لاحق نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ بیش قیمت اعلیٰ ہیروئن مقامی منڈی میں پھینکنے کے سرے سے قائل نہیں تھے۔ ہیروئن تیار کرنے والے بے ضمیر پاکستانیوں اور دونوں طرف کے قبائلیوں سے ہیروئن سمیٹ کر وہ اسے بھاری نفع پر یورپ اور امریکا کی منڈیوں میں بیچتے تھے۔ اس طرح ایک اعتبار سے وہ مقامی آبادی کو ایک مہلک وبا سے بچا رہے تھے، جب کہ شی، ان کے برعکس ہیروئن کا عذاب مقامیوں پر مسلط کر کے سفید فام نوجوانوں کو اس سے بچانے کے مشن پر کام کر رہی تھی۔

چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد سینڈرو نے مجھ سے اچانک ہی ایک بے تکا سوال کر ڈالا "تمھیں کشتی رانی سے بھی کوئی دلچسپی ہے؟"

"نہیں! یہ خیال کیسے آ گیا تم کو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تمھارے لیے کسی غیر ملکی کا فون آیا تھا۔ وہ تین اور چار بجے کے درمیان شام کو دوبارہ رنگ کرے گا۔ آپریٹر کا کہنا ہے کہ وہ کوئی اوورسیز کال تھی کیونکہ ریسیور اٹھاتے ہی اسے گھنٹی کی مخصوص آواز سنائی دی تھی۔"

میرے لیے یہ سنسنی خیز خبر تھی۔ "کیا کہا تھا اس نے؟ اس کال سے تمھیں کشتی رانی کا خیال کیسے آ گیا؟"

"میرے استفسار پر اس نے اپنا نام بتانے کے بجائے صرف اتنا کہا کہ وہ ریگاٹا کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ اسی سے مجھے کشتی رانی کا خیال آیا تھا۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ کال یقیناً ڈان بھتری کی رہی ہو گی۔ اس نے سینڈرو کو اپنے کوڈ کا آدھا حصہ بتا کر مجھے اپنی شناخت کا اشارہ دیا تھا کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی کے مطابق میرا اور ڈان بھتری کا شناختی کوڈ ریگاٹا فور ہونا چاہیے تھا۔

"پھر میں تین بجے سے ذرا پہلے دفتر آؤں گا۔" میں نے لے کی کلب کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"آرام کرنے کا ارادہ ہو تو اوپر کمرا تیار ہے۔" مس پارن نے اپنی مصنوعی مسکراہٹ میں دلکش اور حقیقی مسکراہٹ شامل کرتے ہوئے پیشکش کی "مساج وغیرہ کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"تم خوبصورت ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو مگر مجھے اس وقت آرام کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر ریٹا کا معاملہ خوش اسلوبی سے سنبھال لو تو میرے لیے اتنا ہی کافی ہو گا۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ میری غلط فہمی کی وجہ سے تم کو کوفت اٹھانا پڑی۔" وہ میرے سامنے بچھی جا رہی تھی کیونکہ اس وقت گردوپیش میں میرے علاوہ اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔

میں اس کے شانے پر بزرگانہ انداز میں ہلکی سی تھپکی دے کر ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

دفتر میں تین بجے سے پہلے میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ لے کی کلب سے میں فارغ ہو چکا تھا اس لیے میں نے دوبارہ جہانگیر کے گھر کی راہ لی۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میرا ارادہ ویرا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کر کے میں سلطان شاہ کو ہوٹل شیرٹن روانہ کر سکتا تھا تاکہ وہاں سے ویرا کے ساتھی کو جہانگیر کے گھر لایا جا سکے۔ ویرا کو زچ کر کے پاکستان سے بھگانے کی یہی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ اس کے ہر مددگار اور ساتھی کی زندگی اجیرن بنا دی جائے۔

میں گھر پہنچا تو برآمدے تک حالات معمول کے مطابق تھے لیکن ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ اس دروازے کے عین مقابل، مخالف سمت والی دیوار کے سائے میں صوفے پر ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان بیٹھا ہوا تھا جس کا گود میں رکھا ہوا داہنا ہاتھ ایک رنگین رومال کے نیچے چھپا ہوا تھا اہم بات یہ تھی کہ وہ قد آور اور خوش پوش نوجوان میرے لیے اجنبی تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے دور دور تک شناسائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"آؤ جمی! احتیاط سے اندر چلے آؤ۔" جہانگیر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ڈرائنگ روم کی صورت حال مجھے دلیے مشتبہ نظر آ رہی تھی، جہانگیر نے مجھے جمی کے نام سے مخاطب کر کے مزید پریشان کر دیا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ جہانگیر، سلمیٰ اور سلطان شاہ کے ساتھ دروازے کے قریب صوفے پر براجمان تھا۔ وہ سب جنگی صورت حال کا مظہر تھا۔ نوجوان غالباً مسلح تھا اور ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں سے وہ ہر آنے والے پر نظر رکھ سکتا تھا جب کہ میرے تینوں ساتھی اس کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی ذرا سی بھی جنبش پر وہ نوجوان ان پر گولی چلا سکتا تھا۔

"اندر آؤ اور دروازہ بند کر کے انھی لوگوں کے قریب بیٹھ جاؤ۔" اس نوجوان نے رومال کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال کر اعشاریہ تین دو کے پستول کی نمائش کرتے ہوئے مجھ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

نوجوان کی آنکھوں میں لہراتی ہوئی بیگانگی اور جہانگیر کے مصلحت آمیز تخاطب کی وجہ سے میں نے بھی نوجوان کو اس کے نام سے مخاطب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور دروازہ بند کر کے یرغمالیوں کی قطار کے آخر میں سلطان شاہ کے پہلو میں جا بیٹھا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟" نوجوان نے درشت لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں جہانگیر کا دوست جمی ہوں اور اس سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ان تینوں کے نام دُہراؤ۔" اس نے پستول کی نال لہرا کر حکم دیا۔

"جہانگیر، اس کی بیوی سلمیٰ اور اس کا دوست سلطان شاہ۔" میں نے مشینی انداز میں ترتیب وار تینوں نام دُہرا دیے۔ صورت حال میری توقع سے زیادہ سنگین ثابت ہو رہی تھی۔

"تم ڈینی کو جانتے ہو جو آج کل پیٹر واک کا نام بھی استعمال کرتا ہے؟" نوجوان کی سرد آنکھوں میں موت کے سائے لہرا رہے تھے۔

اس سوال نے مجھ پر چودہ طبق روشن کر دیے۔ وہ میری صورت بھول چکا تھا لیکن میرا نیا اور پرانا نام اسے اچھی طرح یاد کرا دیا گیا تھا۔ اسی لیے جہانگیر نے مجھے جمی کے نام سے مخاطب کیا تھا تاکہ میں اس نوجوان کے لیے اجنبی بنا رہ کر خود کو بچا سکوں۔

"نہیں۔" میں نے اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے اپنے سوال میں اس کے پستول اور دہشت گردی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"میں کامران ہوں اور اب تم سب ڈینی کی آمد تک میرے یرغمالی بنے رہو گے۔ حیرت ہے کہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر بھی تم نہیں سمجھ سکے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔"

"میں اسے کھلونا پستول سمجھ رہا تھا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمھاری ڈینی سے کیا دشمنی ہے؟" میں اس سے سوالات کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ صحیح الدماغ تھا یا دیوانگی کے زیرِ اثر اپنا پستول اٹھا کر وہاں چلا آیا تھا۔

"ڈینی میرے بہنوئی کا قاتل ہے۔ اس نے دلدار بھائی کو مار کر گڈی کو اغوا کر لیا ہے۔" کامران کے لہجے میں گمبھیر سنجیدگی رچی ہوئی تھی۔ "اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ وہ نہ ملی تو میں سب کو شوٹ کر دوں گا۔"

کامران کے اس الزام پر میرا دل تڑپ اٹھا لیکن اس وقت میرا کوئی بھی جذباتی قدم وہاں خونریزی کا سبب بن سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بات جاری رکھنے کے لیے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "یہ تو بڑی کمینگی کی بات ہے۔ اگر ڈینی نے واقعی یہ گھٹیا حرکت کی ہے تو ہم تمھارے ساتھ ہیں تمھیں یہ پستول جیب میں رکھ لینا چاہیے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے گولی چل گئی تو تم کو کسی بے گناہ کا خون بہانے پر زندگی بھر قلق رہے گا۔"

"فکر نہ کرو، مجھے اس کے استعمال پر پوری مہارت حاصل ہے۔"

"گڈی تو کسی بچی کا پیار کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت عمر کیا ہے تمھاری بہن کی؟" میں نے اسے غصہ دلانے کی نیت سے معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ صوفے کے ہتھے پر بایاں ہاتھ مار کر غصیلے انداز میں غرایا۔ "میں ابھی تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ شادی شدہ تھی۔ ڈینی نے اس کا سہاگ لوٹا مگر اب میں اسے گڈی کی آبرو سے نہیں کھیلنے دوں گا۔ اس سے پہلے ہی اس کا خون کر دوں گا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ علاج کے نتیجے میں اس بدنصیب کا ذہنی توازن تو بحال ہو چکا تھا لیکن کھوئی ہوئی یادداشت واپس نہیں آئی تھی۔ اس کی گفتگو میں کسی بچے جیسی معصومیت اور بے ساختگی تھی۔ وہ عیاری اور مکاری سرے سے مفقود تھی جو نارمل نوجوانوں میں عموماً پائی جاتی ہے۔

"میں اس گھر میں تھوڑی سی اہمیت رکھتا ہوں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "مجھے اپنی پوری کہانی سناؤ، ہو سکتا ہے کہ میں جہانگیر کی مدد سے ڈینی کو تلاش کر کے تمھاری گڈی بھی واپس دلوا سکوں۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دور ہی سے پڑھے جا سکتے تھے۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "بچپن میں ایک حادثے کی وجہ سے میری یادداشت چلی گئی تھی۔ مجھے اپنے ماضی میں ماں باپ سمیت کچھ بھی یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ گڈی میری اکلوتی اور چہیتی بہن تھی۔ اسی نے مجھے علاج کے لیے ایک اسپتال میں داخل کرایا۔ چند ماہ پہلے میرا علاج کامیابی سے ہمکنار ہونا شروع ہوا تو گڈی مجھ سے ملنے آتی رہتی تھی۔ اس وقت وہ دلدار بھائی سے شادی کر چکی تھی۔ گڈی کے ساتھ وہ بھی کئی بار اسپتال آئے اور پھر میرے صحت یاب ہونے پر انھوں نے مجھے اپنے گھر میں بلا لیا۔ وہ بہت نیک اور مہربان آدمی تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈینی اس شہر کا ایک چھٹا ہوا غنڈہ ہے اور گڈی کی گھریلو زندگی برباد کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔" اس کی آواز خواب ناک ہو چلی تھی۔ چہرے پر معصومانہ سادگی تھی اور نگاہیں خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر مرکوز تھیں۔ جیسے وہ چشمِ تصور سے کوئی فلم دیکھ کر اپنی کہانی کے مختلف حصوں کو جوڑ رہا ہو۔

"ڈینی کے بارے میں میں نے کئی بار گڈی سے کریدنا چاہا۔ لیکن ہر بار میرے سوالوں کے جواب میں اسے چپ لگ جاتی تھی اور وہ اپنی سوچوں میں گم ہو جاتی تھی۔ اس نے مجھے بدمعاش ڈینی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس موذی سے خوفزدہ تھی۔ پھر دلدار بھائی کے ساتھ کبھی کبھی اس کی جھڑپیں ہونے لگیں۔ دلدار بھائی نے بتایا کہ ڈینی گڈی کو بلیک میل کر کے خود سے ملنے پر مجبور کر رہا تھا جسے وہ ایک غیرت مند شوہر کی حیثیت سے پسند نہیں کرتے تھے۔ میں نے گڈی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانا چاہا لیکن اس نے مجھے سختی سے ڈانٹ کر اس معاملے سے الگ رہنے کا مشورہ دیا۔ میں اس کی ہنستی کھیلتی ازدواجی زندگی میں شکوک و شبہات کا زہر گھلتے دیکھتا رہا۔ دلدار بھائی کبھی کبھار مجھے کچھ بتا دیتے تھے۔ لیکن میں گڈی کی ضد کے سامنے بے بس تھا۔ وہ ڈینی سے ڈرتی تھی اور کسی کو بھی اس کے سامنے نہیں لانا چاہتی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ وہ خونی درندہ سامنے آنے والے کسی بھی شخص کو بے دریغ قتل کر دے گا۔ میری پریشانی دیکھتے ہوئے دلدار بھائی مجھے اپنے ساتھ فیکٹری لے جانے لگے ان کے ساتھ رہ کر میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت عظیم اور رحم دل انسان تھے۔ مگر دوسرے اچھے لوگوں کی طرح ان کی زندگی بھی دراز نہ ہو سکی۔ ایک رات ڈینی نے غنڈوں کے ساتھ ان کے گھر پر بموں اور دوسرے اسلحے سے لیس ہو کر حملہ کر دیا۔ مکان کی بجلی کاٹ دی گئی۔ وہ بہت بھیانک اور خونی رات تھی۔ مکان میں ہر طرف آگ، خون اور دھواں اور ملبہ پھیل رہا تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اسی افراتفری میں دلدار بھائی کا ایک منہ چڑھا ڈرائیور مجھے اپنی گاڑی میں وہاں سے نکال لے گیا۔ ان واقعات نے میرے ذہن پر اتنا برا اثر ڈالا کہ میں دلدار بھائی کی فیکٹری میں تیس گھنٹے تک بے ہوشی کے عالم میں بخار میں جلتا اور ہذیان بکتا رہا۔ مجھے ہوش آیا تو میری حالت غیر تھی۔ دلدار بھائی اور گڈی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ان کا مکان راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں بدلا جا چکا تھا۔ ان حالات میں اس ڈرائیور نے مجھے فیکٹری کے ایک آرام دہ کمرے میں ہی روپوش رکھا۔ پھر پرسوں دلدار بھائی کی چچی میرے پاس آئی۔ اس نے مجھے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ ڈینی نے دلدار بھائی کو قتل کر کے گڈی کو اغوا کر لیا تھا۔ یہ خبر سن کر میرے وجود میں آگ بھڑک اٹھی مگر چچی نے مجھے انتقام کے لیے صبر کے ساتھ موقع کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ میرے لیے یہ شہر اور لوگ، سب کچھ اجنبی ہے۔ اس لیے میرے پاس چچی کے مشورے کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چچی کو مجھ سے زیادہ گڈی کی فکر تھی۔ آخر کل رات اس نے مجھے فیکٹری آ کر بتایا کہ ڈینی یہاں جہانگیر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے زیر کر کے گڈی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور میں اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آ پہنچا ہوں۔"

اس کے چہرے پر اداسی تیرنے لگی۔ وہ خاموش ہوا تو میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس مظلوم اور معصوم کو بہت چالاکی کے ساتھ قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔

"تمھارے لیے یہ شہر اجنبی ہے تو تم یہاں تک کیسے پہنچے؟" میں نے اس مکروہ سازش کی جڑوں میں پہنچنے کی کوشش میں کامران سے سوال کیا۔

"اسی ڈرائیور نے مجھے یہ مکان دکھا کر کچھ فاصلے پر اتار دیا تھا۔ ورنہ میں تو ڈینی کی تلاش میں شہر کی ٹھوکریں ہی کھاتا رہتا۔ اس پوری دنیا میں میرے صرف دو چاہنے والے تھے۔ ڈینی نے دلدار بھائی کو قتل کر دیا۔ اب میں گڈی کو ہر قیمت پر تلاش کروں گا۔" غم، غصے، حسرت اور اداسی کے ہر اتار چڑھاؤ کے باوجود کامران ایک لمحے کے لیے بھی اپنے پستول کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اپنی گفتگو کے دوران بھی بار بار اسے فضا میں لہرا کر ہمیں اپنے مسلح ہونے کا احساس دلا تا رہا تھا۔

"دلدار کی چچی کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔ "کیا تم لوگ اب اس بے چاری کو بھی تنگ کرو گے؟"

"نہیں، تم ہمیں غلط سمجھ رہے ہو۔" میں نے جلدی سے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ "دراصل تم سے پہلے دلدار کی ایک چچی یہاں بھی آئی تھی۔ وہ غزالہ کے بارے میں بہت فکرمند تھی لیکن ہم اس کا تفصیلی تعارف حاصل نہ کر سکے۔ وہ کوئی غیر ملکی عورت ہے لیکن اردو ہم لوگوں سے بھی بہتر بولتی ہے۔۔۔"

"ہاں، اسی نے میری مدد بھی کی ہے۔" وہ روانی میں کہہ گیا۔ "وہ باہر سے جتنی حسین ہے اندر سے بھی اسی قدر خوب صورت ہے۔ میری پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ رہی ہے، کوئی اور عورت ہوتی تو اپنے بھتیجے کی موت کے غم میں اس کی بیوی کو بالکل ہی بھول جاتی۔"

میں دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔ کامران کو میرے خلاف اکسانے میں سونی صدی ویرا ہی ملوث تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں کامران کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔ اس لیے اس نے کامران کے ذہن میں میری طرف سے زہر بھر کر اسے میدان میں اتار دیا تھا۔

"یہ ڈینی کیا بلا ہے؟" میں نے جہانگیر کی طرف گھوم کر تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا ایک دوست ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "کبھی کبھار یہاں آتا رہتا ہے لیکن اس کی رہائش کہیں اور ہے۔ ویسے میں نے آج تک اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی۔ وہ جب بھی آتا ہے اکیلا ہی آتا ہے۔"

"سنو دوست!" میں نے کامران کی طرف متوجہ ہو کر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہم معزز اور عیال دار لوگ ہیں اور ایسی غنڈہ گردیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ڈینی نے روا رکھی ہوئی ہیں۔ دلدار کی چچی کی طرح ہم بھی تمھارے ہمدرد ہیں۔ جہانگیر یہ ذمہ لے گا کہ ڈینی جب بھی یہاں آیا۔ وہ اسے روک کر تمھیں مطلع کر دے گا۔ اب تم واپس کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں بھی نہیں۔" اس نے سکون اور سادگی کے ساتھ کہا۔ "میں ایک گھنٹے سے ایک مہینے تک یہیں رک کر اس بے رحم شخص کے آنے کا انتظار کروں گا۔ اگلی گلی میں ڈرائیور گاڑی سمیت میری واپسی کا انتظار کر رہا ہو گا لیکن چچی نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ ڈینی کے دوست اسی کی طرح چالاک اور سنگ دل ہیں۔ میں گڈی کی بازیابی کا معاملہ تم لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے آنے تک تم سب میرے یرغمالی بنے رہو گے خواہ اس کے لیے ایک مہینے تک انتظار کرنا پڑے۔"

میں اسے چوکنا ہونے کا موقع دیے بغیر اضطراری کیفیت کی اداکاری کرتا ہوا صوفے سے اٹھ گیا۔ "اوّل تو کسی بے گناہ کو طاقت کے بل پر یرغمالی بنانا سنگین جرم ہے پھر اس میں تمھارے لیے خطرہ بھی ہے۔ ہم چاروں کے علاوہ اس گھر میں متعدد ملازم ہیں، ملاقاتی بھی آتے رہتے ہیں۔ تم کس کس کی زبان بند رکھو گے۔ تمھاری یہ غیر قانونی کارروائی ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ طول پکڑ گئی تو ان میں سے کوئی بھی صورتِ حال بھانپ کر پولیس کو مطلع کر دے گا اور تم پکڑے جاؤ گے۔"

وہ پہلی بار مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بہت جان دار اور پُراعتماد تھی۔ پھر وہ میری بات کاٹتا ہوا بولا۔ "یہاں پولیس کا سایہ بھی نظر آیا تو کسی کی خیر نہیں۔ اپنے اوپر آنچ آنے سے پہلے میں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ چچی مجھے بچا لے۔ اس نے بتایا تھا کہ شہر کے اعلیٰ حکام سے اس کے گہرے دوستانہ مراسم ہیں۔"

"اس کے مراسم ہیں تو وہ خود ڈینی کو کیوں نہیں تلاش کراتی۔۔۔؟"

"تم کیا جانو؟" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "راستے بھر ڈرائیور ان سادہ پوش پولیس والوں کی نشان دہی کرتا ہوا آیا ہے جو شہر کے تمام راستوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ چچی نے ڈینی کے گرد بہت مضبوطی کے ساتھ اپنا جال پھیلا ہوا ہے مگر میری خواہش ہے کہ اپنی بہن کا سہاگ لوٹنے والے سے میں خود انتقام لوں۔ وہ پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا تو میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا۔"

اس کی سادہ لوحی اور حماقت پر میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اسے لانے والے ڈرائیور نے شاید ویرا کے ایما پر کامران کو دل کھول کر بے وقوف بنایا تھا اور اسے ویرا سے مرعوب کرنے کے لیے عام راہگیروں کی نشان دہی سادہ پوش پولیس والوں کے طور پر کراتا چلا آیا تھا اور اپنے گرد و پیش کی فریب کاریوں سے بے خبر کامران نے اسے سچ تسلیم کر لیا۔

"بہرحال میں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ کوئی غلط قدم اٹھا کر تم اپنی بہن کی کوئی خدمت نہ کر سکو گے۔" میں نے اُسے احساس دلائے بغیر آہستہ آہستہ اُس کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔ "پولیس کی تحویل میں جانے کے بعد تم بے بس ہو جاؤ گے اور ڈینی کو تمھاری بہن کے ساتھ من مانی کرنے کی آزادی مل جائے گی۔ جو کام تم کر سکتے ہو وہ دلدار کی بچی ہرگز نہیں کر سکتی۔"

اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ میں سرکتے سرکتے اس سے کافی دور ہو چکا تھا اور وہ بھڑک کر میرے مقابل آگیا۔ اس نے پستول کی نال میرے سینے پر تان لی تھی۔

"پیچھے ہٹو۔ . . . پیچھے ہٹو! تم اب ایک انچ بھی آگے بڑھے تو میں ڈینی سے پہلے تم ہی کو گولی مار دوں گا۔" میری طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہی اُس کی آواز سے اعصاب زدگی مترشح ہونے لگی تھی اور اس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

اس وقت کمرے میں جو لوگ موجود تھے وہ کامران کے مرض اور شخصیت سے بھی اسی قدر واقف تھے جتنا وہ غزالہ کے بارے میں جانتے تھے اور اس کا اُس وقت کا جنونی رویّہ بھی اُن کے سامنے تھا اس لیے جوں ہی لمحاتی طور پر اس کی تمام تر توجہ میرے اوپر مرکوز ہوئی، سلطان شاہ نے بے مثال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنی جگہ سے جست لگائی اور فضا میں اُڑتا ہوا بائیں پہلو سے اس طرح کامران پر آگرا کہ اس کی پستول والی کلائی نہایت مضبوطی سے اس کی گرفت میں آگئی تھی۔

اس ناگہانی وحشیانہ حملے نے کامران کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ اس کے حلق سے دبی دبی غضب ناک غرّاہٹیں بلند ہوئیں اور وہ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتا ہوا سلطان شاہ کی جھونک میں قالین پر ڈھیر ہو گیا لیکن پستول بدستور اُس کے داہنے ہاتھ میں موجود تھا۔

سلطان شاہ فوراً ہی سنبھل کر اُس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اس کے پستول والے داہنے ہاتھ کو مروڑ کر اپنے سے دور فرش سے لگائے رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس جدّوجہد میں سلطان شاہ کو آگے جھکنا پڑا اور اُس کا چہرہ غیر ارادی طور پر کامران سے خطرناک حد تک قریب ہو گیا۔ اس سے پیشتر کہ میں چیخ کر سلطان شاہ کو ہوشیار کرتا، کامران نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر ٹکر رسید کر دی۔

سلطان شاہ تکلیف سے بلبلاتا ہوا اپنے بائیں پہلو پر جھک گیا اور کامران کا پستول والا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

اس وقت کامران کی آنکھوں سے وحشت اور دیوانگ[illegible] جھانکنے لگی تھی۔ مجھے یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ کچھ بھی سوچے سمجھے [illegible] سلطان شاہ کے بدن میں پورا میگزین خالی کر دے گا۔ میں [illegible] بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑی اور کامران کی [illegible] کلائی پر ٹھوکر رسید کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ کامران اس ضرب کی اذیت سے چیخ پڑا اور پستول اس کی گرفت سے نکل گیا۔

میں نے پلٹ کر اس بھرے ہوئے پستول پر قبضہ کر[illegible]

سلطان شاہ نے کامران سے چہرے پر ٹکر کھائی تھی [illegible] میں نے کامران کی کلائی کو ٹھوکر سے اُڑایا تھا اس لیے مار کھا[illegible] وہ دونوں ہی وحشی درندوں کی طرح اشتعال میں آگئے تھے [illegible] بُری طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے۔

"دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ ورنہ میں گ[illegible] مار دوں گا۔" میں نے پستول کی نال سیدھی کر کے سرد اور تحکما[illegible] لہجے میں کہا۔

کامران کے ہاتھ اس دھمکی پر سُست پڑ گئے۔ سلطا[illegible] جانتا تھا کہ میں کامران کو کم سے کم نقصان پہنچا کر مغلوب کرنا [illegible] رہا تھا اس لیے کامران کے ہاتھ سُست پڑتے ہی وہ ا[illegible] کارروائی روک کر اس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

کامران صحت مند اور طاقت ور ضرور تھا لیکن ا[illegible] قسم کے دھول دھپّے کا عادی نہیں تھا لہٰذا اس ذرا سی مشقّ[illegible] کے نتیجے میں ہانپنے لگا تھا۔ اس کے بال بے ترتیبی سے پ[illegible] پر بکھر گئے تھے اور بدلی ہوئی صورتِ حال پر وہ سراسیمہ [illegible] آنے لگا تھا۔

"دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا لو۔" میں نے سخت لہجے میں ا[illegible] حکم دیا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "اسے ہمارے [illegible] بُری طرح بھڑکایا گیا ہے۔ اس کی اچھی طرح جامہ تلاشی لے ڈا[illegible]

کامران نے اپنی جامہ تلاشی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ [illegible] کی آنکھوں میں تشویش کے گمبھیر سائے منڈلانے لگے تھے۔ [illegible] بالادست تھا تو ہمارے قتال پر آمادہ تھا اس لیے اسے ہم [illegible] سے کسی بہتر اور نرم تر رویّے کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دی[illegible] سے صحت یاب ضرور ہو چکا تھا لیکن اس کے عمل اور ردِّ عم[illegible] وہ فطری ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی تھی جو عام لوگوں میں پائی جا[illegible] ہے۔ اس کی اسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر ویرا نے اسے ہم[illegible] خلاف کسی تنویم زدہ معمول کی طرح استعمال کرنے کی کوشش [illegible] جو ہماری حاضر دماغی اور مشترک کوششوں سے ناکام [illegible] دی گئی تھی۔

پستول کے علاوہ اس کی جیب سے چھ انچ لمبے پھل وا[illegible]

[illegible]انی دار چاقو بھی برآمد ہوا جو کھٹکا دباتے ہی کھل جاتا تھا۔ اسے [illegible]یکھ کر مجھے احساس ہونے لگا کہ ویرا نے اس کے ذہن کو مسموم [illegible]ر کے اسے ہمیشہ کے لیے میرے پیچھے لگا دیا تھا۔ جہانگیر کے [illegible]ے کامران کو واپس لے جانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ [illegible]رائیور غالباً اسے اتارتے ہی رفو چکر ہو گیا تھا اور اگر کامران کسی [illegible]ہجاز فارماسیوٹیکل واپس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو چوکیدار وغیرہ [illegible]ے پہچاننے سے انکار کر کے وہاں سے دھکّے دے دیتے۔

"اب بتاؤ کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" چاقو [illegible]رآمد ہونے کے بعد میں نے کامران کی بے رونق آنکھوں میں [illegible]یکھتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"میں ڈینی کے خون کا پیاسا بن کر آیا تھا، تم مجھے مار دو!" [illegible]ں نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ "اس سے زیادہ تم لوگ کر بھی [illegible]یا سکتے ہو؟"

"تشدّد، موت سے بھی بدتر اور بھیانک ہوتا ہے۔" میں [illegible]ے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تشدّد سے تمھارا دماغ بھی اُلٹ [illegible]کتا ہے اور اس بار تم ہوش و حواس کھو بیٹھے تو زندگی بھر نارمل نہیں [illegible]ہو سکو گے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیوانگی بھی موت کی طرح پُرسکون [illegible]دتی ہے۔ آدمی دُکھ درد سے بالکل بے گانہ ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے [illegible] میں گُڈی کا غم بھول جاؤں۔"

"بیٹھ جاؤ احمق لڑکے!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اور [illegible]ذرے سنو کہ ان لوگوں نے تمھاری ناتجربہ کاری سے ناجائز [illegible]ائدہ اٹھایا ہے۔ دلدار آغا چور، قاتل اور اسمگلر تھا۔ اس نے [illegible]ھوکے سے غزالہ کو اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ دلدار کی بچی بھی چھٹی [illegible]ہوئی بدمعاش ہے۔ انھوں نے تمھارے ذہن میں ڈینی کی [illegible]رف سے زہر بھرا ہے کیونکہ اسی نے دلدار کو بے نقاب کیا [illegible]تھا اور غزالہ اس سے محبت کرتی تھی۔ تم کڑیل جوان ضرور ہو [illegible]ے ہو لیکن طویل ذہنی بیماری کی وجہ سے تمھارا سارا تجربہ ان گنے [illegible]ے لوگوں تک محدود ہے جو تمھاری صحت یابی کے بعد تم سے [illegible]لطے میں آئے ہیں اس لیے تم یہ کھیل نہیں سمجھ رہے ہو۔ وہ لوگ [illegible]ھارے دشمن ہیں اور انھوں نے تمھیں مروانے کے لیے یہاں [illegible]بھیجا ہے جب کہ ہم میں سے ہر ایک تمھارا اور غزالہ کا خیر خواہ [illegible]ہے۔ ہم سے بگاڑ کر کے تم سراسر خسارے میں رہو گے۔"

"میرے تجربے کے بارے میں شاید تم درست کہہ رہے [illegible]ہو لیکن میں نے دلدار بھائی کو قریب سے پرکھا تھا۔ میں کیسے [illegible]ان لوں کہ انھوں نے زبردستی گُڈی سے شادی کی تھی جب کہ وہ [illegible]انھیں کو چاہتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم اِن میں سے کوئی الزام ثابت نہیں کر سکتے۔"

"الزام تو اسی وقت ثابت ہو سکیں گے جب غزالہ کا کوئی سُراغ ملے گا۔ فی الحال میں تمھیں ان کی نیّت کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں۔ باہر جا کر دیکھ لو کہ تمھیں لانے والی گاڑی یا ڈرائیور کا دُور دُور تک کوئی پتا نہیں ہو گا۔ انھوں نے تمھیں چارا بنا کر ہمارے سامنے ڈال دیا ہے اور اب کہیں ہماری گھات لگائے بیٹھے ہوں گے کیونکہ وہ ڈینی کے ہر دوست کے جانی دشمن ہیں۔"

"یعنی تم نہ مجھے گولی مارو گے، نہ مجھ پر تشدّد کرو گے؟" اس نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"ہم تمھیں دوستوں کی طرح زندہ رکھیں گے . . . اب تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اس کی آنکھ بچا کر سلطان شاہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" ہم تینوں کو نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر جہانگیر نے سوال کیا۔

"دس منٹ میں آتے ہیں۔" اسے جواب دے کر میں نے کامران سے چھینا ہوا پستول اپنی جیب میں رکھ لیا۔ چاقو پہلے ہی سلطان شاہ کی تحویل میں تھا۔

کار میں پھاٹک سے نکل کر میں نے کامران کی بتائی ہوئی سمت میں گاڑی موڑدی تھی۔ اگلی گلی کو ویران دیکھ کر اُسے دھچکا لگا پھر ہم نے دُور تک متعدد گلیاں چھان ماریں لیکن وہاں نہ کوئی ایسی کار موجود تھی اور نہ ڈرائیور جسے کامران کی واپسی کا منتظر سمجھا جا سکتا۔

"میری نظر میں یہ مہمل حرکت ہے۔" واپس لوٹتے ہوئے کامران نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈرائیور کو گاڑی سمیت تم نے ہی ٹھکانے لگا دیا ہو۔ بچی چاہتی تو زبردستی مجھے فیکٹری سے نکلوا سکتی تھی۔"

"بچی نہیں، اُسے ویرا کہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "اُس نے تمھارے ساتھ نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ تم کو نکلوا دیتی تو تم بھرا ہوا پستول اور چاقو لے کر ڈینی کے پیچھے نہ آتے۔ اُس نے تم سے اپنا پیچھا چھڑایا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ تمھارے احمقانہ رویّے کے باوجود ڈینی تمھارے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا کیونکہ تم غزالہ کے بھائی ہو۔ اگر تم ڈینی کے ساتھ رہتے ہوئے اُس پر کوئی وار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ویرا کے لیے بونس ہو گا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ تم نے مجھے بُری طرح اُلجھا دیا ہے۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لیے اب خاموش رہو اور ڈینی یا گڈی کو تلاش کرو تا کہ مجھے اپنے سوالوں کے

جوابات مل سکیں۔ تم تو مجھے ایک دو روز میں ہی پاگل کر دو گے۔"

"دلدار کے قتل کے بعد سے غزالہ لاپتا ہے۔ ڈینی خود اُسے تلاش کر رہا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ تم اُس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی روشنی ڈال سکو۔"

میرے اِن فقروں پر وہ بُری طرح چونکا تھا۔ "کیا تم واقعی سچ بول رہے ہو؟ گڈی، ڈینی کے قبضے میں نہیں ہے؟"

"اِس میں سچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"اگر یہ سچ ہے تو شاید مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہوگی۔ گاڑی آگے بڑھالو۔" اُس کی آواز یک بیک پُرخیال ہوگئی جیسے وہ بیٹھے بیٹھے ہی کسی خیال کے تحت تنویم زدہ ہوگیا ہو۔

"تمھیں معلوم ہے؟" میں نے اُس کا شانہ جھنجوڑتے ہوئے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر تم اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ سیدھے اُس کے پاس کیوں نہیں گئے؟"

"میرا ذہن ہی اُس طرف نہیں گیا تھا۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "جب سے میں ہوش میں آیا ہوں، ہر ایک سے یہی سُن رہا ہوں کہ گڈی کو ڈینی نے اغوا کرلیا ہے لہٰذا میں اُس ایک امکان کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہ سکا۔ میرے تو دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں۔"

"غزالہ کے اُس ٹھکانے کے بارے میں تم نے میرے علاوہ اور کس کو بتایا ہے؟" میں نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔ صورتِ حال کے اس نئے موڑ نے میرے پورے وجود میں ہیجان اور سنسنی کی ناقابلِ بیان لہریں سی دوڑادی تھیں۔

"کسی کو نہیں۔" اُس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ . . . سب اپنی اپنی ہانکتے رہے کہ اُسے ڈینی نے اغوا کرلیا ہے اور اُس پر ستم ڈھا رہا ہوگا۔"

"غزالہ کے اس ٹھکانے سے تمھارے علاوہ اور کون واقف ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔ ہمارے دردناک ماضی کی اس یادگار سے ہم دونوں کے سوا کوئی واقف نہیں۔" اس کی آواز میں دردانگیز اُداسی اُترتی چلی جارہی تھی۔ "وہ گھر غزالہ نے اپنی جوڑی ہوئی رقم سے چوری چھپے خریدا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہاں چلی جاتی تھی۔ دو بار وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر وہاں گئی تھی۔ اُس نے مجھے وہ کمرا دکھایا جہاں ممی نے آخری بار سانس لیا تھا۔ اسی گھر میں وہ منحوس کمرا ہے جس میں ڈیڈی ممی کے انتقال کے صدمے سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی [illegible] اور میرا پنجرے نما قید خانہ بھی ہے جس میں میں دیوانگی [illegible] میں اپنے شب و روز گزارتا تھا۔ اِس ایک گھر کے علاوہ [illegible] دنیا میں ہمارے ماضی کی کوئی مشترک یادگار نہیں ہے۔ وہ [illegible] کا گھر ہے۔ اگر تم سچے ہو اور ڈینی نے اُسے اغوا نہیں کیا تو وہ اُسی گھر میں محصور ہوگی۔ اُسے مجھ پر بڑا مان ہے۔ وہ ہر لمحے میرے قدموں کی آہٹ کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

چند ثانیوں کے لیے کار میں سکوت چھایا رہا۔ پھر اچانک ہی ایک بھرائی ہوئی شناسا نسوانی آواز گونجی اور میرا وجود [illegible] ہو کر رہ گیا۔

"براوو ڈینی!" ویرا کی آواز کامران کے جسم کے کسی حصے سے اُبھری تھی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم ہمیشہ میری توقعات پر پورے اُترتے ہو۔ یہ کڑیل جوان ذہنی طور پر میرے لیے کسی شیر خوار بچے سے بھی زیادہ ناکارہ تھا۔ اس کا کوئی مصرف نہ پا کر میں نے اسے اچھی طرح بگ کر کے تمھاری طرف ہانک دیا۔ میرا خیال تھا کہ تم اس سے غزالہ کے بارے میں کھُل کر بات کرو گے تو پتا چل جائے گا کہ وہ تمھارے ساتھ ہے یا لاپتا ہے لیکن تم نے تو اِس گونگے سے غزالہ کا پتا اُگلوا کر کمال ہی کر دیا۔ میں شروع سے اب تک تمھاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی آئی ہوں۔ اس کے لباس میں بٹنوں کی صورت میں تین بگ لگے ہوئے ہیں جو تمھاری آواز مجھ تک پہنچا رہے ہیں اور ایک سے تم میری آواز سُن رہے ہو۔ کوئی بھی بٹن وغیرہ دبائے بغیر تم جو کچھ کہو گے من و عن مجھ تک پہنچ جائے گا۔ کہو یہ کیسی رہی؟"

"یہ تو پھپھی کی آواز ہے۔" کامران بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں، یہ میرے بدن کے کس حصے میں [illegible] ہے۔ تم یقین کرو کہ میں اس سازش میں شریک نہیں تھا۔"

کیبن میں میں اُسے گھور کر رہ گیا اور پھر ویرا سے [illegible] ہوگیا۔ "تم بہت سفاک اور سنگ دل ہو ویرا۔ میرا خیال ہے کہ تمھارے بے رحمانہ تبصرے نے اس وقت کامران کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہوگا۔ اگر تم نے اسے استعمال کر ہی لیا تھا تو اس کی ہتک کرنے سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ تم سب کچھ سُن چکی ہو مگر میں اتنا بتا دوں کہ اب میں ہی غزالہ تک پہلے پہنچوں گا۔ اس وقت کسی مہم جوئی کا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔ تم نے اگر اس کا رُخ کیا تو میں تمھارے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں لوں گا۔ . . ."

اُس کی زہریلی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "تم نے ماجے کے اڈے کو تباہ کر کے مجھے بے بس کرنا چاہا تھا مگر دیکھ لو کہ میری رسائی کہاں تک ہے۔ صبح میں نے دانستہ تم سے بات نہیں کی تھی کیونکہ اُس وقت میں شکست خوردہ تھی لیکن اب میں فاتح ہوں۔ تمھارا سفید جھوٹ پکڑا جا چکا ہے۔ مجھے دُکھ دے کر تم کبھی سُکھ میں نہیں رہ سکتے ڈینی۔ . ."

"ارے باپ رے!" کامران کے ہونٹوں سے مضحکہ خیز آواز برآمد ہوئی۔ "تو تم ہی ڈینی ہو؟ پھپھی نے درست ہی کہا تھا کہ تم اس صدی کے سب سے بڑے جھوٹے اور مکار ہو۔"

"پھپھی کے بچے! اب تھوڑی دیر اپنی زبان کو لگام دو اور چُپ رہو۔" سلطان شاہ دانت پیس کر اس پر غرّایا تھا۔ "تم نے اِس وقت اپنی بہن کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔"

"میں تم سے پہلے غزالہ تک پہنچوں گی اور اُسے اُڑا لے جاؤں گی۔ تم سے میرا شریفانہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہمارا جب بھی سامنا ہوگا تو بالادست لیتے زیردست پر ہتھیار اُٹھائے بغیر دوستانہ انداز میں ملے گا لیکن تم سامنا ہونے سے پہلے ہی اپنی بدعہدی کی دھمکی دے رہے ہو اور میرا ظرف دیکھو کہ میں اِس وقت تمھارے انجام پر پوری طرح قادر ہونے کے باوجود تمھیں رعایت دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"تم وہاں پہنچو پھر دیکھنا کہ ہوتا کیا ہے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

وہ پھر ہنسی۔ "میں دعویٰ کرتی ہوں کہ تم مجھ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔ کامران کا دماغ درست ضرور ہوگیا ہے۔ لیکن تجربے کی کمی کی وجہ سے یہ ساری زندگی اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں ذہنی پسماندگی کا شکار رہے گا اس لیے اسے تمھارے پاس روانہ کرنے سے پہلے میں نے اس کی شہ رگ کاٹنے کا پورا انتظام کر لیا تھا کہ مجبوری، بے بسی اور استحصال کی زندگی کے مقابلے میں موت اس کے حق میں بہتر رہے گی۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ ہی تم کو اُڑا دوں گی مگر میں اپنے الفاظ کا پاس کرتی ہوں، بالادست ہو کر بھی تمھیں ایک موقع دے رہی ہوں۔ کامران کے بدن پر جو کوٹ ہے اس میں دوہرے کنٹرول والا مکمل بارودی استر لگا ہوا ہے۔ تم نے اس کے بدن سے زبردستی کوٹ اُتارنے کی کوشش کی تو بارودی دھماکے میں کامران کے ساتھ خود بھی اُڑ جاؤ گے۔ اس بارودی استر کا دوسرا ریموٹ کنٹرول میرے پاس ہے۔ میں پانچ تک گنتی شروع کر رہی ہوں۔ تم نے گنتی ختم ہونے تک کار روک کر اسے نہ اُتارا یا خود دور نہ بھاگے تو میں تمھارے دردناک انجام کی ذمّے دار نہیں ہوں گی۔"

فضا میں سکوت چھا گیا۔ میں نے اضطراری طور پر بریک لگا کر کار رُکی اور انجن بند کر دیا۔

"نہیں! میں نہیں اُتروں گا۔" میرے متوجہ ہوتے ہی کامران نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اپنی موت کا فرمان سُن کر اُس کے چہرے پر عجیب سی بحالی آگئی تھی۔ "وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ذہنی پسماندگی کے ساتھ زندہ رہنا ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ تم جیسے چالاک اور مکّار لوگ زندگی میں ہر قدم پر ایسے چرکے لگاتے رہیں گے کہ میں خود اپنے اوپر رحم کھانے لگوں گا۔ ایسی بے کسی اور مظلومیت سے موت بہتر ہے۔ اگر تم کو اپنی زندگی سے پیار ہے تو کار سے اُتر کر پوری قوت سے دوڑ لگا دو۔ . . لیکن بس یہ یاد رکھنا کہ اگر گڈی تمھیں مل جائے تو اُسے جان سے زیادہ عزیز رکھنا، یہ میرا تم پر قرض اور تمھارا فرض ہوگا۔ اسے میں نے ہمیشہ سب سے بڑھ کر چاہا ہے۔ اُسے تمھاری ذات سے دُکھ پہنچا تو میں مر کر بھی تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ آسیب بن کر اندھیری راتوں میں تمھارا پیچھا کروں گا اور تمھیں خوف سے ہلکان کر دوں گا۔"

ویرا اپنی گنتی شروع کر چکی تھی۔ ہمارے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ کامران کی زندگی بچانے کے لیے اس کے بارودی کوٹ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی کوشش کر پاتے یا اس کے کنٹرول تلاش کر کے انھیں ناکارہ بنا تے۔ کامران اپنی ناگہانی موت کے انتظار میں بالکل مطمئن اور پُرسکون نظر آرہا تھا۔ اُس کا ہیجان اور ولولہ سرے سے کافور ہوچکا تھا جیسے خود اُسے بھی لاشعوری طور پر مدت سے اِن ہی لمحات کا انتظار رہا ہو۔

میرا دل بوجھل ہونے لگا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو اتنے سکون اور وقار کے ساتھ موت کو گلے لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے بے اختیار اُسے اپنے گلے سے لگایا۔ اُس کے داہنے رخسار پر گرم جوشی کے ساتھ ایک بوسہ دیا اور ویرا کے چار تک پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی سے اُتر گیا۔

سلطان شاہ میرے تیور بھانپ کر پہلے ہی گاڑی سے نیچے اُتر چکا تھا۔

"گڈی کا خیال رکھنا۔" کار سے دُور جاتے ہوئے میرے کانوں میں کامران کی آخری آواز آئی۔ پھر ایک دھماکا ہوا جس کی گونج کم تھی لیکن طاقت کا یہ عالم تھا کہ ہمارے قدموں کے نیچے زمین ہل کر رہ گئی تھی۔

راہگیروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ہماری کار کی پسنجر سیٹ کامران سمیت نیست و نابود ہوچکی تھی اور کار میں بارودی دھواں بھرا ہوا تھا۔

اس ہولناک اور سفاکانہ واقعے نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا۔ کار میں نظر آنے والا بارودی دھواں میرے ذہن

میں بھی بھرتا جا رہا تھا مگر وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔

مرنے والوں کے سوگ میں زندہ لوگوں کو ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا جاتا مگر مجھے کئی لمحوں کے بعد غزالہ کا خیال آیا تھا اور میرے بدن میں ہیجان کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

میرے ساتھ ہی ویرا کو بھی غزالہ کی کمین گاہ کا علم ہو چکا تھا۔ وہ مجھے نیچا دکھانے کے لیے غزالہ کو اپنا قیدی بنانے کے لیے بے چین تھی اور شاید کامران کو ہلاک کرتے ہی اپنے مشن پر روانہ ہو چکی تھی جبکہ میں کار سے محروم ہو چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس وقت غزالہ کا آبائی مکان ہم سے چھ سات کلومیٹر دور تھا۔ میں نے اضطراری طور پر قرب و جوار میں نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی خالی رکشا یا ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ وہ بھیڑ بھاڑ کے اوقات تھے اور کسی خالی سواری کا ملنا محال نظر آ رہا تھا۔

"آؤ!" اچانک سلطان شاہ نے میرا ہاتھ دبا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور تیزی کے ساتھ فٹ پاتھ کے ایک کنارے کی طرف لپکتا چلا گیا۔

پھر وہ پستہ قامت شخص مجھے بھی نظر آ گیا جو ایک سوبارو کار سے اتر کر اس کا دروازہ لاک کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

سلطان شاہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے نہایت سکون اور اعتماد سے اس شخص کے کندھے پر یوں ہاتھ رکھ دیا جیسے ان دونوں میں برسوں کی شناسائی رہی ہو۔ لمحہ بھر کے لیے میں خود بھی دھوکا کھا گیا لیکن سلطان شاہ کا مکالمہ سنتے ہی میری غلط فہمی رفع ہو گئی۔

"شرافت سے کار کی چابی میرے حوالے کر کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ ورنہ بھیجا اڑا دوں گا۔" سلطان شاہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

وہ مہلک دھمکی سنتے ہی اس شخص کی آنکھیں عینک کے محدب عدسوں کے پیچھے دھندلا گئیں لیکن اس سے قبل کہ وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوتا، سلطان شاہ نے اس کے منحنی وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔ میں نے بڑھ کر چابی پر قبضہ کیا اور پچھلا دروازہ کھول کر بے ہوش اجنبی کو اندر گھسیٹنے میں سلطان شاہ کی مدد کی اور یوں چند ثانیوں بعد ہی ہم برق رفتاری کے ساتھ غزالہ کی کمین گاہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔

اس وقت مجھے قلق اس بات کا تھا کہ وہ میری زندگی کا اہم ترین معرکہ ثابت ہونے والا تھا اور ہم دونوں ہی گھر سے غیر مسلح نکلے تھے۔ میری جیب میں مرحوم کامران سے چھینا ہوا پستول تھا جو سات گولیاں فائر کرنے کے بعد ناکارہ ہو جاتا یا پھر سلطان شاہ کے پاس کمانی دار چاقو تھا جو صرف دست بدست مقابلے میں ہی کوئی کارکردگی دکھا سکتا تھا۔

غزالہ کی پناہ گاہ تک رسائی اور پھر وہاں سے واپسی کے لیے ہمیں سواری درکار تھی۔ اگر سوبارو کے مالک کو بے ہوشی کی حالت میں اپنے ساتھ ہی رکھا جاتا تو وہ کسی بھی مناسب موقع پر ہوش میں آ کر ہمارے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا اس لیے میں نے راستے میں ایک نیم ویران مقام پر موقع غنیمت جان کر کار روکی اور کار والے کو عقبی نشست سے اٹھا کر کچی زمین پر منتقل کر دیا۔ اس وقت تک اس کے دل کی دھڑکنیں معمول کے مطابق چل رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ دہشت سے مرا نہیں تھا بلکہ صرف بے ہوش ہوا تھا اور کسی بھی وقت ہوش میں آ کر اپنی کار کی تلاش کا آغاز کر سکتا تھا۔

غزالہ کے گھر کا چپا چپا میرا دیکھا بھالا تھا۔ کرنل زوار اور ..... شمع جیسی معصوم خاتون کے بزرگانہ سائے میں میں نے اسی چار دیواری میں غزالہ کے ساتھ مستقبل کے پاکیزہ اور سہانے خواب دیکھے تھے۔ عمارت پر نظر پڑتے ہی ماضی کے بہتیرے واقعات کسی فلم کی طرح میری نگاہوں میں گھوم گئے۔

دور سے مکان پر سکوت کا راج نظر آ رہا تھا اور وہاں کسی کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے جس کا مطلب تھا کہ ویرا اس وقت تک وہاں پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

کامران نے اپنی دردناک موت سے پہلے یہ تو بتا دیا کہ دلدار آغا کی زندگی میں ہی غزالہ نے اپنا آبائی مکان خرید لیا اور وہ وہیں روپوش ہو سکتی تھی مگر مجھے یہ معلوم کرنے کی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ اس گھر میں غزالہ کے علاوہ بھی کوئی ملازم یا رہتا تھا یا وہ اکیلی ہی وہاں آتی جاتی تھی۔

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ویرا سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس احساس سے میری دلی کیفیت بھی عجیب ہو رہی تھی کہ میری غزالہ مجھ سے تھوڑی دور اپنے مکان کی چار دیواری میں محصور تھی اور میں کسی بھی لمحے اس تک رسائی حاصل کر سکتا تھا مگر اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ گرہ بھی موجود تھی کہ اگر وہ اپنے مکان میں آزادی اور خود مختاری کے ساتھ رہ رہی تھی تو اس کے لیے مجھ سے جہانگیر کی معرفت رابطہ قائم کرنے میں کیا امر مانع تھا؟

اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ایک اور مسئلہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ویرا میرے ساتھ دشمنی پر تلی ہوئی تھی اور خاص طور پر غزالہ کے بارے میں بہت حساس تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس نے تھوڑی دیر قبل کامران کو بارود سے دھماکے سے اڑاتے ہوئے مجھے اس سے دور نکل کر اپنی جان بچانے کا موقع فراہم کیا تھا لیکن غزالہ کو قابو کرنے کے معاملے میں وہ جذباتی طور پر مجھے کوئی بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

اس وقت اگر میں ویرا کی آمد سے پہلے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیتا تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ میں سلطان شاہ کے ہمراہ اندر داخل ہو جاتا یا اسے باہر نگرانی کے لیے چھوڑ کر خود اندر چلا جاتا اور غزالہ کو ساتھ لے کر باہر نکل آتا مگر ان دونوں ہی صورتوں میں ویرا کا خطرہ اپنی جگہ برقرار رہتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ویرا وہاں تنہا آنے والی تھی یا کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آتی۔ ہم دونوں ہی اندر چلے جاتے تو وہ باہر گھات لگا کر واپسی پر ہمارے خلاف کوئی بھی مہلک قدم اٹھا سکتی تھی۔ جس کا ایک پستول کے سہارے مقابلہ کرنا آسان نہ ہوتا اور اگر سلطان شاہ کو نگرانی کے لیے باہر چھوڑ کر میں اکیلا اندر جاتا تب بھی اس امر کا قوی امکان موجود تھا کہ ویرا وہاں پہنچ کر آسانی کے ساتھ اس کی موجودگی کا اندازہ لگا سکتی تھی اور پھر وہ اندر گھسنے کی بجائے اپنے مددگاروں کے ذریعے سلطان شاہ کو بے بس کر کے میرے خلاف کوئی مؤثر منصوبہ بندی کر سکتی تھی۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ہم کو پہل کا فائدہ حاصل ہونے کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ خدشہ تھا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ہم صبر سے کام لے کر فوری طور پر غزالہ کے مکان میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیتے اور مکان سے محفوظ فاصلے پر رہ کر ویرا کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرتے۔ اس طرح ہم اس کی عددی صلاحیت سے باخبر ہو کر پورے اطمینان سے اس کی پیش قدمی کا مشاہدہ کر سکتے تھے اور اس کی واپسی پر اسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ اپنی محدود نفری اور واحد پستول کے مؤثر استعمال کے لیے دوسری صورت ہی ہمارے حق میں مفید ثابت ہو سکتی تھی۔

سلطان شاہ کے ذہن میں ایک تیسرا ہی خیال موجود تھا۔ وہ فوری کارروائی کے حق میں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ غزالہ اگر اندر موجود ہوئی تو اسے میری ہدایات پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے تھا۔ اسے ساتھ لے کر ہم نکاسی کے راستے کے بجائے عقبی دیوار پھاند کر فرار ہو سکتے تھے۔ اگر ہم اندر گھسنے سے پہلے اپنی کار بھی اسی طرف پارک کر دیتے تو ہمارا منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو سکتا تھا۔

مختصر سی بحث کے بعد میں نے اس کا مشورہ قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی ہی تھی کہ اچانک ایک سیاہ ٹویوٹا کراؤن غزالہ کے مکان کے پھاٹک کے سامنے رکی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس گاڑی کے تاریک شیشے چڑھے ہوئے تھے، اور چڑھتے ہوئے سورج کی تیز روشنی میں باہر سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ کار میں کون کون موجود تھا لیکن مجھے اتنا ضرور یقین تھا کہ آنے والوں میں ویرا ضرور شامل رہی ہو گی۔ لمحہ بھر بعد ہی کار کی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھلا اور ویرا جینز اور جیکٹ میں ملبوس نیچے اترتی ہوئی نظر آئی اس کے شانے سے ایک بڑا سا شولڈر بیگ لٹک رہا تھا۔

دروازہ بند ہونے سے پہلے مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر ایک قوی الجثہ سفید فام کی جھلک نظر آئی اور میں فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

ویرا کی افرادی قوت کا تمام تر انحصار کھڈے کے سوائے زمانہ منشیات فروش معراج دین پر تھا لیکن پچھلی رات اس کی موت اور اس کے اڈے کی تباہی کے بعد ویرا کا وہ سہارا ختم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے فوری طور پر ماجے کا نعم البدل تلاش کرنا ممکن نہیں تھا اسی لیے اس نے اپنی تازہ ترین مہم کے لیے غالباً انطونیو کی مدد لی تھی جو میلان سے اس کے چارٹرڈ جہاز پر معاون ہواباز کی حیثیت سے کراچی آیا تھا۔ میرے لیے اس نکتے کی غیر معمولی اہمیت تھی۔

اس وقت اگر ویرا کے ساتھ کوئی پیشہ ور قاتل یا لڑاکا ہوتا تو ہمیں اس کو زیر کرنے میں دشواری پیش آ سکتی تھی لیکن ایک معاون ہواباز کتنا ہی بدمعاش اور مکار کیوں نہ ہو ایک پیشہ ور قاتل کا ہم پلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دوسری بہتر بات یہ تھی کہ ویرا ہماری طرح تذبذب میں مبتلا نہیں ہوئی تھی۔ اس نے میدان صاف دیکھتے ہی یہ فرض کر لیا تھا کہ میں اس سے پہلے وہاں پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی وہ بے بنیاد خود اعتمادی بھی میری کامیابی میں کلیدی کردار ادا کر سکتی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو، میں کالی کراؤن کی طرف جاتا ہوں . . ."

میں نے گفتگو کی ابتدا ہی کی تھی کہ سلطان شاہ نے فوراً میری بات کاٹ دی۔

"میں جاتا ہوں، تم یہیں ٹھہرو۔ خطرے کی صورت میں تم بہتر طور پر میری مدد کر سکو گے جب کہ میں یہاں رک کر کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکوں گا۔"

وہ اس کی سراسر جذباتی تجویز تھی۔ اس وقت ویرا کسی زخم کھائی ہوئی ناگن کی طرح خطرناک ہو چکی تھی اور اپنے سامنے آنے والے ہر حریف کو کچل سکتی تھی۔ اگر سلطان شاہ کا اس سے سامنا ہو جاتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اسے بلا توقف ہلاک کر دیتی

جب کہ شکست اور مایوسی کے اس عالم میں بھی ویرا کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ موجود تھا جس کا کھلا مظاہرہ وہ تھوڑی دیر قبل کامران کی موت کے موقع پر کر چکی تھی۔ سلطان شاہ، ویرا کے ساتھ میرے رویے سے پہلے ہی شاکی تھا اس لیے میں اس نازک پہلو پر اپنی زبان کھول کر اس کے مذاق کا نشانہ نہیں بننا چاہتا تھا لیکن اسی کے ساتھ میں اسے کسی خطرے میں بھی نہیں جھونکنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ کسی بحث میں اُلجھنے کے بجائے میں نے تحکمانہ انداز اختیار کر لیا اور وہ مایوسی کے ساتھ مُنہ لٹکا کر میری ہدایات سننے پر مجبور ہو گیا۔

میں نے فوراً ہی مسروقہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے تیزی کے ساتھ سڑک پر لیتا چلا گیا۔ غزالہ کے گھر سامنے سیاہ ٹویوٹا کراؤن فٹ پاتھ کے سہارے قرینے سے کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اُس کے سفید فام ڈرائیور کو اشتعال دلانے کے لیے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنی کار کا بایاں حصہ اُس کی گاڑی کے عقبی حصے سے ٹکرا دیا۔

اگر میں براہِ راست اس سے اُلجھتا تو وہ میری طرف سے چوکنا ہو سکتا تھا۔ اس لیے تصادم کی ابتدا کے لیے یہ ایک بہتر تدبیر تھی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ پر بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہوا، دُور سے یہ دیکھ رہا تھا اور ضرورت پڑنے پر میری مدد کے لیے آ سکتا تھا۔

ہلکے سے دھماکے اور آہنی رگڑ کے ساتھ ہی میں نے اپنی کار کو سنبھال لیا اور کراؤن سے قدرے آگے نکل کر اپنی کار بھی کنارے سے لگا دی اور نیچے اُتر گیا۔

میں کراؤن کا دُزدیدہ نظروں سے جائزہ لیتا ہوا اپنی کار کے نقصان رسیدہ حصے کی طرف بڑھا، اور انہماک سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ غلطی سراسر میری ہی تھی۔ اس لیے میری اس سرد مہری نے سفید فام کو بھڑکا دیا۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر غصیلے انداز میں میری طرف آیا تھا۔

"کیا تم اندھے ہو جو تمھیں کنارے سے لگی ہوئی اتنی بڑی گاڑی نظر نہیں آئی؟" میرے قریب آ کر وہ غصے سے دانت پیستا ہوا بولا۔ اس کی انگریزی قابلِ رحم حد تک کمزور تھی۔

"کس گاڑی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے عقابی نظروں سے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔ "میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ میرا نقصان کون پورا کرے گا۔ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ تم نے اپنی بے ڈھب گاڑی ممنوعہ علاقے میں پارک کی ہوئی ہے۔"

"ممنوعہ علاقہ؟" میری بات پر وہ بُری طرح بھنا گیا۔ "دنیا کے کسی بھی کشادہ رہائشی علاقے میں پارکنگ پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ یہاں دُور دُور تک ایسا کوئی سائن بورڈ نہیں ہے۔"

"سائن بورڈ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم سڑک کے وسط میں کار کھڑی کر کے سو جاؤ۔ اس مُلک میں بہت سی باتیں ڈرائیور کے تجربے اور صوابدید پر چھوڑ دی جاتی ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے تو تم مجھے اپنا ڈرائیونگ لائسنس دکھاؤ ورنہ میں ابھی تمھیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"چوری اور سینہ زوری!" وہ غرّایا۔ "تمھارا لائسنس کہاں ہے؟"

"میں بھی دکھا دوں گا۔" میں نے اپنی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم اپنے کاغذات دکھاؤ۔"

وہ برہمی کے انداز میں مڑا اور اپنی کار کی طرف چل دیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ میرا مقصد بہت خوب صورتی کے ساتھ پورا ہو رہا تھا اور سفید فام میری خواہش کے عین مطابق اپنے ردِ عمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اپنے کاغذات نکالنے کے لیے وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان آ کر اسے بند کرنے کی راہ مسدود کر دی۔ اس وقت تک سفید فام میرے عزائم نہیں بھانپ سکا تھا۔

وہ ڈیش بورڈ کے اوپر پڑے ہوئے مختصر سے سفری بیگ میں اپنے کاغذات ٹٹول ہی رہا تھا کہ میں نے خاموشی کے ساتھ جیب سے پستول نکال کر اُس کا آہنی دستہ بے دردی کے ساتھ اُس کی کنپٹی پر رسید کر دیا اور وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ لے کر اپنی سیٹ میں وہیں بے سُدھ ہو گیا۔ اُس کی گردن فوراً ہی ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔

وہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس کار میں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور وہ برق رفتاری کے ساتھ سڑک عبور کر کے میری طرف چلا آیا۔ اثنا میں میں نے ایک دیا سلائی کی مدد سے کراؤن کے تینوں ٹائروں سے ہوا نکال کر ویرا کے فرار کی راہ مسدود کر دی تھی۔

میں نے دیکھا تھا کہ ویرا، غزالہ کے مکان کے پچھلے ذیلی دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ مکان میں غزالہ کے علاوہ کوئی چوکیدار یا مالی وغیرہ بھی موجود تھا لیکن میں اطلاعی گھنٹی بجا کر ویرا کو ہوشیار کرنے کا کوئی خطرہ نہیں لے سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق کراؤن میں بے ہوش سفید فام کے برابر میں پسنجر سیٹ سنبھال لی تاکہ مقصد کار کی تلاشی لے کر، اس میں موجود اسلحے پر قابض ہونا تھا تاکہ صورتِ حال کے بگڑنے پر طاقت کے استعمال سے ویرا کو پسپائی پر مجبور کیا جا سکے۔

ویرا ایک عیار اور شاطر عورت تھی۔ اُس سے یہ توقع بھی کی جا سکتی تھی کہ اُس نے غزالہ کے مکان میں کسی کو بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل یا آزاد رہنے دیا ہو۔ اندر سے کسی قسم کے ردِ عمل یا ہنگامے کی آوازیں بلند نہ ہونے سے یہ گمان ہو رہا تھا کہ جس آسانی سے میں نے باہر کی صورتِ حال پر قابو پا لیا تھا، بیش اسی آسانی کے ساتھ ویرا اندر اپنی برتری قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی جس کا فوری سدِ باب ضروری تھا۔

میں نے پھاٹک اور اس کے ذیلی دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ دونوں اندر سے بولٹ تھے۔ میں نے لحظہ بھر اس کا جائزہ لیا اور میدان صاف پا کر کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ احاطے کی آدم قد دیوار پر چڑھ کر اندر ویران کیاری میں کود گیا۔

غزالہ کے باپ، کرنل زوّار زیدی کی زندگی میں اس گھر میں پودوں اور پھولوں کی بہار ہمیشہ قابلِ دید ہوا کرتی تھی۔ کُل وقتی مالی کو ملازم رکھنے کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ شخص اپنا بیشتر وقت پودوں اور کیاریوں کو سنوارنے میں صرف کرتا تھا لیکن اس وقت احاطے میں ہر طرف عجیب سی ویرانی کا راج تھا۔ پودوں اور کیاریوں کو خود رُو جھاڑ جھنکار نے تباہ کیا ہوا تھا۔ اسی کے درمیان کہیں کہیں آدم قد جنگلی گھاس لہرا رہی تھی۔ ان سب چیزوں کے درمیان کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک وہیں رُک کر کچھ اندازے قائم کیے، پھر مکان کی دیوار کے سہارے عقبی حصے کی طرف ہو لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس طرف کچن سے نکاسی کا دروازہ کھلتا تھا۔

کونے سے گھومتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی دھیمی مگر تُرش آواز آئی۔ وہ اسی سمت کے کسی کمرے میں کسی سے باز پُرس کر رہی تھی۔

"تم مالکن کی دوست ہو اور میرے لیے مالکن ہی کی طرح عزت والی ہو۔ مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" کسی بوڑھے کی لجلجاتی ہوئی آواز تھی جو ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے سنائی دی تھی۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ وہ دو تین دن پہلے یہاں آئی تھی۔" ویرا کی آواز میں غصے اور جھلاہٹ کی آمیزش نمایاں ہو گئی تھی۔ "میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم نے کئی ہفتوں سے اُسے نہیں دیکھا۔"

"میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ مالکن یہاں بہت کم آتی ہے۔" بوڑھی مردانہ آواز میں رقت کی حد تک بے چارگی سمٹ آئی۔ "تمھیں میرا یقین نہیں ہے تو ماسی سے پوچھ لو۔ مالکن نے اُس پر ترس کھا کر اُسے یہاں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔۔۔"

"وہ کہاں ہے؟" ویرا نے اُس کی بات کاٹ کر غصے سے پوچھا۔

"بیمار عورت ہے۔ جب بھی آتی ہے، اندر کے ایک کمرے میں پڑی رہتی ہے۔"

"تو کیا وہ کہیں جاتی بھی ہے؟" ویرا کی تُرش آواز سنائی دی۔

"طبیعت سنبھلتی ہے تو اپنے بچوں میں چلی جاتی ہے۔ ان سے ناراض ہوتی ہے تو بیمار ہو کر یہاں پڑ جاتی ہے۔ وہ چار دن سے یہاں آئی ہوئی ہے۔ وہ بتا دے گی کہ پچھلے چار دن سے ہم دونوں کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آیا۔ مالکن تو دُور کی بات ہے۔ کئی دن سے بھنگن تک نہیں آئی۔"

اس اثنا میں میں کچن کے دروازے تک پہنچ چکا تھا جو دباؤ ڈالتے ہی کھل گیا۔ اور میں دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ ان دونوں کی آوازیں کچن سے ملحقہ کمرے سے آ رہی تھیں جو کسی زمانے میں ڈائننگ روم ہوا کرتا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ چلو ماسی کے کمرے میں چلو!" ویرا کی آواز سنائی دی۔

ننگے فرش پر ان دونوں کے قدموں کی چاپ دُور ہوتی ہوئی سنائی دی۔ میں نے ڈائننگ روم کی طرف کھلنے والے دروازے کے کی ہول میں سے دیکھا کہ وہ دونوں اس کمرے سے باہر جا رہے تھے۔ میں نے چند ثانیوں کا وقفہ دے کر درمیانی دروازہ کھولا اور پنجوں کے بل ڈائننگ روم میں داخل ہو گیا۔ اس وقت پستول میرے ہاتھ میں تھا اور میں کسی بھی ناگہانی صورتِ حال کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اس وقت میری بدترین دشمن، ویرا بھی اسی چھت کے نیچے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھی، اور میرا خیال تھا کہ میری عزیز ترین ہستی، غزالہ بھی اسی چھت کے سائے میں کہیں روپوش تھی۔ ویرا دشمنی کے جذبے کے تحت اس کی تلاش میں تھی اور میں غزالہ کی محبت اور ہمدردی میں سایہ بن کر ویرا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس وقت میں چاہتا تو ذرا سی پھرتی اور احتیاط سے کام لے کر عقب سے ویرا پر گولی چلا کر اُسے جہنم واصل کر سکتا تھا لیکن اُس نے تھوڑی دیر قبل مجھے ہلاکت سے بچا کر میرے ارادوں کو مروّت کا پابند کر دیا تھا۔ اُس سے میری دشمنی اپنی جگہ پر

تھی لیکن اس وقت ویرا پر ارادتاً ہتھیار اٹھانا میرے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ پھر دوسرا نکتہ یہ بھی تھا کہ ویرا میری مزاج فہم اور قدرے ہمدرد دشمن تھی۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے مار دیے جانے کے بعد جمی لائیڈ جس کسی کو بھی پاکستان کے معاملات کا ذمے دار بناتا، وہ میرے لہو کا پیاسا ہوتا اور پہلی فرصت میں مجھے موت کے گھاٹ اُتار دیتا۔ اس لیے تمام تر بغض و عناد اور دشمنی کے باوجود ویرا کا زندہ رہنا ہی میرے سود مند تھا۔

اس مکان کی ساخت میرے ذہن نشین تھی اس لیے میں اندازے سے ایک کمرے کا فرق برقرار رکھ کر کامیابی کے ساتھ ان دونوں کا پیچھا کرتا رہا۔ آخر کار ایک جگہ ان دونوں کے قدموں کی چاپ تھم گئی اور میرے کانوں میں بوڑھے کی متحیر زدہ آواز آئی۔

"ارے! آج تو ماسی کا کمرہ اندر سے بند ہے۔"

"دستک دے کر دروازہ کھلواؤ ورنہ میں اسے توڑ دوں گی۔" ویرا کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔ "مجھے تو تم اور ماسی دونوں ہی فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ آخر وہ اپنے بچوں سے لڑ کر اس اکیلے گھر میں تمہارے پاس کیا لینے آتی ہے۔" وہ جس کمرے کے سامنے رُکے تھے وہ غالباً غزالہ کا کمرہ ہوا کرتا تھا۔

"اس عمر میں مجھے ایسا گندا الزام نہ دو۔" بوڑھے کی تڑپتی ہوئی، زخم خوردہ آواز اُبھری۔ "اسے میں نے یہاں نہیں ڈالا ہے، وہ مالکن کے حکم سے یہاں آتی ہے۔"

"تمہاری مالکن بھی پکّی حرافہ ہے۔" اسی فقرے کے ساتھ چوبی دروازے پر ٹھوکر پڑنے کی پُرشور آواز سنائی دی۔ شاید ویرا نے جھلّا کر بند دروازے پر ٹھوکر رسید کی تھی پھر وہ غرّائی تھی۔

"دروازہ کھول ماسی! ورنہ اندر آ کر تیری ہڈیاں پسلیاں ایک کر دوں گی۔"

"تم نے مالکن کو گالی دی ہے بی بی۔" بوڑھے کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔ "میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اس لیے تمہارا جو جی چاہے کرتی رہو، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔ تمہیں روکنا بھی میرے بس سے باہر ہے کیونکہ تمہارے پاس طمنچہ ہے۔ گولی کے آگے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

طمانچے کی آواز خالی مکان میں کافی گونجی تھی۔ اسی کے ساتھ بوڑھے کی چیخ ابھری۔ ویرا، عمر اور جنس کا کوئی لحاظ کیے بغیر اپنے حریفوں پر ہاتھ اٹھانے کی عادی تھی اس لیے وہ بوڑھے کی باتیں برداشت نہیں کر سکی تھی جو سچی ہونے کے ساتھ کڑوی بھی تھیں۔

ویرا نے پہلی لات کے بعد دروازہ جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ساتھ ہی وہ خرافات بھی بکتی جا رہی تھی۔ مگر دوسری طرف مرا

سکوت طاری تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر غزالہ اسی مکان میں تھی تو اتنے شور اور ہنگامے کے باوجود کہاں دُبکی ہوئی تھی۔ اگر وہ اسی گھر میں تھی تو عقب سے اچانک نمودار ہو کر مجھے، ویرا کو متحیر کرنے کے ساتھ ہی اسلحے کے بل پر ویرا کو زیر بھی کر سکتی تھی۔

مجھے شبہ ہونے لگا کہ کامران نے مجھے جو کچھ بتایا وہ اس حد تک تو درست تھا کہ غزالہ نے اپنا آبائی مکان خرید لیا تھا کیونکہ بوڑھا اپنی گفتگو میں بار بار کسی مالکن کا حوالہ دے رہا تھا لیکن غزالہ وہاں موجود نہیں تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ویرا کے جنون میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں اس سے اچھی طرح واقف تھا اور سمجھ رہا تھا کہ جھلاہٹ کے عالم میں ویرا اس وقت اپنی آمد کا مقصد تک بھول بیٹھی ہو گی اور ماسی کو اس کے کمرے سے گھسیٹ کر باہر لانا اس کے نزدیک مقدم ہو چکا تھا۔

بند دروازہ زیادہ دیر تک وہ شدید ضربات نہ سہہ سکا اور چرچراہٹ کے بعد ایک دھماکے کے ساتھ غالباً کھل گیا کیونکہ اسی کے ساتھ متحیر زدہ آواز ابھری تھی۔ "یہ کمرا تو خالی ہے...."

"وہ اسی مسہری پر پڑی رہتی ہے۔ پتا نہیں اب کہاں غائب ہو گئی۔" بوڑھے کی آواز سے بوکھلاہٹ ٹپک رہی تھی۔ "دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غسل خانے میں ہو۔"

"غسل خانے میں بھی جھک مار لو۔ وہ بڑھیا فرار ہو چکی ہے کیونکہ یہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ وہ کون تھی اور اس کے بچے کہاں رہتے ہیں؟"

"جتنا اس نے خود بتا دیا تھا اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آتی تھی اور کہاں لوٹ جاتی تھی۔ میں اس معاملے میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"اور تمہاری مالکن کہاں رہتی ہے؟" ویرا بڑی طرح جھنجلائی ہوئی تھی۔

"بس اتنا معلوم ہے کہ ڈیفنس میں ان کی کوٹھی ہے، کبھی وہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ہر مہینے کی تاریخ کو مالکن خود مجھے تنخواہ دینے آتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی مالکن کو پہچانتے ہو؟" ویرا نے پوچھا تھا۔

"کیسی بات کرتی ہو بی بی؟ جس کا نمک کھاتا ہوں اس کو نہ پہچانوں گا۔ اب تو تھپڑ کھا کر تمہیں بھی اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔ دوبارہ آؤ گی تو جھک کر سات سلام کروں گا۔"

"زبان پر قابو رکھو بکواسی بڈھے!" ویرا اس پر پھر برس پڑی۔ "ایسا نہ ہو کہ میں اسی وقت تیرا کام تمام کر دوں۔" ویرا کے ان الفاظ نے مجھے بوڑھے کے انجام کے بارے میں تشویش میں مبتلا کر دیا۔

ویرا اتنی کھلی کھلی باتیں کر کے اسے زندہ چھوڑنے والی مخلوق نہیں تھی مگر قدرے توقف کے بعد اس نے خود ہی اپنا ارادہ واضح کر دیا۔

"جب تک تیری مالکن یہاں نہیں آتی، میرا ایک آدمی یہاں رہے گا اور تو پنجرے والے کمرے میں قید رہے گا۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "تیری مالکن آئے گی تو تجھے چلا بنا کر باہر نکالا جائے گا۔ اب میں دیکھوں گی کہ وہ کب تک میرے ہاتھ سے اپنی چمڑی بچاتی ہے۔"

"میں تو تمہارے ہاتھ میں طمنچہ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کسی بھی طرح میری مالکن کی دوست نہیں ہو سکتیں۔" بوڑھے کی آواز میں درد انگیز مایوسی رچی ہوئی تھی مگر مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کم تر ہوتے ہوئے بھی وہ بڑے حوصلے کا مالک تھا۔

"پورے گھر میں بس ماسی کے کمرے میں ہی مسہری اور فرنیچر نظر آ رہا ہے۔ تیری مالکن یہاں آ کر کس کمرے میں رہتی تھی؟" قدموں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ ویرا کی آواز ابھری۔ شاید وہ اس خواب گاہ کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔

"وہ رہنے کے لیے کبھی یہاں نہیں آئیں۔" بوڑھے نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "ماسی پتا نہیں کہاں مر گئی، ورنہ وہ میرے ایک ایک لفظ کی تصدیق کر دیتی۔"

"فکر نہ کرو، ماسی کہیں نہیں جا سکی ہو گی۔ [illegible] ساتھی موجود ہیں۔ انھوں نے اسے باہر نکلتے ہی دبوچ لیا ہو گا۔" ویرا کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ "میں خود بھی ایک عورت ہوں۔ دو منٹ میں اس حرام زادی بڑھیا کو سچ بولنے پر مجبور کر دوں گی۔"

وہ ویرا کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد تھا کہ وہ اپنے سفید فام ساتھی کو محفوظ تصور کر کے ماسی کے پکڑے جانے کے بارے میں پُرامید تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ سلطان شاہ نے ماسی کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہو گا۔

پھر ویرا اور اس بوڑھے میں بحث کے ساتھ ہی زور آزمائی شروع ہو گئی کیونکہ ویرا اسے آہنی جنگلے والے اس کمرے میں بند کرنا چاہ رہی تھی جہاں کسی زمانے میں کامران قید رکھا گیا تھا۔ بوڑھا اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ مزاحمت کرتا رہا لیکن اس کی چیخ و پکار رائیگاں گئی۔ آہنی جنگلے کی جھنکار اور پھر تالے میں چابی گھومنے کی آواز سے ظاہر ہو گیا کہ ویرا اس پر حاوی ہو گئی تھی۔

"اب میرے آدمی کی آمد تک تم اسی پنجرے میں سڑتے رہو گے بڈھے خرگوش!" ویرا کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز خالی مکان میں گونجی۔ "چھ دن بعد جب تمہاری مالکن تم کو تنخواہ دینے کے لیے آئے گی تو اس سے ملنے کے لیے میں خود بھی یہاں موجود رہوں گی۔ فی الحال تم اکیلے عیش کرو۔"

میں بے آواز قدموں سے چلتا ہوا تیزی سے واپس لوٹا تھا۔ میں کچن میں موجود تھا۔ ویرا کے سینڈلوں کی کھٹ کھٹ ڈائننگ روم تک آ کر پھر دور ہونے لگی۔ اس نے اپنی واپسی کے لیے بھی سامنے کا دروازہ استعمال کرنے کو ترجیح دی تھی۔

مکان کے اندر یا پھاٹک کے قریب رہ کر باہر کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کو جس خاموشی کے ساتھ غزالہ کے معاملے میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا میں اسے درہم برہم نہیں کرنا چاہتا تھا، ورنہ ویرا واپس جانے کے بجائے اپنی پوری توجہ اسی مکان پر مرکوز کر دیتی۔ جب کہ میں فوری طور پر بوڑھے قیدی سے کچھ معلومات حاصل کر کے پُراسرار ماسی کے معاملے میں تھوڑی سی محنت کرنا چاہ رہا تھا۔ اس لیے میں نے کسی بھی قسم کی محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے چھت پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ دن کا وقت تھا اور چھت پر ذرا سی بے احتیاطی کے نتیجے میں نیچے سے مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے پانی کے ٹینک کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ وہاں سے مجھے غزالہ کے مکان کا پھاٹک اور اس کے سامنے کھڑی ہوئی ویرا کی کار واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ سیاہ لینڈ کروزر میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد مسروقہ کار کو وہاں سے ڈرائیو کر کے کسی ایسے مقام پر لے گیا تھا جہاں وہ میری نظروں سے اوجھل تھی۔

ویرا ذیلی پھاٹک کھول کر باہر نکلی پھر میں نے اسے اپنی کار کے قریب پہنچ کر بُری طرح چونکتے دیکھا کیونکہ میرے وار کے بعد سلطان شاہ نے رہی سہی کسر پوری کر کے سفید فام کو طے شدہ پروگرام کے مطابق جہنم واصل کر دیا تھا۔

اندر داخل ہونے سے قبل سفید فام کی ہلاکت کا فیصلہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ ویرا کے ہر مجرم ساتھی کو موت کے گھاٹ اتارنا ایک اخلاقی فریضہ تھا۔ جو ہیروئن کے خلاف جہاد میں معاشرے کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا تھا لیکن اندر پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں یہ د[illegible] مجھے اپنے حق میں زیادہ سود مند ثابت ہوتی

نظر آرہی تھی۔
ویرا کو یہ گھمنڈ تھا کہ باہر اس کا ساتھی محفوظ ہے اور اگر ماسی پھاٹک سے فرار ہوئی تو وہ اسے پکڑ لے گا لیکن ویرا نے میرے سامنے ذیلی پھاٹک کا بولٹ خود کھولا تھا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ اگر ماسی باہر گئی تھی تب بھی اس نے پھاٹک استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ نتیجہ ویرا بھی اخذ کر سکتی تھی۔ اس کے باوجود اپنے سفید فام ساتھی کو کار میں مردہ پا کر وہ لامحالہ یہی سوچتی کہ ماسی درحقیقت اتنی معصوم اور کم ہمت نہیں تھی جتنا بوڑھا چوکیدار بتا رہا تھا۔ اس قتل کو ماسی کے کھاتے میں ڈال لینے کے بعد ویرا کا تشویش میں مبتلا ہونا قدرتی امر تھا۔
صورتِ حال یہ ظاہر کرتی تھی کہ ماسی نے سفید فام کو قتل کرنے کے بعد کار کے تین ٹائروں کی ہوا خارج کر کے اسے وہاں روکے رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس گورکھ دھندے میں وہ ہمارے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے صرف ایک فکر لاحق ہو جاتی کہ وہ فی الفور وہاں سے روانہ ہو کر ماسی کے کسی بھی سازشی منصوبے کو ناکام بنا دے۔ لیکن ویرا میری توقع کے برعکس اپنی کار لاک کر کے دوبارہ مکان میں داخل ہو گئی۔
اس مرتبہ اس کی عجلت کی وجہ سے مجھے نیچے اتر کر اس کی نگرانی کرنے کی مہلت نہ مل سکی لیکن جب چند منٹ بعد وہ عمر رسیدہ چوکیدار کو دھکیلتی ہوئی مکان سے باہر لائی تو اس کا کھیل خود بخود واضح ہو گیا۔
غزالہ کے بارے میں اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ماسی اسے جل دے کر فرار ہو گئی تھی، سفید فام مارا جا چکا تھا اس لیے چوکیدار ہی وہ واحد شخص تھا جو اس پُراسرار معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔ شاید ویرا کو خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ماسی واپس لوٹ کر چوکیدار کو بھی آزاد نہ کرا دے۔ اس لیے وہ اس واحد گواہ کو قیدی بنا کر ساتھ لے جانا چاہ رہی تھی جس پر تشدد کر کے وہ کچھ نہ کچھ اگلوا سکتی تھی۔
میرے دل میں اس شخص کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے لیکن میں بے بس تھا کیونکہ خود کو خطرے میں ڈالے یا کھیل بگاڑے بغیر میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔
چوکیدار اپنے ساتھ ویرا کے بدلے ہوئے وحشیانہ سلوک پر بُری طرح ہراساں نظر آ رہا تھا۔ ویرا نے اس کی مدد سے سفید فام کی لاش کو اسٹیئرنگ وھیل کے عقب سے نکال کر پسنجر سیٹ پر منتقل کیا پھر چوکیدار کو عقبی نشست پر سوار کرانے کے بعد ویرا بھی ادھر ہی گھس گئی۔

اس وقت فٹ پاتھ ویران تھی اور شاید ویرا کو اپنے بازو پر پورا پورا اعتماد تھا۔ لہٰذا اس نے عقبی دروازہ بند کر[نے] کی زحمت نہیں کی۔ میں نے کار کے پچھلے حصے پر تشدد [اور] جدوجہد کے آثار نمودار ہوتے دیکھے جو زور پکڑنے سے [پہلے] ہی ختم ہو گئے اور ویرا ہاتھ جھاڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔
اس نے غالباً اپنے شکار کو بے ہوش کر دیا تھا۔ [ایک] بے ہوش اور ایک مُردہ شخص کی موجودگی میں ویرا نے [کار کی] ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ہوا سے محروم ٹائروں کی پروا [کیے] بغیر کار آگے بڑھا دی۔ دن دہاڑے اس مخدوش کار کو شہ[ر میں] ڈرائیو کرنا ویرا جیسی دل گردے والی عورت ہی کا کام تھا۔ [اس] کی جگہ کوئی عام مرد بھی ہوتا تو کار پر لعنت بھیج کر ویلی [کی] طرف دوڑ لگا دیتا۔
میں تیزی کے ساتھ چھت سے نیچے آیا اور سیدھا [اس] کمرے کی طرف گیا جہاں سے ماسی فرار ہوئی تھی۔ اور کمر[ے] میں وہی مانوس سی بُو رچی ہوئی تھی جو غزالہ کے وجود سے عبارت تھی۔
میں نے دیوانہ وار اس کمرے کی ایک ایک چیز کا [جائزہ] لے ڈالا۔ اور مجھے وہاں ذاتی استعمال کی ایسی کئی چیزیں نظ[ر آ] گئیں جو غزالہ کو خاص طور پر پسند تھیں۔
وہ غزالہ کی خواب گاہ تھی، وہاں اس کے وجود کی [مہک] رچی ہوئی تھی مگر چوکیدار نے وہاں کسی جنم جلی ماسی کے قی[ام کی] کہانی سنائی تھی۔ اس کے لب و لہجے میں صداقت رچی ہو[ئی تھی] جس کی وجہ سے میرے لیے کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چوکیدار نے ویرا کو بتایا تھا کہ اس بار ماسی [کئی] دن سے وہاں مقیم تھی اور دلدار آغا کے مکان کی تباہی کو [بھی] کم و بیش اتنی ہی مدت گزر رہی تھی۔
حالات نشان دہی کر رہے تھے کہ ماسی کے روپ [میں] غزالہ بذاتِ خود وہاں مقیم تھی اور خطرہ بھانپ کر خاموشی [سے] کسی طرف فرار ہو گئی تھی مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ [اپنے] ہی گھر میں اسے اپنے ایک قابلِ اعتماد ملازم کے سامنے بہروپ بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔
اس نے اگر پچھلے چار دن سے یہ روپ دھارا [تھا تو] میں یہ سمجھ سکتا تھا کہ دلدار آغا کی عبرت ناک تباہی کے [بعد] اس نے خود کو اس کے ہمدردوں کی کسی امکانی کارروائی [سے] محفوظ رکھنے کے لیے ماسی کے روپ میں پناہ لی تھی مگر [لیکن] چوکیدار کا کہنا تھا کہ اس کی مالکن کبھی اس مکان میں آ کر نہ[یں رہتی] تھی۔ البتہ اس کی اجازت سے وہ ماسی ہی اکثر و بیشتر وہا[ں]

[رہ]تی رہی تھی۔ دوسری طرف کامران کا یہ بیان بھی قابلِ غور تھا [کہ] دلدار آغا کی زندگی میں بھی غزالہ اپنی تنہائی اور اداسی سے نجات [پا]نے کے لیے کبھی کبھار اس سے چھپ کر اپنے آبائی مکان میں [وق]ت گزارتی تھی۔ ان متضاد حقائق سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا [سک]تا تھا کہ غزالہ اپنے اصل روپ میں صرف چوکیدار کو تنخواہ [دی]نے وہاں آتی تھی لیکن رہائش کے لیے وہ ابتدا ہی سے ماسی کے [رو]پ میں آتی رہی تھی۔ اس دُہرے کردار کی ضرورت پر صرف [غز]الہ ہی روشنی ڈال سکتی تھی جو اب وہاں نہیں تھی۔
اس کمرے کے بعد میں نے پورا مکان چھان مارا لیکن کہیں [ک]سی کی موجودگی کی کوئی علامت دریافت نہ کر سکا۔ غزالہ [کی] خواب گاہ کے علاوہ پورے مکان میں ننگا فرش اور بے جان [د]ر و دیوار ہر قسم کی آرائش سے محروم تھے۔
وہ غزالہ کا گھر تھا اور تھوڑی دیر قبل تک وہ وہاں مقیم [تھی۔ میرا] دل گواہی دے رہا تھا کہ غزالہ خطروں سے گھبرا کر بھاگنے [وا]لی نہیں تھی۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد اسے واپس لوٹنا چاہیے [تھ]ا کیونکہ دلدار آغا کی موت کے بعد وہی گھر اس کی پناہ گاہ رہ [گی]ا تھا۔
اس وقت میرے دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ [غز]الہ کی بازیابی کی امید میں میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ [او]ر مجھے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ پہلی بار وہ مجھ سے بچھڑ [ر]ہی تو میرے پاس اس کی ماں کی موت اور باپ کی [در]گتی کی اندوہناک خبریں تھیں اور اس بار میں اسے کامران [کے] لرزہ خیز قتل کی کہانی سنانے پر مجبور تھا۔ اپنے پورے گھرانے [میں] وہ بالکل ہی تنہا رہ گئی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ دلدار آغا [کے] بھیانک چنگل سے نجات پانے کے بعد وہ میرے سہارے [س]کھ کی زندگی گزار سکے گی۔
انھی خیالات میں غلطاں، میں نے ذیلی دروازے پر [ہاتھ] ڈالا تو وہ باہر سے بند تھا۔ میں مین گیٹ کھول کر فٹ پاتھ [پر] نکلا تو ذیلی پھاٹک پر باہر سے وزنی تالا پڑا ہوا تھا۔ بوڑھے [چوکی]دار نے ویرا کا قیدی ہوتے ہوئے بھی آخر تک اپنی مالکن [کا نم]ک ادا کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔
میرا خیال تھا کہ میں غزالہ کے مکان سے باہر نکلوں گا تو [سڑک کے] دوسری جانب موجود سلطان شاہ مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری [طرف لپ]کے گا لیکن وقت دھیرے دھیرے سرکتا رہا اور [س]لطان شاہ کے نمودار ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجھے [اس کی] سلامتی کی طرف سے تشویش ہونے لگی اور میں بڑے [پھاٹ]ک میں باہر سے کنڈا لگا کر مخالف سمت کی ان گلیوں

کی طرف بڑھ گیا جدھر وہ موجود ہو سکتا تھا۔
غزالہ کا سراغ پا لینے کی بے پایاں خوشی سلطان شاہ کی سلامتی کی فکر میں قدرے ماند پڑ گئی تھی۔ مجھے بس ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں اس نے میری واضح ہدایت سے انحراف کرتے ہوئے اپنا مورچا چھوڑ کر ویرا کے تعاقب میں جانے کی حماقت نہ کر ڈالی ہو۔ شکست کھا کر ویرا بہت خونخوار اور عیار ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں اسے جل دے کر اپنا دفاع کرنا اس کے بہترین حریفوں کے لیے بھی دشوار ہو جاتا تھا۔

جب سے ویرا کی کراچی میں موجودگی کا انکشاف ہوا تھا، میرے لیے مقابلے میں کلیدی اہمیت اُسی کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سے لڑنا، ذہنی معرکے سر کرنا اور پھر اسے زیر کرنا ہی میرا مطلوب و مقصود ہو کر رہ گیا تھا اور میں نے اپنی پوری توجہ اس کے ساتھ ہونے والے داؤ پیچ پر مرکوز کر دی تھی مگر اس وقت قصہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ غزالہ تک رسائی کی مہم جوئی میں ویرا لائیڈ نے کامران کو موت کے گھاٹ اُتار کر مجھ پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جسے ناکام بناتے ہوئے میں نہ صرف اس مکان تک آ پہنچا تھا بلکہ میں نے لحہ بہ لمحہ ایک سائے کی طرح ویرا کی ناکامی اور نامرادی کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ ویرا اپنی برتری کے زعم میں اس گھر میں داخل ہوئی اور غزالہ کے بارے میں مُنہ کی کھا کر اس مکان کے بوڑھے چوکیدار کو اپنا قیدی بنا کر ساتھ لے گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ کے بارے میں وہ بوڑھا اس سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں جانتا تھا جو وہ پہلے ہی ویرا کو بتا چکا تھا۔ وہ مسکین اور عمر رسیدہ چوکیدار، تیسرے درجے کا ایک تنخواہ دار ملازم تھا جو اپنے فرائض کی ادائیگی سے تجاوز کر کے اپنی جواں سال مالکن کے بارے میں تجسس میں مبتلا ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویرا اگر اُسے کولھو میں بھی پلوا دیتی تو وہ اپنے پچھلے بیان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔
حالات اور ویرا کے سامنے چوکیدار کے دیے ہوئے بیان سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا کہ اس مکان کی حد تک غزالہ نے دُہرا کردار اختیار کیا ہوا تھا۔ اپنے اصل روپ میں وہ صرف چوکیدار کو تنخواہ دینے آتی تھی مگر اپنے پرانے مکان میں ذہنی آسودگی کے لیے قیام کرتے ہوئے وہ ماسی کا قابلِ رحم روپ دھار لیتی تھی۔ ویرا نے زمانے کی اتنی ٹھوکریں کھائی تھیں کہ وہ اپنے دفاع کے لیے ہر فن مولا بن چکی تھی۔ مار دھاڑ سے لے کر روپ بہروپ تک کہیں بھی اس نے مار نہیں کھائی تھی۔ موقع محل کی مناسبت سے کہیں وہ مقابلے پر جم کر اپنے دشمن کے دانت کھٹے کر دیتی تھی اور کہیں مصلحت کے ساتھ فرار یا پسپائی کی راہ اختیار کر کے اپنے حریف کو بے بسی کے احساس میں مبتلا کر دیتی۔ [illegible] فن میں طاق نظر آتی تھی۔
اپنے گھر میں ویرا کی مداخلت کا احساس کرتے ہی وہ اپنا کمرا

چھوڑ کر حیرت انگیز اور پُراسرار انداز میں اس گھر سے فرار ہوگئی تھی لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اسے جلد یا بدیر واپس اسی گھر میں لوٹنا چاہیے تھا۔ دلدار آغا کے قتل کے بعد اس نے پورا شہر اور اس کے بارونق ہوٹل چھوڑ کر جس کسی مصلحت کے تحت وہاں روپوشی اختیار کی تھی، میری دانست میں ویرا کی مداخلت سے اس مصلحت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور غزالہ کو ہر قیمت پر وہاں لوٹنا چاہیے تھا۔ میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ پورے شہر میں غزالہ کا سراغ حاصل کرنے کا تھا جو کامران کی مداخلت سے بالآخر مجھے مل چکا تھا اور میں مختصر سے صبر آزما انتظار کے بعد غزالہ سے ملاقات کے بارے میں بہت زیادہ پُرامید ہوگیا تھا۔

جہاں تک ویرا کا تعلق تھا، وہ میری نگاہ میں سب سے بڑی حریف تھی کیونکہ دلدار آغا اور راجے کی موت کے بعد کراچی بلکہ پاکستان میں شی جیسی سازشی عالمی تنظیم کی بقا کا اہم ترین مسئلہ صرف اور صرف ویرا کی سلامتی اور اس کے فیصلوں سے وابستہ ہوکر رہ گیا تھا۔ پاکستان کے گلی کوچوں میں ہیروئن جیسی لرزہ خیز لعنت کو متعارف اور مقبول کرانے والے سارے سرکردہ اہل کار یکے بعد دیگرے جہنم واصل کیے جا چکے تھے۔ ان کی نچلی سطح کی تنظیم باقی رہ گئی تھی لیکن پوری سازش کو چلانے والے دماغ سوکھ چکے تھے کیونکہ مُردہ کھوپڑیوں میں نہ دورانِ خون باقی رہتا ہے اور نہ زندگی۔ ان جہنم رسیدہ سازشی اور سیاہ کار ذہنوں کی جانشینی کے لیے اٹلی سے جمی لائیڈ نے اپنی ناجائز بیٹی کو ایک چارٹرڈ جہاز سے پاکستان بھیجا تھا تاکہ کسی قابلِ ذکر تعطل کے بغیر، پاکستان میں شی کے زہریلے منصوبے پروان چڑھتے رہیں مگر ایک طرف مجھے ویرا سے اپنی پرانی آشنائی کے فوائد حاصل تھے اور دوسری طرف ویرا اپنے درمیانی سطح کے معاونوں سے بھی محروم ہوکر بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اپنی فطری ذہانت اور پھرتی کے علاوہ اس کے پاس کوئی سہارا باقی نہیں رہ گیا تھا اور مجھے امید تھی کہ میں عجلت یا گھبراہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کا ہانکا کرکے پاکستان کو ہمیشہ کے لیے امریکا کی پروردہ 'شی' کا قبرستان بنا سکتا تھا۔

مگر وہ سب ثانوی چیزیں تھیں۔ اس وقت میرا فوری مسئلہ سلطان شاہ کی ذات سے وابستہ تھا جو میری ہدایات کے مطابق غزالہ کے مکان کے قرب و جوار میں تو کیا، دور دور تک موجود نہیں تھا۔ ماسی کے روپ میں غزالہ پھاٹک کے بجائے کوئی دیوار پھاند کر فرار ہوئی تھی اس لیے سلطان شاہ کا اس کی طرف متوجہ ہونا ممکنات میں سے نہیں تھا۔ ویرا کے تعاقب سے میں نے اسے منع کیا تھا۔ اس کو ہر صورت میں اپنی جگہ پر موجود ہونا چاہیے تھا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔

مجھے رہ رہ کر ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ کہیں سلطان شاہ نے اغوا ہونے والے بوڑھے چوکیدار کی مظلومیت سے متاثر ہوکر ویرا کے تعاقب کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔ غزالہ کو کھونے پر اس کا مشتعل ہو جانا قطعی فطری امر تھا اور میرا تجربہ تھا کہ ویرا کسی عارضی شکست کے بعد حد سے زیادہ خونخوار، خطرناک اور مکار ہو جایا کرتی تھی۔ اس حالت میں شبہ ہو جانے پر وہ نہایت آسانی کے ساتھ سلطان شاہ کو اپنا شکار بنا سکتی تھی اور وہی خیال اس وقت مجھے کچوکے لگائے جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے خلاف کوئی سفاکانہ قدم اٹھا کر ویرا مجھے ذہنی اذیت پہنچانے کی کوشش کرسکتی تھی۔

مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ نہ سلطان شاہ قرب و جوار کی گلیوں میں موجود تھا اور نہ ہی اس کی تحویل میں موجود دم سوبارہ موجود ہوسکتی تھی مگر کسی بھی معاملے سے جذباتی طور پر وابستہ ہو جانے کے بعد جس طرح ہر انسان احمقانہ غلطیوں کا پے در پے ارتکاب کرنے لگتا ہے، اس طرح میں بھی پُرتجسس انداز میں دیوانہ وار غزالہ کے مکان کے آس پاس کی گلیوں کا جائزہ لینے لگا۔

نہ سلطان شاہ کوئی حقیر بونا تھا اور نہ ہی سوبارہ سوئی باریک تھی پھر بھی میں نے پورا علاقہ چھان مارا لیکن ان دونوں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور میں غیر ارادی طور پر فٹ پاتھ پر اُگے ہوئے پیپل کے ایک تناور درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر شخص کے قریب جا ٹھہرا۔

متوسط قامت والے اس بے ریش شخص کے بدن پر ستھرے کپڑے اور پیروں میں نفیس جوتے موجود تھے۔ بڑی ہوئی ناتراشیدہ سفید مونچھوں کی وجہ سے وہ ایک عجیب شخص نظر آ رہا تھا لیکن اس نے جس والہانہ انداز میں آنکھیں بند کرکے اپنی پشت پیپل کے تنے سے ٹکائی ہوئی تھی، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیمار تھا یا پھر کسی نشے کے زیرِ اثر بے سُدھ وہاں گھنے پیپل کی چھاؤں میں عالمِ کیف و سرور کے مزے لے رہا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ سے اس کی تنویمی حالت میں تبدیلی رونما نہ ہوئی تو میں نے آہستگی کے ساتھ اس کا شانہ ہلایا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں تھا یا پھر کسی تیز نشے نے اسے بالکل ہی بے سُدھ کیا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم نے ہمیں چھیڑنے کی گستاخی کیوں کی؟ تمھیں معلوم نہیں کہ ہم سب کے گرو ہیں اور جگت گرو دیو کسی کو بھی فنا کرسکتا ہے؟" اس نے سرخ اور نیم وا آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے بھاری آواز میں سوالات کیے تو میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ اس کے ہوش و حواس ٹھکانے پر نہیں تھے اور وہ عالمِ بالا میں پرواز کر رہا تھا۔

"یہاں تو کوئی آوارہ کتا بھی نظر نہیں آتا۔ پھر گرو مہاراج! آپ یہاں کس کے انڈوں پر بیٹھے ہوئے ہیں؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"انڈے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں فٹ پاتھ پر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "اوہ! وہ تو شاید داؤد خان کھا گیا مگر تم کون ہو اور مجھے کیوں ستا رہے ہو؟" اس گفتگو کے دوران میں اس کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"یہاں ایک گاڑی میں میرا ساتھی میرا انتظار کر رہا تھا۔ اب پتا نہیں وہ کہاں غائب ہوگیا؟ تم نے تو یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے میرے سوال پر غیر فطری انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور اس کا نرخرا پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ "ہم آسمان کی سیر کر رہے تھے، ہم سے زمین کی باتیں نہ کرو...!"

"تم زمین پر ہو اس لیے تم سے زمین ہی کی باتیں کی جاسکتی ہیں!" میں نے اچانک اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر کھڑا کرتے ہوئے جارحانہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم فوراً آسمانوں سے زمین پر نازل نہ ہوئے تو میں مُکّے مار مار کر تمھاری بتیسی جھاڑ دوں گا!"

اس نے گریبان پر میری گرفت کی پروا کیے بغیر اپنی گردن کو ذرا سی جنبش دے کر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں اپنے دہانے میں ڈالیں اور لمحہ بھر میں اپنے اوپر اور نیچے کے مصنوعی دانتوں کے جبڑے ہتھیلی پر رکھ کر میری طرف بڑھا دیے۔ "تم کو مُکّے مارنے کی ضرورت نہیں، میرے سارے دانت حاضر ہیں۔ یہ لے جاؤ، میں دوسری بتیسی بنوا لوں گا لیکن خدا کے لیے میرا نشہ خراب نہ کرو۔ آج کل ہیروئن مشکل سے ملتی ہے۔"

اس کے دہانے کے لیس میں لتھڑے ہوئے وہ مصنوعی دانت میرے لیے کراہت انگیز تھے۔ میں نے ہاتھ مار کر اوپر اور نیچے کے دونوں فریموں کو اس کی ہتھیلی سے دُور اچھال دیا اور غراتے ہوئے کہا۔ "میری بات کا جواب دو ورنہ میں تمھیں فنا کردوں گا...!"

"ارے باپ رے!" وہ گھگھیانے لگا۔ "مجھے فنا نہ کرنا ورنہ میں فنا کا نہوری بن کر رہ جاؤں گا۔ ان کا کلام میرے لیے کبھی بھی قابلِ فہم نہ ہوسکا... دوسرے فنا بدایونی ہیں جو اپنی میٹھی شاعری کی مار سے اچھے خاصے دوستوں کو اپنا دشمن بنانے میں ملکہ رکھتے ہیں... فنا کیے بغیر تمھیں کس بات سے تسلی ہوسکتی ہے، اس کی بات کرو اور ذرا میرا گریبان ڈھیلا کر دو۔"

وہ ہیروئن کے نشے میں دھت تھا مگر پھر بھی اس کی گفتگو میں قابلِ فہم ربط برقرار تھا اس لیے میں نے اس کے گریبان پر اپنی گرفت قدرے نرم کرتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "گاڑی اور آدمی! آدمی گاڑی میں تھا اور گاڑی سامنے والی گلی میں تھی۔ تم اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟"

اس نے اپنی نیم غنودہ اور سُرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ وہ سرمئی سوبارو تھی۔ اس میں کوئی پکا حرامی بیٹھا ہوا تھا اور کسی لونڈیا کو تاڑ رہا تھا مگر پھر لونڈیا کے بجائے اس کی کوئی ادھیڑ عمر ملازمہ آئی اور وہ حرامی اس نوکرانی کو ساتھ لے کر رفو چکر ہوگیا۔ اس قماش کے لوگ مالکنوں پر ڈورے ڈالتے ہیں مگر پھر نوکرانیوں پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں۔ وہ نوکرانی کو اپنے ساتھ لے کر فرار ہوگیا، اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمھارا حافظہ بہت اچھا ہے!" میں نے سفید بالوں میں چھپی ہوئی اس کی کھوپڑی کو سہلاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہ نوکرانی اس کار والے کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئی تھی یا وہ اپنی مرضی سے اس عیاشی پر رضامند ہوا تھا؟"

اس نے عارفانہ انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور بولا۔ "ایسے معاملات میں عورت زبردستی کرکے بھی زبردستی نہیں کرتی۔ اس نے بات کی اور اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ راضی نہ ہوتا تو نہایت آسانی سے گاڑی چلانے سے انکار کرسکتا تھا!"

میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا اور وہ دوبارہ وہیں سستانے کے بجائے نشے کی جھونک میں جھومتا ہوا آگے چل دیا۔ میں وہیں کھڑا سلطان شاہ کے بارے میں سوچتا رہ گیا۔

نشہ کرنا ہر اعتبار سے ایک قابلِ نفرت فعل ہے لیکن بہرحال وہ جگت گرو کا ذاتی فعل تھا لیکن اس نے نشے میں ہونے کے باوجود مجھے معلومات فراہم کر دی تھیں جن کے بغیر میں سلطان شاہ کے بارے میں اندھیرے میں تھا مگر دوسری طرف ان معلومات نے مجھے اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔

اس شخص نے جس خاتون کو نوکرانی سمجھا تھا۔ وہ میری دانست میں ماسی کے روپ میں غزالہ ہی ہوسکتی تھی۔ اگر اس نے اپنے مکان سے فرار ہونے کے بعد کسی وجہ سے سلطان شاہ سے رجوع کیا تھا تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو پہچان لیا ہوگا جب کہ سلطان شاہ کی طرف سے غزالہ کو پہچاننے کا معاملہ مشکوک تھا۔

وہ اسے اپنے ساتھ کہاں لے گئی تھی؟ اس بارے میں کوئی

بھی اندازہ لگانا محال تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اپنی واپسی کے انتظار میں وہاں چھوڑا تھا اور اسے ہر قیمت پر وہاں موجود رہنا چاہیے تھا کیونکہ مکان کے اندر ویرا کے مقابلے میں مجھے کوئی بھی مخدوش صورتِ حال پیش آسکتی تھی اور اگر کسی خطرے کی بنا پر مجھے وہاں سے فرار ہونا پڑ جاتا تو گاڑی کے بغیر میں ویرا کے جنگل سے دور نہیں نکل سکتا تھا۔ سلطان شاہ دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ ان خطرات سے وہ بھی بخوبی آگاہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ مجھے خطرے میں چھوڑ کر وہاں سے کیوں چلا گیا تھا۔

میرے لیے وہاں دیر تک رکنا مناسب نہیں تھا۔ میرے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ غزالہ کے مکان میں جا کر آرام کرتا یا پھر پیدل ہی واپسی کی راہ اختیار کرتا۔ اس وقت ایک بجے کا عمل تھا اور تین بجے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر جا کر ڈان تھرمی کی فون کال کا انتظار کرنا تھا اس لیے میں وہاں رک کر زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتا تھا۔

میں سخت ذہنی کوفت اور الجھن کے عالم میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اچانک عقب میں ایک کار کے انجن کا ہلکا سا شور سنائی دیا۔ میں نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر دیکھا اور پھر میرا خون کھول اٹھا۔ سوبارو فٹ پاتھ کے کنارے میرے قریب ہی روک دی گئی۔ سلطان شاہ کار میں تنہا تھا اور شفاف ونڈ شیلڈ کے پیچھے اس کا چہرہ یوں دمک رہا تھا جیسے وہ کوئی تیر مار کر آیا ہو۔

اس نے خود ہی اندر سے جھک کر میرے لیے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا۔ میں نے نشست سنبھال کر کار کے دروازے پر غصہ اتارتے ہوئے اسے پوری طاقت سے بند کیا تھا۔

"اور زور سے مارو!" وہ کار آگے بڑھاتا ہوا شوخ لہجے میں بولا۔ "اپنے باپ کا کیا جاتا ہے۔ چھینی ہوئی کار ہے۔ مالک کو ایک آدھ دروازے کے بغیر بھی واپس مل گئی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا لیکن میرے ساتھ یوں برہمی ظاہر نہ کرو۔ مجھے تم مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہو۔"

"جب میں نے تمھیں یہاں رک کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی تو تم کہاں دفع ہو گئے تھے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

اس نے دانت نکال دیے۔ "میری کارگزاری کی تفصیل سنو گے تو ابھی تم سارا غصہ تھوک کر مجھے گلے سے لگا لو گے۔ کوئی معمولی بات ہوتی تو میں تمھیں خطرے میں چھوڑ کر نہ جاتا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ تمھاری ہدایت سے انحراف کر کے میں نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "اس بڑھیا کو یہاں سے جلد از جلد دور نکل جانا تھا۔ اسے تم کاٹھ کے الّو نظر آئے اور اس نے تمھیں چکما دے کر اپنا آلۂ کار بنالیا۔"

سلطان شاہ نے حیرت اور بے یقینی سے مجھے گھو... پھر تعجب آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "تم تو اندر پھنسے ہوئے... تمھیں کیا معلوم کہ میں کس کے ساتھ گیا تھا؟"

"فضول باتوں میں اپنا دماغ کھپانے کے بجائے... کہ اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟ میں اگر تمھاری طرف سے ہوشیار نہ رہوں تو نجانے تم کہاں اپنے ساتھ میری بھی گ... کٹوا دو گے۔ تمھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے ساتھ ویرا... مکان میں موجود تھی۔ اس کے باوجود تم اپنا مورچا چھوڑ کر چل... ایسی غیر ذمے داری کی تم سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"ہم لوگ یہاں غزالہ کی تلاش میں آئے تھے!" اس... ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ میرے جارحانہ لب و لہجے... سے اس کا سارا جوش و خروش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا... "تم اندر تھے اور میں اپنی جگہ پر مستعد بیٹھا ہوا تھا کہ غزالہ کے مکان کی بغلی گلی سے وہ بڑھیا نکلی اور تیر کی طرح میری کا... طرف آئی کیونکہ اس وقت وہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں... اس نے مجھے بتایا کہ وہ غزالہ کی نوکرانی ہے اور خوفزدہ ہو کر... سے بھاگی ہے کیونکہ کچھ خطرناک اور مسلح لوگ گھر میں گھس... تھے۔ غزالہ کا نام سنتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ ہماری ساری بھاگ... دوڑ اسی کے لیے تھی۔ بڑھیا اس وقت عبداللہ شاہ غازیؒ... مزار تک پہنچنے کے لیے میری مدد کی طلب گار تھی۔ میں نے... معلومات حاصل کرنے کی امید میں اسے لفٹ دے دی۔... میں اس نے میرے استفسار پر بتایا کہ اس کی مالکن پہلے بھی... بار اپنے مکان پر آ چکی ہے۔ وہ بڑھیا اس کے پتے سے وا... نہیں تھی لیکن اس نے مجھے ایک فون نمبر دیا ہے جس پر... ضرورت کے وقت اپنی مالکن سے رابطہ قائم کر سکتی ہے..."

وہ اپنی کہانی دہراتا چلا گیا اور مجھے اس پر تاؤ آ رہا...

"وہ نمبر کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا۔

سلطان شاہ نے ایش ٹرے میں اٹکا ہوا ایک کاغذ... کر میری طرف بڑھا دیا۔ "یہ کاغذ اسی نے مجھے دیا تھا۔... سوسائٹی کے علاقے کا معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے وہ کاغذ کھول کر دیکھا اور میری کھوپڑی بھنا... غزالہ نے سلطان شاہ کی ہیجانی کیفیت سے پورا پورا فا... اٹھا کر اسے نہایت بے رحمی سے الّو بنایا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے وہ کاغذ مسل کر سلطان شاہ... قدموں میں پھینک دیا۔ "یہ تو جہانگیر کے شرف آباد والے... کا فون نمبر ہے جو ہمارے تصرف میں ہے۔"

میرے اس انکشاف پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا اور ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بڑھیا فراڈ ہو گی۔ وہ ایک خوفزدہ عورت معلوم ہو رہی تھی جو مدد کے لیے اضطراری طور پر اس شخص کی طرف چلی آئی جو سب سے پہلے اسے نظر آیا۔ میں نے اس کا دیا ہوا فون نمبر دیکھا ضرور تھا لیکن اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔۔۔"

"وہ بڑھیا پکی فراڈ تھی۔" میں نے غزالہ پر غصہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے تمھاری آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا مقصد حاصل کر لیا اور تمھارے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ وہی غزالہ تھی۔ اس نے دیدہ و دانستہ تمھیں زک دی ہے۔"

میرا وہ انکشاف اس قدر سنسنی خیز تھا کہ لمحہ بھر کے لیے سلطان شاہ کا ہاتھ اسٹیئرنگ وھیل پر بہک گیا لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

"میں نہیں مان سکتا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا تھا۔ "غزالہ کے بارے میں، میں اتنا بڑا دھوکا نہیں کھا سکتا۔ وہ تو صورت اور عادتوں سے ہی خاندانی ملازمہ معلوم ہو رہی تھی۔"

"مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی مکمل اداکارہ بن چکی ہو گی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ غزالہ تھی اور اس نے تمھیں ایسا چونا لگایا ہے کہ تم زندگی بھر فراموش نہیں کر سکو گے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں چھوڑا ہے؟"

"اس کے ایما پر میں نے عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار کے قریب گاڑی روکی تھی اور وہ پھول والوں کے قریب سے ہو کر سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی تھی۔" اس نے کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "چلو میں مانے لیتا ہوں کہ اس کے میک اپ کی وجہ سے میں اسے شناخت نہیں کر سکا لیکن اس نے تو مجھے ضرور پہچان لیا ہو گا۔ وہ اکیلی اور خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ اسے شدت سے مدد اور سہارے کی ضرورت ہے پھر اس نے مجھ پر اپنی اصلیت ظاہر کیوں نہیں کی؟ اگر وہ مجھے حقیقت سے آگاہ کر دیتی تو شاید میں سب کچھ بھول بھال کر اسے کسی محفوظ ترین مقام پر پہنچا دیتا۔ اس نے مجھ سے پردہ پوشی کیوں ضروری سمجھی؟"

"یہی تو لاکھ روپے کا سوال ہے!" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔ "ابھی تک تو میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت لاپتا ہوئی ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے لیکن آج معلوم ہوا کہ اس نے اپنی مرضی سے اپنے آبائی مکان میں روپوشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اسے اگر باہر نکلنے میں خطرہ محسوس ہو رہا تھا تو وہ اپنے چوکیدار کے ذریعے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی تھی یا کوئی پیغام ہی دے سکتی تھی۔"

"اگر میں تمھاری دلیل کو درست مان لوں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دلدار آغا کی موت کے بعد غزالہ کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی بلکہ وہ دانستہ تمھاری ذات سے اجتناب برت رہی تھی۔ اس کے ماضی کو مدِنظر رکھتے ہوئے تم اس رویے کو کس کھاتے میں ڈالو گے؟"

میں اپنے وجود میں ایک ہولناک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ سلطان شاہ کا وہ منطقی سوال میرے لیے اپنے جلو میں حد سے زیادہ سنگین حقائق لیے ہوئے تھا۔ غزالہ ان دنوں میں مجھ سے متنفر ہو چکی تھی یا اس نے اپنے لیے کوئی اور مضبوط سہارا تلاش کر لیا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ اس کے بارے میں بال کی کھال نکالتا پھروں۔" میں نے سلطان شاہ کے اٹھائے ہوئے سنگین نکتے کے جواب میں سرسری لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ مجھ سے بھاگ رہی ہے تو میں بھی اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ وہ ایک بدترین ٹھوکر کھا چکی ہے اور اگر اس نے ٹھوکروں میں ہی اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو ڈینی؟" اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے لمحے بھر کے لیے مجھے تعجب آمیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمھارے لیے تو غزالہ تمھاری زندگی تھی!"

"وہ سب ماضی کے قصے ہیں یار!" میں نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ کہا لیکن حالات کے سنگین ادراک پر اس وقت میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ "تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر اس نے مجھے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں کس منہ سے اس کا پیچھا کر سکتا ہوں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم نے اپنی کوششوں سے تصویر کا وہ رخ بھی دیکھ لیا ہے جو غزالہ نے ہم سب سے چھپایا ہوا تھا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا۔ "تمھیں کم از کم ایک بار اس سے ضرور ملنا چاہیے تاکہ وہ اپنے پُراسرار رویے کی ایماندارانہ وضاحت کر سکے۔۔۔"

"آج سے پہلے میں اس سے ملنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ لیکن اب صورتِ حال بالکل بدل چکی ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے آج کے لاتعلقانہ رویے کا کوئی بھی جواز اسی صورت میں قابلِ قبول ہو سکتا ہے کہ اس نے تمھیں نہ پہچانا ہو اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔"

"دراصل تمھارے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ وہ

ہم سے بھاگ رہی ہے اس لیے تم پورے معاملے کو اسی نگاہ سے دیکھ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ہم سب کی اجتماعی بہتری کے لیے ایسا رویہ اختیار کیا ہو۔ اسے صفائی کا موقع دیے بغیر اس کے خلاف کوئی یک طرفہ فیصلہ کرنا سراسر ظلم ہوگا۔"

"ایک نہیں، اس کے خلاف کئی باتیں جاتی ہیں۔ وہ تمھیں پہچان کر بھی تمھارے لیے اجنبی بنی رہی پھر اس نے تمھیں غزالہ کا فون نمبر بتا کر جو رقعہ دیا اس پر میرے ہی فلیٹ کا نمبر درج ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے تمھیں پہچان لیا تھا اور تمھیں خلش میں مبتلا کرنے کے لیے وہ رقعہ دیا تھا۔ ویسے تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا تھا؟ اپنے جھوٹ کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے اس نے بھی تم سے سوالات کیے ہوں گے؟"

"میں نے اسے صرف اتنا بتایا تھا کہ میں اس کی مالکن کے دوستوں میں سے ہوں اور ان لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں جو غزالہ کے مکان پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں...!"

اسی وقت ہم دونوں ہی بری طرح چونک پڑے کیونکہ ہماری کار کے عین عقب میں یک بیک پولیس سائرن بجنا شروع ہوگیا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ طاقت ور انجن والی سفید موٹر سائیکل پر سوار سارجنٹ تھا جو ہماری کار سے آگے نکلنے کے لیے ٹریفک صاف ہونے کا منتظر تھا۔

میرے لیے وہ منظر روح فرسا تھا کیونکہ اس وقت ہم دونوں ایک مسروقہ کار میں سفر کر رہے تھے۔ ہمیں وہ کار چھینے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور اس امر کا قوی امکان موجود تھا کہ کار کے مالک نے ہوش میں آتے ہی پولیس میں اپنی کار کی چوری کی رپورٹ کرا دی ہوگی۔ ٹریفک سارجنٹ کی ساز و سامان سے لیس موٹر سائیکل پر نصب وائرلیس ٹرانسمیٹر سے اس بات کا پورا خطرہ نظر آ رہا تھا کہ محکمۂ پولیس کے مرکزی کنٹرول نے اس لاسلکی رابطے پر اپنے تمام اہل کاروں کو اس مسروقہ کار کے جملہ کوائف سے آگاہ کر دیا ہو۔

میرا ابتدا ہی سے یہ ارادہ تھا کہ غزالہ کے مکان سے واپسی پر ہم کسی جگہ پر مسروقہ کار سے نجات حاصل کر لیں گے جہاں سے ہمیں اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے ٹیکسی وغیرہ مل سکے لیکن سلطان شاہ کے ساتھ غزالہ کے بارے میں گفتگو چھڑ جانے کے بعد میرے ذہن سے وہ نکتہ محو ہوگیا۔

سلطان شاہ نے عقب نما آئینے میں چنگھاڑتی ہوئی منہ زور موٹر سائیکل کا عکس دیکھ کر اپنی کار بائیں طرف دبا کر سارجنٹ کو گزر جانے کے لیے راستہ دیا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ وہ راستہ مل جانے پر سائرن بند کر کے سبک رفتاری سے آگے نکل جائے گا لیکن اس نے اپنی موٹر سائیکل کار کے برابر میں لا کر سلطان شاہ کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے سائیڈ دبانا شروع کر دیا اور سلطان شاہ کو کار کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے کنارے پر روک دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا کیونکہ ٹریفک سارجنٹ کی موٹر سائیکل کو ٹکر مار کر دور گرائے بغیر فرار ہونا ممکن نہیں رہا تھا۔

اس روز میں نے پہلی بار دیکھا کہ ساڑھے سات سو سی سی کی اس دو انجنوں والی موٹر سائیکل پر صرف ایک ہی آدمی کے لیے نشست فراہم کی گئی تھی جس کے عقب میں سیاہ پلاسٹک کا ایک ڈبا نصب تھا جس میں شاید وائرلیس [illegible] نصب تھے۔ اور سارجنٹ کا ساتھی کانسٹیبل اسی ڈبے پر [illegible] بیٹھا تھا۔

ٹریفک سارجنٹ نے سوبارو کی راہ مسدود کر کے اپنی موٹر سائیکل سائیڈ اسٹینڈ پر کھڑی کی اور لاپروایانہ انداز میں ہماری طرف پشت کر کے سڑک پر رواں ٹریفک کا جائزہ لینے لگا۔ سپاہی ڈبے سے کود کر تیزی سے ہماری طرف آیا تھا۔

"گاڑی کے کاغذات اور لائسنس نکالو۔" اس نے آتے ہی سلطان شاہ سے تحکمانہ لہجے میں مطالبہ کیا۔ میں اس باضابطہ مطالبے سے پہلے ہی ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر یہ زہرہ گداز حقیقت دریافت کر چکا تھا کہ وہاں بیٹری اور ٹائروں کے گارنٹی کارڈ کے علاوہ کوئی ایسی دستاویز نہیں تھی جس سے سوبارو کی ملکیت کا اظہار ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ ان دنوں شہر میں کاروں کی بڑھتی ہوئی چوریوں کی وجہ سے بیشتر کار مالکان نے دوسری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہی رجسٹریشن کے کاغذات گاڑیوں میں رکھنے کے بجائے جیبوں یا بریف کیس وغیرہ میں رکھنے شروع کر دیے تھے تاکہ کار کی چوری یا چھینے جانے کی صورت میں قزاقوں کو کسی شناسا کی ملکیت کے دعوے کی سہولت حاصل نہ رہے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ کاغذات کسی پائیدان کے نیچے یا ڈکی میں پوشیدہ رہے ہوں لیکن میں کانسٹیبل کی موجودگی میں پوری کار کی بے ترتیب تلاشی لے کر خود کو مشتبہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

کانسٹیبل کے مطالبے پر ڈرائیونگ لائسنس کے لیے... سلطان شاہ کا ہاتھ غیر ارادی طور پر جیب کی طرف بڑھا تھا مگر میں نے ٹہوکا دے کر اسے روک دیا۔ میرا تجربہ شاہد تھا کہ رجسٹریشن کے کاغذات یا ڈرائیونگ لائسنس تحویل میں آ جانے کے بعد ٹریفک والوں کی سودے بازی میں تیزی کا رجحان آ جاتا تھا۔

ایسے معاملات میں سلطان شاہ کی گرم کھوپڑی ضرر رساں ثابت ہو سکتی تھی اس لیے میں پھرتی کے ساتھ اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ ٹریفک سارجنٹ بدستور ہماری طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے حوالدار صاحب؟ کیا قصور ہو گیا ہے ہم سے؟" میں نے ازراہِ بندہ پروری اس خالص کانسٹیبل کے منصب میں کئی فیتوں کا اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمھارا ڈرائیور ہمارے افسر کا سائیڈ جام کر کے گاڑی چلا رہا تھا۔" اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر مجھے فردِ جرم سنا دی۔ "سڑک پر سارجنٹ کا راستہ روکنا یا اس سے آگے نکلنا بہت سنگین جرم ہوتا ہے... لاؤ کاغذ نکالو، اب تمھارا پرچا کٹے گا۔"

"غلطی معاف کر دو حوالدار صاحب!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "گاڑی کے کاغذ، لائسنس سب پورے ہیں۔ بندہ بشر ہے، غلطی ہو ہی جاتی ہے، چالان کے بعد عدالت بھی جرمانہ ہی کرے گی۔ چائے پانی لے کر ٹمک مُکا کرو، آئندہ احتیاط رکھیں گے۔"

کانسٹیبل نے لمحے بھر کے لیے مجھے گھورا پھر سخت لہجے میں بولا۔ "لال پتا نکالو! تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو اس لیے چھوڑ رہا ہوں ورنہ عدالت سے پورے پانچ سو کا جرمانہ ہوتا۔"

اس کی مطلوبہ رقم بہت حقیر تھی مگر میرے دل میں چور تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر میں چون و چرا کیے بغیر سو روپے کا نوٹ اسے تھما دیتا تو وہ میری طرف سے شبہے میں مبتلا ہو سکتا تھا اس لیے وردی پوشوں کے اس غنڈا ٹیکس میں مول تول بہت ضروری تھا۔

"سو روپے تو زیادہ ہیں۔" میں نے احتجاج کیا۔ "کوئی مناسب بات ہونی چاہیے۔"

"مناسب بات ٹریفک مجسٹریٹ سناتا ہے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "لوگ تو ہماری قدر ہی نہیں کرتے۔ ہم غریب غربا کو دس بیس روپے میں چھوڑ دیتے ہیں، یہ افسر کا معاملہ ہے۔ وہ جس ڈرائیور پر ہاتھ رکھ دے اس سے قائدِ اعظم سے کم پر بات نہیں بنتی... اپنے لیے تو یہ بیگار ہے، دس پندرہ گاڑیوں کی چیکنگ کے بعد دس روپے کا ایک نوٹ بخشش میں ملے گا... دھندے کا وقت کھوٹا نہ کرو، یہ اسکولوں سے چھٹی کا وقت ہے، ابھی بغیر لائسنس والی عورتیں اپنے بچوں کو لینے کے لیے نکلی ہوں گی۔ آگے جا کر ان سے مال پیدا کرنا ہے۔ سو روپے نہیں دے سکتے تو پرچا کٹواؤ۔ بغیر لائسنس، بغیر کاغذات، سیدھا سیدھا چوری کا چالان بنے گا۔ ہو سکتا ہے کہ صاحب گاڑی بھی ضبط کر لے، پھر پیدل عدالتوں کے چکر لگاتے رہنا۔"

مبلغ ایک سو روپے سکہ رائج الوقت میں ادائیگی کے لیے وہ بحث معقول بھی تھی اور متاثر کن بھی۔ میں اسی ملک کا باسی ہوں، پاکستان میں کسی اور جنت گم گشتہ سے نازل نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی میرے لیے وہ تجربہ انوکھا اور خیال انگیز تھا۔ اگر میں محض سو روپے رشوت کی مد میں دے کر ایک مسروقہ کار میں پورے سکونِ خاطر کے ساتھ شہر میں دندناتا پھر سکتا تھا تو پیشہ ور چوروں اور قزاقوں کو کس نے روکا تھا جو وہ چند سو روپے کی سرمایہ کاری کر کے شہر کی سڑکوں سے لاکھوں کی کاریں نہ چھین کے جاتے۔ لاکھوں روپے کی مسروقہ گاڑیاں اس پیشے کے جغادری سرپرستوں کے ہاتھ ہزاروں میں بھی بک جاتیں تو یہ سودا برا نہیں تھا۔ مہینے بھر کی نوکری اور آجر کے دن رات کے نخروں کو سہنے کے باوجود بھی کسی جاہلِ مطلق کو تو درکنار، اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھی اتنی بازیافت نہیں ہو سکتی تھی جو کاروں کی چوری اور قزاقی کے دھندے میں چند گھنٹوں کی محنت اور چند سو روپوں کی حرام کاری سے حاصل ہو سکتی تھی۔

مجھ سے نوٹ لیتے ہی اس سپاہی نے پیشہ ورانہ پھرتی کے ساتھ اس کار کو رکنے کا اشارہ کیا جو بدقسمتی سے اس وقت سپاہی کے سامنے سے گزر رہی تھی گویا پکڑے جانے کے لیے کسی واضح جرم کا ارتکاب یا مجرمانہ نیت کا ہونا سرے سے ضروری نہیں تھا بلکہ اہمیت اس بات کی تھی کہ... اقتدار اور اختیار رکھنے والا کب کس موڈ میں ہوتا ہے۔ پیسوں کی ضرورت ہو تو بے گناہوں کو بھی قطار در قطار روک کر نت نئے قانونی آزاروں میں مبتلا کرنے کی دھمکی دی جا سکتی تھی اور اگر مختارِ کار کو جیب و شکم کی آسودگی [illegible] ہو تو کھلے کھلے مجرموں کو بھی بلا تردد گزر جانے کی اجازت عطا کی جا سکتی تھی۔ اندھیر نگری اور چوپٹ راج شاید ان ہی مستند اور مسلمہ اصولوں پر چلایا جاتا تھا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ نئے دور کی ہزاروں نعمتیں اور لعنتیں عام ہونے کے باوجود ہمارے اہل کار حکمرانی کے قدیم اور آزمودہ نسخوں کو نہیں بھولے تھے اور حسبِ توفیق قدیم روایتوں کو جدید اسلوب میں زندہ رکھنے کے لیے کوشاں رہتے تھے تاکہ ہر طرف چور اور ساہوکار ایک گھاٹ پانی پی کر انصاف اور مساوات کے اصولوں کا بول بالا کرتے رہیں کیوں کہ حق اور انصاف کو ڈنکے کی چوٹ پر پروان چڑھانے کے لیے معاملے کے دونوں فریقوں کا ہونا ناگزیر تھا۔ ساہوکاروں کو تو پھر بھی ڈرا دھمکا کر قانون دانوں کی شکم پروری پر مجبور و آمادہ کیا جا سکتا تھا یا پھر ان ہی میں سے چند کو چور قرار

دیا جا سکتا تھا لیکن سب چور ہو جاتے تو مدعی کا وجود ختم ہو جاتا جس کے بغیر نہ انصاف پنپ سکتا ہے اور نہ قانون نافذ کرنے والوں کی ضرورت باقی رہتی ہے کیوں کہ عملاً وہ خود مدعی سے مایوس ہو کر فریقِ ثانی کی مضبوط اور واحد ٹولی میں شامل ہو چکے ہوتے ہیں۔

گاڑی آگے بڑھ جانے کے بعد بھی میں پلٹ پلٹ کر پیچھے کا جائزہ لیتا رہا اور جوں ہی باوردی قانون بازوں کی دو نفری جماعت میری نگاہوں سے معدوم ہوئی، مَیں نے کار وہیں رکوا دی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ مقتدر بازی گروں کی پوری مخلصانہ جانفشانی کے باوجود ہم اپنے معاشرے کو یک رنگ نہیں بنا سکے تھے۔ نہ سب چور بن سکے تھے اور نہ ہی سب ساہوکار رہ گئے تھے اور یہی حال قانونی وردیوں کا بھی تھا۔ پچھلے مرحلے پر مرحوم قائدِ اعظم کو شرفِ باریابی بخش کر ہمیں مسروقہ کار سمیت آزادی عطا کر دی گئی تھی لیکن اس رنگا رنگ معاشرے میں یہ ضروری نہیں تھا کہ کوئی دوسرا اہلکار بھی اتنا ہی بامروّت اور خلیق ثابت ہوتا یا ملکی اکابرین کی مطبوعہ سرکاری تصاویر کا اتنا ہی احترام کرتا جتنا ہم دیکھ آئے تھے، اس لیے کسی ناسازگار واقعے کے رونما ہونے سے پہلے ہمیں اس کار سے پیچھا چھڑا لینا ضروری ہو چکا تھا جس کے اصل اور مسکین مالک کو ہم بے ہوش کر کے کہیں پھینک آئے تھے۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے چابی اگنیشن میں چھوڑ کر نیچے اُترتے ہی سوال کیا۔

"چاہو تو میری نئی سلطنت بھی دیکھ سکتے ہو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ ضرور لگا پھرتا ہوں مگر دوسری طرف مافیا کا سربراہ بھی ہوں۔ وہ لوگ میرے ایک اشارے پر اپنی جانیں فدا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔"

"جہاں چاہو، لے جا سکتے ہو۔ مَیں تو حکم کا بندہ ہوں۔" اُس نے کہا۔

"آؤ ٹیکسی لے لیتے ہیں۔ مجھے تین بجے اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے۔"

"وقت کی اسی قدر پابندی کرنی پڑتی ہے تو یہ سربراہی تو نہ ہوئی۔" اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایسی پابندیاں تو ماتحتوں اور ملازمین کے لیے ہوتی ہیں۔"

"پھر مجھے ماتحت ہی سمجھ لو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ خیال رہے کہ مافیا میں مَیں اپنا ہی ماتحت ہوں. کوئی دوسرا مجھے ہدایات نہیں دیتا۔"

"تمھاری گاڑی جو کامران کے ساتھ تباہ ہوئی ہے، شاید مافیا کی ہی تھی۔" اُس نے کسی سواری کی تلاش میں قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ "اس حادثے کی تفتیش میں مافیا یا اس کے کسی نہ کسی آدمی کا نام تو ضرور اُچھلے گا کیونکہ گاڑی کی ملکیت بھی زیرِ غور آئے گی۔"

"ابھی تم دیکھ چکے ہو کہ ہم کس طرح قانون کی دسترس سے نکلے ہیں۔ کل رات کی تاریخ میں کسی بھی تھانے میں اس کار کی چوری کی رپورٹ درج کرا دی جائے گی اور کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو گا. مافیا کے وسائل اور رابطے بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ سائنٹیفک انداز میں کام کرنے کے عادی ہیں۔"

"وہ تو جو ہو گا سو ہو گا لیکن تم نے مجھے یہ بتا کر میری ساری توقعات اور اُمیدوں پر پانی پھیر دیا ہے کہ مجھ سے لفٹ لینے والی کوئی اور نہیں بلکہ خود غزالہ ہی تھی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ مطلع صاف ہونے پر وہ دوبارہ اپنے گھر کا ہی رُخ کرے گی۔ ہمیں کم از کم ایک بار اُس سے ملنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔"

"ہم اپنی کوشش کر چکے۔" مَیں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "اگر اُسے ہماری کوششوں سے ذرا بھی دلچسپی یا لگاؤ ہے تو اب اس کی باری ہے۔ اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ ہم اُسے ڈھونڈتے ہوئے اُس کے گھر تک آ پہنچے تھے. اس لیے اب اسے ہم سے رابطہ قائم کر کے اپنے پُراسرار طرزِ عمل کی وضاحت کرنا چاہیے۔ اُس کے پاس میرے فلیٹ کا فون نمبر موجود رہا ہے. وہ جب چاہے مجھ سے اس نمبر پر بات کر سکتی ہے۔"

میرے آخری فقرے پر وہ چونک پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ مَیں معاملے کی تہ تک پہنچ گیا ہوں۔ مجھے تمھارے فلیٹ کا نمبر دے کر اُس نے بالواسطہ طریقے سے یہ پیغام دیا ہے کہ تم اُس فون پر موجود رہو تا کہ وہ تم سے بات کر کے اپنی وضاحتیں پیش کر سکے۔ جب سے دلدار آغا کے فتنے کا آغاز ہوا ہے، فلیٹ تو عملاً بند ہی پڑا ہوا ہے اور ہم جہانگیر کے گھر کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ غزالہ نے پچھلے چند دنوں میں اس نمبر پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو اور جواب نہ ملنے پر مایوس ہو گئی ہو۔"

"یہ سب میرے اور تمھارے مفروضے ہیں، سلطان صاحب" مَیں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب کچھ کام غزالہ کو بھی کرنا چاہیے۔ اُس کے مکان میں فون موجود ہے۔ اُسے میرے اور جہانگیر کے مراسم کا بخوبی علم ہے۔ اگر اُسے فلیٹ کے فون سے جواب نہیں مل رہا تھا تو وہ جہانگیر کے گھر فون کر سکتی تھی۔ وہ گھر اُس کا دیکھا ہوا ہے۔ اگر وہ چاہتی تو وہاں آ بھی سکتی تھی . . ."

"میرا خیال ہے کہ ہم اس موضوع پر بات جاری رکھ کر تلخیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ تم بھی یک بیک بہت زیادہ جذباتی ہو گئے ہو۔ مَیں تم سے پھر کسی وقت بات کروں گا۔ اس وقت تمھارا ذہن اپنی سوچ سے ہٹ کر کوئی بات قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔"

مَیں خاموش ہی رہا مگر اس وقت میرے وجود میں انتقامی خیالات کے ہولناک گرداب اُٹھ رہے تھے اور میرا کسی سے بھی ٹکرا جانے کو دل چاہ رہا تھا۔

اس احتیاط کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی مگر طویل عرصے سے پیش آنے والے غیر یقینی حالات کی بنا پر ہر معمولی نکتے کو اہمیت دینا میرے مزاج میں داخل ہو گیا تھا اس لیے میں نے ٹیکسی ٹریڈ لائن کے دفتر سے دُور ہی چھوڑ دی۔ سلطان شاہ نے نیچے اُترتے ہی متجسس انداز میں قرب و جوار کے پُرہجوم علاقے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ مافیا کا دفتر کون سا ہو سکتا تھا۔

مَیں ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دے کر فارغ ہوا تو مصروف فٹ پاتھ پر لوگوں کی بھیڑ میں پتھارے والوں سے بچ کر اپنی راہ بناتے ہوئے سلطان شاہ اپنے جبلی تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔ "کیا مافیا کا دفتر کچھ دُور ہے؟" اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کیا گھاس کھا گئے ہو؟" مَیں آنکھیں نکال کر غرّایا۔ "یوں بے احتیاطی سے اس لفظ کو استعمال کرو گے تو وہاں پہنچنے سے پہلے اپنی گردن کٹوا بیٹھو گے۔"

"پھٹکار کے بعد بھی تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" چند ثانیے کے توقف کے بعد اس نے مُنہ بسورتے ہوئے شکوہ کیا۔

"تمھارے پیروں میں چھالے نہیں پڑیں گے اور نہ حمل گرے گا۔" مَیں نے اُسی لہجے میں جواب دیا۔ "چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سب سامنے آ جائے گا۔"

"کیا بوڑھیوں جیسی واہیات باتیں کر رہے ہو؟" وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بڑبڑایا۔

"کون سی واہیات بات کی ہے مَیں نے؟ تم اپنی اردو درست کرو۔ حمل کے وہی ایک معنی نہیں ہیں جو تمھاری ننھی کھوپڑی میں ناچ رہے ہیں، اس کے معنی بوجھ کے ہیں اور بوجھ اُٹھانے والا حمال کہلاتا ہے۔ مَیں کچھ سوچ رہا ہوں اور تم مستقل بولے جا رہے ہو۔"

"سوچو، دل کھول کر سوچو۔ اب مَیں خاموش ہی رہوں گا۔" وہ جل کر بولا۔ زبان کے معاملے میں اس کی معلومات اس قدر ناقص تھیں کہ وہ میری کسی بات کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مافیا میں میری شمولیت سے تو باخبر تھا لیکن اس نے نہ مافیا کے دفاتر دیکھے تھے اور نہ ہی اس گروہ میں میری سربراہانہ حیثیت سے باخبر تھا اس لیے جب میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں داخل ہُوا تو دربان سے لے کر دیگر عملے تک کے رویّے نے اُسے حیران کر دیا اور آخر کار مَیں اُسے اپنے ہمراہ لے کر اپنے پُرشکوہ دفتر میں داخل ہو گیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ کے ذہن میں یک بیک سوالات کا لاوا اُبلنے لگا ہو گا۔ دوسری طرف سینڈوکی ذری مداخلت کا بھی امکان تھا اس لیے مَیں نے کرسی سنبھالتے ہی وہ سوئچ آن کر دیا جو باہر سرخ بلب روشن کر دیتا تھا۔ اس بلب کے روشن ہونے کے بعد نہ کوئی میرے دفتر میں مخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی آپریٹر کوئی فون کال مجھے منتقل کرتی۔

"اب پوچھو، کیا پوچھ رہے تھے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں، اب مَیں چپ ہی رہوں گا، تم اپنی یکسوئی میں خلل نہ آنے دو۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر سپاٹ اور سرد لہجے میں بولا۔

"احمق نہ بنو۔" مَیں نے اُسے سمجھاتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "مافیا اور وحشی انسانی خون کی بھینٹ پر زندہ رہنے والے گروہ ہیں۔ ان کے بارے میں کی جانے والی لغزش کے ازالے کی مہلت نہیں ملتی۔ تم نے دیکھا کہ ہم دفتر سے کتنے نزدیک تھے۔ لوگوں کی اس بھیڑ بھاڑ میں مافیا کے کچھ مخبر ہر وقت مشتبہ لوگوں کی بُو سونگھنے پر مامور رہتے ہیں . . ."

"وضاحتیں پیش نہ کرو۔" وہ بدستور رُکھائی سے بولا۔ "تمھارا دفتر اور عملے میں تمھاری شان و شوکت دیکھ کر مَیں سمجھ گیا ہوں کہ اس علاقے میں آتے ہی تمھارے سر پر افسری کا بھوت سوار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ مافیا میں تمھاری پرواز اتنی اونچی ہو گئی ہو گی۔ سربراہی والی بات کو میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

"تم نے جنم جلی عورتوں جیسی باتیں اور اپنا مظلومانہ انداز ترک نہ کیا تو مَیں ابھی تمھارا سر توڑ دوں گا۔ تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ مَیں اس وقت کتنے اہم مشن پر یہاں آیا ہوں۔ میرا ذہن اسی معاملے میں بُری طرح اُلجھا ہُوا تھا۔"

میرے بے تکلفانہ طرزِ تخاطب پر اس کے چہرے پر

بحالی کی لہر دوڑ گئی۔

"لیکن میرا تجسس بالکل بجا تھا۔" اُس نے کہا۔ "اور میں تمھارے ساتھ پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ اب لعنت بھیجو اس قصے پر۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ تم اب تک اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب جا رہے ہو۔ ملاجے کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے اور ویرا نے کامران کے قتل کے موقع پر تمھیں چھوٹ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں۔ تم بہت جلد اسے بھی مار لو گے۔ دوسری طرف مافیا تمھاری مٹھی میں آ گئی ہے۔ تم جب چاہو، ان کے سارے کارندوں کو ایک جگہ جمع کر کے جہنم واصل کر سکتے ہو۔"

"کاش! یہ اتنا ہی آسان ہوتا۔" میں نے حسرت سے کہا۔ "ویرا نے اپنے الفاظ کی پاسداری کر کے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ وہ چاہتی تو آسانی کے ساتھ ہم دونوں کو بھی کامران سمیت موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔ تم کو شاید یہ سن کر تعجب ہو گا کہ غزالہ کے مکان میں ویرا میرے نشانے کی زد میں تھی۔ میں چاہتا تو نہایت آسانی کے ساتھ اسے ختم کر سکتا تھا۔ میں نے دو بار... ارادہ بھی کیا لیکن دونوں مرتبہ اندر کی کسی طاقت نے مجھے احسان کا بدلہ ظلم سے چکانے سے روک دیا...!"

"یہ میرے لیے نئی خبر ہے۔" اُس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "تم دونوں کی دوستی کی طرح تمھاری دُشمنی بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ جس رات وہ جہانگیر کے مکان پر فائر سے زخمی ہوئی، اس رات تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تمھیں مکان کے ملبے میں پیس کر رکھ دے گی اور اب تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ عدل و احسان کی ناقابلِ فہم مثالیں قائم کرنے پر تُل گئے ہو۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ معاملات اسی ڈھب پہ چلتے رہے تو وہ تم پر ایک بھی گولی چلائے بغیر تم کو اپنی نظروں سے گھائل کر کے ہمیشہ کے لیے اپنا قیدی بنا لے گی۔ غزالہ کی تازہ ترین پُراسرار بے رُخی کے بعد تو یہ امکان اور زیادہ روشن نظر آنے لگا ہے۔ آخر تمھیں اس سے کس بھلائی کی اُمید ہے جو تم نے اسے چھوڑ دیا؟ اور مجھے دیکھو کہ میں نے سفید فام انطونیو کا ماضی جانے بغیر اسے محض اس وجہ سے بے رحمی سے ہلاک کر دیا کہ ویرا کا ساتھی اور شی کا ایک سرگرم بین الاقوامی کارندہ تھا۔" اس کے لہجے میں گہرا قلق تھا۔

"ابھی تم نے میری پوری بات ہی نہیں سنی۔" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے بجھی بجھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات تمھاری اس رائے سے شروع ہوئی تھی کہ اب شی اور مافیا دونوں میری مٹھی میں ہیں اور میں جس طرح چاہوں، انھیں نیست و نابود کر سکتا ہوں۔ ویرا کے بارے میں تو تم نے سن ہی لیا، اب مافیا کے بارے میں بھی سن لو۔ مجھے ایک سینئر کارندے کے طور پر لیا گیا تھا لیکن اب میں عملاً مافیا کے مقامی بیورو کا چیف بن بیٹھا ہوں یا بنا دیا گیا ہوں۔ جہاں تک مقامی معاملات چلانے کے لیے فیصلے کرنے کے اختیار کا معاملہ ہے تو میں خود مختار ہوں لیکن میری کارکردگی پر ہزاروں میل دُور بیٹھے ہوئے مدر مافیا کے بڑوں کی نگاہ رہتی ہے۔ میں نے اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھے بغیر کوئی تخریبی کارروائی کی تو یہ منظم درندے اسی لمحے میرے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ ابھی تین اور چار بجے کے درمیان باہر کے کسی ملک سے ڈان تھری کا فون آنے والا ہے، دیکھو وہ کیا خبر سناتا ہے؟"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم ایک بار پھر ایسے سفاک بلیک میلروں کے چنگل میں پھنس گئے ہو جو اسی وقت تک تمھارے دوست ہیں جب تک تم ان کے لیے کام کر رہے ہو۔ جس دن تم نے اپنا ارادہ تبدیل کیا، وہ تمھارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔" وہ بولا۔

"بدقسمتی سے صورتِ حال ہی کچھ ایسی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی خرکاری ہے۔ یہ تو پھر بھی جرائم کی دُنیا ہے۔ میں تو ایسے مہذب خرکاروں سے مل چکا ہوں جو صنعت اور کاروبار کی دُنیا میں خوبصورت بہروپ بھر کر راج کر رہے ہیں۔ دُنیا کو دھوکا دینے کے لیے وہ باہر سے نفیس بنے رہتے ہیں۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے ہیں مگر ان کے ملازمین ان کی مرضی کے مطابق اور انھی کی شرائط پر زندگی بھر ان کی ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ ایسے صورت حرام جہاں شے بڑی مکاری کے ساتھ جذباتی فضا پیدا کر کے اپنے ملازمین سے اخلاقی دباؤ میں، اپنے مفاد میں کوئی سنگین جرم کرا لیتے ہیں یا پھر باہمی اعتماد کے نام پر ان سے کوئی اہم تحریر یا سادہ کاغذ پر دستخط حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ چیزیں ان ملازمین کے لیے زندگی سولی کی صورت اختیار کیے رہتی ہیں۔ وہ جب بھی راہِ راست پر آنے کی کوشش کرتے ہیں، سولی کا سایہ ان کی گردن پر پڑنے لگتا ہے۔ مفادات کی جنگ میں ہر خود غرض بالادست، اپنے زیر دستوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو مدر مافیا والے کسی شرمساری کے بغیر نچلے لوگوں کے ساتھ کرتے...."

"تم نے تو اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "گھپلے کہاں کہاں اور کیسے ہوتے ہیں، یہ میں بھی جانتا ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ تم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہو اور اپنی مرضی سے مافیا سے کنارہ کش نہ ہو سکو گے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ میں مافیا میں شامل ہونے سے پہلے

اس بات سے باخبر تھا۔ اب تو جان اسی صورت میں چھوٹے گی جب خود مافیا کا باجا بج جائے گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن وہ اپنی جڑیں کاٹنے والے کو کب معاف کریں گے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"اصل بات یہی ہے کہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس وقت میں بیورو چیف ہوتے ہوئے بھی اپنی مرضی کے مطابق کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اپنی کارروائی کے لیے مجھے وقت اور موقع کا انتظار کرنا ہو گا تاکہ تباہی کی دھول بیٹھنے کے بعد بھی کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ مافیا کی مضبوط بنیادوں میں بارود کس نے بھرا تھا۔"

"باجے اور اس کے اڈے کو تم نے تباہ کر دیا۔ غزالہ کو فی الحال گمشدہ ہی سمجھو، ویرا پر تمھارا ضمیر تمھیں وار نہیں کرنے دیتا اور مافیا میں تمھیں وقت کا انتظار ہے۔ آخر ہم اس اذیت ناک فضا میں کب تک زندہ رہ سکیں گے؟"

"ہمارے سامنے کوئی انتخاب نہیں ہے سلطان شاہ...!" میں نے اُس کی دلی کیفیت اور بے بسی کا اندازہ لگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "یہ سب ہماری مجبوریاں ہیں۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھے بتاؤ کہ میں کہاں لغزش کر رہا ہوں، میں تمھارا مشورہ قبول کر لوں گا۔"

"ختم کرو اس بحث کو۔" وہ اپنا سر جھٹک کر بولا۔ "تمھارے اعصاب پر ویسے ہی کافی دباؤ ہے۔ اس بے سود ذہنی مشقت سے ہم خود کو اور زیادہ تھکا رہے ہیں۔"

"ابھی تک ہم تخلیے میں تھے۔" میں نے اُسے آگاہ کیا۔ "اب باہر جلنے والی پرائیویسی لائٹ آف کر رہا ہوں۔ تم بلا ضرورت دخل نہ دینا۔ بس یہ یاد رہے کہ تم میرے پرانے باڈی گارڈ ہو۔ [illegible] سے میرے بیشتر راز تمھارے علم میں ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمھیں واپسی کے لیے گاڑی کا بھی بندوبست کرنا ہو گا۔ ہم ٹیکسی سے یہاں آئے ہیں۔" اُس نے [illegible] آف ہونے کی آواز سنتے ہی کہا۔

پرائیویسی لائٹ آف ہوتے ہی فون کا بزر بول اُٹھا۔ ریسیور اٹھانے پر آپریٹر نے بتایا کہ ٹریڈ لائن کے نام پر ایک رجسٹری آئی ہوئی تھی۔ اس دفتر کا اصول تھا کہ رجسٹرڈ خطوط میں خود ہی کھولتا تھا۔ اس سے پہلے وہ فرض سینڈو کے ذمے تھا کیونکہ رجسٹری کے ذریعے کبھی کبھار مال کی آمد کی اطلاعات بھی موصول ہوتی رہتی تھیں۔ مٹن والے واقعے کے بعد تو ہیروئن کے لین دین کے ازسرِنو آغاز کی اطلاع خط سے ہی ملی تھی اس لیے رجسٹری اندر منگواتے ہوئے

میں نے ڈائریکٹ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سینڈو دروازہ کھول کر مؤدبانہ انداز میں اندر داخل ہوا۔

"تم ذرا اُدھر بیٹھو۔" میں نے سلطان شاہ کو دُور افتادہ دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے وسیع و عریض کمرے میں دو اطراف میں اس طرح صوفے لگے ہوئے تھے کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ میز پر دھیمے لہجے میں ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتے تھے۔

ویسے تو میرے اور سلطان شاہ کے درمیان کوئی راز نہیں تھا مگر سینڈو کے اطمینان کے لیے اسے دُور بھیجنا ضروری تھا۔ کیونکہ مافیا کے اندرونی معاملات کے بارے میں باہر کے لوگوں سے پوری پوری رازداری برتنا مافیا کے بنیادی اصولوں میں شامل تھا۔

"مال کے بارے میں کوئی خبر، باس!" اس نے میری میز کے قریب ٹھہر کر پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"آج ایک رجسٹری آئی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی پیغام ہو لیکن تم اس بارے میں اتنے پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟" میں نے اُس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"شہر میں بھی مال کا قحط پڑا ہوا ہے...!" اس نے کہنا چاہا۔ لیکن میں نے فوراً ہی اس کی بات اُڑا دی کیونکہ اس تمہید پر

میری کھوپڑی چیخ اٹھی تھی۔

"شہر میں قحط پڑے یا فراوانی ہو، اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میرا مطلب یہ تھا کہ شہر میں قحط ہے۔ ملیحے کے اڈے پر بھی خاصا مال رہا ہوگا جو برباد ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں مقامی منڈی میں دام اٹھیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں مال دینے والے پیسے کے لالچ میں مقامی منڈی میں مال دینا شروع کر دیں۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

اس کی دلیل وزنی تھی مگر وہ سوال ایسا تھا جس نے مجھے لاجواب کر دیا۔ انتظامی معاملات کے علاوہ مال کی وصولی اور ترسیل کی حد تک ہر چیز مجھے اپنے قابو میں نظر آ رہی تھی لیکن دو شعبے ایسے تھے جن میں سیٹھ حبیب جیوانی کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اچانک درمیان سے ہٹ جانے کی وجہ سے میں ان شعبوں میں خود کو معلق محسوس کر رہا تھا۔

پہلا شعبہ تو وہی تھا جس کی نشاندہی سینڈو نے کی تھی۔ اگر مال فراہم کرنے والے بدنیت ہو جاتے یا کسی حادثے کی وجہ سے ان کی طرف سے تاخیر ہوتی تو مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ ہی میں ان سے رجوع کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ مافیا کے پورے مالیاتی آپریشن کا انحصار ایسے لوگوں پر تھا جو میرے لیے یکسر اجنبی تھے۔

دوسرا شعبہ مافیا کے اثر و رسوخ کا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ میں 'کی کلب' کا کنٹرول حاصل کر چکا تھا جہاں اہم سرکاری اہل کاروں اور دیگر شخصیات کو کانا بنایا جاتا تھا اور پھر ان سے کام لیے جاتے تھے مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی ہر معاملے میں پسِ پردہ رہتا تھا اس لیے ایسے اہل کاروں سے اس کی ذاتی واقفیت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر آخر ان لوگوں سے کیوں اور کیسے کام لیا جا سکتا تھا، میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"پھر تم مجھ سے کیا توقع کر رہے ہو؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "اس مسئلے کا کیا حل ہے تمہاری نظر میں؟"

"یہی ایک معاملہ ایسا ہے جہاں میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ باقی معاملات میں تو چیف مجھ پر ہی انحصار کیا کرتا تھا۔" اس کا جواب میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھا۔

"میری کار اڑ گئی ہے۔" میں نے فوراً ہی اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ "کار میں موجود ایک شخص بھی دھماکے میں ہلاک ہوا ہے..."

"یہ کب اور کیسے ہوا؟" اس نے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی۔

"یہ تفصیلات غیر اہم ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کچھ دیر قبل ایسا ہو چکا ہے۔ پولیس کی تفتیش آگے بڑھنے کے ساتھ ہی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ میری کار کا رجسٹریشن کس کے نام پر تھا؟"

"وہ تو ٹریڈ لائن کے نام پر ہی رجسٹر تھی۔ اس چکر سے بچنے کی تو ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی تھانے میں واردات سے قبل کار چوری ہونے کی ایف آئی آر درج کرا دی جائے۔"

"ایف آئی آر درج کرانے کا وقت بھی حادثے سے کم از کم کئی گھنٹے پہلے کا ہونا چاہیے۔ ایسی کارروائی تو کوئی جاننے والا ہی کر سکتا ہے۔"

"یہ تو تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ شہر کے جو افسران بلیک میلنگ یا رشوت خوری کی بنا پر ہمارے لیے کام کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی تمہارے ایک فون پر دُم کے بل کھڑا ہو جائے گا۔ چیف بھی کسی کے سامنے آئے بغیر فون پر اپنے سارے کام نکلواتا ہے، وہ لوگ اسے ایگل چیف کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ خفیہ حوالہ دے کر تم اپنا کام کروا سکتے ہو۔"

"آواز کی تبدیلی کسی بھی شخص کو میری طرف سے شبہے میں مبتلا کر سکتی ہے۔" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت عجیب تھی کہ میں اپنے اختیارات کے بارے میں اپنے ایک ماتحت سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غنیمت بس یہی تھا کہ دو فیصد کی چوری پکڑے جانے کے بعد وہ مجھ سے ذہنی طور پر بری طرح مرعوب ہو گیا تھا پھر رہی سہی کسر گردن کٹے پتلے کی دریافت پر میرے سخت گیرانہ رویے نے پوری کر دی تھی اور ذہنی طور پر وہ میرا غلام ہو کر رہ گیا تھا۔

"ایگل چیف کا نام ان لوگوں کے لیے دہشت کی علامت ہے۔ تمہارا کوڈ سن کر ہی ہر شخص کے اوسان خطا ہو جائیں گے۔ ابھی چند ہفتے قبل ہی احکام پر عمل نہ کرنے والا ایک کسٹم آفیسر پُراسرار انداز میں ایک ہوٹل کے رہائشی کمرے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لاش کی قمیص کے بٹن میں لگی ہوئی عقاب کی تصویر اخبارات میں بھی چھپی تھی جو سارے متعلقہ لوگوں کو یہ بتلانے کے لیے کافی تھی کہ وہ ایگل چیف کے عتاب کا نشانہ بنا تھا۔" وہ بولتے ہوئے چند ثانیے کے لیے رکا پھر رازدارانہ سرگوشی میں بولا۔ "کراچی میں پچھلے سات سال میں یہ تیسرا افسر تھا جو ایگل چیف کا شکار ہوا تھا۔ اس کے لیے کام کرنے والے اس کے حکم سے سرتابی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چیف نے مجھے بہت چھوٹ دی ہوئی تھی۔ کئی بار میں خود ایگل چیف کے حوالے سے کام لے چکا ہوں۔"

"پھر مجھے ان افسران کی ایک جامع فہرست مہیا کر دو جو ایگل چیف کے حوالے سے خوفزدہ کیے جا سکتے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا حالانکہ سینڈو کے اس انکشاف سے مجھے دلی مسرت ہوئی تھی کیونکہ مافیا کے سربراہ کی حیثیت سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ شہر کے حکمرانوں میں سے کون کون اس کے نام پر اپنے منصب سے غداری کر سکتا تھا۔ ایسے ہی غدار افسران شہر کے تمام سماج دشمن، دہشت گرد اور غنڈا عناصر کو مضبوط پشت پناہی فراہم کرتے تھے ورنہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اپنے حقیر سے مفادات کے لیے پورے شہر کو فسادات اور خون ریزی کے جہنم میں جھونکنے کی جرات کرتا۔

سینڈو مجھ سے چند منٹ کی اجازت لے کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی استقبالیہ کاؤنٹر والی بذاتِ خود رجسٹری لے کر میرے دفتر میں آ گئی۔ لفافہ دے کر وہ الٹے قدموں لوٹ گئی۔ میں نے لفافہ کھولا تو اس میں حسبِ توقع مال کی آمد کے بارے میں خفیہ پیغام موجود تھا۔ دو روز بعد رات آٹھ بجے کورنگی کریک میں مال آنا تھا۔ مال کی وصولیابی کے لیے کسی پوسٹر سے پھاڑا ہوا رنگین آرٹ پیپر کا ایک مطبوعہ ٹکڑا کاغذ سے منسلک تھا۔

"تم تو واقعی افسر لگ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی جگہ سے ہانک لگائی۔ "تمہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم چوروں اور بدمعاشوں کے سربراہ ہو۔"

"چوروں کے نہیں، صرف بدمعاشوں کے کہہ سکتے ہو۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "اس وقت میرا ایک بہت بڑا کام ہوا ہے اور اب میں تم کو شہر میں اپنے کمالات دکھاؤں گا۔"

"اجازت ہو تو خادم اب تمہاری میز پر آ جائے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں اجازت طلب کی۔

"ضرور آ جاؤ لیکن میرے ماتحت عملے میں سے کوئی اندر آ جائے تو اپنی چونچ بند رکھنا۔ میں تمہیں اپنا باڈی گارڈ ظاہر کروں گا۔"

وہ نہایت خوشدلی کے ساتھ میرے مدِمقابل، میز کی دوسری جانب آ بیٹھا۔ اس سے گفتگو کے دوران میں ہی سینڈو واپس لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تہ کیا ہوا کاغذ موجود تھا جو اس نے خوشی سے میرے حوالے کر دیا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اس کاغذ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے سینڈو سے کہا۔ "یہ میرا باڈی گارڈ سلطان شاہ ہے۔"

"کیا یہ بھی ہم میں سے ہے؟" سینڈو نے کرسی سنبھالتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"بالکل!" میں نے کاغذ پر سے نظریں اٹھا کر جارحانہ لہجے میں کہا۔ "اسے میں نے رکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی تنخواہ میں اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں۔"

"میرا نام سینڈو ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں باس کے حقیر جاں نثاروں میں سے ایک ہوں۔"

سلطان شاہ نے میری ہدایت کے عین مطابق اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر دانت نکال دیے۔ اس کے بونگے انداز پر میں دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔

"میں نے اس فہرست پر تین جگہ نشانات لگا دیے ہیں جن کا موجودہ مسئلے سے براہِ راست تعلق ہو سکتا ہے۔" سینڈو نے مجھے دوبارہ فہرست کی طرف متوجہ پا کر کنائے میں کہا۔ "تم ان میں سے کسی کو بھی فون پر احکام دے سکتے ہو۔"

"شکریہ! اور اب تم جا سکتے ہو!" میں نے کاغذ پر سے نظر ہٹائے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ دل میں اس کا حد سے زیادہ پاس گزار ہونے کے باوجود میں اس کے اظہار میں بخل سے کام لے رہا تھا، ورنہ سینڈو کا دماغ آسمان پر پرواز کرنے لگتا۔

"رجسٹری میں کوئی کام کی بات ملی؟" اس نے کرسی چھوڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔ اس کی نظریں میری میز پر پڑے ہوئے، پھٹے ہوئے لفافے پر مرکوز تھیں۔

"خبر ہے لیکن اس موضوع پر بعد میں بات ہوگی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا اور وہ میرے کمرے سے چلا گیا۔ میں نے مزید کسی دخل اندازی سے محفوظ رہنے کے لیے فوری طور پر اپنے کمرے کے باہر پرائیویسی لائٹ روشن کر دی۔

"مجھے عہدہ تو مل گیا تھا لیکن اختیار اب نصیب ہوا ہے۔" تخلیہ ہوتے ہی میں نے سلطان شاہ کے لائے ہوئے کاغذ کو چومتے ہوئے کہا۔ "اب میں کراچی میں اپنی مرضی کے تماشے دکھاؤں گا۔"

"اس میں تمہیں کون سی ڈگڈگی مل گئی جو تماشے یاد آنے لگے ہیں؟"

"ابھی دیکھتے جاؤ، تماشوں کی ابتدا تمہارے سامنے ہی ہوتی ہے۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت میری گھڑی پونے تین بجا رہی تھی۔

میں نے اس فہرست میں سے شہر کے ایک مشہور ڈی

ایس پی کا نمبر منتخب کیا اور ڈائریکٹ فون پر وہ نمبر ملا لیا۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور میں غراتی ہوئی ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔

میں نے سیٹھ حبیب جیوانی جیسا سرد اور سپاٹ لہجہ اختیار کرتے ہوئے ڈی ایس پی کا نام لے کر اس کے بارے میں دریافت کیا۔

"ارے بھئی انکوائری آفس کیوں کھول لیا ہے؟ میں بول تو رہا ہوں۔" اس کی غراہٹ۔۔۔ بیزاری عود کر آئی جیسے اُسے اپنی آواز نہ پہچانے جانے پر غصہ آگیا ہو۔

"ہوش میں رہو مجید! میں ایگل چیف بول رہا ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے موت کی طرح سرد لہجے میں غرا کے کہا۔

"سر۔۔ سر! میں معافی چاہتا ہوں۔" ایگل چیف کا نام سنتے ہی اُس کا غرور اور تکبر خاک میں مل گیا اور اس کے لب و لہجے میں معذرت خواہانہ عاجزی پیدا ہوگئی۔ "میرے پاس دن بھر لوگوں کے لایعنی فون آتے رہتے ہیں۔ اسی جھونک میں گستاخی کر بیٹھا تھا، حکم فرمائیں۔"

"حواس درست ہوگئے ہوں تو میں بات کروں۔۔؟ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ذرا سی بھی غفلت یا کوتاہی ہوئی تو رات ہونے سے پہلے شہر میں چوتھا شاہکار۔۔۔ وجود میں آجائے گا۔"

"حکم کریں سر! میں ہمہ تن گوش اور پوری طرح ہوش میں ہوں۔" اُس کی خوف سے سہمی ہوئی عاجزانہ آواز سن کر یہ یقین کرنا محال تھا کہ وہ شخص پُرغرور لہجے میں بات کرسکتا تھا۔

"ٹریڈ لائن والوں کی ایک کار کی کل رات چوری کی رپورٹ درج ہونی چاہیے۔ یہ اندراج کل ہی کی تاریخ میں رات گئے دکھاتا ہے کیونکہ آج صبح کار کو ایک افسوسناک حادثہ پیش آگیا ہے۔ باقی تفصیلات تم خود سمجھ سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا سر! پورا کام حسب مرضی ہوجائے گا۔" اس کے الفاظ اور لہجے سے بدحواسی مترشح تھی۔ "مجھے بس ٹریڈ لائن کا فون نمبر بتادیں۔"

میں نے ٹریڈ لائن کا فون نمبر دُہراتے ہوئے کہا۔ "اسی نمبر پر سینڈو ہوگا۔ رجسٹریشن کی تفصیلات وہی بتا سکے گا۔ اُسے ایک گھنٹے سے پہلے ایف آئی آر کی نقل مل جانی چاہیے۔"

"ایسا ہی ہوگا سر! میں سارے رجسٹر وغیرہ ساتھ لے کر خود سینڈو صاحب کے دفتر جاتا ہوں اور انھیں وہیں پر ایف آئی آر کی نقل دے دوں گا۔"

اُس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ ایگل چیف کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے میرے فارغ ہوتے ہی متحیرانہ لہجے میں سوال داغ دیا۔

"الہ دین کے چراغ کا جن جو اس شہر میں ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس نام سے شوخ نظر اور بدعنوان افسر بلیک میل کیے جاتے ہیں۔ اب میں ایک دوسرے افسر کو غزالہ پر مامور کردوں گا اور کل صبح تک اس کے معاملے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

"عجلت میں ایسا بے رحمانہ فیصلہ نہ کرو۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ تمھارے حکم کی تعمیل میں وہ افسر غزالہ کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کرگزرے جس کا ازالہ خود تمھارے بھی اختیار سے باہر ہو اور تم اپنے اس اقدام پر خود زندگی بھر پچھتاتے رہو۔"

وہ جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا وہ پوری طرح واضح تھا لیکن اس وقت میری عجیب سی کیفیت تھی اور سلطان شاہ سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے غزالہ کی ذات سے بے نیازی اختیار کرنے میں لذت آمیز کسک محسوس ہورہی تھی۔ میرے اس عمل سے غزالہ کی ذات کو کوئی دُکھ نہیں پہنچ رہا تھا مگر مجھے صرف اس احساس سے خوشی ہورہی تھی کہ میں ایک مشترکہ درد آشنا کے سامنے غزالہ کی ذات سے بے نیازی کے لفظی مظاہرے میں کامیاب تھا۔

"اب وہ بھی کچھ زیادتیوں کی مستحق ہوگئی ہے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اب تک وہ مظلوم بن کر ہمیں بے وقوف بناتی رہی ہے۔ میں اُس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہا ہوں اور وہ ہمارے اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی ایک اجنبی سائے کی طرح گزر گئی۔ پولیس والوں کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے وہ جیسے بھی چاہیں کام کریں، مجھے تو صرف غزالہ کے شب و روز کی تفصیلات درکار ہیں۔ وہ اس مکان میں کب آتی ہے اور پھر کہاں چلی جاتی ہے؟ اُس کے کن لوگوں سے مراسم ہیں؟ وہ اپنے آبائی مکان میں کیوں روپوش ہے؟ اُس نے کس کے خوف سے روپ بدلا ہوا ہے؟ مجھے ان سوالات کے جواب مل جائیں تب ہی میں یہ فیصلہ کرسکوں گا کہ مجھے اس سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اس وقت تو وہ میری محبوب ترین ہستی کے مقام سے گر کر ایک عام سی عورت رہ گئی ہے جس کے مشکوک کردار کی تصدیق کیے بغیر میں اپنے کومل جذبوں کو اُس کی ذات سے وابستہ نہیں رکھ سکتا۔"

سلطان شاہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں منہ پھاڑے میری تقریر سنتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔ "اس کے رویے نے مجھے مجبور کردیا ہے کہ میں تمھارے سامنے زبان نہ کھولوں۔ پھر بھی تصدیق اور تردید کے یہ نازک مرحلے تم دونوں کو ذاتی سطح پر طے کرنے چاہئیں۔ جب تم ایک بار ہمیشہ کے لیے اس سے منہ پھیرنے کا فیصلہ کرلوگے تو پھر تمھیں اُس کے بارے میں ہر قول و فعل کی آزادی ہوگی۔ ابھی اُس کی طرف سے تمھارے دل میں شبہات ضرور پروان چڑھ رہے ہیں لیکن اس سے نفرت نہیں ہوئی ہے اس لیے تمھیں اُس کو کچھ رعایتیں دینی ہوں گی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟" مجھے نمبر ڈائل کرتے ہوئے دیکھ کر اُس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایک اور پولیس افسر کو!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم کو جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا تم نے، اور میں نے سن لیا۔ اب میں جو بات کروں گا وہ تمھیں خاموشی سے سننا ہوگی۔"

"لیکن تم تو کسی کو فون کرنے جارہے ہو!" اُس نے احتجاج کیا۔

"بات اُسی سے ہوگی اور سننا تمھیں پڑے گی۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہمارے آپس کے مذاکرات کا وقت تو اب کا گزر چکا۔ میں ڈان بھری کی کال آنے سے پہلے اپنے ان ذاتی مسائل سے نمٹنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں، وہ کیا خبر سنانے والا ہے۔"

سلطان شاہ کو میرے تیور دیکھ کر مجبوراً خاموش ہوجانا پڑا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس بار بھی دوسری طرف سے فون اٹھانے والا میرا مطلوبہ شخص ہی تھا۔ وہ نسبتاً نرم گو اور خوش مزاج تھا لیکن ایگل چیف کا نام سنتے ہی اُس کی خوش مزاجی دہشت کے رنگ میں بدل گئی اور اس کی آواز میں ہکلاہٹ پیدا ہوگئی۔

"حُو۔۔ حُو۔۔ حکم جناب! ب۔۔۔ بہت دن بعد آپ کی آواز سننے کا شرف حاصل ہو۔۔۔ ہورہا ہے۔" اس کی لُکنت زدہ آواز مضحکہ خیز تھی۔

"جو کہا جارہا ہے اس سے سرمو بھی انحراف نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سرد، سخت اور تحکمانہ لہجے میں غزالہ کے مکان کا پتا دُہراتے ہوئے بات شروع کی۔ "بظاہر یہ ایک ویران اور غیر آباد مکان ہے لیکن اس میں ایک مشتبہ عورت روپوش ہے۔ وہ ہماری دوست بھی ہوسکتی ہے اور دشمن بھی۔ تمھیں اس عورت کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر اس کی نگرانی کرانا ہے۔ تمھارے ہاتھوں سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچنا چاہیے۔ تمھیں سرکاری ریکارڈ پر کوئی اندراج کیے بغیر اس عورت کی اصلیت اور مصروفیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی ہیں جس کے لیے تمھارے پاس پورے چوبیس گھنٹے ہیں۔ میں کل دوپہر کو تین بجے اسی نمبر پر تم سے رپورٹ لوں گا۔"

"موقع مل جائے تو اُس عورت کو حوالات میں اُٹھوالوں؟" دوسری طرف سے خوشامدانہ لہجے میں احمقانہ سوال کیا گیا جس کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تھی۔

"تمھاری کھوپڑی میں بھُس بھر گیا ہے یا تم نشے میں ہو۔" میں نے اُسے بُری طرح پھٹکار دیا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ عورت کو اس نگرانی کا علم تک نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ دوست ہے یا دشمن اور تم اسے حوالات میں اُٹھوانے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دن پورے ہوچکے ہیں۔ میری ہدایات کے برعکس کچھ بھی ہوا تو سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا اور میری سزا کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں جو کہتا ہوں وہ ہونا چاہیے ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں، لغزش ہے میری جناب!" اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "جو کہا گیا ہے وہی ہوگا۔ میں اس سے ایک قدم بھی تجاوز نہیں کروں گا۔"

"کل دوپہر تین بجے کے بعد تمھیں زندہ دیکھنا میری آرزو ہوگی۔" میں نے سرد لہجے میں وہ دہشت انگیز فقرہ دُہرا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری باتوں کا لحاظ کرلیا۔" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "پولیس کے محکمے میں اچھے لوگ بھی ہیں مگر نچلے درجے کے لوگ مشتبہ عورتوں کے معاملے میں عام طور پر ایک ہی حیوانی انداز میں تفتیش کا آغاز کرتے ہیں۔ اُوپر سے نیچے تک سب لوگ باری باری طویل اور مختصر بیان لیتے ہیں اور حوالات میں پہنچنے والی عورتوں کی زندگی تباہ ہوکر رہ جاتی ہے۔"

"مجھے زیادہ تفصیلات نہ سناؤ سلطان شاہ!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میں آسمان سے نازل نہیں ہوا، یہیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ کہاں کہاں، کیا کیا ہوتا ہے۔ امکانی خطرات کا تفصیلی تذکرہ کرکے میری حمیت کو اشتعال دلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں اُس کے لیے جو کچھ کرسکتا تھا وہ میں نے کردیا ہے اور اب میرے اگلے اقدام کا انحصار نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ پر ہوگا۔ تالی ایک نہیں دونوں

ہاتھوں سے سجتی ہے۔ اس اصول سے کوئی مستثنےٰ نہیں کیا جاسکتا۔"

"مجھے افسوس ہے... میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تم سمجھ رہے تھے۔" میری تادیب پر اُس کا مُنہ لٹک گیا۔ "تمھیں جو کچھ کرنا تھا وہ تم کر ہی گزرے تھے۔ میری سفارش پر ان رعایتوں میں اضافے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بہرحال اب مَیں کل دوپہر تک اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔"

"چاہو تو مَیں تمھیں بھی مافیا میں شامل کرا دوں!" تھوڑی دیر بعد مَیں نے تجویز پیش کی۔

"مَیں اب ایسے کسی چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔" اُس نے جلدی سے کہا۔ "مجھے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ مَیں نے تمھارے ساتھ یہاں آکر غلطی کی ہے۔ اپنے سرسبز و شاداب گاؤں میں اپنے دوستوں کے ساتھ اونچی اور کھڑی ڈھلانوں پر کھیلتے کودتے ہوئے مَیں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک روز میں اسلحہ ہاتھ میں لے کر قانون کے مساوی اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کروں گا۔ مَیں گاؤں کا ایک سیدھا سادہ لڑکا تھا اور اپنی روزی آسانی کے ساتھ کمانے کے چکر میں کراچی آگیا تھا مگر بھلا ہو عیسیٰ خان کا کہ اُس نے مجھے حالات کے اس دھارے میں دھکیل دیا۔ تم تو بہت شریف النفس اور عظیم انسان ہو اگر میرا پالا واقعی کسی اسمگلر یا ڈاکو سے پڑ گیا ہوتا تو مَیں بہت پہلے پھانسی کے پھندے تک پہنچ چکا ہوتا۔"

"گاؤں اور دیہاتوں سے بھاگے ہوئے ایسے ہی کڑیل اور خوابوں کی دُنیا میں رہنے والے نوجوان کراچی میں جرائم پیشہ لوگوں کا ایندھن بنتے ہیں۔ وہ محنتی، دلیر اور بات بات پر لڑ جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ راتوں رات امیر بننے کے خواب لے کر کراچی آتے ہیں۔ اُن کا دفاداری کا تصوّر بہت دو ٹوک اور واضح ہوتا ہے جو انھیں تنخواہ دیتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل کو وہ عبادت کے برابر سمجھتے ہیں۔ چھوٹے موٹے جرائم اور دنگے فساد سے اپنی زندگی کی ابتدا کر کے ان کی دہقانی مردانہ انا کو بڑی تسکین ملتی ہے کہ دولت کی ریل پیل سے جگمگاتے ہوئے اس شہر کے کچھ باسیوں پر ان کی دھونس چلنے لگی ہے۔ اُسی سرکشی کو مہمیز دے کر مُرانے گھاگ اپنی بُنیادوں کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر جوشِ وفاداری میں مُبتلا ہر نوجوان کو ایک دن یک بیک احساس ہوتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا سنگین جُرم سرزد ہو چکا ہے کہ اپنے آقاؤں کی بھرپور سرپرستی کے بغیر وہ ایک دن بھی قانون کے چُنگل سے بچا نہ سکے گا۔ اسے لمبی سزا ہو جائے گی یا وہ پھانسی کے تختے پر پہنچ جائے گا۔ اُسی دن زیرِ زمین دنیا کو ایک نیا اور پُرجوش کارکن میسّر آ جاتا ہے۔"

"تم واقعی سچ کہہ رہے ہو۔ کراچی آنے والا ہر دیہاتی اس شہر کے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے مقابلے میں بُزدل سمجھتا ہے اور اپنی واپسی پر اپنی محرومیوں کے درمیان بڑے فخر سے اپنی دادا گیری اور قوت کے قصّے جوڑتا چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگ فطری طور پر ان ہی پیشوں اور کاموں کا رُخ کرتے ہیں جہاں اُن کی انا کو تسکین مل سکے..."

اسی لمحے میرے ڈائریکٹ فون کا بزر بول اُٹھا اور سلطان شاہ مشینی انداز میں خاموش ہو گیا۔ ان دونوں ڈائریکٹ لائنوں کے نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں درج نہیں تھے۔ ان نمبروں پر شاذ و نادر ہی باہر سے کوئی صحیح یا غلط کال آتی تھی ورنہ وہ باہر فون کرنے کے کام آتے تھے۔ اس لیے تین بج کر دس منٹ پر بجنے والی وہ گھنٹی میرے لیے اہم اور معنی خیز تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ میں بھی الٹرومنٹ کو گھورنے لگا جیسے باہر سے آنے والی کال کا اشارہ موصول کر کے اُس نے کسی گستاخی کا ارتکاب کیا ہو۔

دوسری گھنٹی بجنے پر مَیں نے ریسیور کریڈل سے اُٹھا لیا۔

"ریگاٹا فورا!" ریسیور اُٹھاتے ہی غیر ملکی لب و لہجے میں ڈان ہتھری کی سپاٹ اور مشینی آواز میرے کانوں میں گونجی، اور مَیں اپنی کرسی میں پہلو بدل کر رہ گیا۔

"ریگاٹا فورا!" مَیں نے باہمی شناخت کے طے شدہ طریقۂ کار کے تحت اپنا کوڈ دُہرایا اور ڈان ہتھری کے پیغام کے انتظار میں خاموش ہو گیا۔

"شام بخیر ڈینی!" اُس نے گفتگو کی ابتدا نہایت خوشگوار انداز میں کی تھی۔ "تمھارے ہاں شام ہو چلی ہے مگر یورپ میں چمکیلی صبح کا آغاز ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے پیغام کے مطابق تم بر وقت اپنے دفتر میں موجود ہو۔"

"صبح بخیر ڈان! شناخت دُہرانے سے قبل خیر مقدمی کلمات کا ادا کرنا ضابطے سے انحراف ہوتا اس لیے مَیں معذرت چاہتا ہوں۔"

"کسی معذرت کی ضرورت نہیں!" وہ مافیا کا ڈان تھا اور یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تحکّم اس کے لہجے کا پیدائشی عنصر رہا ہو۔ "چیف کو خبر کر دو کہ اب اُس کے لیے میدان صاف ہو چکا ہے۔"

"کوشش کروں گا کیونکہ وہ پوری طرح زیرِ زمین چلا گیا ہے مجھے اُس سے رابطہ قائم کرنے کے کسی ذریعے کا علم نہیں۔ وہ خود ہی کوشش کرے گا تو بتا دوں گا۔"

"ہربرٹ کاراویلی کا انجام تمھیں معلوم ہو گیا ہو گا؟"

"اُسے راستے میں بُری طرح زخمی کر دیا گیا تھا۔ اب تک شاید وہ جرمنی واپس لوٹ چکا ہو۔" مَیں نے اپنی تازہ ترین معلومات سے گویا اُسے آگاہ کیا۔

"اُس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گیا۔ جرمنی میں چیف کے ہم شکل کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بدل دی گئی ہے۔ سرکاری ریکارڈ میں اُسے مُردہ قرار دیا گیا ہے۔ لاش کے دانت توڑ کر کاغذی شناخت کی کارروائی مکمل کرا لی گئی ہے۔ اب تمھارا چیف ایک آزاد پرندہ ہے۔"

"لیکن یہاں ہربرٹ پر وار کرنے والے کون لوگ تھے؟" مَیں نے ڈرتے ڈرتے ڈان سے وہ سوال کر ہی ڈالا جو ابتدا سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ "ہم لوگ لاعلم ہیں اور چیف مُلک کے انتہائی شمال میں کہیں روپوش ہے پھر ہمارا یہ خود رو ہمدرد کون تھا؟"

نہ اُس نے میری لاعلمی پر حیرت کا اظہار کیا اور نہ میرے سوال پر ناراض ہوا بلکہ اسی پُرسکون آواز میں بولا۔ "مدر مافیا اپنے یونٹوں سے بلاوجہ خراج نہیں لیتی بلکہ اس قسم کے ناگہانی اور بین الاقوامی خطرات سے تحفّظ بھی فراہم کرتی ہے۔ تمھارے شہر میں تمھارے تحفّظ کے لیے مدر مافیا کا ایک بہت مختصر اور منظّم یونٹ موجود ہے جو صرف مجھ سے ہدایات لیتا ہے ورنہ خود مختار ہے۔ وہ لوگ صرف تم پر نگاہ رکھتے ہیں اور ضرورت پیش آنے پر تمھیں تحفّظ دیتے ہیں۔ ہربرٹ کاراویلی شروع سے ان کی نظروں میں تھا۔ اس کے تربیت یافتہ کتّے کو بھی اسی یونٹ نے ٹھکانے لگایا ہے لیکن وہ لوگ ابھی تک ویرا کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ ہوٹل شیراٹن میں ابتدائی چیک اِن کے بعد لاپتا ہو گئی ہے۔"

"مجھ سے اُس کی جھڑپ ہو چکی ہے۔" مَیں نے اُسے وہ اطلاع دیتے ہوئے اپنے اندر اطمینا[illegible] ہر دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ "مَیں نے شاید اُسے زخمی بھی کر دیا ہے۔"

"گڈ! تم بہت اچھے جا رہے ہو۔ یہ دھیان رکھنا کہ اس کے ساتھ اس کا اطالوی ہمراز بھی ہے جو انطونیو کے نام سے لائسنس رکھتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ وہ آج صبح جہنم واصل کیا جا چکا ہے۔ ویرا کے ستارے اچھے تھے کہ وہ میرے جال سے صاف بچ نکلی ورنہ آج اُس کی باری بھی آ گئی تھی۔"

"تم تو میری توقعات سے بھی آگے جا رہے ہو۔" میرے کانوں نے پہلی بار ڈان ہتھری کی آواز میں حیرت کا عنصر محسوس کیا لیکن [illegible] کے اگلے ہی سوال نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر کے [illegible] جوشی پر اوس ڈال دی۔ "تم ویرا کو دانستہ ڈھیل نہیں دے رہے؟" اُس نے قدرے توقف کے بعد سرسری لہجے میں وہ سوال کیا تھا جس کا جواب خود اسی سوال میں مضمر تھا۔

میرا خیال تھا کہ میرے اور ویرا کے دوستانہ یا مخالفانہ مراسم میں وضع داری صرف ہم دونوں کے درمیان تھی جس سے کسی تیسرے فرد کے واقف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن ڈان ہتھری روحوں اور ذہنوں میں اتر جانے والی ماورائی طاقتوں کا مالک محسوس ہو رہا تھا... جو میرے اور ویرا کے دلوں میں پروان چڑھنے والی باہمی رواداری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تھا۔

"اسے ڈھیل دے کر مَیں اپنی موت کو دعوت دوں گا؟" مَیں

نے بلاتوقف سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم دونوں کی راہیں اور مقاصد متضاد ہیں۔ نہ وہ مجھ سے کوئی رعایت کرے گی اور نہ میں اسے ڈھیل دے سکتا ہوں۔ بات صرف موقع ملنے کی ہے جسے موقع مل گیا وہ پہل کر گزرے گا۔"

"تم دونوں کے بارے میں یورپ میں کچھ رومان آمیز کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ ویرا تمھاری خاطر کچھ عرصے تک اپنے باپ سے باغی رہی ہے۔"

"وہ ایک رنگین مزاج لڑکی ہے، جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر میرے دل میں اس کے لیے ذرا بھی جگہ ہوتی تو میں اس کے لوگوں کو چھوڑ کر تم سے نہ آملتا۔ میرے لیے شی میں بہت سی رعایتیں میری منتظر تھیں جن میں سے ایک ویرا کا قرب بھی ہو سکتا تھا مگر تم جانتے ہو کہ میں نے بلاآخر ڈان سب کو ٹھکرا دیا لیکن اس مرحلے پر جب میں بیورو چیف بنا بیٹھا ہوں، تمھارا یہ سوال مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔"

ریسیور پر ایک دبی دبی پھنکار سنائی دی۔ یوں معلوم ہوا جیسے پتھر سے تراشا گیا ڈان تھری بے ساختہ ہنس پڑا ہو پھر اس کی آواز ابھری "مافیا حرکت اور تحریک کا نام ہے ڈینی! یہاں عہدے مل کر خود بخود برقرار نہیں رہتے بلکہ ہر وقت کارکردگی پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جائز رعایتوں کے ساتھ ہر شخص کو اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے ہر وقت جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور تم بھی انھی میں شامل ہو۔"

"میں اپنے تبصرے پر معافی چاہتا ہوں ڈان!" میں نے کہا۔

"معافی چاہنے کے بجائے کوشش یہ کیا کرو کہ تم ایسی کسی حرکت کے مرتکب ہی نہ ہو جس پر بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہو گیا۔ "مجھے معذرت چاہنے والوں سے چڑ ہے۔ تمھیں جو کہنا تھا وہ تم کہہ گزرے۔ اب اس پر شرمندہ کیوں ہوتے ہو؟ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ اس کرۂ ارض پر پیدا ہونے والی ہر آواز ہوا کی لہروں کے مخصوص ارتعاش کی صورت میں صدیوں برقرار رہتی ہے۔ اس دور کے محقق نپولین، ہٹلر، رومیل اور نہ جانے کن کن لوگوں کی آوازیں سن چکے ہیں۔ جملے اور آوازیں پتھر کی لکیریں ہوتی ہیں، پنسل کی نہیں جنھیں ربر سے مٹایا جا سکے۔ اس لیے تول کر بولا کرو اور جب بول ہی پڑو تو اپنے الفاظ پر کبھی معذرت نہ کرو بلکہ پوری محنت اور کوشش سے اپنے الفاظ کی صداقت کو ثابت کرنے پر تل جاؤ۔ ایسے ہی لوگ تاریخ میں بڑے آدمی کہلاتے ہیں اور لوگ ان کے کہے ہوئے کو مثال اور معیار بنا کر دہراتے رہتے ہیں۔ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والے زندگی بھر مجبور، محکوم اور ناکام رہتے ہیں۔"

"میں تم سے بہت جلد بہت کچھ سیکھ لوں گا ڈان! کاش مجھے تمھاری رہنمائی میں کام کرنے کا موقع ملتا رہے۔" میں نے سپاس گزار لہجے میں کہا۔

"میرے اور تمھارے درمیان چیف حائل ہے۔" اس کے لہجے سے یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ صرف حقیقت بیان کر رہا تھا یا مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کے خلاف اکسا رہا تھا۔ "مقدر نے تمھیں چند روز کی خود مختاری دے دی اس لیے آج تم مجھ سے ہم کلام ہو ورنہ ہم پروٹوکول کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ڈسپلن اور وفاداری ہماری بنیاد کے دو پتھر ہیں۔ تم ان کی آبیاری کرتے رہے تو جلد ہی میرے اور تمھارے درمیان موجود فاصلہ ختم ہو سکتا ہے ویسے بھی تم نے بہت اوپر سے ابتدا کی ہے اگر تم پاکستان سے شی کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم کو تمھارے تصور سے زیادہ سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔"

"شی تو میرا ذاتی معاملہ بھی ہے — ویرا زخمی کر دی گئی الطونیو مار ڈالا گیا اور شی کے لیے کام کرنے والوں کی بھاری نفری سمیت ان کا سربراہ بھی مارا جا چکا ہے۔ شی کا شیرازہ بس اب بکھرنے ہی والا ہے جس دن ویرا زد میں آگئی وہی پاکستان میں شی کا آخری دن ہو گا۔"

"جمی لائیڈ کو خبر مل چکی ہے کہ تم اس سے ٹوٹ کر ہم سے مل گئے ہو۔ اس نے تمھارے معاملے پر احتجاج کرنے کے لیے سپر ڈان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔" وہ خبر میرے لیے سنسنی خیز تھی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جمی لائیڈ کا قصہ ہی ختم کر دیا جائے؟"

"ایسا نہیں ہوا کرتا۔ ہم سب ایک دوسرے کے بڑوں کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ دشمنی اپنی جگہ چلتی رہتی ہے لیکن جب کوئی طے شدہ ملاقات ہوتی ہے تو مہمان داری کے اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔ مافیا صدیوں سے ان روایات کی امین چلی آرہی ہے۔ ہم اس سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ملاقات طے ہو گئی تو جمی لائیڈ اپنے چہرے پر نقاب پہن کر آئے گا اور تم یقین نہیں کرو گے کہ اپنے تجسس کے باوجود میزبانوں میں سے کوئی بھی اس کا اصل چہرہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"اس کا اصل روپ تمھارے لیے تو اتنا پُر تجسس نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے رائے زنی کی۔

"کیا تم مجھے عام لوگوں میں شامل نہیں سمجھتے؟" اس نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"قطعی نہیں۔ جب مجھے معلوم ہے تو یہ بات تم سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے کہ کنگ لائنز کا مالک اور جہازرانی کی صنعت کا بے تاج بادشاہ جمی لائیڈ ہی شی کا سربراہ ہے۔"

"سنا میں نے بھی ہے۔" اس کی آواز کسی بھی قسم کے جوش سے عاری تھی۔ "لیکن دونوں کے معاشی رتبے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ کنگ لائنز کے سربراہ کو دیکھنے کے دعوے دار بھی مشکل ہی سے مل سکیں گے۔ اخبارات میں آئے دن اس کے بیانات آتے ہیں۔ اس کی نجی زندگی کے بارے میں میگزین اور اخبار خبریں اور فیچرز چھاپتے ہیں لیکن وہ خود اخباری نمائندوں اور کیمروں کے سامنے نہیں آتا۔ اس کی ان حرکتوں نے اس کی بے اندازہ دولت سے مل کر اسے جدید دنیا کا ایک افسانوی کردار بنا دیا ہے۔"

"حالانکہ ان دونوں کے درمیان اس کا ایک روپ بہت مکروہ و گھناؤنا بھی ہے۔" اس موضوع پر میں ڈان کو اپنی معلومات سے مرعوب کر کے خوشی محسوس کر رہا تھا۔

"وہ کیا؟" میرے خاموش ہونے پر اس نے وہی سوال کیا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

"روم میں وہ اسی دوران میں ڈان مریانو کے روپ میں رہتا رہا ہے ...."

"ڈان مریانو!" گفتگو کے دوران اس پر دوسری مرتبہ حیرت کا حملہ ہوا اور اس نے وہ نام دہراتے ہوئے میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔ "عورتوں کا وہ دلال تو ایک زمانے میں روم کے امرا اور رؤسا کی آنکھوں کا تارا بنا رہا ہے۔ میں خود کئی پارٹیوں میں اس سے ملا ہوں۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ڈان مریانو ہی جمی لائیڈ ہے؟ میں نہیں مان سکتا کہ اس مرتبے کا آدمی روم میں اتنے گھٹیا پیشے سے منسلک رہا ہو۔ پھر تم کس دور کی بات کر رہے ہو؟"

"اس کے تینوں روپ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ شی کے قدم جم چکے تھے، کنگ لائنز اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی تھی اور وہ ڈان مریانو کے روپ میں روم میں اپنی بیٹی ویرا کو ایک کامیاب سوسائٹی گرل بننے کی تربیت دے رہا تھا۔ اس نے ویرا کے ذہن سے یہ خیال کھرچ پھینکنے کے لیے بڑی محنت کی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"

"لیکن ویرا تو ایک مدت تک یورپ میں بلبلاتی پھری ہے کہ وہ اپنے باپ کی صورت دیکھنے کو بھی ترسی ہوئی ہے پھر وہ کیا معما تھا؟" ڈان تھری کے ظاہری سخت خول پر فطری تجسس غالب آگیا تھا۔

"پاکستان کے ایک صوبائی دارالحکومت لاہور میں لائیڈز کاٹیج کے نام سے ایک پُرشکوہ اور قلعہ نما عمارت میں شی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں ایک تہ خانے میں ویرا نے میرے ساتھ پہلی بار جمی لائیڈ کی ایک آدم قد قلمی تصویر دیکھ کر اسے پہچانا تھا۔ وہ نادیدہ جمی لائیڈ کو اپنا باپ کہتی تھی مگر اس تصویر کو اس نے ڈان مریانو کی حیثیت سے پہچان کر غصے میں اس تصویر کے چیتھڑے اڑا دیے۔ اسی کی زبان سے مجھے ڈان مریانو کی کہانی کا علم ہوا پھر کنگ لائنز سے خریدے ہوئے ایک سالخوردہ جہاز میں سفر کے دوران کپتان کے متروکہ کیبن میں وہی تصویر جہازراں کمپنی کے مالک کی تصویر کی حیثیت میں نظر آئی۔ یوں مجھے علم ہو گیا کہ وہ تینوں ایک ہی شخصیت کے روپ تھے۔"

"میں دیکھوں گا کہ ڈان مریانو اب کہاں ہے۔ وہ تو سارا وقت روم کی طوائفوں کی دلالی کرتا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسا کند ذہن، غبی اور کاہل شخص شی یا کنگ لائنز کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں تمھاری معلومات واقعی قابلِ رشک ہیں۔"

"جب سے ویرا اس راز سے آگاہ ہوئی ہے، میری معلومات کے مطابق ڈان مریانو غائب ہو گیا ہے۔ اب شاید ہی کبھی جمی لائیڈ کو اس روپ میں دیکھا جا سکے۔"

"جو کچھ تم نے بتایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ کسی پیچیدہ نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے اور کسی ذہنی گرہ سے مجبور ہو کر ہی ڈان مریانو والی حرکتیں کرتا پھرتا تھا ورنہ کنگ لائنز کے مالک کی حیثیت سے وہ دلال تو در کنار، مہینوں کے لیے روم کی ساری طوائفوں کو خرید لینے کی حیثیت رکھتا تھا۔"

"پستہ قد شاہ فاروق کو کیا حاصل نہیں تھا؟ مگر وہ پھر بھی چوریاں کرتا تھا۔ جبلت کا حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شاید تمھارا قیاس درست ہے۔"

"ذرا ایک بات یاد رکھنا۔ سپر ڈان اور جمی لائیڈ کی ملاقات میں اگر ضرورت پیش آئی تو تمھیں چند روز کے لیے یورپ کے کسی صحت افزا مقام پر بلایا جائے گا تاکہ ان دونوں کے سامنے تم کسی جبر اور دباؤ کے بغیر شی یا مافیا میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکو۔ اس بارے میں ہماری جانب سے تم پر کوئی جبر یا دباؤ نہیں ہو گا۔ اسی طرح اس تنازعے کو ختم کیا جا سکے گا۔"

وہ بات سن کر میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا۔ ڈان تھری نے اس کے فوراً بعد ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی ساری تمہیدی گفتگو کی طوالت صرف اسی آخری اطلاع کے لیے تھی۔ کسی نہ کسی وجہ سے شی اور مافیا دونوں ہی کے لیے میری ذات غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکی تھی اور فیصلہ

کرنے کے لیے دونوں طرف کے بڑوں کے درمیان میری موجودگی ضروری سمجھی جارہی تھی مگر ڈان تھری اس بات کی اصل اہمیت ظاہر کیے بغیر مجھے متوقع طلبی سے مطلع کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے اس نے کئی منٹ تک ادھر اُدھر گھمانے کے بعد بالکل آخر میں سرسری انداز میں وہ خبر دی تھی۔

لیکن میرے لیے وہ خوشی کا مقام نہیں تھا اس اطلاع نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک طرف سیٹھ حبیب جیوانی کے معاملے میں مدر مافیا والوں نے اتنی سرگرمی دکھائی تھی کہ جرمنی جیسے سخت گیر ملک میں قانون کا توڑ کرنے کے لیے سیٹھ حبیب جیوانی کے ہم شکل کی لاش کے دانت توڑ کر سرکاری ریکارڈ میں مافیا کے پاکستانی بیورو چیف کو مُردہ قرار دلوا دیا تھا اور دوسری طرف ہربرٹ کار اویلی کو زخمی کر کے فوری طور پر میدان سے نکال باہر کیا تھا تاکہ میں فوری طور پر بیورو چیف کی ذمے داریوں سے سبکدوش ہو سکوں۔ ایک بار سیٹھ حبیب جیوانی بے خوف و خطر اپنی کمین گاہ سے نکل آتا تو مافیا کے روزمرہ معاملات میں میری اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی۔ ایسی صورت میں سپر ڈان مافیا کی سرگرمیوں میں کسی رکاوٹ کا خطرہ مول لیے بغیر مجھے یورپ بلوا سکتا تھا۔

وہاں تک تو معاملہ سیدھا اور قابلِ فہم تھا۔ جو بات میری سمجھ سے بالاتر ثابت ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ یک بیک میری ذات سٹی اور مافیا کے لیے اتنی اہم کیوں ہو گئی تھی کہ دونوں سربراہ میری خاطر یوں سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سٹی اور مافیا، دونوں کے مقاصد ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف تھے۔ سٹی یورپ اور امریکا سے ہیروئن کا وجود ختم کرنے کے خفیہ سرکاری مشن پر کام کر رہی تھی۔ وہ مشرق میں ہیروئن کو اس قدر مقبول کرنا چاہ رہے تھے کہ وہاں پیدا ہونے والی ہیروئن مقامی طلب سے بچ ہی نہ سکے۔ دوسری طرف مافیا ہیروئن کی سو فیصد پیداوار پر قابض ہو کر اسے یورپ اور امریکا کی زرخیز عالمی منڈیوں میں کیش کر رہی تھی۔ ان دونوں میں کھلے کھلے باہمی تصادم کے باوجود سرد جنگ جاری تھی اور دونوں ہی پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر کبھی ایک دوسرے سے متحارب نہیں ہوئے تھے لیکن متحارب نہ ہونا اور آپس میں مل بیٹھنا بھی دو متضاد صورتیں تھیں جو حریف برسوں میں کبھی یکجا نہیں ہوئے تھے، میری وجہ سے کیوں مل بیٹھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے بھی وہ بہت بڑا سوالیہ نشان تھا...

لیکن میں اس موضوع پر ٹریڈ لائن کی چھت کے نیچے زیادہ تفصیلی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے پرائیویسی لائٹ آف کر کے سینڈو کو طلب کیا تو اس نے مجھے مطلع کیا کہ ڈی ایس پی اپنے محرر اور متعلقہ رجسٹروں سمیت اس کے دفتر میں حامد کے ساتھ مصروف تھا تاکہ ایک گھنٹے کی مہلت ختم ہونے سے پہلے میری کار کی چوری کی ایف آئی آر جاری کر سکے۔

"چوری کے وقت گاڑی کس کی تحویل میں ظاہر کی گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"حامد کی تحویل میں دفتر کے باہر موجود تھی کیونکہ وہ ڈی ایس پی اسی علاقے کی ایف آئی آر جاری کرنے کا مجاز ہے۔ چوری کا وقت کل رات دس اور گیارہ بجے کے درمیان درج کرایا گیا ہے۔ اس نے چند موٹی موٹی باتیں معلوم کی ہیں، باقی خانہ پُری خود کر لی ہے۔"

"اب میرے لیے دوسری گاڑی کون سی ہے؟"

"ایک کرولا موجود ہے۔ صاف ستھری لوڈڈ گاڑی ہے۔ وہی نکلوائے دیتا ہوں۔" اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "اس کا رجسٹریشن بھی فرم کے نام ہے۔"

"تیل پانی چیک کروا کے جلدی نکلواؤ۔ مجھے فوراً واپس لوٹنا ہے اور ہاں! سرخ گاڑی کی تباہی کی خبر ملتے ہی انشورنس کلیم داخل کر دینا۔"

وہ سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد اس نے انٹرکام پر گاڑی تیار ہونے کی اطلاع دی اور میں دفتر سے اٹھ کر چل دیا۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں ایگل چیف کے نمک خواروں کی فہرست ساتھ لینا نہیں بھولا تھا کیونکہ میں مافیا میں رہتا یا نہ رہتا، وہ فہرست ہمیشہ میرے کام آ سکتی تھی جو سینڈو نے فرمانبرداری کے ساتھ میرے حوالے کر دی تھی۔ مجھے خلش اس بات کی تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی ذمے داریوں کا چارج میرے حوالے کرتے ہوئے اس اہم فہرست کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا، جو مافیا چیف کے فرائض کی بجا آوری میں کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ میں اس وقت ذہنی تذبذب کے عالم میں ضرور تھا لیکن دل ہی دل میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ اگر مجھے مافیا والوں کی نیت میں ذرا بھی فتور نظر آ گیا تو میں فوری طور پر ان کے خلاف محاذ کھول دوں گا۔

سینڈو ریسیپشن ہال میں میرا منتظر تھا۔ میں راستے میں ملنے والے ملازمین کے پھرتیلے سلام قبول کرتا ہوا اس کی رہنمائی میں باہر نکلا تو فرم کے باوردی ڈرائیور نے احترام کے ساتھ سفید کرولا کا عقبی دروازہ میرے لیے کھول دیا اور میں بے نیازی کے ساتھ عقبی نشست میں دھنس گیا۔

کار کا انجن چل رہا تھا اور ائرکنڈیشنر بھی آن تھا۔ جس کی وجہ سے گاڑی ٹھنڈی ہونی شروع ہو گئی تھی میرے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ نے پیشہ ورانہ انداز میں ڈرائیونگ

...سنبھال لی اور میں کسی جیتے ہوئے جواری کی طرح سینڈو ...ہاتھ ہلا کر سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ...ان مصروف کاروباری اوقات میں بولٹن سے ٹاور ...کی سڑک بسوں، گاڑیوں، رکشاؤں، ہاتھ گاڑیوں اور ...سائیکلوں کے ہجوم کی وجہ سے تقریباً بند محسوس ہو رہی ...فضا میں پھیلے ہوئے کثیف دھوئیں میں انجنوں اور ہارنوں ...پریشان کیے دے رہا تھا لیکن وہاں سے نکلنے کا کوئی ...راستہ موجود نہیں تھا اس لیے ہماری گاڑی بھی اُسی ...میں پھنسی ہوئی آہستہ آہستہ آگے رینگتی رہی۔

"چندریگر روڈ پر موڑنے کے بجائے سیدھے پُل کی طرف ...لینا۔" میں نے بے زاری کے عالم میں کہا۔ "اس وقت ...روڈ ہی بہتر رہے گا۔ تھوڑی دور چل کر گاڑی کہیں روک ...کہیں بھی آگے آ جاؤں۔"

"آرام سے پیچھے ہی بیٹھے رہو مگر بولتے رہو۔" وہ ونڈ شیلڈ ...لگے ہوئے عقب نما آئینے میں میرا عکس دیکھتے ہوئے بولا۔ ...بارے میں ہونے والی سہ فریقی کانفرنس نے مجھے چکرا ...رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کو تمہاری وجہ سے حکومتوں میں ...ٹھن جائیں۔"

"یہ تیسرا فریق کہاں سے پیدا کر لیا تم نے؟" میں نے ماحول ...کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے تمسخر آمیز لہجے میں اس سے ...سوال کیا۔

"وہ کافی عرصے پہلے پیدا ہو چکا ہے۔ شبہ ہو تو آئینے میں ...صورت دیکھ لو۔" ٹریڈ لائن کے دفتر سے باہر آ کر وہ بھی موڈ ...آ گیا تھا۔ "سٹی اور مافیا کے درمیان تیسرے فریق تم خود ...ہو گئے۔"

"فریق برابر کے لوگ بنتے ہیں میرا شمار تو شاید وعدہ معاف ...میں کیا جائے گا۔ سپر ڈان شاید میری زبان سے جمی لائیڈ کو میرا ...بیان سنوانا چاہتا ہے کہ میں کسی جبر و تشدد اور نفع یا لالچ ...بغیر رضاکارانہ طور پر سٹی کو لات مار کر مافیا میں شامل ہوا ہوں۔"

"ان کا خیال مختلف ہے۔" وہ ٹریفک پر نگاہ رکھتے ...سنجیدگی سے بولا۔ "تمہارے انتہائی اقدام کے بعد جمی لائیڈ ...مایوس ہو چکا ہے اب تو ایک ہی بات رہ گئی ہے کہ وہ ...نظر رکھ کر تم کو خود اپنی زبان سے اپنی فرزندی میں لینے کی ...خواہش کا اظہار کرے۔ وہ ایک بڑا گروہ بنا ہوا ہے اس ...نے سپر ڈان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہو گی کہ جو شخص ...اس کے مفادات کے خلاف کام کرتا رہا ہو وہ مافیا میں ...ہو کر اس کی جڑیں کاٹنے سے کیسے باز رہ سکے گا۔ وہاں

انگریزی سکھانے والی بہترین کتابیں

دونوں طرف سے تم پر بے رحمانہ جرح ہو گی اور جرائم پیشہ تنظیموں کے باہمی اور عالمی مفادات کے تحفظ کے لیے تمہاری بھینٹ چڑھا دی جائے گی۔"

"کم ازکم مافیا والوں کو مجھے مارنے کے لیے اتنا لمبا کھڑاگ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دھوکے سے کسی بھی وقت مجھے یہیں مار سکتے ہیں۔"

"تم جتنی تیزی سے ان میں شامل ہوئے ہو، اتنی ہی تیزی کے ساتھ عالم فانی کی طرف روانہ کر دیے جاؤ تو مافیا کے دوسرے کارندوں کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی؟ وہ سب مافیا سے بدظن ہو جائیں گے کہ ایک دن ان کا انجام بھی تم جیسا ہو سکتا ہے پھر اتمام حجت بھی کوئی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سپر ڈان تم کو تمہارے جانی دشمن کے سامنے بٹھا کر تمہارے کردار کے بارے میں اپنی کوئی رائے قائم کرنا چاہتا ہو۔ تم اس کے معیار اور توقعات پر پورے اترے تو زندہ رہو گے۔ ورنہ وہیں کہیں دفن کر دیے جاؤ گے۔"

"تمہاری آخری بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن یہ امکان بھی خطرے سے خالی نہیں۔ ایک بار وہاں پہنچنے کے بعد تو میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔ سارے فیصلے ان ہی لوگوں کی صوابدید پر منحصر ہوں گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں ویرا سے کچھ معلوم ہو سکے۔ میں گھر پہنچ کر اس سے ٹرانسمیٹر پر بات کروں گا۔"

واقعات اتنی تیزی کے ساتھ اور کچھ اس انداز میں رونما ہو رہے تھے کہ سلمٰی سمیت کوئی بھی کسی بات سے بے خبر نہیں تھا اس لیے رازداری برقرار رکھنے کی مزید کوششیں ہم چاروں کے درمیان بدگمانیوں کو جنم دے سکتی تھیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس نازک موڑ پر مافیا اور ڈینی کے علاوہ باقی ہر موضوع پر مشترکہ تبادلۂ خیال کروں گا تاکہ کوئی بہتر حل سامنے آ سکے۔

منہ ہاتھ دھو کر ہم دونوں کھانے کی میز پر پہنچے تو سلمٰی میز تیار کیے، جہانگیر کے ساتھ ہماری منتظر تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کا ذہن خالی نہیں تھا۔

"آج تمہاری گاڑی بدل گئی ہے؟" سلمٰی نے کھانے کا آغاز ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"اللہ کی دین ہے... میرے لاکھوں ڈالر تمہارے پاس رکھے ہوئے ہیں اور غیب سے آمدنی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "روٹی اور مکان تم نے فراہم کیا ہوا ہے کپڑے کچھ اپنے ہیں، باقی جہانگیر کے کام آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہیے؟"

"سارا دن کہاں گزار کر آئے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔ "مجھے اب یہ نہ بتانا کہ تم نے کہیں نوکری کر لی ہے۔ تم دس منٹ میں واپسی کا وعدہ کر کے گئے تھے۔"

"نوکری تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں یہ اور بات ہے کہ نوکری کے بجائے ایسی افسری ملی ہے کہ اوپر کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔"

"کامران کو تم نے کہاں چھوڑا ہے؟" جہانگیر نے اچانک وہ سوال کر دیا جو میرے لیے اندوہناک تھا۔ غزالہ پر میرا غصہ اپنی جگہ پر تھا مگر میں کامران جیسے مظلوم اور معصوم شخص کی بے رحمانہ موت کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے لقمہ اپنے حلق میں پھنستا ہوا محسوس ہونے لگا اور چند ثانیوں تک ہم دونوں میں سے کوئی بھی جہانگیر کے سوال کا جواب دینے کی ہمت نہ کر سکا۔

"اسے ویرا نے قتل کر دیا!" میں نے سوگوار لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہوا ہمارے سامنے ہوا لیکن ہم اس قدر بے بس تھے کہ اسے بچانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ کامران کے بدن کے ساتھ ہی کار کے بہتیرے حصوں کے چیتھڑے اڑ گئے اور ہم وہاں رک بھی نہ سکے۔"

"تو کیا بم پھینکا گیا تھا اس پر؟" جہانگیر نے حیرت سے سوال کیا۔ "وہ تو تمہاری کار میں تھا نا؟"

"میری ہی کار میں تھا۔ کار اسی کے ساتھ تباہ ہوئی ہے جس کی وجہ سے مجھے دفتر سے دوسری کار لینا پڑی ہے۔ ہوا کیا تھا، یہ تم سلطان شاہ سے سن لو۔ اس بدنصیب نے جتنے باوقار انداز میں موت کو گلے سے لگایا ہے۔ اس کا تصور مجھے آبدیدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔" میری آواز واقعی بوجھل ہو گئی۔

میز کی فضا یک لخت اداس اور بوجھل ہو گئی۔ سلطان نے کامران کی موت کا واقعہ دہرانا شروع کیا تو سلمٰی کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔ اس نے چند گھنٹے پہلے ہی کامران کو زندہ اور چاق و چوبند دیکھا تھا۔ وہ اس کے ماضی سے بھی اچھی طرح واقف تھی، اس لیے اس کا دل گرفتہ ہونا فطری امر تھا۔

کامران کے لیے ہم چاروں ہی افسردہ تھے۔ ہم تینوں ویرا کے انتقامی اور انتہا پسند مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے ویرا کے وحشیانہ حربے کے بارے میں کوئی خاص تعجب نہ تھا لیکن سلمٰی کے لیے وہ ایک انوکھا کتابی واقعہ تھا۔ جسم پر بندھی ہوئی بارودی جیکٹ کو ریموٹ کنٹرول سے اڑانے کا واقعہ اس کے لیے فلمی منظر تو ہو سکتا تھا مگر حقیقی زندگی کا واقعہ نہیں۔ وہ روشن خیال اور تعلیم یافتہ تھی پھر بھی اس نے جی بھر کے ویرا کو بری طرح کوسا اور اسی دوران ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔

اس سے آگے غزالہ اور ویرا کے ساتھ آنکھ مچولی کی کہانی میں نے سنائی لیکن ان پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ کسی مرحلے پر ویرا میری زد میں آ گئی تھی مگر میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔" سلمٰی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ویسے ویرا تمہارے خون کی پیاسی بنی پھرتی ہے۔ تمہارے گھر کو ملبے کا ڈھیر بنانے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن عجیب بات ہے کہ تم کو کامران کے ساتھ جان سے مارنے کا موقع ملا تو تمہیں وارننگ دے کر ... بہ نصیب سے دور بھگا دیا۔ دوسری طرف غزالہ بیگم اور تم ایک دوسرے کے لیے بیسویں صدی کے لیلیٰ مجنوں بنے ہوئے ہو لیکن غزالہ، سلطان شاہ سے ملی تو اسے پہچانے بغیر اپنا اتوپتہ دے کر غائب ہو گئی۔ میں نے تو آج تک ایسی دشمنی دیکھی اور نہ دوستی۔ پتا نہیں کہ ان دونوں عورتوں سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"ویرا کی حرکت تو پھر بھی قابل فہم ہے۔" جہانگیر نے میرا ساتھ دینا چاہا۔ "اس نے ڈینی سے دو معاہدے کیے تھے۔ اول یہ کہ اگر ڈینی جاز فارماسیوٹیکل کو نہیں چھیڑے گا تو وہ ہم دونوں کو تنگ نہیں کرے گی۔ اس نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا کیا ہے ورنہ روزانہ اس کے آدمی ہمارے گھر پر دو چار راؤنڈ فائر کر کے ہماری زندگی اجیرن بنا سکتے تھے۔ اس کا دوسرا وعدہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس نے ڈینی سے کہا تھا کہ ان دونوں کا جب بھی سامنا ہو گا تو بالادست کو مغلوب فریق کو پہلی بار معاف کرنا ہو گا۔ اس نے اپنا قول پورا کیا ہے۔ اگلی بار اسے موقع ملا تو وہ ڈینی کو زندہ نہیں چھوڑے گی مگر ڈینی کو پہلی بار اس کا قرض ادا کرنا ہو گا البتہ غزالہ کا رویہ میرے لیے ناقابل فہم ہے، وہ مکان میں ویرا سے بچ کر فرار ہوئی تھی اگر بلیک اپ کی وجہ سے سلطان شاہ اسے نہیں پہچان سکا تو وہ تو سلطان کو اچھی طرح جانتی ہے، وہ اپنی شناخت کا ذرا سا بھی اشارہ دے دیتی تو اسے دشمنوں سے پناہ مل سکتی تھی۔"

"آج کے واقعے پر غزالہ سے میرا دل بھر گیا ہے۔" میں نے جھنجلا کے ساتھ کہا۔ "اگر وہ کبھی سامنے آ بھی گئی تو میرے لیے ایک اجنبی لڑکی ہو گی صرف دلدار آغا کی نوجوان بیوہ... اس سے آگے تعلقات رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ اس میں آجانے والی تبدیلیوں پر منحصر ہو گا۔"

"اسے اپنے بھائی کی موت کا علم ہو چکا ہے؟" سلمٰی نے سوال کیا۔

"کیسے ہوتا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔ "غزالہ، ویرا اور ڈینی تینوں ایک مکان کی چھت کے نیچے چکرا تے رہے لیکن کسی کی بھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ غزالہ ماسی کے روپ میں میرے پاس آئی تو میں بدقسمتی سے اسے پہچان ہی نہ سکا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے بجائے ڈینی سے ٹکرائی ہوتی تو یہ ضرور اسے پہچان لیتا اور بات وہیں ختم ہو جاتی۔"

"غزالہ تمہیں چوٹ دے گئی۔ اب تم کہیں اور اپنا دل لگانے کی تیاری کرو۔" سلمٰی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے زخموں پر نمک پاشی کا کوئی بھی موقع وہ ضائع نہیں کرتی تھی۔

"اسے تیاری کی کیا ضرورت ہے؟ تمہاری سہیلی، ریٹا خود ہی اس کی طرف آ رہی ہے۔ خاصی خوش مزاج عورت ہے۔ فی الحال اسی سے دل بہلا رہے گا۔" جہانگیر نے پھر میری طرف داری کی۔

"ریٹا کے بارے میں زبان کھولنے سے پہلے یہ بھی سوچ لو کہ تم خود شادی شدہ ہو۔" سلمٰی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "پرائی عورتوں پر نظر رکھنا بدترین گناہ ہوتا ہے۔"

"ریٹا کو بھی پرائے مردوں سے دور رہ کر گناہ سے بچنا

چاہیے۔" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "غزالہ کا قصہ تو ابھی تازہ ہے۔ اب سے پہلے ڈینی غزالہ کا مرد ہوا کرتا تھا۔"

"تم لوگ آپس میں نہ لڑو!" میں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس بارے میں مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں ایک سائے یا سراب کے پیچھے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔"

"شکر ہے کہ تمھیں جلد ہی خیال آ گیا۔" سلمیٰ برتن سمیٹتی ہوئی بولی۔ "غزالہ تو خیر سے ایک شادی کر کے بیوہ بھی ہو گئی اور تم ابھی تک کنوارے بیٹھے ہوئے ہو۔"

اس کا وہ فقرہ تیر کی طرح میرے دل میں لگا مگر میں نے زبان نہ کھولی۔ میں اُس وقت شکوہ کرتا تو سلمیٰ زیادہ سخت باتیں کہہ گزرتی جنھیں سہنا شاید میرے بس سے باہر ہوتا۔ وہ میرے نام سے وابستہ ہر عورت کی بدترین دشمن تھی اور ان میں غزالہ سرِفہرست تھی۔

وہ برتن سمیٹ کر چلی گئی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ جہانگیر نے بھانپ لیا تھا کہ سلمیٰ کے تند و تیز فقروں نے میرا موڈ خراب کر دیا تھا اس لیے وہ بھی زبان سے کچھ کہے بغیر ہمارے پیچھے لگا چلا آیا اور وہیں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔

اس وقت میری طبیعت اتنی مکدر ہو گئی تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اس گھر میں ٹھہرنا محال معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں دل پر جبر کر کے وہاں رُک گیا تو سلمیٰ کی ذرا سی بدزبانی پر اُس پر اسی بُری طرح اپنے دل کا غبار نکالوں گا کہ پھر مفاہمت کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جائے گی لیکن دوسری طرف یہ مشکل تھی کہ کسی بدمزگی کا اندازہ لگانے کے بعد جہانگیر کسی قیمت پر مجھے اپنے گھر سے نہ جانے دیتا اس لیے میں نے مصلحت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ خطرات سے محفوظ ہو چکے ہو!" میں نے سگریٹ سُلگانے کے بعد پُرسکون لہجے میں جہانگیر سے گفتگو کی ابتدا کی۔

"دیکھو ڈینی! تم سلمیٰ کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ وہ زبان کی بُری ضرور ہے لیکن دل کی بُری نہیں ہے اور تم کو بھائی کی طرح چاہتی ہے۔ تم کو اُس کی کسی بات کا بُرا نہیں منانا چاہیے۔ مجھے علم ہے کہ اس وقت سلمیٰ نے تمھارے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن اُس کی زبان پکڑنا میرے بس سے باہر تھا۔ . . ." اُس نے اپنی بیوی کی صفائی میں ایک لمبی تمہید باندھی مگر میں نے درمیان میں سے ہی اس کی بات کاٹ دی کیونکہ اس وقت میں اس موضوع کو طول نہیں دینا چاہتا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ سلمیٰ نے زیادتی ضرور کی ... میں اس کی نشتر زنی کا عادی ہو چکا ہوں۔" میں نے بھی ... بے جان مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرے لیے یہاں سے ... ضروری ہو گیا ہے۔"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے ڈینی! تمھارا چہرہ ... کھا رہا ہے کہ تم اندر ہی اندر کھول رہے ہو لیکن بظاہر ... کی کوشش کر رہے ہو۔ تمھارا یہاں سے جانا قطعی ضرو... نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی غلطی کا احساس ہونے پر ... ہونے سے پہلے ہی تم سے معافی مانگ لے۔ . . ."

"سلمیٰ کا نہیں، یہ غزالہ کا معاملہ ہے۔" میں نے تحمل ... کام لیتے ہوئے کہا۔ "سلمیٰ نے تو بہت بعد میں زبان کھولی ... میں فلیٹ میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر کے یہاں آیا تھا۔ وہ فلیٹ بھی تو تمھارا ہی ہے اس لیے مجھ سے ضد نہ کر... مجھے جانے دو۔"

"ابھی غزالہ کو سراب قرار دے رہے تھے اب اُس کا ... معاملہ پیدا ہو گیا؟"

"غصے میں آدمی کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن برسوں کی ریاضت کو یوں لمحوں میں خاک تو نہیں کیا جا سکتا۔" ... اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ غزالہ کا تمھارے منتقل ہونے ... کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" وہ میری کسی بات پر یقین کرنے ... آمادہ نہیں تھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ غزالہ نے سلطان شاہ کو جو رقعہ دیا اس پر تمھارے فلیٹ کا فون نمبر لکھا ہوا تھا جہاں سے ... کبھی کبھار اسے دلدار کے گھر فون کرتا رہتا تھا۔ میں غزالہ ... رگ رگ سے واقف ہوں۔ اس رقعے میں میرے لیے ... پوشیدہ ہے کہ میں اس نمبر پر رہ کر اس کی فون کال کا ا... کروں۔ ہو سکتا ہے کہ میری غیر حاضری کے دوران وہ ف... رہی ہو اور جواب نہ پا کر مایوس ہو گئی ہو۔"

"لیکن اسے میرا گھر معلوم ہے۔ وہ یہاں آ سکتی تھی۔ ... سے بڑھ کر یہ کہ آج سلطان شاہ کو اپنی اصلیت بتا سکتی ... اس نے تو تم سے کھلی ہوئی لاتعلقی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"اس کی کیا مجبوریاں ہیں؟ یہ تو وہی بتا سکتی ہے۔ ... میں منتقل ہونے کے بعد فون پر اس سے بات ہو گی۔ تب پتا چل سکے گا کہ وہ کیوں اور کہاں روپوش ہے۔"

"یہ تمھاری ہمیشہ کی عادت ہے۔" وہ میرے دلائل ...

سامنے زچ ہوکر بے بسی سے بولا۔ "تم جس بات پر اڑ جاتے ہو اس کے حق میں ایسی ایسی تاویلیں تلاش کر لیتے ہو کہ اپنے سامنے والے کو لاجواب کر دیتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے عزالہ کے دبلے ہوئے رقعے سے یہ کہانی ابھی ابھی سوچی ہے ورنہ کھانے کی میز پر تم عزالہ کے بارے میں اتنا سخت رویّہ اختیار نہ کرتے۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن میرا فلیٹ منتقل ہونا بہت ضرور[illegible] سکتا ہے کہ وہ آج رات ہی کو مجھ سے رابطہ قائم کر[illegible] کرے۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا لیکن وہ خود سلمیٰ کو ناپسند کرتا تھا اس لیے اس نے مجھے سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور جہانگیر کو آخرکار ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

"تم میری کالی شیراڈ اپنے استعمال میں رکھو گے۔" مجبور ہوکر اس نے دوستی برقرار رکھنے کی علامت کے طور پر ایک شرط عاید کر دی۔

اس بار میں واقعی ہنس پڑا۔ "کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو جہانگیر؟ میں ہوٹل یا کرائے کے گھر میں نہیں بلکہ تمہارے ہی فلیٹ میں منتقل ہو رہا ہوں۔ میرے پاس اپنے دفتر کی گاڑی ہے۔ میں بیک وقت دو گاڑیاں تو نہیں چلا سکتا۔"

"تم ابھی تک کہیں نہ کہیں پھنسے ہوتے ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں سلطان شاہ کو سواری کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ شیراڈ یہ رکھ لے گا۔" اس نے اصرار کیا اور اس بار مجھے خاموش ہونا پڑ گیا۔

ہم دونوں کا جملہ ساز و سامان فلیٹ ہی میں تھا اس لیے روانگی کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ ہیم گن اور ایک کلاشنکوف کے علاوہ ویرا سے رابطہ قائم رکھنے والا مختصر سا ٹرانسمیٹر گاڑی میں منتقل کر کے ہم روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ سلمیٰ اندر سے آگئی۔

"کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟" اس نے برآمدے میں آتے ہی کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔ اسے اپنے سابقہ رویے کا شاید نہ احساس تھا اور نہ ملال۔

"یہ دونوں فلیٹ جا رہے ہیں۔ وہ کئی دن سے خالی پڑا ہوا ہے۔" جہانگیر نے مجرمانہ احساس کے ساتھ دبے لہجے میں کہا۔ میں کسی تلخی سے گریز کرتے ہوئے سفید کرولا سے نیچے اتر آیا۔ البتہ سلطان شاہ شیراڈ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ وہ تو گھڑی کی چوتھائی میں اس گھر سے نکل بھاگنے پر تلا بیٹھا رہتا تھا۔

"تم فلیٹ پر پہنچو، میں آتا ہوں۔" میں نے اسے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ کھلے ہوئے پھاٹک میں سے اپنی کار باہر لیتا چلا گیا۔ سلطان شاہ کے اس گستاخانہ فرار پر سلمیٰ کی تیوریاں چڑھ گئیں اور وہ بپھرے ہوئے انداز میں میری طرف متوجہ ہوگئی۔

"دیکھا اس جنگلی گنوار کو۔ مجھ سے سلام دعا کیے بغیر ایسا بھاگا ہے جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔ اچھا ہوا جو عزالہ نے اسے منہ نہیں لگایا... تم بھی اس کے ساتھ رہ کر یا اسے اپنے ساتھ رکھ کر اسی جیسے ہو گئے ہو۔ جاؤ! تم بھی اسی کی طرح منہ اٹھا کر چلے جاؤ۔"

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا۔ تم اندر مصروف تھیں، اس لیے میں نے مخل ہونا ضروری نہیں سمجھا۔ اب اگر اجازت ہو تو۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"لیکن تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" اس کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔

"وقت اور حالات کے تھپیڑوں نے سُجا دیا ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ارے میں مذاق کر رہی ہوں مگر تم تو بھرے بیٹھے ہو۔" وہ دو قدم آگے بڑھ کر بولی۔ "میں نے کیا کیا ہے تمہارے ساتھ جو مجھ سے اتنے ناراض نظر آرہے ہو؟"

"جس کی محبوبہ اسے دغا دے جائے وہ کبھی نہیں مسکراتا سلمیٰ بی بی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بے وفائی کی چوٹ کھا کر دل مرجھا جاتا ہے، چہرہ سوجا ہوا نظر آنے لگتا ہے، ہونٹوں سے مسکراہٹ چھن جاتی ہے۔ الفاظ میں شیرینی نہیں رہتی اور تم چاہتی ہو کہ میں ایسی حالت میں بھی تم کو ہنستا مسکراتا ہوا نظر آؤں۔ میں انسان ہوں، پتھر نہیں جو سدا ایک حالت میں رہتا ہے خواہ اسے ٹھوکروں میں پڑا رہنے دیا جائے یا اٹھا کر کسی مسجد کی محراب میں سجا دیا جائے۔"

"یہ دل گرفتہ اور زخم خوردہ ہے سلمیٰ!" جہانگیر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت اسے نہ چھیڑو، یہ بپھر گیا تو سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔"

"جاؤ مجنوں! وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ "میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

میں سر جھکا کر گاڑی میں بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہوگیا۔

ایریٹس میری جیب میں تھا۔ اس وقت میرے دل میں ویرا سے بات کرنے کی شدید خواہش بیدار ہو چکی تھی۔ میں نے اسے آن کر کے پسنجر سیٹ پر رکھ دیا۔ اس وقت میں اس سے رابطہ کرنے کے بجائے اس کی کال کا انتظار کرنا چاہ رہا تھا... مجھے امید تھی کہ کامران کی موت کے بعد کے واقعات کے بارے میں وہ کسی نہ کسی وقت مجھ سے ضرور بات کرے گی۔

سلطان شاہ فلیٹ پر پہنچ کر جھاڑ پونچھ کا آغاز کر چکا تھا [illegible] ابتدا میری ہی خواب گاہ سے کی تھی۔ میں نے آن کیا ہوا ایریٹس [illegible] سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لباس تبدیل کیے بغیر بستر پر دراز ہو گیا۔

"تم نے وہاں سے نکل آنے کے لیے جہانگیر کو جو کہانی سنائی [illegible] میرے دل کو لگتی ہے۔" اس نے ہاتھ روک کر قدرے پُرجوش [illegible] لہجے میں کہا۔ "عزالہ جلد یا بدیر تم سے اسی فلیٹ کے فون پر رابطہ [illegible] کرے گی۔ میں راستے بھر تمہاری اسی قلابازی کے بارے میں سوچتا ہوا آیا تھا۔ اس رقعے سے تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے جو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔"

"جنگلی گنوار!" میرے ذہن میں سلطان شاہ کے لیے کہے ہوئے سلمیٰ کے الفاظ گونجے اور میں نے اس سے کہا۔ "وہ [illegible] ایک افسانہ تھا سلطان شاہ! جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ عزالہ اگر غلطی سے فون کر بھی بیٹھے تو تم اسے ٹال دینا۔ فی الحال میں نہ اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں اور نہ اس کی آواز برداشت کر سکوں گا۔ اس کے بارے میں تو اب وہی خبریں مستند ہوں گی جو کل دوپہر کو ڈی ایس پی سرور لودھی سے ملیں گی۔ اس سے پہلے میں اس عورت کے بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔ اس وقت اگر کسی کی ذات سے مجھے سکون مل سکتا ہے تو وہ لیس ویرا ہی ہو سکتی ہے جس کی آواز کے انتظار میں میں نے ایریٹس آن کر رکھا ہے۔"

وہ ترحم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "میں تمہاری ذہنی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ میں تم کو حکم نہیں دے سکتا لیکن یہ التجا ضرور کر سکتا ہوں کہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ اب نظر آرہا ہے وہ سراب ہو..."

"مجھے مت بہلاؤ سلطان شاہ اور اندر سے میرے لیے بوتل، [illegible] پانی اور گلاس لے آؤ۔"

سلطان شاہ کسی وفادار خادم کی طرح خاموشی کے ساتھ چلا گیا اور چند ہی منٹ بعد میری مطلوبہ اشیا میرے سرہانے رکھ کر ایئرکنڈیشنر چلا دیا۔

وہ میری خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے چلا گیا تو میں نے جوتے اتار کر اپنے لیے پہلا گلاس تیار کر لیا جو بہت زیادہ تیز اور تلخ تھا۔ سنہری رنگ کا وہ مہلک سیال ہی اس وقت مجھے مدہوش کر کے میرے ذہن کے رستے ہوئے زخموں کو کچھ سکون دے سکتا تھا۔

اس وقت میری حالت اس دل شکستہ کھلاڑی سے بھی بدتر تھی جس نے فتح کی لکیر کے اس پار اپنی محبوبہ سے ملنے کی امید میں اپنی ساری قوت اور صلاحیتیں صرف کر کے ٹریک پر دوڑ لگائی ہو لیکن سب سے آگے نکلنے کے بعد دوڑ ختم ہونے پر اسے کوئی زہریلی ناگن اپنی منتظر ملی ہو۔ محبوبہ اور زہریلی ناگن ہی دو متضاد جذبوں کی علامتیں ہو سکتی تھیں۔

ایک سراپا مہربانی، محبت آمیز، نرم خو اور حیات آفریں لیکن دوسری قہرمان، نفرت انگیز، تند خو اور ہلاکت آفریں جس کے کاٹے کا علاج بھی ممکن نہیں تھا۔

"دس از ویرا کالنگ فار ڈینی... اوور!" کچھ دیر بعد کمرے کی فضا میں ایک دھیمی دھیمی خوابناک آواز گونجی اور میں نے ہڑبڑا کر اپنا سر جھٹک دیا۔

میں نے ایریٹس [illegible] طرف دیکھا تو اس کی پاور آن ہونے والی سرخ بتی روشن تھی مگر میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ آواز ایریٹس سے ہی ابھری تھی یا وہ میرے مخمور اور شکست خوردہ ذہن کی پیداوار تھی۔ الکحل معدے میں [illegible] تے ہی جمی لائیڈ کی بیٹی میرے سر پر سوار ہونے لگی تھی۔

وہی دھیمی اور خوابناک آواز دوبارہ ابھری تو اس بار میں ایریٹس ہی کی طرف متوجہ تھا اور وہ آواز واضح طور پر اس میں سے آئی تھی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔

میں نے فتح کے احساس کے ساتھ ایریٹس اٹھا لیا۔ "ڈینی ریسیونگ یور کال ویرا ڈارلنگ... اوور۔" میں نے اپنی ترنگ میں کال کا جواب نشر کیا تھا۔

"اوہو!" وہ شاید میری آواز سن کر چونک پڑی تھی۔"شاید تم شغل کر رہے ہو؟ ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا پھر یہ بے اعتدالی کس خوشی یا صدمے میں کر رہے ہو؟ میرا تو خیال تھا کہ اس وقت صرف میرا ہی دماغ خراب ہوا ہے... اوور...!"

ویرا کا وہ انکشاف میرے لیے دلی مسرت کا باعث ثابت ہوا۔ اس کے اور میرے درمیان حد سے زیادہ ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ کسی وقت مجھ سے ضرور بات کرے گی اور اس کی کال آ گئی تھی۔ اس وقت جو کچھ میں کر رہا تھا وہی ویرا بھی کر رہی تھی۔ وہ نامہربان ہو کر بھی مجھ پر اتنی مہربان تھی کہ اس نے کامران کو ہلاک کرتے ہوئے مجھے زندہ بچ نکلنے کے لیے پوری مہلت دی تھی اور جس ہستی کو میں مہربان تصور کیے بیٹھا تھا وہ اپنی دوشیزگی کو بیوگی کی چادر میں لپیٹ لینے کے باوجود مجھ سے دُور بھاگی جا رہی تھی جیسے میرے لیے اس کے سوا کوئی اور انتخاب ہی نہ ہو۔

"ہم ایک دوسرے کے دشمن نما دوست ہیں ویرا ڈارلنگ! اور ایک دوسرے کو فریب دینے کے بجائے خود ہی کو دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ میں تمھارا ممنون ہوں کہ آج تم نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنا وعدہ پورا کیا لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے بھی تمھاری پشت پر گولی نہ چلا کر آج کا حساب آج ہی بے باق کر دیا۔ اوور!"

"تم جھوٹے ہو۔ تم کہاں موجود تھے؟ میں نے تو آج تمھارا سایہ بھی نہیں دیکھا۔ اوور!"

"اندر میں ہر قدم پر تمھارا تعاقب کر رہا تھا۔ باہر تم نے میرے سامنے بوڑھے چوکیدار کو اپنے زم و نازک وجود کی مار سے اپنی کار کی عقبی نشست پر بے ہوش کیا تھا۔ تم ہر وقت میرے نشانے پر تھیں لیکن میں نے تم کو معاف کر دیا۔ تم نے کامران کو مارا تھا میں نے اس کے بدلے میں انطونیو کو ہلاک کر دیا۔ عزالہ نہ تمھارے ہاتھ آسکی اور نہ میں کامیاب رہا۔ اس اعتبار سے آج کا مقابلہ بالکل برابر رہا۔ اوور!"

"اوہ! تو انطونیو کو تم نے مارا تھا!" اس کی آواز کرب آمیز تھی۔"وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ ماسی کے روپ میں فرار ہونے والی عزالہ کا شکار ہوا ہے۔ پھر تو ٹاٹروں کو بھی تم ہی نے فلیٹ کیا ہوگا۔ تم واقعی مکارِ اعظم ہو ڈینی۔ اوور!"

"آج کی تاریخ میں جو ہونا تھا وہ ہو گیا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔"ہم دونوں کا کامیابیوں اور ناکامیوں کا اسکور برابر ہی رہا ہے۔ میں نے تمھاری نیت دیکھ لی تم نے مجھے آزما لیا۔ ہم دونوں ہی اپنے قول کے پکے ہیں۔ پھر ایک بار مل بیٹھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اوور!"

"ہمیں مل ہی لینا چاہیے!" اس کی آواز دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔"میں انطونیو کا سوگ منا رہی ہوں اور تم شاید عزالہ کے فراق میں سلگ رہے ہو۔ ایک دوسرے کا درد بانٹ کر شاید ہم کام کے بارے میں بھی کچھ باتیں کر سکیں۔ اپنا پتا بتاؤ، میں فوراً ہی وہاں پہنچتی ہوں۔ اوور!"

"یہاں سلطان شاہ بھی ہے۔ وہ رنگ میں بھنگ ڈالے گا!" میں نے حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔"تم مجھے اپنا ٹھکانا بتا دو میں آ جاتا ہوں۔ اوور!"

"جب تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں تو میں تم پر کیسے بھروسا کر سکتی ہوں؟ اوور!" ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"چلو! پھر اپنے ٹھکانوں کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھتے ہوئے ہم کہیں اور مل لیتے ہیں!" میں نے تجویز پیش کی۔"ہم ایک دوسرے کے وعدوں کو آزما چکے ہیں۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ کم از کم آج کی رات تم میری امان میں رہو گی اور امید کرتا ہوں کہ تم بھی کوئی چال بازی نہیں کرو گی۔ اوور!"

"یہ دو ناکاموں کی عجیب و غریب ملاقات ہو گی۔ پھر بھی ہمیں ایک بار مل لینا چاہیے۔ میں ہالیڈے اِن کے لاؤنج میں جا رہی ہوں۔ تم بھی وہیں پہنچو۔ اوور!"

"اس حالت میں ہمیں لاؤنج کے بجائے کسی کمرے میں مذاکرات کرنے ہوں گے۔ تم غیر ملکی ہو اسی ہوٹل میں ایک کمرا بک کرا لو۔ اوور!"

"وہ سب ہو جائے گا۔ تم گھر سے تو نکلو۔ اور ہاں کوئی ہتھیار ساتھ نہ لانا۔ میں تمھاری اچھی طرح جامہ تلاشی لوں گی... اوور اینڈ آل!"

ایریٹس آف کرتے ہوئے میں زیرِ لب مسکرا دیا۔ اس شام وہ میری پہلی حقیقی مسکراہٹ تھی۔

مجھے تیار ہوتا دیکھ کر سلطان شاہ آموجود ہوا اور سر تا پا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔"اب کہاں کی تیاری ہے؟"

"ذرا ہالیڈے اِن تک جا رہا ہوں!" میں نے اسے ویرا کے بارے میں بتائے بغیر کہا۔"تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو لیکن کچھ پتا نہیں کہ تمھیں کب تک باہر انتظار کرنا پڑے!"

اس نے لاکھ کریدنا چاہا لیکن میں نے اسے اصل بات کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور آخر کار چند منٹ بعد ہم دونوں سلطان کی سیاہ شیراڈ میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان کار ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اس کے برابر والی نشست پر موجود سر گردِ رہا تھا۔

"عزالہ کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

کئی منٹ تک خاموشی کے ساتھ کار چلنے کے بعد آخر کار سلطان شاہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر بول ہی پڑا۔

"میں اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔"مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اس کا نام آج ایک پھانس بن کر میرے دل میں چبھ رہا ہے۔ میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا اور اپنی محبت کو حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لیے بار بار اس کا ذکر کر کے میرے زخموں کو نہ کریدو۔ میں نے تمھیں بتا دیا ہے کہ میں اپنی کوشش کر چکا ہوں اب عزالہ کی باری ہے۔ اسے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ آج بھی مجھے کچھ سمجھتی ہے ورنہ وہ میرے لیے اجنبی لڑکی بن کر رہ جائے گی اور اگر آج آزاد ہوتے ہوئے اس کی کچھ مجبوریاں اس کا تعاقب کر رہی ہیں تو اس کے بارے میں کل سہ پہر تک مجھے نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ مل جائے گی اس وقت تک میں اپنے دل و دماغ کو بے لگام چھوڑ دینا چاہتا ہوں!"

"ہالیڈے اِن کس لیے جا رہے ہو؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"کسی سے ملنے!" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

"اس کا کوئی نام، کوئی روپ تو ہوگا؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی آگئی۔

"میرے لیے اس کا کوئی نام نہیں ہے، ہاں روپ بہت دلکش ہے۔ دلکش چہرہ، تیکھے خدوخال اور متناسب بدن۔ یہی چیزیں مجھے اس کی طرف لیے جا رہی ہیں!"

اس نے اندر ہی اندر غراتے ہوئے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی پھر بولا۔"ویسے تو میں تمھارا تنخواہ دار نوکر ہوں لیکن تم نے ہمیشہ مجھے جو عزت دی ہے اس کی بنا پر میں اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا چلا آ رہا ہوں اسی لیے تمھارے ذاتی معاملات میں بھی وقتاً فوقتاً دخل دیتا رہتا ہوں اور اس وقت بھی میرے لیے خاموش رہنا ناممکن ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اگر اجازت دو تو میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور پہلے ہی بتا دوں کہ میری گفتگو کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہو گی!"

"میں نے کبھی تم پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو بلاتکلف کہہ ڈالو لیکن جس طرح تم نے پہلے ہی بتا دیا ہے کہ تمھاری گفتگو خوشگوار نہیں ہو گی اسی طرح میں بھی یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر میرا ردِ عمل تلخ ہو تو منہ نہ بنا لینا!"

وہ چند ثانیے تک خاموش رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔ پھر اس نے آہستگی سے بولنا شروع کر دیا۔"میرا اور تمھارا ساتھ بہت زیادہ طویل نہیں ہے لیکن اس دوران میں دن رات ساتھ رہ کر میں نے تمھارے مزاج سے پوری طرح واقفیت حاصل کر لی ہے۔ تم پارسا کبھی بھی نہیں رہے ہو جہاں موقع ملتا ہے کھل کر اپنی رنگین مزاجی کے مظاہرے کرتے ہو۔ خوبصورت عورتوں کی موجودگی میں تمھارا دماغ بھی خوب چلنے لگتا ہے لیکن میں نے کبھی بھی تمھارا رجحان پیشہ ور عورتوں کی طرف نہیں دیکھا۔ ساری خرابیوں کے باوجود تمھاری یہ عادت مجھے پسند ہے کہ تم گنگناتے، مترنم جھرنوں میں تو خوب غوطے لگاتے ہو لیکن گندی نالیوں میں بہنے والے پانی سے دور رہتے ہو لیکن ابھی تم نے جو کچھ کہا، اس سے مجھے دلی تکلیف ہوئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم خود کو اس حد تک گرا لو گے!"

"میں نے تو بہت کچھ کہا ہے۔ تم میری کس بات کے حوالے سے یہ تقریر کر رہے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا کیونکہ میں واقعی یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ میری کون سی بات اس کے لیے دلی تکلیف کا باعث بنی تھی جو وہ مجھ پر تنقید کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"عزالہ سے تمھاری دوستی ہے۔ تمھیں اس سے ناراض ہونے کا بھی پورا پورا حق ہے لیکن اس سے روٹھ کر تم طوائفوں کے چکر میں کیوں پڑ رہے ہو؟" اس کے لہجے سے اس کا اندر کا دکھ ظاہر ہو رہا تھا جس پر میں چونک پڑا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ابھی تم نے خود ہی بتایا تھا کہ تم تیکھے خدوخال اور متناسب بدن والی کسی ایسی عورت سے ملنے جا رہے ہو جس کا، تمھارے لیے کوئی نام نہیں ہے!"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے اس سے بحث میں الجھنے سے بچنے کے لیے ویرا کا نام چھپایا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ میری وہ احتیاط سلطان شاہ کے لیے صدمے کا باعث بن رہی تھی اس لیے میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔"غم نہ کرو، میں تمھارے پندار کو ٹھیس پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ بالکل ایسی ہی ہے جیسا میں نے تمھیں بتایا ہے۔ تم خود اسے بارہا دیکھ چکے ہو۔ میں ویرا سے ملنے جا رہا ہوں!"

"ویرا سے؟" اس کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔"شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ تمھیں چھوٹ دینے کا وعدہ پورا کر چکی ہے اور اب تمھارے خون کی پیاسی ہے!"

"جنھیں چاہا جاتا ہے انھیں مارنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ خواص صرف بھیڑیوں میں پائے جاتے ہیں جو اپنے غول کے کمزور ساتھیوں کو خود ہی چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "پتا نہیں تم کس زمانے کی بات کر رہے ہو؟ ویرا تو پھر بھی ایک مستند قاتلہ اور غیر ملکی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ دلدار آغا کی ذرا سی سازش کے نتیجے میں سب لوگ اندھے، بہرے اور دیوانے ہو گئے تھے۔ کسی سبب اور دشمنی کے بغیر لوگ کلاشنکوفیں تان کر ایک دوسرے پر گولیاں برسانے لگے تھے، زندگی ہراساں تھی۔ اسے نہ گھر میں پناہ میسر تھی اور نہ گلی کوچوں میں۔ ہر طرف موت کی حکمرانی دیکھ کر بھی تم دقیانوسی باتیں کر رہے ہو۔ اس نے اپنے بدن کا سحر دکھا کر تمھیں بلایا ہے اور موقع پاتے ہی وہ تمھارے سینے میں گولیاں اُتار دے گی۔"

"یہ سینہ اتنا چھلنی ہو چکا ہے کہ ویرا کی چلائی ہوئی گولیاں اس کے پار نکل جائیں گی۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اسے انطونیو کی موت کا شدید غم ہے۔ وہ مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کرے گی اور پھر یار! میں تو مسلمان ہوں۔ میری موت اگر ویرا ہی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو میں کہیں بھی چھپتا پھروں، آخرکار وہی مجھے میرے آخری سفر پر روانہ کرے گی۔ میں اس وقت نہیں رکوں گا۔ تم گاڑی کی رفتار کم کیوں کر رہے ہو؟ مجھے دیر ہوئی تو وہ میری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"اس وقت تمھاری ذہنی حالت درست نہیں ہے۔" اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم غزالہ سے مایوس ہو کر ویرا جیسی ناگن کی آغوش میں پناہ لینے جا رہے ہو۔ یہ دانشمندی نہیں ہے۔ میں گاڑی واپس گھما رہا ہوں۔"

"چلو!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں کار پر لعنت بھیج کر ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔ ویرا میں ہزار خرابیاں ہیں لیکن وہ جھوٹی نہیں ہے۔"

میرا ہاتھ دروازے کے لیور پر دیکھ کر سلطان شاہ نے بادلِ ناخواستہ کار آگے بڑھا دی۔

"غیر محسوس طریقے پر تم بھی میری عادت بن گئے ہو۔" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے کہا۔ "اصولاً مجھے اس وقت اکیلے آنا چاہیے تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے تمھیں بھی ساتھ لے لیا؟"

جواب میں وہ کچھ نہ بولا۔ اس کے پاس اپنی ناخوشی کے اظہار کا کوئی اور ذریعہ نہیں رہا تھا۔

"تم چاہو تو میں تمھیں بلبل ہزار داستان بلڈنگ تک پہنچا سکتا ہوں۔ اس بازار میں تم جس سے چاہو، مول کر لینا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن ویرا سے تمھاری اس وقت کی ملاقات پر نہ صرف مجھے اعتراض ہے بلکہ یہ تمھاری سلامتی کے لیے خطرناک ہے۔" تھوڑی دیر کی جبری خاموشی کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

"اپنی سلامتی کی فکر سب سے زیادہ مجھے ہونی چاہیے اس لیے اسے تو بھول جاؤ! مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارے اعتراض کی وجہ کیا ہے؟"

"نت نئی عورتوں سے ملنے والے رات ڈھلے آخرکار گھر لوٹ آتے ہیں لیکن ایک ہی عورت سے بار بار ملنے والے آخرکار اپنے گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں۔ تمھارا بار بار ویرا سے ملنا تمھیں کہیں کا نہ رکھے گا۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ وہ بھی ایک پیشہ ور عورت ہے۔ اسے روم میں ڈان مرسیاتو نے تربیت دی تھی۔ وہ مردوں کے ہوش و حواس پر چھا جانے کے فن میں طاق ہے اور تیز شراب کے نشے کی طرح عقل کو ماؤف کر دیتی ہے۔ اس سے پینگیں بڑھا کر اپنا مستقبل تباہ کر لو گے . . ."

"ایسی باتیں نہ کرو کہ مجھے نیند آنے لگے۔ میرا ذہن پہلے ہی تھوڑا سا بوجھل ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "تم اس وقت گرجا کے کسی پادری کی طرح بول رہے ہو جو زندگی کے تجربوں سے گزرے بغیر ان میں کیڑے نکالتا رہتا ہے اور لوگ دل ہی دل میں اس کی احمقانہ باتوں پر کڑھتے رہتے ہیں۔ کسی پر اعتبار کرو، وفا کر کے بے وفائی کا داغ اٹھاؤ پھر مجھے کچھ سمجھا سکو۔"

"تمھارے دماغ پر مفروضے سوار ہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ غزالہ سب کچھ کر سکتی ہے مگر تم سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔"

میں نے جھلا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "بس کرو سلطان شاہ! یہ نام اب میری سماعت پر بھی بوجھ بننے لگا ہے۔ اس وقت کوئی اور بات کرو!"

"بس ایک آخری بات سن لو!" اس کا لہجہ غیر متوقع طور پر سخت ہو گیا۔ "اگر وہ بے وفا نکلی تو اس کو ٹھوکر مارنے والوں میں میں سب سے آگے نظر آؤں گا لیکن تم نے اپنی کسی حماقت سے اس کی زندگی گالی دی تو میں اسے سہارا دوں گا . . ."

"اس نے تو تمھیں کسی قابل ہی نہیں سمجھا میرے دوست۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تم سے ملی اور تم کو کچھ بتائے بغیر اُلّو بنا کر چلی گئی۔ تمھارا کمزور سہارا اس کے کسی کام کا نہیں۔" یہ بولتے بولتے اچانک میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس وقت تک جو کچھ مشاہدے میں آیا تھا اس کی روشنی میں میرا مشتعل ہونا فطری امر تھا لیکن جذبات کی روانی میں بہہ کر میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا۔ میں نے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے اگلے روز تک کا وقت مانگا تھا۔ غزالہ کی نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ پر ہی میں کوئی حتمی فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے غصّے میں اول فول بکنا مناسب نہیں تھا اور نہ ہی سلطان شاہ کی بحث پر غزالہ کے بارے میں بدزبانی مجھے زیب دیتی تھی۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اب غزالہ کا نام نہ لینا سلطان شاہ! کل شام سے پہلے میں اس بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ تمھیں میرے سامنے اس سے ہمدردی جتانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم نے کوئی نازیبا بات کی تو میں مُکّا مار کر تمھارے دانت توڑ دوں گا۔"

سلطان شاہ خاموش رہا لیکن اوپر نیچے برقی اشتہاروں کی تیز انعکاس میں مَیں نے اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ اُبھرتی دیکھی جسے میں کوئی معنی نہ دے سکا۔

"بھاڑ میں جائے۔" میں نے دل میں سوچا اور کھڑکی سے باہر سڑک کی طرف دوڑتے ہوئے در و دیوار پر نظریں جمانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہو گیا۔

روشن اور نیم روشن ہیولوں کی الٹی دوڑ پر نظریں جمائے ہوئے چند لمحوں کے بعد مجھے سلطان شاہ کی فاتحانہ مسکراہٹ کا سبب معلوم ہوا۔ شاید میں نے نازیبا بات کے حوالے سے مُکّا مار کر اس کے دانت توڑ دینے کی دھمکی دے کر غزالہ سے اپنے تعلق کا بالواسطہ اعتراف کر لیا تھا جسے وہ اپنی کامیابی سمجھ بیٹھا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے مجھے یہ بھی یاد آ گیا کہ میں نے اسے اپنے سامنے غزالہ سے ہمدردی جتانے کے حق سے محروم قرار دیا تھا۔ وہ دونوں ہی باتیں میرے اشتعال سے میل نہیں کھاتی تھیں۔

میرا شعور غزالہ سے مشتعل تھا، میری زبان اس کے بارے میں بدگوئی میں مصروف تھی لیکن میرے لاشعور میں کہیں نہ کہیں پرانی محبت کی چنگاریاں دبی رہ گئی تھیں جو غزالہ کے بارے میں سلطان شاہ کے عزائم کا ذکر آنے پر یک بیک بھڑک اٹھی تھیں۔ میں اوپر سے جتنا بھی زم خوبننے کی کوشش کرتا، حقیقت تھی کہ اندر سے میں درندہ ہی تھا۔ غزالہ اگر میری نہیں ہو سکتی تھی تو اس روئے زمین پر کسی کی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ غنیمت تھا کہ اس نے کبھی دلدار آغا سے محبت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ابتدا میں وہ اس کی شرافت کے گُن گا کر اس کی ازدواجی پناہ میں آنے کا عذر کرتی تھی اور دلدار آغا کے بے نقاب ہونے کے ساتھ ہی اس سے نفرت کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیا ورنہ میں شاید ابتدا ہی میں غزالہ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیتا۔ محبت اور رقابت کے رشتے بھی کتنے عجیب اور غیر منطقی ہوتے ہیں۔

میں نے سلطان شاہ سے غلط کہا تھا کہ جنھیں چاہا جاتا ہے انھیں مارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں انسان کے خواص بھیڑیوں سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جسے جتنا زیادہ چاہا جاتا ہے، اسے اشتعال کے عالم میں ہلاک کرنا اسی قدر سہل ہوتا ہے۔ اجنبیوں پر تو ہاتھ اُٹھانے سے پہلے، ان کا خون بہانے کے ہزار حیلے سوچنے پڑتے ہیں مگر پھر پچھلے دنوں شہر میں ہونے والی اندھا دُھند خونریزی کی روشنی میں یہ نظریہ بھی غلط محسوس ہونے لگا۔ متعدد لوگوں نے بلا کسی سبب اور اشتعال کے، رنگ، نسل، زبان اور مذہب کا کوئی امتیاز روا رکھے بغیر بیسیوں بے گناہ شہریوں اور راہ گیروں کو ہولناک اسلحے کا نشانہ بنا دیا تھا۔ حقیقت صرف اتنی تھی کہ اندھا دُھند خونریزی وہی لوگ کر سکتے تھے جن کے ضمیر مر چکے ہوں اور جس میں ضمیر کی قوّت زندہ ہو وہ بلا سبب کسی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا تھا۔

البتہ اشتعال کا معاملہ مختلف تھا۔ مرد و زن کا رشتہ اس کائنات کی سب سے اٹل کہانی ہے جو آدمؑ سے آج تک لمحہ بہ لمحہ دُہرائی جا رہی ہے۔ اس میں کہیں مذہب نے راہیں متعین کی ہوئی ہیں اور جہاں مذہب کو گرجا گھروں میں مقفل کر کے، شخصی آزادیوں کے نام پر مادر پدر آزاد رشتے ایجاد کر لیے گئے ہیں وہاں صرف نفاست اور اخلاق کی گنی چُنی زنجیریں باقی رہ گئی ہیں۔ یورپ کے پارکوں اور تفریح گاہوں میں، مَیں نے بچشمِ خود لوگوں کو ناگفتنی نظاروں سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ جانوروں کی طرح کسی کنجِ عافیت میں ٹھمکتے، لپکتے، لپٹتے اور سسکاتے ہوئے لوگ دوسروں کو اندھا اور بہرا تصوّر کر لیتے ہیں لیکن شائستہ لوگ کن انکھیوں سے اور ڈھیٹ تماشائی بے محابا ان تماشوں کو دیکھنے کے مرض میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ پرائے لوگوں کے ان تماشوں سے تو اور پاکستانی بھی لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ دیدہ و دانستہ کونوں کھدروں کے قریب منڈلاتے پھرتے ہیں اور ان مناظر کی دید سے اپنے حیوانی اور سفلہ جذبات کو مہمیز دیتے ہیں لیکن اپنے گھر میں، اپنی کسی عزیزہ کے ساتھ اس سے بدرجہا کم معیوب تماشا دیکھ کر انھیں کوئی تسکین نہیں ملتی بلکہ ان میں سے بیشتر مشتعل ہو جاتے ہیں اور خون آشام تیوروں کے ساتھ آشناؤں کے ساتھ شناسا چہروں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں جس کا انجام عموماً قتل ہوتا ہے۔

مشہور سائنس داں البرٹ آئن اسٹائن نے شادی سے قبل اور شادی کے بعد اپنی بیوی میلوا مارک کے ساتھ مل کر نظریۂ اضافیت پر اپنے تاریخ ساز کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان دونوں کا کام آج بھی جدید سائنس کی اساس ہے لیکن ان کا رشتہ زیادہ دن نہ چل سکا۔ اضافیت کا وہ نظریہ صرف سائنسی اصولوں پر ہی نہیں بلکہ زندگی میں ہر جگہ کارفرما ہے۔ ردِّ عمل اور جذبے بھی اسی

کے تابع ہیں۔ جو منظر لندن کے ہائیڈ پارک کے کسی گوشے میں سنسنی خیز اور جذبات انگیز تماشا نظر آتا ہے، اپنے گرد و پیش میں وہی قصہ ناقابل برداشت المیہ بن جاتا ہے۔ مقام اور رشتے بدل جانے سے سب کچھ بدل کر رہ جاتا ہے اور کہیں بھی کوئی کلیہ صادق نہیں آتا۔ ہمارے لیے زمین ساکن ہے کیونکہ ہم اس کرّے کے جس مقام اور جس انچ پر ٹھہر جائیں، وہیں ٹھہرے رہتے ہیں۔ کچھ مشاہدے ضرور بتاتے ہیں کہ کچھ ہو رہا ہے۔ دن ڈھلنا اور رات کا اُترنا، موسموں کا بدلنا۔ یہ سب کسی حرکت کا سراغ ضرور دیتے ہیں لیکن اصل حقیقت وہی دیکھ سکتا ہے جو زمین سے دور، خلا میں کسی مقام پر ٹھہرا ہوا ہو۔ اگر وہ خود بھی متحرک ہو تو اس کا مشاہدہ حقیقت نہیں ہو سکتا۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس کی اپنی اور زمین کی رفتار کا فرق ہوتا ہے۔

میں سوچتا رہا اور میرا ذہن اُلجھتا چلا گیا۔ اس وقت تک مجھے حقیقت کا علم نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور سُنا وہ میرے اور غزالہ کے رویّے کا فرق تھا۔ میں اس کی طرف بھاگ رہا تھا اور وہ بظاہر مجھ سے دور بھاگ رہی تھی۔ کشش اور گریز کے اس اجتماع نے میرے ردِ عمل کو شدید تر کر دیا تھا۔ اگر میں کسی طرح خود کو جذباتی انجماد کی حد تک لے آتا تو ایک غیر جانبدار تماشائی کی طرح غزالہ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا۔ شاید ویرا میرے بھڑکے ہوئے جذبات کو کسی حد تک سرد کرنے کی اہل تھی۔ وہ رات غیر محسوس طریقے سے گزر جاتی اور نیا دن نکل آتا۔ نیا دن جو تین بجے تک غزالہ کے بارے میں بہت سی بنیادی خبریں فراہم کرنے والا تھا جن کی روشنی میں، میں آسانی سے کوئی درست فیصلہ کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے کار گھما کر ہالی ڈے اِن کے پورٹیکو میں لے جانی چاہی تھی مگر میں نے چونک کر اسے روک دیا۔ "اندر نہیں، تم اپنی کار باہر سروس لین میں ہی پارک کر لو۔" میرا اسے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ ساتھ موجود ہی تھا تو اس کا ویرا کی نظروں سے دور رہنا ضروری تھا۔ بصورتِ دیگر ویرا کو میری نیّت پر شبہ ہو سکتا تھا یا شاید وہ دور ہی سے خطرہ بھانپ کر روپوش ہو جاتی۔

سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے آہستگی سے سروس لین میں ڈال دیا جہاں دونوں طرف زرد اور پرائیویٹ ٹیکسیوں کی لمبی قطار پارک کی ہوئی تھی۔

"یہاں تو جگہ ملنی محال ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔ "برآمدے کی طرف نہ جاتے تو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ ہی میں چلے جاتے، وہاں جگہ مل جاتی۔"

"تو اب کوشش کر لو، بڑبڑا کیوں رہے ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اب مین روڈ پر اوپر سے گھوم کر آنا پڑے گا ورنہ۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کار کی رفتار یکایک قدرے تیز کر دی اور میں نے بھی دیکھ لیا کہ شاپنگ آرکیڈ میں واقع ائر فرانس کے بند دفتر کے سامنے سے ایک کار رینگتی ہوئی باہر نکل رہی تھی۔ جگہ خالی ہونے کے انتظار میں سلطان شاہ نے پوزیشن لے کر کار روکی تو میں نیچے اُتر گیا۔

"میں یہیں انتظار کروں گا۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔ "میں پورے ایک گھنٹے تک انتظار کروں گا۔ کوئی لمبا پروگرام بن جائے تو مجھے آگاہ کر دینا ورنہ میں اندر آ کر تمہاری تلاش شروع کر دوں گا۔ آج کی رات نجانے کیوں، مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"فکر نہ کرو، میں خود تمہاری بد دعاؤں سے ڈرتا ہوں۔ دیر ہوئی تو تمہیں روانہ کر دوں گا ورنہ تم میرے اور ویرا کے بارے میں سوچ سوچ کر کڑھتے رہو گے۔" میں نے کھڑکی کے کھلے ہوئے شیشے میں سے سر اندر ڈال کر کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہوٹل کی طرف چل دیا۔

ہوٹل کی دھیمی اور تیز روشنیوں کے خوابناک امتزاج میں پورٹیکو کا ستونوں پر ٹھہرا ہوا پُرشکوہ سائبان اس وقت حسین تر نظر آ رہا تھا۔ دن کے اوقات میں کاروباری حلیوں میں بھاگ دوڑ میں رہنے والے لوگ بھی اس وقت خوش باش اور پُرسکون نظر آ رہے تھے۔ ہوٹل میں آنے والے جوڑوں اور خوش باش ٹولیوں نے لابی ہی میں خوشگوار سماں باندھا ہوا تھا۔

باوردی دربان نے ادب اور احترام کے ساتھ میرے لیے دروازہ کھولا تو اس کے لبوں پر ایسی والہانہ مسکراہٹ نظر [illegible] جیسے وہ ہوٹل اور اس کا سارا انتظام و انصرام خاص طور پر صرف میرے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ اندر داخل ہو کر میں ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ داہنی جانب ریستوران میں رومان انگیز دھیمی روشنی ہوئی تھی لیکن وہاں مجھے ویرا کا ہیولا کہیں نظر نہ آیا اور میں لاؤنج کی طرف بڑھ گیا جو کاؤنٹر سے دوسری طرف واقع تھا۔ وہاں [illegible] پر جا بجا ہر عمر اور جنس کے بے فکرے لوگ اپنے میزبانوں یا مہمانوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان ہی میں ذرا [illegible] ویرا بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ اس وقت گلابی پھولوں والے سیاہ بلاؤز اور [illegible] میں ملبوس تھی۔ سنہرے بالوں پر بندھا ہوا گلابی اسکارف گلابی شہابی رنگت پر عجیب بہار دے رہا تھا۔ [illegible] کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے، خمار کے سرخ ڈوروں نے

[illegible] تھی۔ اسے دیکھ کر، معمولی سی ذہانت رکھنے والا کوئی بھی شخص بآسانی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنے کسی بہت اہم ملاقاتی سے ملنے آئی تھی۔

میں اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا لیکن اس نے بھی مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ہم دونوں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے قدرے ہٹ کر ایک فانوس کے نیچے ایک دوسرے سے ملے۔

میں نے ویرا کی نیلی آنکھوں میں جھانکا تو وہاں پتلیوں میں ایک حیوانی چمک موجود تھی جو اس کی اندرونی کیفیات کی چغلی کھا رہی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے خمار آلود اور [illegible] لہجے میں کہا۔ "اکیلے ہی آئے ہو یا باہر کوئی لشکر بھی موجود ہے؟" اس نے گفتگو کے لیے اردو کا سہارا لیا تھا۔

"باہر سے اپنے محافظوں کو بلا کر تم تصدیق کر سکتی ہو کہ میں تنہا آیا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم بالکل غیر مہذب اور جنگلی ہو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "[illegible] کے ساتھ مجھے مطمئن کرنے کے بجائے، اُلٹا مجھ ہی پر طنز کر رہے ہو۔ میرے ساتھ محافظ ہوتے تو میں تمہیں اندر موجود ملتی۔"

"یہی بات تم کو میرے بارے میں سمجھ لینی چاہیے تھی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا کیونکہ کچھ لوگ ہمارے قریب سے گزر رہے تھے۔ "ہم دونوں یہاں برابری کے جذبے کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے آئے ہیں اس لیے ہم دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر نسل، جنس یا زبان کی کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔۔۔"

"پھر بہکنے لگے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر پیار بھرے لہجے میں کہا اور رہائشی منزلوں کی طرف جانے والی لفٹوں کی طرف ہو لی۔

"کس کے پاس لے جا رہی ہو؟" راستے میں تخلیہ پا کر میں نے سوال کیا۔

"ماریانا گیبرائیل کے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں تم سے کافی دیر پہلے یہاں آ گئی تھی اور میں نے تمہاری ہدایت کے مطابق کمرا ایک کرا لیا تھا۔"

"تم اتنی نمایاں تیاریوں کے ساتھ آئی ہو کہ بلا مبالغہ ہر شخص تمہیں دیکھنے پر مجبور ہوا جا رہا ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"خوبصورت لگ رہی ہوں نا؟" اس نے بچّوں جیسی خوشی سے کہا پھر یکلخت سنجیدہ ہو کر بولی۔ "میں اسی لباس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بال سنوار کر اسکارف باندھا ہے یا سینڈل پہنے ہیں، میرا خیال ہے کہ تم نشے میں ہونے کی وجہ سے اس وقت زیادہ حساس ہو گئے ہو۔ مجھے تو اندازہ نہیں ہو سکا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہو۔ ہاں! ہوٹل سے باہر کی اور بات ہے۔ تمہارے لوگ صرف دیکھنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ میری سفید چمڑی کا فائدہ اُٹھا کر، اور کچھ نہیں تو شانے ہی رگڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔"

"تمہارے شانے گھس تو نہیں جاتے؟ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ولایت کی ٹیوب، میٹرو اور بسوں میں تم سر سے پیر تک مردوں کی بھیڑ میں پھنس کر سفر کرنے کی عادی ہو۔"

"میرا کچھ بھی نہیں گھستا۔" وہ اوپر جانے والی خالی لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے بولی۔ "مجھے ان بے چاروں پر ترس آتا ہے جو میرے شانے کا ایک لمحاتی لمس محسوس کر کے گھنٹوں میرے بارے میں سوچتے رہتے ہوں گے جبکہ میں خود ایسے مردوں کو ستا اور تڑپا کر لذت محسوس کرتی ہوں۔ تمہارے شہر میں آ کر کبھی کبھار تو میں خود اپنے کندھوں اور کہنیوں کو فراخدلی سے استعمال کرنے لگتی ہوں۔ اس مہم جوئی میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بد قماش لفنگے میرے پیچھے لگ گئے اور اس وقت تک نہ بھاگے جب تک میں نے ڈانٹ پھٹکار کر انھیں تماشا نہیں بنا دیا۔ ذہنی عیاشی کی اور بات ہے لیکن میں اپنی زندگی میں کبھی کسی کے لیے ایسا نرم چارا ثابت نہیں ہوئی جیسا تم محسوس کرتے ہو گے۔"

میں نے اس نرم چارے کا گداز محسوس کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ تیزی سے اوپر اُٹھتی ہوئی لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ چوتھی منزل پر رُکی اور اس کا دروازہ کھل گیا۔

فلور پر نیچے جانے والی لفٹ کے انتظار میں دو جوڑے موجود تھے۔ انھیں یک بیک سامنے پا کر میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ویرا کے عقب میں جاپانیوں کے انداز میں بار بار سر کو کمر سمیت احترام آمیز خم دیتا ہوا لفٹ سے برآمد ہوتا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میری اس زن مریدانہ حرکت پر ایک لڑکی نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں اپنے ساتھی مرد کی طرف دیکھا۔ بظاہر اس کا مدعا یہی معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھی مرد کو مجھ سے سبق لینے اور میری تقلید کرنے کا مشورہ دینا چاہ رہی تھی۔ اس بے چاری کو اس واردات کا مطلق اندازہ نہیں ہو سکا تھا جو میری جاپان زدگی سے لمحہ بھر پہلے رونما ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

"یہ یاد رکھنا کہ اس وقت میرا نام ماریانا گیبرائیل ہے۔" ویرا نے راہ داری میں اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم اسی ہوٹل میں مقیم ہو؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں نیچے تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے تمہارے آنے سے پہلے کمرا بُک کرایا ہے۔" اس نے مجھ پر آنکھیں نکال کر دھیمی غراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ابھی یہ غمزے نہ دکھاؤ۔ کمرا ابھی بُک کرایا ہے تو کوئی پورٹر وغیرہ ساتھ کیوں نہیں لیا اور کمرے کی چابی کہاں ہے؟" میرے ذہن میں دُور کہیں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھی تھی۔

"پورٹر تمہیں سر پہ اُٹھاتا؟ جب میرے ساتھ سامان ہی نہیں ہے تو پورٹر کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنے کمرے کا نمبر معلوم ہے اور یہ ہوٹل میرا دیکھا بھالا ہے۔ چابی کی ہول میں موجود ہوگی یا روم سروس والے کمرا درست کر رہے ہوں گے۔"

اس کے دونوں جواب معقول تھے لیکن میرے ذہن سے خطرے کی موہوم گونج دُور نہ ہو سکی۔

ویرا چلتے چلتے ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں گھوم گئی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

اندر ایک ہاؤس میڈ بستر درست کرنے کے بعد کرسیاں جھاڑ رہی تھی۔ اس نے شستہ انگریزی میں ہم دونوں کو خوش آمدید کہا اور ویرا نے اس سے بھی زیادہ نکھری ہوئی اردو میں اس کا شکریہ ادا کر کے اسے بھونچکا کر دیا۔

رائٹنگ ٹیبل پر پھیلی ہوئی ہوٹل کی اسٹیشنری سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمرے میں روم سروس والی خاتون کا کام مکمل نہیں ہوا تھا لیکن ویرا نے اپنے سیاہ، چرمی شولڈر بیگ میں سے ننھا سا دستی پرس نکال کر دس روپے کا نوٹ اس خاتون کو تھمایا تو شکریہ ادا کرنے کے بعد بھی وہ متذبذب تھی۔

"مجھے چند منٹ کی..." اس نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جو رہ گیا ہے وہ ہم خود کر لیں گے۔ تم جا سکتی ہو۔"

ٹپ دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ اس کی کمرے میں موجودگی ضروری نہیں رہی تھی۔ یہ مزدہ پیشہ ور خاتون بھی خوب سمجھتی تھی اس لیے فوراً ہی سروس ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ باہر جا کر اس نے دروازہ احتیاط سے بند کر دیا تھا جو اندر سے خود ہی مقفل ہونے والا تھا۔

تخلیہ میسر آتے ہی میں ویرا کا ہاتھ تھام کر بستر پر گر گیا۔ اس نے بڑی مہارت سے نہ صرف میرے وجود کا جھٹکا سہہ لیا بلکہ اپنا ہاتھ چھڑانے میں بھی کامیاب ہو گئی۔

"لاابالی نوجوانوں کی طرح بے خود ہونے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہیں گفتگو کے لیے بُلایا ہے۔ مجھے شکار سمجھ کر گھیرنے کی کوشش کرو گے تو بہت جلد تھک جاؤ گے کیونکہ میں خود بھی خطرناک شکاری ہوں اور ہم پر بھٹی ہوئی بھی ہے۔"

"اپنی دشمنی ہم اس ہوٹل سے باہر چھوڑ آئے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "یہ کیسی عجیب دشمنی ہے کہ دو دن پہلے تم پوری فورس کے ساتھ میری کمین گاہ پر چڑھ دوڑی تھیں اور مجھے پیس ڈالنا چاہتی تھیں لیکن آج ہم خلوت میں بیٹھے مذاکرات کر رہے ہیں۔"

"دانشمندوں میں کبھی ازلی دشمنی نہیں ہوتی۔" اس پر بدستور سنجیدگی طاری تھی۔ "کبھی کبھار دشمنی ایک روگ بن کر ان کی عقل کو ضرور چاٹ جاتی ہے لیکن آخر کار وہ گفتگو سے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔"

"تم تو دانشور بننے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑانا چاہا۔ "لیکن یہ بھول گئی ہو کہ یہاں عادہ دانشور بننے کے لیے ایک عینک اور چند بکھری ہوئی زلفوں کا ہونا ضروری ہے۔ تم اسکارف کھول کر بھی ان دونوں میں سے کوئی شرط پوری نہیں کر سکتیں۔"

"شی کو تمہاری ضرورت ہے۔" وہ صوفے پر دراز ہو کر براہِ راست اپنے کام کی بات پر آ گئی۔ "تم شی سے ٹکرا کر زندہ اور آزاد ہو لیکن شی نے تمہاری مخاصمت کی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ شی اب مزید مالی اور جانی نقصان برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اندر کی باتیں ہیں جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ تم شی کے بڑوں کو ہلاک کر کے کئی سلور آئیز پر قابض ہو چکے ہو۔ ان طلسماتی سکوں سے تم شی کے کارندوں کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن تم اختلافات کو فراموش کر کے سمجھوتے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں مقامی قیادت کے ساتھ ہی تمہیں آئی مین کا منصب دلوا سکتی ہوں... یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ تم اس منصب کے اہل ہو۔"

"نہیں ویرا! اب میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ ایک بے نام فون کال پر جب میں اپنے دوستوں کے ساتھ تمہاری تنظیم میں شامل ہوا تو ایک طرف ہم پر دوسرے ذرائع سے روزی حاصل کرنے کے راستے بند ہو چکے تھے اور دوسری طرف میں تمہاری تنظیم کے نام اور کام سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ میرے دو دوستوں کو تمہارے بڑوں نے بے رحمی سے ذبح کرا دیا تھا۔ اب میں دوبارہ اسی اندھے گڑھے میں نہیں گرنا چاہتا۔"

"گڑے مُردے نہ اکھیڑو۔" وہ قدرے برہمی کے ساتھ بولی۔ "کوئی زیرِ زمین تنظیم اپنے پرانے کارکنوں کو بلاوجہ ذبح نہیں کراتی۔ ملوں، کارخانوں اور دفتروں کے لیے ہر اسامی کے لیے متبادل ہر وقت مل جاتے ہیں لیکن ہماری دُنیا میں افرادی قوت کی اتنی فراوانی نہیں ہے۔ ہمارا ہر کارکن ہمارا بیش قیمت سرمایہ ہوتا ہے۔ جب اسے راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس کے پس پشت کوئی ناگزیر مجبوری کارفرما ہوتی ہے۔"

"ہم گہرے دوست تھے۔" میں اس کے جواز کو کوئی اہمیت دیے بغیر بولا۔ "ان میں سے ایک کو ہر طرف سے گھیر کر، بُری طرح دہشت زدہ کر کے مارا گیا۔ قتل سے پہلے اس کا فون تک کاٹ دیا گیا تھا اور ہمیں اس کے جنازے کو کندھا دینے کی اجازت تک نہیں دی گئی تھی کیونکہ اس کے حوالے سے ہم قانون کی نظروں میں آ جاتے۔ نادر کی لاش کو لاوارث قرار دے کر خیراتی فنڈ سے کفن فراہم کیا گیا تھا۔ شی کو اپنے لہو کی بوندوں سے پروان چڑھانے والے ایک مخلص کارکن کا وہ انجام دیکھ کر میرے دل میں بغاوت کی پہلی چنگاری بھڑکی تھی جو آج ایک کھولتے ہوئے آتش فشاں میں بدل چکی ہے کیونکہ میں نے تمہاری صفوں میں گھس کر تمہارے اصل عزائم کا اندازہ لگا لیا ہے۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتی ہو کہ شی کو امریکی سی آئی اے فنڈز فراہم کرتی ہے اور شی سی آئی اے کا ذیلی ادارہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر طاقتور اور خود مختار ہے کہ تمہارے دادا باپ کو براہِ راست صدرِ امریکا تک رسائی حاصل ہے؟"

"یہ نئی خبریں تمہیں کس چنڈو خانے سے حاصل ہوئی ہیں؟" اس نے بے اعتباری کے ساتھ میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے سوال کیا۔ اس کے بشرے پر پیدا ہونے والے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی بلکہ اسے واقعی میرے عائد کیے ہوئے الزامات پر یقین نہیں آیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شی کی اعلیٰ ترین پالیسی ساز سطح تک اس کی رسائی نہیں تھی اور وہ خود ان باتوں سے بے خبر تھی جو میں ماریا کے ڈان بھتری کی زبانی سن چکا تھا۔

"یہ سب اٹل حقیقتیں ہیں ویرا۔" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے فوراً میری بات کاٹ دی۔

"تم نے پھر میرا غلط نام لیا۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں ماریانا گبرائیل ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت ہم اس کمرے کی خلوت میں ہیں۔ یہاں ایسی احتیاط غیر ضروری بلکہ مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"احتیاط کبھی غیر ضروری نہیں ہوتی۔ اب تم مجھے ماریا کے نام سے ہی پکارو گے کیونکہ میں نے یہ کمرا اسی نام سے لیا ہے۔ میرے پاس پاسپورٹ کے علاوہ کوئی اور شناختی دستاویز ہوتی تو میں یہ نام بھی استعمال نہ کرتی۔ آج کل تمہارے شہر میں ہونے والی دہشت گردی اور تخریب کاریوں کی وجہ سے ہوٹل والے کسی کو بھی واضح شناخت کے بغیر کمرے نہیں دے رہے... خیر اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"کوئی بات صرف اس وجہ سے بے سروپا قرار نہیں دی جا سکتی کہ وہ تمہارے علم میں نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں اُگلتے ہوئے کہا۔ "شی کی منشیات فروشی اور اسلحے کی غیر قانونی درآمد و برآمد کے کھیل تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ تم شی کے پسِ پردہ عزائم سے آج بھی اتنی ہی بے خبر ہو جتنی دس برس پہلے تھیں۔"

"شی کے ذریعے میرا باپ بے پناہ دولت کما رہا ہے۔ اسے پیسے کی ہوس ہو گئی ہے۔"

"پیسہ کمانے کے لیے کنگ لائنر ہی کافی ہے۔ جہاز رانی کی دُنیا میں وہ بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ حساب لگاؤ گی تو شی میں تمہیں گھاٹا ہی گھاٹا نظر آئے گا۔" میں نے کہا۔

"میری معلومات کو ناقص کہہ رہے ہو تو پھر وہ بتاؤ جو تمہارے علم میں ہے۔ گھاٹے کے لیے کون اس قدر خطرات مول لے کر اپنی عزت، شہرت اور زندگی کو داؤ پر لگائے گا؟"

"تم جانتی ہو کہ شی ہیروئن کو یہاں سے باہر اسمگل کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی۔ شی ایک خفیہ امریکی ادارہ ہے جو صرف ایک مقصد سے وجود میں لایا گیا ہے کہ جن ملکوں میں افیون پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے ہیروئن کشید کی جاتی ہے، ان ہی ملکوں میں اس کی زبردست کھپت پیدا ہو جائے تاکہ وہاں سے مغرب اور امریکا اسمگل کرنے کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ تھوڑی بہت مقدار جو شی باہر اسمگل کراتی ہے، مجھے یقین ہے کہ تلف کرا دی جاتی ہوگی۔ اس مقصد کے حصول میں شی کو آمدنی کے بجائے سراسر خسارہ ہوتا ہے جبکہ اس کے تنظیمی اخراجات بے پناہ ہیں جو سب خفیہ فنڈز اور امداد سے پورے کیے جاتے ہیں۔ شاید تمہیں علم ہوگا کہ امریکا سیاسی اور سفارتی سطح پر ترکی، پاکستان، برما اور ہیروئن کا خام مال پیدا کرنے والے دوسرے ممالک کو صرف اس مد میں بھاری امداد دیتا ہے کہ ان ممالک کی حکومتیں اپنی سرزمین پر افیون کی کاشت کی پوری قوت سے حوصلہ شکنی کریں۔ وہ کھلا ہوا سفارتی اور سیاسی محاذ ہے اور شی اسی مشن پر نہایت خفیہ انداز میں کام کر رہی ہے۔ وہ مقامی جرائم پیشہ افراد کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ ہیروئن کی تقسیم کے کام میں مال بنائیں۔ اس طرح وہ ہر ملک میں سماج دُشمنوں کی ایک خوفناک فوج منظم کر رہی ہے۔"

"پھر اسلحے کی تجارت کس مد میں جاری ہے؟" وہ فوری طور پر میرے دعوے کی تردید کی ہمت نہ کر سکی۔ اسے علم تھا کہ میں ثبوت یا دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ نہیں کرتا تھا۔

"مقامی جرائم پیشہ لوگ بہت تیزی کے ساتھ ہیروئن کی خرید وفروخت کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ اسمگلنگ میں کامیابی تو لاٹری نکلنے کے مترادف ہوتی ہے لیکن مقامی لین دین بھی کم منافع بخش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہیروئن ایک ہولناک وبا کی طرح ہر شہر اور قصبے میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، ہیروئن فروشوں کے خلاف رائے عامہ بھی منظم ہو رہی ہے۔ سماجی اور اخلاقی جرائم کی بھرمار سے تنگ آکر یہ رائے عامہ ایک طوفانی لہر کی طرح منشیات فروشوں کے خلاف اُٹھ سکتی ہے۔ اسے خوفزدہ، خاموش اور بے ضرر رکھنے کے لیے مقامی منشیات فروشوں کو طاقت فراہم کرنا ناگزیر ہے۔ یہ تمام اسلحہ ان مجرموں کے ہی کام آتا ہے۔ ہمارے ملک میں آئے دن یہ لوگ خون کی ہولیاں کھیلتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے شریف شہری سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کے خلاف زبان کھولنے سے ڈرتے ہیں، جو ذرا سی ہمت دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اسے بے رحمی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ خوف و ہراس بلکہ دہشت کے اس ماحول میں ان لوگوں کے خلاف رائے عامہ کبھی بھی منظم نہیں ہو سکتی۔ اس فضا کو برقرار رکھنے کے لیے جدید اور مہلک ترین اسلحے کا استعمال اور اس کی نمائش ضروری ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شی کے خلاف تمہارے ذہن میں اچھی طرح زہر بھرا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "کہاں صدرِ امریکا اور کہاں جمی لائیڈ جو مجھ جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا باپ بن جانے کے باوجود آج تک غیر شادی شدہ ہی کہلاتا ہے۔ میں نہیں مان سکتی کہ یہ اتنے اونچے پیمانے پر ہونے والا کوئی کھیل ہے۔ دُنیا کا کوئی بھی ملک ریاستی سطح پر بین الاقوامی جرائم، قتل و غارت گری اور منشیات فروشی کی حماقت نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسے راز فاش ہوتے ہی وہ ملک عالمی نفرت کا نشانہ بن سکتا ہے۔ غیر معمولی مواصلاتی ترقیوں کے اس دَور میں کوئی قوم اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔" اس کے ایک ایک لفظ سے بے اعتباری سی ترشح ہوتی تھی لیکن اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی سوچ میں پڑ گئی ہے۔

"طاقت کے سامنے عالمی رائے عامہ دو کوڑی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ طاقت کو تو قوموں کی برادری تک میں ویٹو کی صورت میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر شی کی ذمّے داریوں میں منشیات کا فروغ ہی ایک اضافہ ہے ورنہ قتل، تشدد، تخریب کاریوں جیسے جرائم امریکی سی آئی اے کے فرائض میں شامل ہیں۔ کئی ملکوں میں حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کے بارے میں کھل کر سی آئی اے کا نام لیا جاتا ہے۔ کئی سربراہوں کا خون اس کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ ہاں تم یہ ضرور کہہ سکتی ہو کہ کوئی چھوٹا اور کمزور ملک ایسی مہم جوئی کی جسارت کر بیٹھے تو بڑی طاقتیں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیں گی۔"

"میرا ایک چھوٹا سا سوال تھا جس کے جواب میں تم داستانِ امیر حمزہ لے بیٹھے۔" اس نے اردو ادب کا وہ مستند حوالہ دے کر مجھے حیران کر دیا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم ایک بڑے منصب اور وسیع تر اختیارات کے ساتھ شی میں لوٹنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

"لیکن کیوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرزور انداز میں سوال کیا۔ "تم نے یہ غور کرنے کی زحمت کیوں نہ کی کہ پاکستان میں بُری طرح ہزیمت اُٹھانے کے باوجود شی یہاں اپنے پنجے کیوں گاڑے رکھنا چاہتی ہے؟ یہاں اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے وہ اپنی روایات کے برعکس مجھ جیسے بڑے دُشمن سے سمجھوتا کرنے پر تیار ہیں۔ اس کا کوئی تو قابلِ فہم سبب ہونا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی ذات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" اس نے اپنے چرمی شولڈر بیگ میں سے بلیک لیبل کی سربمہر بوتل نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "میری اب اپنے باپ سے صلح ہو گئی ہے۔ شی کے کسی مفاد کے بجائے اس نے صرف میری وجہ سے تم کو سمجھوتے کی پیشکش کی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ طویل رفاقت کے بعد اب میں تم کو پسند کرنے لگی ہوں۔ اسی وجہ سے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے ورنہ پیغام رسانی کے لیے تو کوئی اور شخص بھی پاکستان آ سکتا تھا۔"

"جمی لائیڈ مکارِ اعظم ہے۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طرف تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو کہ تمہارے باپ نے تمہاری پسند کا لحاظ کیا ہے اور دوسری طرف اسے اُمید رہی ہوگی کہ میں تمہارے دام میں آ جاؤں ہوں مگر کسی اور کے قابو میں نہیں آ سکوں گا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ شی کو ہر قیمت پر پاکستان میں پنپتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے"

اس نے گلاس اُٹھا کر ریفریجریٹر سے ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی نکال لی تھی اور دو گلاس بنانے میں مشغول ہو چکی تھی۔

"اس کے لیے پاکستان اتنا اہم کیسے ہو گیا؟" ویرا نے اپنا روکے بغیر میری طرف نظریں اُٹھا کر سوال کیا۔

"افغانستان کی لڑائی نے دونوں طرف کے سرحدی علاقوں کی صورتِ حال پر اثر ڈالا ہے۔ قانون کی دسترس سے باہر ان علاقوں میں نہ صرف مقامی قبائلیوں نے بلکہ بعض متحارب

گروہوں نے بھی افیون کی مہنگی اور نقد فصل کی کاشت شروع کی ہوئی ہے۔ خام مال کی فراوانی نے اس پوری پٹی کو ہیروئن کی کشید کے لیے زرخیز بنا دیا ہے۔ اس ہیروئن کی کچھ مقدار ہندوستان کے راستے بھی اسمگل ہوتی ہے لیکن بیشتر مقدار پاکستان کے روٹ سے نکلتی ہے۔ جمی لائیڈ اس نکاس کو ہر قیمت پر روکنا چاہتا ہے۔ سرکاری سطح پر امریکا نے بھاری امداد دی ہے تاکہ مردان وغیرہ کی تحصیلوں میں کاشتکاروں کو معاوضے دے کر ان کی افیون کی فصلیں تباہ کر دی جائیں اور انھیں دوسری فصلوں یا مزدوری وغیرہ کی ترغیب دی جائے۔ جن زمینداروں نے یہ پیشکش قبول نہیں کی ان پر تشدد کیا گیا اور فصلوں پر زبردستی، جہازوں سے تباہ کن اسپرے کیا گیا لیکن میں جانتا ہوں کہ اس قسم کی حرکتیں ان علاقوں میں کبھی بار آور ثابت نہ ہو سکیں گی۔ اسی ناکامی کے سدِباب کے لیے جمی لائیڈ کی شی یہاں سرگرم عمل ہے۔ یہاں سے ایک بار شی کے پاؤں اُکھڑ گئے تو ڈرگ مافیا یہاں کی پیداوار کے سہارے یورپ اور امریکا میں تہلکہ مچا دے گی۔ اپنی سرزمین پر آنے والے اس متوقع طوفان کو روکنے کے لیے امریکی پاکستان میں بند باندھنے کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ اس پوری بین الاقوامی سازش میں تمھیں جمی لائیڈ ایک حقیر مہرے کی طرح استعمال کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مصلحتاً صرف اس لیے تم سے صلح کی ہو کہ تمھارے ذریعے مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو سکے۔"

"تم سے نہیں ملی تھی تو تمھیں اسٹین گن سے بھون ڈالنے کو جی چاہتا تھا۔" وہ بلیک لیبل کا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے مضمحل لہجے میں بولی۔ "اب ملی ہوں تو تم نے میرے ذہن کو اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ تم نے یہ تمام باتیں کس بنیاد پر کی ہیں لیکن میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا ہے کہ تم نے اب مافیا والوں کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"نہ شی کے لیے اور نہ مافیا کے لیے۔" میں نے ویرا کے ساتھ گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے دو ٹوک لہجے میں جھوٹ بولا۔ "شی کے لیے تو میں خود کام کرتا رہا ہوں لیکن مافیا کے وجود سے میں بے خبر ہوں۔ تم نے مجھے کسی جرمن پولیس افسر کی مدد کرنے کا مشورہ دیا تھا جو یہاں مافیا کے خلاف تفتیش کے لیے آیا ہوا تھا لیکن میرے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ ایک ناکام قاتلانہ حملے سے خوفزدہ ہو کر اپنے وطن واپس لوٹ چکا تھا اس لیے میرے اور مافیا کے گٹھ جوڑ کے بارے میں تمھارے قیاسات بے بنیاد ہیں۔"

"تمھارے ملک میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ پولیس اور انسدادِ منشیات کے متعدد اداروں میں ایسی کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں جو ہر خفیہ آپریشن سے پہلے اپنے آقاؤں کو ہوشیار کر دیتی ہیں اور ہر کارروائی بُری طرح ناکام ہو جاتی ہے۔"

"پاکستان کا طعنہ نہ دو۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "مافیا کا تاریخی وطن اٹلی کہلاتا ہے اور اب شی کا مرکز بھی وہی ہے۔ کولمبیا اور جنوبی امریکا کے کئی ملکوں میں مستند ڈرگ اسمگلر نہ صرف اسمبلیوں میں قانون کا منبع اور ماخذ بنے ہوئے ہیں بلکہ حکمرانی بھی کر رہے ہیں۔ اچھائیوں کے ساتھ ان بُرائیوں میں بھی ہم تم لوگوں سے پیچھے ہیں اور پسماندہ کہے جا سکتے ہیں۔"

"پسماندہ ہو کر بھی ہیروئن سب سے عمدہ بناتے ہو۔" وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "خالص پاکستانی ہیروئن عالمی منڈی میں سب سے مہنگی بکتی ہے۔ سڑکوں پر ڈوز بیچنے والوں تک پہنچتے پہنچتے اس میں دس گنا ملاوٹ ہو چکی ہوتی ہے مگر پھر بھی یہ ہلاکت کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ خالص ہیروئن تو شاید سونگھنے سے ہی سر پر ناچنے لگے۔"

وہ اپنی رَو میں بات کہہ گئی اور میرا ذہن کہیں اور بھٹک گیا۔ باہر کی منڈیوں میں ہماری کئی جیتی جاگتی ہیروئنیں جاتی اسی لیے ہیں کہ دیکھنے کے بعد انھیں سونگھا جائے اور جب وہ منڈل لگا کر ناچتی ہیں تو ہر تماشائی کے سروں پر ناچتی ہیں۔ وہ ناچتی ہیں تو حیا سر جھکا کر منڈل کے چور دروازے سے رخصت ہو جاتی ہے اور جو رہ جاتا ہے یا ہوتا ہے وہ سب ناگفتنی ہوتا ہے۔ اعضاء کی شاعری کے نام پر سجنے والی ایسی محفلیں قوم کا نوحہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ میں تم کو کبھی اپنی راہ پر نہ لا سکوں گی۔" خاموشی کے دوران میں اپنے لب تر کرنے کے بعد وہ دوبارہ بولی۔ "تمھاری باتیں فکر انگیز ضرور ہیں لیکن میں تمھارے نظریات کو قبول نہیں کر سکتی۔ جب تک میں اکیلی تھی تو اور بات تھی مگر اپنے باپ سے صلح ہو جانے کے بعد میں اب اُسے ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمھارے دلائل درست ہوں یا بے بنیاد، مجھے آخر کار اپنے باپ کے پاس واپس جانا ہے۔ میرا مشن تمھیں راہِ راست پر لانا یا ختم کرنا ہے۔ پہلا کام نہیں ہو سکتا اس لیے دوسرے انجام سے بچنے کے لیے تمھیں کچھ دن کے لیے روپوش ہو جانا چاہیے تاکہ شی کے ساتھ میری وفاداری شک و شبے سے بالا رہ سکے۔ میں تمھاری تلاش میں ناکام رہ کر واپس چلی جاؤں گی۔"

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی، میں تم سے چند منٹ کی اجازت چاہوں گا۔" میں نے چونک کر کہا کیونکہ مجھے کار میں سوتے ہوئے سلطان شاہ کا خیال آ گیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"بس نیچے کا ایک چکر لگا کر لوٹ آؤں گا۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے سلطان شاہ کا نام لیا تو وہ چراغ پا ہو جائے گی۔

"ناممکن۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ "ہم اس کمرے میں ایک معاہدے کے تحت یکجا ہوئے ہیں۔ باہمی سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہم اکٹھے اندر آئے ہیں تو اکٹھے ہی باہر جائیں۔"

"تمھیں شبہ ہے تو پھر میں کہیں نہیں جاتا۔" میں نے پھر گلاس اٹھا لیا۔

"لیکن تمھیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں جانا چاہ رہے تھے۔ اس بارے میں مجھ سے جھوٹ نہیں چل سکے گا۔ جھوٹ بولے تو یہ محفل ابھی برخواست سمجھو۔"

میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا پھر مسکراتا ہوا بولا۔ "میں گھر سے نکلا تو نشے کی جھونک میں تھا۔ اس لیے ڈرائیور کو ساتھ لے لیا تھا۔ سوچا تھا کہ اسے واپس لوٹا دوں۔"

"سلطان شاہ تو نہیں ہے نیچے؟" وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گئی۔

"وہی ہے لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی سازش نہیں ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ مجھے سلطان شاہ کا دیا ہوا وقت یاد تھا۔ اگر میں ایک گھنٹے کی مدت میں اسے اپنی خیریت سے آگاہ نہ کرتا تو وہ واقعی میری تلاش میں ہوٹل میں داخل ہو سکتا تھا۔

"وہی ہے تو اسے روانہ کر دو۔ چلو میں بھی تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ اپنے گلاس میں سے دو لمبے گھونٹ لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اتنی عجلت بھی نہیں ہے، کم از کم گلاس تو خالی کر لو۔" میں نے کہا۔

"اسے روانہ کر کے سکون سے پئیں گے۔ میں نے تم کو اکیلے آنے کی تاکید کی تھی۔ اس شق کی خلاف ورزی کر کے تم نے میری طبیعت بے مزہ کر دی ہے۔"

"پھر آؤ۔ اس سے نمٹ ہی لیتے ہیں۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسی لمحے ویرا تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف جھپٹی اور میں بوکھلا گیا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے وار سے بچنے کے لیے ادھر گئی ہو۔ لیکن وہ میز کے قریب پہنچ کر رک گئی اور میز کی سطح پر دونوں ہاتھ ٹکا کر گلدان میں لگے ہوئے تازہ پھولوں کو گھورنے لگی۔

صاف ظاہر تھا کہ اس گلدستے میں اسے دُور ہی سے کوئی غیر معمولی چیز نظر آ گئی تھی ورنہ وہ یوں اضطراری انداز میں اُدھر نہ جھپٹتی۔

"ادھر آؤ اور یہ دیکھو۔" اس نے میری طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

میں اس کے نزدیک پہنچا تو وہ گلدستے میں سے ایک دو انچ لمبا اور بمشکل نصف انچ قطر والا سیاہ جالی دار آلہ نکال چکی تھی جس کے اوپری حصّے پر ماند پڑتے ہوئے انگارے جیسی سرخی موجود تھی۔ میں نے وہ آلہ ویرا کی چٹکی سے لے لیا۔ اپنی ظاہری ساخت کے مقابلے میں وہ خاصا وزنی تھا اور یقینی طور پر کوئی حساس لاسلکی مائیکروفون تھا جس کا رابطہ کسی ریسیونگ اپریٹس سے رہا ہو گا۔

ویرا کی اس دریافت کا جائزہ لیتے ہوئے میرے بدن میں سنسنی سرایت کر گئی۔ مائیکروفون کا مدھم بلب اس امر کا مظہر تھا کہ وہ آن تھا اور جس کسی نے وہ آلہ ہمارے کمرے میں بھجوایا تھا، وہ آس پاس ہی، کہیں چھپ کر ہماری گفتگو سُن رہا تھا۔

آلے کی بیرونی سطح پر کہیں کوئی ایسا سوئچ یا بٹن نہیں تھا جسے دبا کر اسے آف کیا جا سکتا۔ اس دریافت کے بعد ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے اور ویرا کے چہرے پر تشویش کے ساتھ ہی بے اعتباری کے سائے لہرانے لگے۔

دوسری طرف میری کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ مجھے ڈان تھری سے علم ہو چکا تھا کہ شہر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو براہِ راست مدر مافیا کو جواب دہ تھے اور ان کا کام پس پردہ رہ کر میری اور مافیا کے مفادات کی حفاظت کرنا تھا۔

ویرا کے تمام حواری جہنم واصل ہو چکے ہیں، بینڈو وغیرہ سے ایسی جارحانہ جسارت کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لیے لے دے کر مدر مافیا کے آدمی رہ جاتے تھے جو وہ آلہ نصب کرا سکتے تھے لیکن ان کی پیش بینی کسی بھی طرح قابلِ فہم نہیں تھی کیونکہ میری اور ویرا کی ملاقات فوری طور پر طے ہوئی تھی۔ ہم کو ہالی ڈے ان میں ضرور ملنا تھا لیکن وہاں کمرا حاصل کرنے کا فیصلہ ویرا نے اپنے طور پر کیا تھا جس کی کسی کو بھی بھنک نہیں مل سکتی تھی۔

اگر مدر مافیا والے میرا تعاقب کر رہے ہوتے تو مجھ سے پہلے ویرا کے کمرے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ ویرا کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور اس نے

میرے آنے سے قبل جب کمرا بُک کرایا تو اُنھوں نے کاؤنٹر سے
اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ہمارے اوپر پہنچنے
سے قبل کمرے میں اپنا کام پورا کر گئے۔

ایسی صورت میں قوی امکان تھا کہ وہ آس پاس کے کسی
کمرے میں ہماری گفتگو سُنتے رہے ہوں۔ میں نے اپنے ذہن میں
فوراً ہی ساری گفتگو کا جائزہ لے ڈالا جو نہ شی کی حمایت میں تھی اور
نہ مافیا کی مخالفت میں۔ مگر اس گفتگو سے یہ ضرور ظاہر ہو جاتا تھا کہ
میرا ویرا سے رابطہ برقرار تھا جبکہ مافیا والوں کو میں نے اس بارے
میں اندھیرے میں رکھا ہوا تھا۔

ویرا نے وہ آلہ میرے ہاتھ سے واپس لے کر اس کے
انگارے کی طرح روشن حصے کے ساتھ کوئی حرکت کی اور پھر
تیزی کے ساتھ اسے غسل خانے کے فرش پر ڈال دیا۔ لمحہ بھر بعد ہی
دھیمی اور سرخ روشنی معدوم ہوئی اور وہ آلہ شوں کی تیز آواز کے ساتھ
دیا سلائی کے مسالے کی طرح جل اُٹھا۔

آلے کی گرم راکھ سے اُٹھتے ہوئے سفید دھوئیں کا جائزہ لیتے
ہوئے میں نے اچانک محسوس کیا کہ وہ چیز ویرا کے لیے نئی نہیں
تھی کیونکہ وہ اسے تباہ کرنے کے طریقے سے واقف تھی۔ لاعلم
ہوتی تو آلے کو غسل خانے کے ننگے فرش کے بجائے کمرے
کے قالین پر ڈال کر اسے جلا دیتی۔

”یہ کمرے میں کہاں سے آیا؟“ میں نے سحر زدہ اور دھیمی آواز
میں اس سے سوال کیا۔

”میں خود حیران ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے ہاؤس میڈ کو
آلۂ کار بنایا ہوگا۔“

”مگر وہ کون ہو سکتا ہے اور یہ کیا بلا تھی؟“ میں بدستور اُلجھا
ہوا تھا۔

”یہ جدید ترین چپس ٹیکنالوجی کا ایک شاہکار تھا اور اس نے
مجھے پریشان کر دیا ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا سیٹلائٹ مائیکروفون
تھا جو مواصلاتی سیارے کے ذریعے ہمارے سانسوں تک کی
آوازیں براہِ راست میلان کے کنٹرول روم میں پہنچا رہا ہوگا۔ اسے
صرف ایک مرتبہ اور ہمیشہ کے لیے آن کیا جا سکتا ہے۔ لیمپ کور
گھما ... کوشش کے پندرہ سیکنڈ بعد یہ خود بخود جل جاتا ہے
لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہ حساس ترین مائیکروفون کس نے یہاں
پہنچایا؟ اس کا مطلب ہے کہ میرے باپ نے کسی کو میرے
پیچھے لگایا ہوا ہے...“

اس کے وہ الفاظ میرے لیے حوصلہ افزا تھے۔ مُدر مافیا
والوں کا خوف دُور ہوتے ہی میرا دل شیر ہو گیا اور میں نے ویرا
کی بات درمیان سے ہی اُڑا دی۔ ”یہ مائیکروفون میرے دعوے
کی تصدیق کرتا ہے۔ تمھارے باپ کو اب بھی تم پر اعتماد نہیں
ہے۔ اس نے تمھیں چارا بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ اس کی تم سے
صلح ایک مکارانہ چال کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا کوئی قابلِ
اعتماد ساتھی تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمھارے
ٹیلی فون بھی سُن رہا ہو۔ جب ہی اُس نے اس کمرے میں
بروقت مائیکروفون نصب کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تاکہ
تمھارا باپ اپنے کانوں سے میری اور تمھاری گفتگو سُن سکے۔“

”مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔ میں انطونیو
کے ساتھ اپنے چارٹرڈ جہاز میں آئی تھی۔“ اس نے پُرخیال لہجے
میں کہا۔ ”یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ ماجا اس وقت دُنیا
کے بہترین عریبن ریز سپلائرز میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے فراہم
کیے ہوئے جنگجو دُنیا کے مختلف علاقوں میں شہرت کما رہے ہیں۔
اسے مار کر تم نے میرے لیے دُشواریاں کھڑی کی ہیں۔ جو کچھ ہوا
اس کے قتل کے بعد ہی ہوا ہوگا۔ جمی لائیڈ نے فوراً ہی میری
حفاظت کے لیے کسی کو یہاں بھیج دیا ہوگا۔“

”تم مائیکروفون کو بھول رہی ہو۔ وہ ننھا سا آلہ انطونیو
بھی اپنی جیب میں رکھ کر لا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مرنے سے
پہلے وہ آلہ مطلوبہ آدمی تک پہنچا دیا ہو۔“ میں اس موقع سے پوری
طرح فائدہ اُٹھانے پر تُلا ہوا تھا۔ ”اصل بات یہ ہے کہ کسی بھی
اہم ترین موقع پر تمھارا بدذات باپ اپنے کانوں سے تمھاری گفتگو
سُننا چاہتا تھا اور وہ اس نے سُن لی۔ آج انطونیو زندہ ہوتا تو
ہتھوڑے سے تشدد کے بعد ہی شروع سے آخر تک ساری
کہانی اگلتا چلا جاتا...“

”ماجے کے بعد اسے بھی تم ہی نے مارا ہے۔“ وہ ملامت آمیز
لہجے میں بولی۔

”وہ انتقاماً مارا گیا۔ تم نے بدنصیب کامران کو جس بے رحمی
کے ساتھ دردناک موت کا نشانہ بنایا، اس نے میرے وجود
میں آگ بھر دی تھی۔ اگر تم نے مجھے چھوٹ نہ دی ہوتی تو غزالہ
کے مکان میں، میں نے تمھارے پورے بدن کو گولیوں سے چھلنی
کر دیا ہوتا۔“

”تو اب اپنا ارمان پورا کر لو۔“ اس نے گلاس خالی کر کے
ایک ادا کے ساتھ کہا۔

”ضرور کروں گا لیکن پہلے سلطان شاہ کے بارے میں
فیصلہ کر لینے دو۔“

”جاؤ، اس سے نمٹ آؤ۔ مائیکروفون کی دریافت نے
پوری صورتِ حال کو بدل کر رکھ دیا ہے۔“

”میں بھی یہی سمجھانا چاہ رہا تھا کہ تمھیں اپنے دُشمنوں سے

اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا اپنے نام نہاد دوستوں اور ہمدردوں سے ہے۔ مجھے تم اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیتی ہو لیکن دیکھنا کہ آج کی رات تم میرے ہاتھوں میں کتنی محفوظ و مامون اور آسودہ رہو گی . . . میں بہت جلد واپس آرہا ہوں۔ اس دوران میں تم نئے گلاس تیار کرلو۔ ذہن بوجھل ہو جائیں تو غم ہلکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔"

وہ تیکھی چتون سے میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور میں اس کے کمرے سے نکل گیا۔

رات ڈھل رہی تھی اور عرصۂ دراز سے ہوٹلوں میں ان سرگرمیوں پر پابندی عائد تھی جو اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ساتھ شباب پر آتی ہیں۔ نہ مے خانے رہے تھے نہ مرمریں جسموں والے ساقیوں کے ہاتھوں سے زہر پینے والوں کو آزادی تھی پھر بھی ہوٹل میں رونق تھی۔ لب تشنہ ہوں تو نظروں کی پیاس بڑھ جاتی ہے اس لیے ہر شخص اپنے ہیرے کو فراموش کرکے دوسرے نگینوں کی چکاچوند میں الجھا جارہا تھا۔ ماحول بہت زیادہ مہذب لیکن نگاہیں بے باکانہ تھیں۔

ہوٹل سے نکل کر میں سڑک پر آیا تو ٹیکسیوں کی تعداد میں کمی آچکی تھی۔ سلطان شاہ چاہتا تو اپنی گاڑی ہوٹل کے قریب لا سکتا تھا مگر اس کی کار نیم اندھیرے میں وہیں موجود تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی کاہلی پر کڑھتا ہوا اس کی کار کی طرف بڑھا تو عقبی شیشے میں سے براہ راست اسٹیئرنگ وھیل نظر آتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

لمحہ بھر بعد میں اپنی کم فہمی پر دل ہی دل میں بھنا کر رہ گیا۔ یہ درست تھا کہ اسٹیئرنگ وھیل اور شیشے کے درمیان ڈرائیور موجود نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کی پشت گاہ بھی لاپتا تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ پشت گاہ سیدھی کیے، کار ہی میں آرام کررہا تھا۔

میں قریب پہنچا تو سلطان شاہ واقعی پشت گاہ گرا کر کار میں سویا ہوا تھا۔ کار ریڈیو دھیمی آواز میں آن تھا مگر اسٹیشن کے سارے پروگرام ختم ہو جانے کے بعد اسپیکر پر صرف ریڈیائی لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ مجھے گمان گزرا کہ سلطان شاہ گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن جوں ہی میں نے اس کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"یوں ہی سوتے رہے تو کوئی خاموشی کے ساتھ تم کو ذبح کرکے چلا جائے گا۔" میں نے دروازہ کھول کر خوشگوار لہجے میں کہا۔ "نیند آرہی ہے تو فلیٹ میں جاکر سو جاؤ۔"

"خدا کی پناہ!" اس کی تحیّر زدہ اور غنودہ آواز ابھری۔ "تم شاید پھر پیتے رہے ہو۔ تمھارے سانسوں سے الکحل کی کتنی تیز بو آرہی ہے۔ راستے میں تمھیں کسی نے ٹوکا یا پکڑا نہیں؟"

"تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ تم جاکر سو جاؤ۔ میرے پاس اپنی چابی ہے۔ میری واپسی پر تمھاری نیند میں خلل نہیں پڑے گا۔ بس اندر سے بولٹ نہ چڑھا لینا۔"

"یہی روشن خیالی لوگوں کو ایک دوسرے سے بیگانہ بنائی جارہی ہے۔ کوئی سڑک پر پڑا ایڑیاں بھی رگڑ رہا ہو تو کوئی اس کا حال نہیں پوچھتا۔ لوگ زیر لب ایصال ثواب کی دعائیں پڑھتے ہوئے اس سے کنی کترا کر گزر جاتے ہیں۔ کوئی زیادہ نرم دل ہو تو بس ایک ترحم آمیز نظر ڈال لیتا ہے۔" وہ انجن کو سیلف لگاتے ہوئے اپنی جھونک میں بڑبڑایا۔ "ویرا سے ذرا ہوشیار ہی رہنا۔ یہ روشن خیال لوگ خوشیاں لوٹنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے رہتے ہیں لیکن دکھ بانٹنے کا سوال پیدا ہو تو دور دور تک ان کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔"

اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کار آگے بڑھا دی اور میں فوراً ہی واپس چل دیا۔

سینڈو کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی اور وہ میرے سامنے مجرمانہ انداز میں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

"مجھے جواب چاہیے سینڈو!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں اپنے آدمیوں کی حد سے زیادہ کوتاہیاں برداشت نہیں کرسکتا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ علاقے کے تھانے سے کسی باوردی پولیس افسر کو کلب کی حدود میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"میں اس واقعے کے اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ دھیمی آواز اور شرمسار لہجے میں بولا۔ "وہ نیا نیا اس تھانے میں تعینات ہوا ہے۔ میں نے پورا معاملہ اس کے افسر اعلیٰ تک پہنچا دیا ہے۔ وہ نہایت سختی سے اس کی گرفت کرے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کسی نے کوئی ٹپ دی تھی اور وہ اپنی آمدنی کا معقول ذریعہ تلاش کرتا ہوا وہاں آپہنچا۔ اسے ہر بات کا تسلی بخش جواب دیا گیا اور وہ کافی دیر کی کوشش کے باوجود بھی کوئی قابل گرفت نکتہ تلاش نہ کرسکا۔ میری نظروں میں اس معاملے کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن پھر بھی میں نے تمھیں باخبر کرنا ضروری سمجھا . . ."

"نہ کرتے تو میں تمھاری کھال اُدھڑوا دیتا۔" میں چند ہی دنوں میں اس پر بُری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ "معمول سے ہٹ کر ہونے والا ہر چھوٹا بڑا واقعہ میرے علم میں آنا چاہیے۔ بعض بڑے واقعات کی بنیاد ان چھوٹے واقعات سے پڑتی ہے جنھیں غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ وہ اے ایس آئی کلب میں اکیلا آیا تھا یا اس کے ساتھ اس کے ماتحت بھی آئے تھے؟"

"سرکاری وین کا ڈرائیور اور ایک سپاہی ساتھ تھا۔ ڈرائیور وین ہی میں رہا تھا۔ سپاہی برآمدے میں رک گیا تھا۔ مس پارسن کے کمرے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چند ہی دنوں میں ہمارا غلام ہو جائے گا۔ مس پارسن کی سرجیکل مسکراہٹ نے اسے غلط فہمی میں مبتلا کردیا ہے۔ گفتگو کے دوران میں اس نے کئی بار مس پارسن کے جسم کو بھی چھوا تھا۔ وہ دانستہ اس کی حرکتوں کو نظرانداز کرتی رہی۔ اس کے لیے ہم مس پارسن ہی کو چارا بنائیں گے۔ ایک بار اس کی بھی ویڈیو فلم بن گئی تو وہ اپنے افسر سے زیادہ ہمارا احترام کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

وہ تفصیل سن کر مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی۔ جرم و گناہ کی راہوں پر چلتے چلتے میں ایک ایسے موڑ پر آپہنچا تھا کہ آبرو باختہ عورتوں کے حسن و شباب کے سہارے حریفوں کو زیر کرنے کی نوبت آگئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں طوائفوں اور ان کے دلالوں کے کسی طائفے کا سرغنہ بن بیٹھا ہوں۔ میرے نزدیک وہ حرکتیں سخت ناپسندیدہ اور مردانگی کے خلاف تھیں لیکن میں مجبور اور بے بس تھا۔ مافیا کے برسوں پرانے طریقۂ کار کو فوری طور پر بدل ڈالنا میرے بس سے باہر تھا۔

"فی الحال مس پارسن کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس بات کو کوئی اہمیت دیے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔ "چند روز دیکھو کہ اس کا افسر اعلیٰ کیا کرتا ہے۔ اگر اسے اوپر سے مناسب جھاڑ پڑی تو وہ کلب کا رخ کرنا ہی بھول جائے گا۔ ہمیں اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بہتر ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔" اس نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"تم عجیب کاٹھ کے الّو ہو۔" مجھے اس کے مشینی انداز پر غصہ آگیا۔ "جو کہہ دیا جائے اس پر آنکھیں بند کرکے ایمان لے آتے ہو۔ تمھاری اپنی خود کوئی رائے نہیں کہ کیا درست ہے اور کیا غلط؟"

"تمھاری بات درست ہے۔" اس نے بوکھلا کر جلدی سے کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس کا اوپر والا کیا کرتا ہے۔ مس پارسن کو تو ضرورت پیش آنے پر کسی بھی وقت استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟" میں نے اسی بگڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ میرے سامنے ٹھہرنے کے بجائے بھاگ نکلے گا لیکن وہ خلاف توقع ڈٹا رہا۔ "کل رات آٹھ بجے کورنگی کریک سے مال لینا ہے۔ کلفٹن والے واقعے کے بعد یہ پہلی کھیپ ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔ تم مناسب سمجھو تو میں اپنے پیچھے ایک مسلح پارٹی لے جانا چاہتا ہوں۔ کوئی اونچ نیچ ہونے کا امکان ہوا تو وہ لوگ کور دیں گے اور میں اپنا کام کر گزروں گا۔"

"ایسا ہی کرلو لیکن یہ خیال رکھنا کہ زیادہ دھوم دھڑکے کے ساتھ گئے تو ٹریفک کا عام سپاہی بھی تمھاری طرف سے چوکنا ہو سکتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں محتاط رہوں گا۔" وہ ادب سے بولا اور قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔ "پرسوں پہلی تاریخ ہے کل کلب سے بھی تنخواہوں کے رجسٹر آجائیں گے۔"

"تم لوگوں کا جہنم بھرنے کے لیے چیف مجھے کافی رقم دے گیا ہے۔ تنخواہوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔" میں نے اپنی عادت کے برعکس ترش لہجے میں کہا اور وہ سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔

تخلیہ میسّر آتے ہی میرا ذہن ایک بار پھر گزری ہوئی رات کے واقعات میں الجھ گیا۔ ویرا کے ساتھ میں نے بہت خوشگوار وقت گزارا تھا لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ چوتھی منزل کے روم سروس کے عملے میں اس عورت کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا جو سروس ٹرالی لیے ویرا کے کمرے کی صفائی میں مصروف نظر آئی تھی اور ویرا نے اسے دس روپے ٹپ میں دیے تھے۔

ایک وہی نہیں بلکہ چوتھی منزل کے عملے میں اس رات کوئی عورت موجود نہیں تھی۔ میں ہوٹل کے بقیہ اسٹاف کو بھی چیک کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا کیونکہ بڑے پیمانے پر وہ اسکینڈل کھڑا کرکے ہم دونوں غیر ضروری طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے تھے جبکہ ویرا نہایت رازدارانہ طور پر وہ رات میرے ساتھ گزار کر لوٹ جانا چاہتی تھی۔

باتوں باتوں میں میں نے اس سے معلوم کرلیا تھا کہ اس نے غزالہ کے مکان سے اس کے چوکیدار کو اغوا کرکے کلفٹن کے ساحلی علاقے میں ایک ویران اور زیر تعمیر عمارت میں اس پر خاصا تشدد کیا تھا لیکن غزالہ کے مکان میں جو کچھ وہ خود دیکھ چکی تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں اگلوا سکی تھی اور آخر کار ادھیڑ عمر چوکیدار کو زخمی حالت میں اسی عمارت میں چھوڑ کر واپس لوٹ گئی تھی۔

پوری رات گزار کر میں صبح سویرے ویرا کی کار میں، اسی کے ساتھ واپس لوٹا تھا۔ وہ مجھے یقین دلانے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ ہوٹل کے کمرے میں سے سیٹلائٹ مائیکروفون برآمد ہونے کے بعد اس کی سوچ میں نمایاں تبدیلی آئی تھی اور وہ ظاہری طور پر مجھ سے دشمنی برقرار رکھنے کے باوجود، میرے معاملے میں قطعی غیر جانبدارانہ رویّہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔

اس کے اس دوستانہ اعلان کے باوجود میں نے ٹیکسی سے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس نے اس قدر آزردہ ہو کر دل گرفتہ لہجے میں مجھ سے بے اعتباری کا شکوہ کیا کہ میں اس سے لفٹ لینے پر مجبور ہو گیا البتہ میں نے یہ احتیاط ضرور کی تھی کہ اپنے فلیٹ سے ذرا دور ہی اس کی کار سے اُتر گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ آنے کی رسمی دعوت دینے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ فلیٹ میں سلطان شاہ موجود ہوگا جو اپنی تنگ دلی کی بنا پر کوئی بدمزگی پیدا کر سکتا تھا۔

میں نے وہیں کھڑے رہ کر ویرا کی کار کی عقبی روشنیوں کو صبح کے اولین اور میلے اجالے میں معدوم ہوتے دیکھا تھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری کمین گاہ سے دور نکل چکی ہے تو میں سرعت کے ساتھ اپنی بلڈنگ کے زینوں میں داخل ہو گیا۔

فلیٹ کی تمام روشنیاں گل تھیں لیکن جیب میں اپنی چابی سے قفل کھول کر خاموشی سے اندر داخل ہوا تو سلطان شاہ میری واپسی کے انتظار میں پوری طرح جاگ رہا تھا۔

اس نے ویرا کے ساتھ میری واپسی کی خبر سن کر میرے اوپر لعنت ملامت کی بوچھاڑ کر [illegible] ہ خیال تھا کہ ویرا نے فلیٹ دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو [illegible] جیسی چالاک اور مکار عورت کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ میرا علاقہ دیکھ گئی تھی اور ضرورت پیش آنے پر کسی نہ کسی طرح میرا سراغ لگا کر فلیٹ کے دروازے پر دستک دے سکتی ہے۔

ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی سلطان شاہ کا استدلال وہی تھا کہ میں اپنے مرد حریفوں سے اچھی طرح نمٹ سکتا تھا لیکن خوبصورت عورتوں سے واسطہ پڑتے ہی میری عقل پر پردے پڑ جاتے تھے۔ اس کی وہ بے بنیاد ہرزہ سرائی میرے لیے نئی نہیں تھی۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر کے اسے زچ کر دیا مگر مافیا کے دفتر میں بیٹھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ویرا اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود زود حس اور جذباتی لڑکی تھی جو حالات کی تبدیلی سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتی تھی۔

اس کے زود حس ہونے کے جائز اور منطقی اسباب تھے کہ اسے بچپن ہی سے باپ کا سایہ نہیں مل سکا اور پھر ماں بھی اوائل عمری میں داغِ مفارقت دے گئی لیکن وہ میرے مسائل نہیں تھے۔ مجھے خوف لاحق ہونے لگا تھا کہ باپ سے صلح ہوتے ہی وہ اس کے ایک اشارے پر مجھ سے اپنے پرانے رشتے فراموش کر کے میرے خون کی پیاسی ہو گئی، پھر ہوٹل کے کمرے میں سے مائیکرو فون برآمد ہونے کے بعد اپنے باپ سے برگشتہ ہو کر میرے خلاف اپنی خون آشام دشمنی سے دستبردار ہو گئی۔ اسی طرح کوئی نیا جذباتی جھٹکا اسے ایک بار پھر میرے خلاف محاذ آرا کر سکتا تھا۔ اگر اس سے ہر وقت میرا میل جول رہتا تو میں اس کے ذہن میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے واقف ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سے دور رہ کر میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ کس وقت کن ذہنی تبدیلیوں سے گزر رہی ہے۔

اسی سوچ بچار میں میرا ذہن ڈان بھتری کے تازہ ترین پیغامات کی طرف منتقل ہو گیا۔ ایک طرف اس نے سیٹھ حبیب جیوانی کے لیے میدان صاف ہونے کی اطلاع دی تھی، جس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی کے واپس لوٹتے ہی مافیا پر میری چند روزہ حکمرانی اپنے انجام کو پہنچنے والی تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ مجھے حبیب جیوانی کا کوئی پتا ٹھکانا معلوم نہیں تھا۔ اس لیے میں اس سے کوئی رابطہ ہونے تک اپنی سربراہی کو بھرپور طریقے سے استعمال کر سکتا تھا۔

دوسری طرف مجھے یورپ کے کسی پُر فضا مقام پر بلائے جانے کی خبر دے کر الجھن میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس بارے میں میں سلطان شاہ کے خیالات سے سو فیصد متفق تھا۔ میں شی یا مافیا میں سے کسی کے لیے بھی، اپنی کارکردگی کی بنا پر اتنا اہم نہیں تھا کہ میرے لیے سپر ڈان اور جمی لائیڈ اپنی تاریخ میں پہلی بار یکجا ہوتے۔ وہ دونوں ہی جرائم پیشہ لوگوں کے سرغنے تھے۔ ایک کو امکانی طور پر ایک بڑی طاقت کی ریاستی سرپرستی حاصل تھی اور دوسرا اپنی نجی عالمی سنڈیکیٹ چلا رہا تھا۔ ان دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم تھے مگر وہ پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر دنیا کے کسی علاقے میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہیں ہوئے تھے جہاں بھی ایک کا پلّہ بھاری پڑتا، دوسرا خود بخود اس کے لیے میدان خالی چھوڑ دیتا تھا۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری وفاداریاں بدل جانے سے شی کو جو نقصانات اٹھانا پڑے تھے ان کے حوالے سے جمی لائیڈ مافیا کے سپر ڈان کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ جو شخص ایک بار اپنی وفاداری تبدیل کر سکتا ہے وہ بار بار بھی اسی عمل سے گزر سکتا ہے۔ سلطان شاہ کے تجزیے کے مطابق مجھے یہی نظر آ رہا تھا کہ اگر میں کسی ڈان کے حکم پر یورپ چلا گیا تو مجھے دونوں طرف کے بڑوں کے درمیان بٹھا کر بے رحمی کے ساتھ ایسی کڑی جرح کی جاتی کہ میرے دل میں موجود ہیروئن اور دیگر منشیات کے لیے نفرت کو چھپائے

رکھنا ناممکن ہو جاتا اور دو فریقی جیوری مجھے اپنے مقاصد کا دشمن قرار دے کر موت کا سزاوار ٹھہرا دیتی۔

وہ فیصلہ اگر صرف جمی لائیڈ کا ہوتا تو قابلِ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اس سے میری ٹھنی ہوئی تھی۔ میں اس کی بیخ کنی پر تلا ہوا تھا اور وہ میرے خون کا اس قدر پیاسا ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے کیفرِ کردار کو پہنچانے کے لیے اپنی بیٹی کو پاکستان بھیجا ہوا تھا لیکن مافیا کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔

ان سے میرا نیا معاہدہ ہوا تھا۔ انھوں نے میری کسی فرمائش اور مطالبے کے بغیر، میری ماضی کی کارکردگی کی بنا پر مجھے خاصے اعلیٰ منصب پر اپنا شریکِ کار بنایا تھا۔ اس لیے میرا تحفظ ان کا فرض بنتا تھا۔ اگر وہ لوگ اپنے وسیع تر مفادات کی خاطر جمی لائیڈ کے ساتھ مل کر میرے قتل کا فیصلہ صادر کرتے تو یہ بددیانتی کی بدترین مثال ہوتی۔ ان امکانات کے ہوتے ہوئے اگر میں اپنی... تسکین کے لیے یا اپنے دفاع میں مافیا کے خلاف بھی کارروائیاں شروع کر دیتا تو اس میں پوری طرح حق بہ جانب ہوتا۔

یہ درست تھا کہ ہیروئن کے خلاف اپنے مشن کے باوجود ذہنی طور پر میں مافیا سے زیادہ قریب تھا کیونکہ وہ شی کی طرح پاکستان کی رگوں میں ہیروئن کا زہر نہیں پھیلا رہی تھی۔ مافیا خالص کاروباری انداز میں ہیروئن کو پاکستان سے باہر اسمگل کر کے بھاری نفع کمانے میں مصروف تھی لیکن وسیع تر مفہوم میں ہیروئن کے ہر گرام کا برباد کیا جانا میرے مشن سے مطابقت رکھتا تھا۔ جو ہیروئن روکی، پکڑی یا تباہ کی جاتی وہ پاکستان میں نہ سہی، باہر کے کسی ملک کے نوجوانوں کو نڈھال اور نیم جان ہونے سے محفوظ رکھتی۔

سوچتے سوچتے آخرکار میں نے اپنے لیے ایک راہِ عمل متعین کر ہی لی جس میں میرے لیے متعدد فائدے نظر آ رہے تھے جب کہ نقصان کوئی نہیں تھا۔

خون آشام دشمنی کے بعد ویرا ایک بار پھر میرے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔ اس کے کمرے سے برآمد ہونے والے مائیکرو فون نے اسے اپنے باپ کی جانب سے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا تھا اور جب تک اس کے ذہن سے وہ دھند صاف نہ ہوتی، میرے ساتھ اس کے مراسم میں کوئی ناخوشگوار تبدیلی نہیں آ سکتی تھی۔ دوسری طرف وہ پاکستان میں اپنے قیام کے دوران میں مافیا کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کی بنا پر اپنے باپ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

میری ذہنی کیفیت بھی غیر یقینی تھی۔ شی سے میں باغی ہو چکا تھا اور کسی بھی قیمت پر دوبارہ ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ان سے مکمل گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی۔ مگر اب مافیا والے میرے لیے برادرانِ یوسف ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دھوکے میں رکھ کر جمی لائیڈ سے میرا سودا کرنے کی فکر میں تھے۔ اس لیے میں انھیں موقع دینے سے پہلے خود پہل کرنا چاہتا تھا۔

ویرا مستند طور پر مافیا کی حریف تھی۔ میں اپنی ذات کو پس پردہ رکھتے ہوئے، ویرا کا نام جھنڈے پر چڑھا کر مافیا کو گہرے چرکے لگا سکتا تھا۔

مافیا کے خلاف وارداتوں میں میں نقاب استعمال کر کے ویرا کے دستِ راست کا کردار قبول کرنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت میں خود مافیا کا مقامی سربراہ تھا اس لیے میرے واسطے موقعِ واردات کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے یہ معلوم رہتا تھا کہ کس وقت کب اور کہاں مافیا کو کمزوریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے اور ڈی ایس پی سرور لودھی کو میں نے غزالہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تین بجے تک مہلت دی تھی۔ میری دانست میں مقررہ وقت سے ایک گھنٹا قبل اسے یاد دہانی کرانے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔

میں نے جیب سے سینڈو کی دی ہوئی فہرست نکال کر سرور لودھی کے دفتر کا فون نمبر دیکھا اور آپریٹر کی مدد لینے کے بجائے ڈائریکٹ فون پر اس سے خود ہی رابطہ کر لیا۔

پچھلی بار میری غیر متوقع فون کال کے جواب میں سرور لودھی کی آواز نرم اور خوشگوار تھی لیکن ایگل چیف کی طرف سے دیے ہوئے وقت کے آس پاس اس کا لہجہ بہت سنجیدہ اور بدلا ہوا تھا۔

”تین بجنے میں صرف چھپن منٹ باقی رہ گئے ہیں سرور!“ میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

”میرا کام مکمل ہے سر!“ مستعد لہجے میں جواب دیا گیا۔

”گڈ“ تو پھر شروع ہو جاؤ۔ مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنا کام نمٹانے کے لیے آخری لمحات کا انتظار نہیں کرتے۔“ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھا۔

”وہ کوئی بہت پراسرار عورت ہے سر! اس پر براہِ راست ہاتھ ڈالے بغیر اس کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہو

سکیں گی۔" اس نے اپنی رپورٹ کی ابتدا میں ہی میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔

"مکان کے خفیہ محاصرے اور مسلسل نگرانی کے بعد کل رات گئے ایک ادھیڑ عمر عورت اس مکان کے عقبی حصّے میں سڑک پر نظر آئی تھی، ورنہ اس سے قبل مکان ویران اور غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ میں نے خود دیوار پھاند کر اندر کی تفصیلی تلاشی لی تھی۔ مکان کھلا ہوا تھا مگر اس میں چوہوں کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا البتہ کچن کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیرِ استعمال تھا۔ تازہ گندے برتنوں سے پتا چل رہا تھا کہ چند گھنٹے قبل ہی وہ برتن استعمال کیے گئے تھے۔ ریفریجریٹر چل رہا تھا اور اس میں خورو نوش کا سامان بھرا ہوا تھا۔" وہ میرے ردِعمل سے بے خبر، اپنی رَو میں بولے جا رہا تھا — "بظاہر وہ عورت بیمار اور ادھیڑ عمر نظر آرہی تھی لیکن اس مکان کے احاطے کی عقبی دیوار کے قریب پہنچتے ہی وہ چالاک، پھرتیلی اور تازہ دم نظر آنے لگی۔ اس نے ایک جگہ ٹھہر کر لمحہ بھر میں گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر کسی جوان لڑکی کی سی پھرتی اور مہارت کے ساتھ دیوار پھلانگ کر اندر کود گئی۔ وہ ابھی تک مکان کے اندر ہی ہے اور میرے آدمی اس مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مکان کافی عرصے سے غیر آباد تھا۔ لیکن چند ہفتوں سے وہاں ایک عمر رسیدہ چوکیدار نظر آنے لگا تھا جس نے بتایا کہ وہ مکان کسی مسز آغا نے خرید لیا تھا جو کہیں اور رہتی تھی۔ اس مکان میں کسی عورت کو دیکھنے کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آسکا۔"

"اتنا تو مجھے بھی معلوم تھا اس کے لیے تمھیں جھک مارنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجبوری ہے سر! مجھے بتائیں کہ میں کیا کر سکتا تھا۔ وہ کسی طرف سے پیدل ہی وہاں تک آئی تھی۔ اگر وہ کسی سواری سے آئی ہوتی تو میرے آدمی اسے لانے والے ڈرائیور کو پکڑ کر اس سے بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔ اب تو دو ہی صورتیں ہیں۔ اسے پکڑ لیا جائے یا پھر صبر کے ساتھ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ وہ باہر آئے گی تو اس کا تعاقب کر کے کچھ نہ کچھ معلوم کیا جاسکے گا مگر مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے کہ اس مکان کا پھاٹک باہر سے مقفل تھا۔ میں اندر گیا تو اس چوکیدار کا بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا جو پڑوسیوں کے بیان کے مطابق وہاں دیکھا جاتا تھا۔"

"چوکیدار ابھی لوٹ آئے گا لیکن وہ معصوم اور بے خبر ہے۔ اس عورت کے بارے میں وہ تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ تم کسی طرح وہاں ایسے حالات پیدا کرو کہ وہ عورت گھبرا کر مکان سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ اسی صورت میں تمھیں اس کے دوسرے ٹھکانوں وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا، ورنہ تمھارے آدمی ہفتوں وہاں بیٹھے انڈے دیتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی پُرخیال آواز ابھری۔ "میں اس علاقے میں دھوم دھڑکے کے ساتھ کسی ڈاکے کا بندوبست کرتا ہوں۔ دھواں دھار گولیاں چلیں گی تو وہ پُراسرار عورت باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے گی۔ یہ ترکیب مؤثر اور کارگر رہے گی۔"

"ڈاکا کون ڈالے گا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"میرے ہی ماتحت ہوں گے۔ بس وردیاں اتار کر قمیص اور شلواریں پہن لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے عملے میں سے کون کون ایسی وارداتیں کرتا ہے۔ میں ایسے تجربہ کار سپاہیوں ہی سے کام لوں گا۔ مفت میں انھیں بھی کچھ مال ہاتھ آجائے گا۔"

"سرور! تم ایک ذمّے دار پولیس افسر ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟"

"کبھی نہیں کہتا لیکن آپ کے سامنے تو میں بالکل ننگا ہوں سر!" اس کی عاجزانہ آواز سنائی دی۔ "یہ دَور ہی بہت بُرا ہے بگڑے ہوئے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں۔ انھیں پکڑا جائے تو پورے محکمے کی بدنامی ہوتی ہے۔ پورا شہر چیخنے لگے گا کہ ٹلّے چوری کرتے ہیں، ڈاکا مارتے ہیں، پھر آج کل تو خرچے پورے کرنے کے لیے طالب علم، افسر اور بابو بھی پارٹ ٹائم میں چھوٹی موٹی چوریاں وغیرہ کر لیتے ہیں۔ اس لیے مجبوراً ہمیں بھی آنکھیں بند رکھنا پڑتی ہیں، پھر ایماندار ملازمین کے مقابلے میں ایسے واردتیے ماتحت آڑے وقتوں میں اپنے اپنے افسروں کے ایسے ایسے کام کرتے ہیں کہ انھیں پروان چڑھانا ہی پڑتا ہے۔ ہمارے محکمے میں جب تک دو چار نڈر اور بے جگر ماتحت نہ ہوں، افسری چلانا مشکل ہو جاتا ہے، ہر لچا لفنگا ہمارے منہ کو آنے لگتا ہے۔"

"خیر، یہ تمھارے اپنے مسائل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے نیچے والوں کے لیے ایگل چیف بنا ہوا ہے اور ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تم ڈاکا ہی ڈلواؤ لیکن نشانہ اس عورت کے پڑوس کو بنانا۔ اس عورت کے گھر میں تمھارے ڈاکوؤں کو کچھ نہیں مل سکے گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن اتنا بتا دوں سر! کہ آج کل رنگین ٹی وی اور وی سی آر تو خستہ حال جھونپڑیوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ چور بازار میں اس جوڑی کے کم از کم دس ہزار مل ہی جاتے ہیں..."

"پھر میں تم سے کب بات کروں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"رات گیارہ بجے۔" اس نے بلا تامل جواب دیا تھا۔ "میں دفتر ہی میں رہوں گا۔"

"میں گیارہ اور بارہ کے درمیان فون کروں گا۔" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں اس کے لیے ایگل چیف بنا ہوا تھا جو شہر کے بدکار، راشی اور ظالم افسروں کے لیے ایک خونخوار بلیک میلر تھا۔ سرور سے گفتگو ختم کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے اسے ضرورت سے زیادہ منہ لگا لیا تھا۔ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ رات کو گیارہ بجے ہونے والی گفتگو میں میں اپنی اس نرمی کا معقول ازالہ کر دوں گا تاکہ اس کے ذہن پر سے بلیک میلر کی دہشت کم نہ ہو سکے۔

اس کے بعد دفتر میں میرے لیے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ اس روز میں برائے نام حاضری کے لیے دفتر میں آیا تھا اور اس حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو اہم کام کیے جاسکتے تھے، وہ میں نے کر لیے تھے اس لیے میں نے وہاں مزید وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً دفتر چھوڑ دیا۔

میں فلیٹ پر پہنچا تو وہاں بیرونی راہداری میں فلیٹ سے گانے کی مدھم آواز سنائی دی جو میرے لیے حیرت کا باعث بن گئی کیونکہ سلطان شاہ کو بقول خود ایسے 'زنانہ' شوق نہیں تھے۔

فلیٹ کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ پہلے میں نے ڈور بیل بجانے کا ارادہ کیا لیکن اس طرح اندر کا منظر فوری طور پر تبدیل ہو سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے بہت آہستگی اور احتیاط سے تالا کھول کر اندر کا جائزہ لیا تو گانے کی آواز سلطان شاہ کے کمرے سے آتی ہوئی سنائی دی اور میں اپنی دانست میں رنگے ہاتھوں اسے پکڑنے کے عزم کے ساتھ، داخلی دروازہ بند کر کے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر کا منظر دیکھتے ہی میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔

اندر سلطان کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہی ہوا تھا جس کا مجھے پہلے سے خدشہ تھا۔ صبح سویرے میں نے ویرا کی کار اپنے فلیٹ والی عمارت سے دُور ہی چھوڑ دی تھی مگر سلطان شاہ نے وہ خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ویرا جیسی چالاک اور مکار عورت کو صرف علاقہ معلوم ہونا کافی تھا۔ ضرورت پیش آنے پر وہ کسی بھی وقت ڈھونڈ ڈھانڈ کر میرے فلیٹ پر دستک دے سکتی تھی۔ دل ہی دل میں اس کے خیال سے متفق ہونے کے باوجود میں نے سلطان شاہ کا مضحکہ اڑایا تھا مگر اس وقت ہوا یہ تھا کہ ویرا بنفسِ نفیس سلطان شاہ کے بستر پر اوندھی لیٹی ہوئی ریڈیو سے گانے سن رہی تھی۔ اس کی ٹانگیں دروازے کی طرف تھیں اور اوندھی لیٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ میری چابی جس آرام کے ساتھ قفل میں گھوم گئی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ویرا نے نہایت اعتماد اور

چابک دستی کے ساتھ میرے فلیٹ میں نقب زنی کی تھی۔

میں نہایت خاموشی کے ساتھ دروازے کے سامنے سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ زینے طے کرتے ہوئے میں اسی لفنگی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کبھی آتشیں اسلحہ لے کر مجھے مار ڈالنے پر تل جاتی تھی اور کبھی اپنی اداؤں سے گھائل کر کے بے جان کر دیتی تھی۔

"ہینڈز اپ! جہاں لیٹی ہو وہاں سے اٹھ کر دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور کمرے سے باہر آجاؤ۔" میں نے آواز بدل کر دیوار کی اوٹ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

مسہری کے چرچرانے کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ پہلو بدل کر مسہری سے نیچے اتری تھی لیکن میری ہدایت کے جواب میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

"جلدی باہر آؤ۔" میں نے چند ثانیوں کی سکوت آمیز خاموشی میں انتظار کرنے کے بعد کہا۔ "میں پانچ تک گنتا ہوں۔ تم باہر نہ آئیں تو میں تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ فوراً ہی اس نے انگریزی بولنا شروع کر دی۔ "تم کون ہو اور کیا کہہ رہے ہو، میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اگر تم میری بات سمجھ رہے ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ میں غیر ملکی ہوں اور میرا میزبان مجھے یہاں چھوڑ کر کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا ہے۔"

ویرا کے اس داؤ پر میری کھوپڑی بھنا گئی۔ اپنے ڈرامے کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے مجھے انگریزی میں اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ اپنی ہدایت کو انگریزی میں دہراتے ہوئے میں خود کو اول درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا۔

"گنتی گننے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ابھی تم اندر آنا۔" اس کی طرف سے فوراً ہی جواب آیا تھا۔ "میں کپڑے بدل رہی ہوں۔ اس سے فارغ ہوئے بغیر باہر نہ آسکوں گی۔"

میں اس کا فراڈ خوب سمجھ رہا تھا۔ لباس بدلنے کی بات اس نے کسی مصلحت سے چھیڑی تھی۔ میری جگہ اس کا کوئی ندیدا دشمن ہوتا تو خم ٹھونک کر فوراً ہی کمرے میں جا گھستا۔

"لباس بدلنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے منگنی کرنے نہیں آیا ہوں۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔ "میں گنتی شروع کر رہا ہوں۔"

"یقین نہیں تو دیکھو۔" فوراً ہی کھلے ہوئے دروازے میں سے پہلے ویرا کا اسکرٹ اڑتا ہوا باہر آیا۔ پھر بلاؤز بھی اسی کے قریب قالین پر آگرا۔ "کمرے میں نہ آنا۔ اب میں صرف زیر جاموں میں ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے شرم عورت میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھی۔" غصے اور بے چارگی کی کیفیت میں میں بے اختیار اپنی اصلی آواز میں اردو میں بول پڑا۔ "تم اپنے عورت ہونے کا ہر وقت فائدہ اٹھانا چاہتی ہو۔ یہ بے شرمی کسی دن تمھیں لے ڈوبے گی۔"

"اوہو، تو یہ کالے چور تم ہو۔" اس کی کھنکتی ہوئی تجزیہ آواز سنائی دی اور پھر وہ بے محابا کمرے سے باہر نکل آئی۔ "اس وقت تو تم نے واقعی میری جان ہی نکال دی تھی۔"

"تمھاری جان تو اب بھی کپڑوں سے باہر نکلی ہوئی ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "سلطان شاہ نے تمھیں ان چست زیر جاموں میں دیکھ لیا تو ابھی فلیٹ سے نکال دے گا۔"

"اس نے تمھارے ساتھ مغرب کی ہوا تو کھائی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کسی ساحل پر نہیں گیا وہاں کے لیے تو یہ زیر جامے بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔"

"فی الحال آدمیوں کی طرح پورا لباس پہنو۔" اس کے ناخیری ہتھکنڈوں سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ "اس بار وہ لندن گیا تو اسے برائیٹن بیچ ضرور بھیجوں گا تاکہ اسے چیتھڑوں کی قدر کا اندازہ ہو سکے لیکن اب تم کپڑے پہن لو۔"

"برائیٹن بیچ پر تو وہ وقت یاد آنے لگتا ہے جب خدا نے انسان کو زمین پر اتارا ہوگا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "لیکن یہ دیکھو کہ اس فطری ماحول میں اتنی کشش ہے کہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس لوگ بھی اس جنتِ ارضی کا نظارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"اپنی اس جنت کو جہنم واصل کرو اور یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے پہنچیں؟ میں نے دانستہ تم کو یہ ٹھکانا نہیں دکھایا تھا کیونکہ یہ سلطان شاہ جیسے خر دماغ کی ملکیت ہے۔"

"مجبوری تھی اس لیے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آگئی۔ سفید چمڑی والی دل کش عورت سے ہم کلام ہو کر تمھارے لوگ سرور کے سمندر میں بہہ جاتے ہیں۔ تم مر چکے ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ ان ہی میں سے کوئی تمھاری قبر تک بھی پہنچا دیتا۔ عمارت تک رہبروں نے پہنچایا اور تمھارے فلیٹ کی نشاندہی خود عمارت کے چوکیدار نے کی تھی۔ مجھے بس اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات کرنی پڑی تھی۔"

"یہ بے شرمی کی انتہا ہے ویرا!۔" میں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے فوراً ہی منہ بنا کر میری بات کاٹ دی۔

"تم لوگوں کا شرم کا تصور ہی میرے لیے شرمناک ہے۔ مرد کو جھوٹ، چوری، بدمعاشی اور آوارگی کی کھلی اجازت ہے، عورت یہی کام کرلے تو بے شرم کہلاتی ہے۔ یہ کیا ڈھکوسلا ہے؟ سیدھی طرح کہہ دو کہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح تم عورتوں کو بھی اپنی مرضی سے ہانکنا چاہتے ہو۔ جو عورت تمھاری آمرانہ مرضی کو تسلیم کرنے سے انکار کرے، وہ بے شرم ہے۔"

"تم نے میرے فلیٹ میں قفل شکنی کیوں کی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"تو کیا باہر کھڑی رہ کر تمھارا انتظار کرتی؟" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "ویسے میرا مشورہ مانو تو اپنے فلیٹ کا تالا بدلوا لو۔ میں نے بال پن سیدھی کر کے دوسری کوشش میں ہی آسانی کے ساتھ اسے کھول لیا تھا۔ میں نے بستر پر دراز ہو کر ریڈیو ضرور آن کیا تھا لیکن پورے فلیٹ میں کسی اور چیز کو نہیں چھیڑا کیونکہ اس وقت میں دوستانہ حیثیت میں یہاں آئی تھی۔"

"اب تو تمھاری دوستی بھی گلے پڑتی نظر آرہی ہے۔ صبح ہی تو تم نے مجھے یہاں چھوڑا تھا۔ پھر اب میری کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"ناک بھوں نہ چڑھاؤ۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "میں تمھیں صرف یہ بتلانے آئی تھی کہ تمھاری چہیتی، غزالہ کسی بدترین خطرے میں گھر چکی ہے۔"

"کیا مطلب؟" اضطراری طور پر میں اس سے سوال کر بیٹھا۔

"بات ذرا ٹیڑھی ہے۔" وہ اپنے اسکرٹ کی سائڈ زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ "اس کے مکان کے قریب میرے ہاتھ سے ایک قتل بھی ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے مکان کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے اور وہ کسی بھی لمحے مصیبت میں گرفتار ہوسکتی ہے۔"

ویرا کے ان فقروں نے مجھے بُری طرح چونکا دیا۔ ویرا کو علم نہیں تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سرور لودھی کے آدمی غزالہ کے مکان کی کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی اور ویرا کے ہاتھوں سے ایک قتل بھی سرزد ہوگیا تھا تو صورتِ حال بہت سنگین رُخ اختیار کر چکی تھی۔

"تفصیل سے بتاؤ کہ کیا ہوا؟" میں نے اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم سے رخصت ہو کر میں نے کچھ دیر آرام کیا لیکن کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ ذہن پر بس وہ پُراسرار مائیکروفون سوار رہا یا میں تمھارے بارے میں سوچتی رہی۔ تمھارے ساتھ دوستی اور دشمنی کے چکر میں، میں تم کو تو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچا سکی لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے غزالہ کی زندگی ضرور تباہ کر دی۔ پہلی بار میرے ہاتھوں اغوا ہونے کے بعد وہ خاندانی لڑکی خونخوار جرائم پیشہ لوگوں سے لڑنے پر مجبور ہوگئی اور آخرکار اُسے دلدار آغا جیسے سکہ بند بدمعاش کو اپنے شوہر کے طور پر قبول کرنا پڑ گیا۔ میں نے جتنا غور کیا اسی قدر میرے وجود پر ملامت طاری ہوتی چلی گئی اور میں نے ضمیر کی اس بڑھتی ہوئی خلش سے مجبور ہو کر غزالہ کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تم اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور مجھے اس کا ٹھکانا معلوم تھا۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ رات بسر کرنے کے لیے ہر قیمت پر اپنے آبائی مکان میں واپس آئی ہوگی کیونکہ وہ مکان اس کے لیے جذباتی اہمیت رکھتا ہے۔ تنہائی اور بے بسی کے اس دور میں وہ اس مکان میں خود کو اپنے ماں باپ کے زیرِ سایہ تصوّر کرتی ہوگی اور وہی تصوّر اسے ہر جگہ سے کھینچ کر اس چار دیواری میں لاتا ہوگا۔ یہ نتائج اخذ کرتے ہی میں نے غزالہ کی مدد کر کے تم کو حیران کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح میں نہ صرف غزالہ کے ساتھ اپنی ماضی کی زیادتیوں کا ازالہ کرسکتی تھی بلکہ عورتوں کی باہمی رقابت کے مردانہ نظریے کو بھی چکنا چور کرسکتی تھی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر ایک صوفے پر براجمان ہوگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "کل رات بھر کی بسیار نوشی کی وجہ سے میں ہینگ اوور کا شکار تھی۔ ذہن کی وہ کیفیت خاصی حد تک اب بھی باقی ہے۔ اس حالت میں ذہن پر جو دھن سوار ہو جائے، آدمی اسی طرف لگ جاتا ہے۔ میں تیار ہو کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ غزالہ کے مکان کا پھاٹک باہر سے مقفل تھا۔ میں نے میدان صاف دیکھ کر تالے پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ جب تالا کھلنے کی امید نہ رہی تو میں نے اپنے بیگ میں سے سائیلنسر لگا ہوا پستول نکال کر تالے پر فائر کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسی لمحے مختلف سمتوں سے کئی افراد للکارتے ہوئے میری طرف لپکے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان میں سے کم از کم دو افراد کسی قسم کی وردیوں میں تھے مگر میرے پاس ان کی اصلیت پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں ذرا سی بھی تاخیر کرتی تو وہ میرے سر پر سوار ہو کر مجھے زیر کرلیتے۔ میں نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ میرا پستول بے آواز تھا اس لیے آس پاس کے رہنے والوں کو پتا بھی

نہیں چل سکا ہوگا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا مگر میری گولیوں سے ایک لہولہان ہو کر واپس بھاگا تھا اور دوسرا ایک دلخراش چیخ کے ساتھ اپنی ہی جگہ پر ڈھیر ہوگیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ جانبر نہ ہوسکا ہوگا۔ اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ کر باقی پیچھے ٹھٹکے اور میں اپنی کار اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہوگئی۔ اس واقعے نے مجھے غزالہ کی سلامتی کی طرف سے اس قدر فکرمند کر دیا کہ میں سیدھی تمھاری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی اور آخرکار یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ مجھے ڈر ہے کہ خوف و دہشت سے نجات پاتے ہی نگرانی کرنے والوں نے غزالہ کے گھر پر دھاوا بول دیا ہوگا۔ اگر وہ وہاں موجود تھی تو اس کو بے رحمانہ تشدد سے کوئی نہ بچا سکا ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ بھی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی اور میں گہری سوچ میں پڑ گیا کیونکہ مجھے دونوں طرف کی پوری معلومات حاصل ہوچکی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ سرور لودھی کے آدمی میرے ہی ایما پر غزالہ کے مکان کی نگرانی کر رہے تھے اور غزالہ پچھلی رات سے اسی مکان میں محصور تھی۔ دو بجے کے بعد اس بارے میں میری سرور لودھی سے بات ہوئی تھی۔ اس وقت تک حالات نارمل تھے جس کا مطلب تھا کہ وہاں جو کچھ ہوا تھا، اس کے بعد ہی ہوا تھا۔

پولیس والے اپنے جارحانہ مزاج اور کڑے تیوروں کے بارے میں ویسے ہی اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ اپنے ایک ساتھی کے قتل اور دوسرے کے زخمی ہونے کے بعد ان کے ردِعمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ کچھ روز پہلے شہر میں ہونے والے ایک ہنگامے میں پولیس والوں کے وحشیانہ ردِعمل کے بارے میں، میں خود بہت کچھ پڑھ اور سن چکا تھا۔ لوگوں کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے چند سپاہیوں کے زخمی ہو جانے پر ان کے مسلح ساتھیوں نے ہجوم پر ایس ایم جی اور رائفلوں سے براہِ راست فائرنگ کر کے چشم زدن میں سات آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے تھے بلکہ زخمی ہونے والوں کا کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

لُطف کی بات یہ تھی کہ اس براہِ راست فائرنگ کے وقت نہ کوئی ذمے دار افسر پولیس نفری کے ساتھ تھا اور نہ علاقے میں مجسٹریٹ پایا جاتا تھا۔ بغیر حکم اور ہدایت کے کی جانے والی اس خونریزی کے بارے میں سرکاری حلقوں کی طرف سے حفاظت خود اختیاری کا مؤقف اختیار کیا گیا تھا۔ کسی ایک شرپسند کی فائرنگ کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کیا جارہا تھا کہ اگر پولیس پارٹی فائر نہ کھولتی تو مسلح ہجوم پوری پولیس پارٹی کو بلاک کر کے ٹرک کو نذرِ آتش کرنے کے ارادے سے پیش قدمی کر رہا تھا۔

ایسے محکمے کے لوگوں سے غزالہ کے حق میں کسی رعایت کی اُمید رکھنی عبث تھی کیونکہ سرور لودھی ضرور ایگل چیف سے خوفزدہ تھا مگر اس کے ماتحتوں کے لیے ایگل چیف کا ہونا یا نہ ہونا برابر تھا۔

"یہ واقعہ کب پیش آیا؟" میں نے تفکر آمیز خاموشی کے بعد ویرا سے سوال کیا۔

"بس وہیں سے سیدھی اِدھر آئی ہوں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "تقریباً دو بجے کا عمل رہا ہوگا۔ ابھی تک میرے ہاتھوں میں بارود کی بُو ہے۔ لباس اور ہاتھوں پر بارود کے ذرّات بھی موجود ہوں گے۔ تمھیں جو کچھ کرنا ہے، فوراً ہی کرنا ہوگا، ورنہ کچھ بھی نہ ہوسکے گا۔"

"ان میں سے کسی نے تمھاری گاڑی کا نمبر تو ضرور نوٹ کیا ہوگا، کار کہاں ہے تمھاری؟" میں نے فوری خیال کے تحت اس سے سوال کیا۔

"میری کار کافی دور مین روڈ پر وہیں کھڑی ہے، جہاں صبح تمھیں اُتارا تھا کیونکہ مجھے تمھارے فلیٹ کا صحیح علم نہیں تھا۔ تم نمبر کی پروا نہ کرو، اس مرتبہ میں بہت محتاط ہوں۔ کسی بھی مہم پر روانہ ہوتی ہوں تو میری کار کی نمبر پلیٹ جعلی ہوتی ہے۔ میں نے راستے میں یہی ایک کام کیا تھا کہ دونوں جعلی نمبر پلیٹیں ایک گندے نالے میں پھینک کر اپنی کار پر اصلی نمبر پلیٹیں لگالی تھیں۔"

"اب تمھارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا کیونکہ میں اس کی موجودگی میں ایگل چیف کا کوڈ استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کیا پروگرام ہوگا؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "اب تمھارے ساتھ چلوں گی۔ کیا تمھارا غزالہ کی مدد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟"

"نہیں ویرا!" میں نے اداکاری کرتے ہوئے دل برداشتہ لہجے میں کہا۔ "سورج سر پر چڑھتا ہے تو سایہ بھی سکڑ کر وجود میں سمٹنے لگتا ہے لیکن غزالہ تو سائے سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے۔ مجھ سے میلوں آگے بھاگ رہی ہے۔ تمھیں اس کی مدد کرنی ہو تو تم جاؤ، میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ وقت اور زندگی نے اسے مہلت دی اور اسے کوئی نیا دلدار آغا نہ ملا تو پھر ملاقات ہوجائے گی۔ اسی وقت سوچوں گا کہ

ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہیں۔"

"میرا تو خیال تھا کہ تم میری کہانی سنتے ہی میرے ساتھ دوڑ لگا دو گے۔" وہ ملامت آمیز حیرت کے ساتھ بولی۔ "کل تک تم غزالہ کے لیے مرے جا رہے تھے۔ کامران پر محنت کر کے تم نے اس کا سراغ لگایا اور آج اس سے ایسی سنگدلانہ بے رخی کا اظہار کر رہے ہو جیسے وہ تمہاری آشنا ہی نہ رہی ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے مزاج میں یہ تلوّن کب سے پیدا ہو گیا ہے۔"

"پورے کھیل میں کلیدی کردار تمہارا ہے۔" میں اپنے رویّے کا جواز دینے کی رو میں کہہ گیا۔ "کل تک تم سے دشمنی تھی تو غزالہ دوست نظر آتی تھی۔ تم سے دوستی ہو جانے کے بعد وہ خلا کسی حد تک پورا ہو گیا ہے اور پھر اب وہ پرانی غزالہ نہیں رہی ہے۔ وہ زمانہ شناس بیوہ کے روپ میں اپنی کشش بڑی حد تک کھو چکی ہے۔ پرانے تعلق کی تجدید کے لیے اسے بہت کچھ ثابت کرنا ہوگا۔"

"تم وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ بیگ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اگر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا تو تم زندگی بھر کفِ افسوس ملتے رہو گے۔"

"کیا تم اس کی مدد کے لیے جا رہی ہو؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کاش میں جا سکتی۔" وہ غصّے میں دانت پیستی ہوئی بولی۔ "میں لباس بدل بھی لوں تو ڈر ہے کہ پہچان لی جاؤں گی...

لیکن پھر بھی میں کوشش تو ضرور کروں گی۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہوگا۔ تم پر حملہ آور ہونے والے اب تک من مانی کر کے کہیں کے کہیں پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر تمہارا ضمیر زیادہ پھڑک رہا ہے تو جھک مار کر دیکھ لو..."

"مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں اور ہاں یہ بتا دوں کہ اب اس فلیٹ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ وقت ملا تو میں دوبارہ آؤں گی۔"

"دوبارہ آؤ گی؟" میں نے اسے ضد دلانے کی نیّت سے کہا۔ "مجھے چند روز تو آرام کرنے دو... اور ہاں اب تم نے میرا گھر دیکھ لیا ہے تو اپنا ٹھکانا بھی بتا دو۔"

"میں نے خود تمہارا سراغ لگایا ہے۔ تم میں ہمت ہو تو تم بھی میرا ٹھکانا تلاش کر لو۔ ویسے میرا ایک ایڈریس تمہاری تحویل میں ہے۔ جب چاہو اس پر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

وہ تیزی کے ساتھ میرے فلیٹ سے نکل گئی اور میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ چڑھا لیا۔

تخلیہ میسر آتے ہی میں نے تیزی کے ساتھ سرور لودھی کا فون نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری گھنٹی پر مجھے ایک نامانوس اور کرخت آواز سنائی دی۔ بولنے والے کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے فون کی گھنٹی کی مداخلت بہت زیادہ گراں گزری تھی۔

میں نے اس سے بھی زیادہ کرخت، غیر مہذّب اور تحکمانہ لہجے میں سرور لودھی کے بارے میں دریافت کیا تو میرے مخاطب کی عقل ٹھکانے پر آ گئی۔

"وہ دفتر میں نہیں ہیں سر!" اس کے لہجے میں فوراً ہی احترام آمیز نرمی پیدا ہو گئی۔ "آپ کون صاحب بول رہے ہیں سر؟" ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا بلکہ سرور لودھی کا بھی کوئی افسر سمجھ رہا تھا۔

"سارے نکمّے اور کام چور میرے محکمے میں جمع ہو گئے ہیں!" میں اس کی غلط فہمی کا فائدہ اٹھاتا ہوا ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "دن میں دس دفعہ فون کروں تو مجھے ہر بار اپنا نام بتانا پڑے گا۔ تم کون ہو اور لودھی کے دفتر میں کیا کر رہے ہو؟"

میرے جارحانہ طرزِ تخاطب نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔ اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے اچانک ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

غزالہ کے مکان کے پاس واردات ہو چکی تھی اور لودھی اپنے دفتر میں نہیں تھا۔ بات بہت سیدھی اور سامنے کی تھی۔

سرور لودھی نے میرے دباؤ پر ذاتی سطح پر سرکاری عملے کے کچھ لوگوں کو غزالہ کے مکان کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔ ان میں سے کم از کم ایک اہل کار غزالہ کے مکان کے تالے پر طبع آزمائی کرنے والی ایک سفید فام عورت کی فائرنگ سے ہلاک ہو... اس لیے اس کی ہلاکت پر نامعلوم مجرمہ کے خلاف قتل کا مقدمہ درج ہونا لازمی تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوتا کہ ان سرکاری ملازمین کو لودھی نے غزالہ کے مکان کی نگرانی پر کیوں مامور کیا تھا؟ اس ڈیوٹی کا اندراج ریکارڈ میں کیوں نہیں کیا گیا تھا؟

مجھے احساس ہوا کہ غزالہ پر تو جو گزرنی تھی سو گزرنی ہی تھی مگر لودھی اس معاملے میں بری طرح مارا گیا تھا۔ اگر میں اس وقت گھر سے نکل کر براہِ راست جائے واردات کا رخ کرتا تب بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اس بارے میں کارآمد معلومات حاصل کر لیتا۔

فون پر تو لودھی، ایگل چیف کا حوالہ سن کر سر کے بل کھڑا ہونے پر مجبور ہو سکتا تھا لیکن اس سے دوبدو ملاقات میں یہ حوالہ استعمال نہیں کر سکتا تھا اور اپنے مسائل میں گھرا ہوا وہ شاید مجھ سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیتا۔

میرے پاس فوری طور پر کوئی راہ نہیں تھی البتہ مجھے یقین تھا کہ میرے دیے ہوئے وقت کے عین مطابق لودھی رات کے گیارہ بجے ہر حال میں اپنے دفتر میں موجود رہ کر میری کال کا انتظار کرتا۔ اسی وقت صحیح صورتِ حال میرے علم میں آ سکتی تھی۔

لیکن اگلے چھ سات گھنٹے بے یقینی کے عالم میں فلیٹ میں بیٹھ کر گزارنا بھی مشکل تھا اس لیے میں نے بھی فلیٹ سے روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔

غزالہ کے مکان کے قرب و جوار میں پولیس کی خاصی نفری پھیلی ہوئی تھی۔ پولیس اسٹیشن کی دو گاڑیوں کے علاوہ بھی ذیلی اداروں کی گاڑیوں کی بھیڑ موجود تھی۔ پولیس والوں کے اژدحام میں علاقے کے مکینوں کی خاصی تعداد بھی نظر آ رہی تھی مگر ہر ایک کے چہرے پر تجسس منڈلا رہا تھا اور لوگ رازدارانہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے صحیح صورتِ حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

وہاں موجود لوگوں کو قتل کی واردات کے بارے میں اتنا ہی معلوم نہیں تھا جتنا دیرا مجھے بتا چکی تھی۔ زخمی ہونے اور مرنے والوں کی تعداد میں تضاد تھا۔ کوئی دو زخمیوں کی کہانی سنا رہا تھا اور کوئی دو لاشوں کا ذکر کر رہا تھا۔ وہاں موجود پولیس والے کسی سے سیدھے منہ بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور بار بار ان لوگوں کو دور بھگانے کی کوشش کر رہے تھے جو کوئی ...لینے کی امید میں بار بار جائے واردات کے پاس جمع ہو کر بھیڑ کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔

میں اپنی کار دور چھوڑ کر ان ہی اطراف میں منڈلاتا رہا۔ معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے پر انحصار کر رہے تھے یا پولیس والوں سے سن گن لینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں نے اس دوران میں ایک اخباری فوٹو گرافر کو کیمرا اور فلیش گن سنبھالے، ایک موٹر سائیکل کی طرف جاتا ہوا دیکھا تو ...اسی کے پاس جا پہنچا اور جب میں نے عزّت کے ساتھ اسے مخاطب کیا تو اس کے لبوں پر ہلکی سی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی جیسے اسے اپنی اہمیت کا احساس دلائے جانے پر دلی خوشی ہوئی ہو۔

"کوئی بڑا ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔" میرے عاجزانہ استفسار پر اس نے گمبھیر لہجے میں بتانا شروع کیا اور ہم دونوں گفتگو میں

مصروف دیکھ کر متجسس تماشائی ہمارے گرد اکٹھا ہوتے لگے۔
"معاملہ دو عورتوں کا ہے۔" وہ اپنا کیمرا وغیرہ سنبھالتا ہوا بتا رہا تھا۔ "ایک نے بے آواز پستول سے فائرنگ کر کے ایک سپاہی کو ہلاک اور دوسرے کو بُری طرح زخمی کر دیا، دوسری عورت اس مکان میں سے دیوار پھاند کر فرار ہوتے ہوئے پکڑی گئی..."
"اور وہ قاتلہ؟" کسی کی تیز سرگوشیانہ آواز اُبھری۔
اخباری فوٹوگرافر نے اپنے اردگرد جمع ہو جانے والے لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور قدرے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ جو کوئی اس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتا، وہ اسے بھی گولی مار دیتی۔"
اس بھیڑ میں وہ واحد معتبر آدمی ہاتھ آیا تھا اس لیے لوگ اس کی زبان سے بہت کچھ اگلوانا چاہتے تھے لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں رُکنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے اس نے لوگوں کو ٹالتے ہوئے، الگ لگا کر اپنی موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔
میری وہاں تک کی دوڑ اس اعتبار سے بار آور ثابت ہوئی تھی کہ مجھے غزالہ کے انجام کا علم ہو گیا تھا۔ احاطے کی دیوار پھاند کر بھاگنے کی کوشش کرنے والی عورت اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قتل کی ایک ہی واردات ہوئی تھی لیکن قتل بہرحال قتل تھا اور غزالہ اسی سلسلے میں گرفتار کی گئی تھی اس لیے اس کی آسانی سے گلو خلاصی ہونی ممکن نہیں تھی۔
غزالہ کے بارے میں میرے لیے یہ امر بھی بے حد تشویشناک تھا کہ وہ اپنے گھر میں ادھیڑ عمر ملازمہ کا بھیس بدل کر رہتی تھی۔ اگر بات صرف وضع قطع کی تبدیلی کی ہوتی تو اتنی خطرناک نہ ہوتی لیکن غزالہ نے اپنا چہرہ مہرہ میک اپ وغیرہ کے ذریعے اس حد تک بدلا ہوا تھا کہ سلطان شاہ جیسا اس کا صورت آشنا اس سے ملنے اور گفتگو کرنے کے باوجود اسے نہیں پہچان سکا تھا۔
گرفتاری کے بعد ابتدائی تفتیش کے دوران میں ہی گھاگ پولیس افسران یہ تاڑ جاتے کہ اس نے میک اپ سے اپنا چہرہ بدلا ہوا تھا اور اس انکشاف کے ساتھ ہی غزالہ کے لیے دشواریوں کا آغاز ہو جاتا۔ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر بھی میک اپ کا کوئی قابل قبول عذر پیش نہیں کر سکتی تھی۔
غزالہ کی گرفتاری کی خبر پا لینے کے بعد میرا وہاں رُکنا بے سود تھا اس لیے میں دوبارہ فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے میں کم از کم فون پر کچھ اقدامات کر سکتا تھا۔
مجھے یاد آیا کہ سینڈو سے ملی ہوئی وہ فہرست میری جیب میں موجود تھی جس میں ایگل چیف کے حوالے سے بلیک میل کیے جانے والے تمام افراد کے نام، پتے اور فون نمبر موجود تھے۔
میں نے ایک غیر مصروف سڑک پر رفتار کم کر کے اس کاغذ پر نظر دوڑائی تو مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ اس کاغذ پر ایک سابقہ ڈی آئی جی کا نام بھی موجود تھا۔ میں نے وہ کاغذ احتیاط سے جیب میں اڑس لیا۔
جس طرح مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اسی طرح محکمۂ پولیس سے نکلا ہوا یا نکالا ہوا افسر بھی عام شہریوں کے مقابلے میں منفرد و ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ سے کوئی بگڑا ہوا کام سیدھا نہ کرا سکے تو اپنے لوگوں کے گھر گھاٹ سے واقف ہونے کی بنا پر اچھی طرح جانتا ہے کہ کہاں کس زہر کا کون سا تریاق ہو سکتا ہے۔
غزالہ کی مدد کے لیے میں تمام امکانی ذرائع استعمال کرنے کے لیے آمادہ تھا۔ اسے مصیبت میں مبتلا پا کر میرے وجود میں بے چینی سرایت کر گئی تھی۔ بظاہر میں نے اپنے اور اس کے تعلق کو سرور لودھی کی خفیہ رپورٹ سے منسلک کر دیا تھا لیکن یہ میری قسمت کی خوبی یا خرابی تھی کہ رپورٹ مکمل ہونے سے پہلے ہی دیرا کی مداخلت کی بنا پر غزالہ پابند قفس ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے حق میں کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ اس واردات میں اس کے کردار کا کیا تعین کیا جا رہا تھا!
میری نظروں میں اس سوال پر روشنی ڈالنے والا ایک ہی شخص تھا جو اپنے ستارے گردش میں آ جانے کی بنا پر اپنا دفتر چھوڑ کر جائے واردات پر موجود تھا ورنہ مجھے پورا یقین تھا کہ کسی معزز ترین شہری کی بدترین مشکلات پر بھی اس نے کبھی اپنے دفتر سے نکلنے کی زحمت نہیں کی ہوگی۔ قانون اور اپنے فرائض سے اس کی بے نیازی ثابت کرنے کے لیے صرف یہی ایک بات کافی تھی کہ مافیا کا سربراہ، سیٹھ حبیب جیوانی، ایگل چیف بن کر اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔
مافیا نہ کوئی تبلیغی جماعت تھی اور نہ رفاہی ادارہ۔ اس لیے اس کے اور اس کے حواریوں کے عزائم کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ سینڈو بے دردی قانون شکن تھا اور سرور لودھی باوردی۔
واپسی پر فلیٹ میں سلطان شاہ سے ملاقات ہو گئی۔
اس کے تیور کچھ چڑھے ہوئے تھے۔
میں نے اس کے مُنہ لگے بغیر اپنے کمرے میں جانا چاہا

لیکن اس نے میری راہ روک لی۔ "تم اب سے پہلے بھی فلیٹ میں واپس آئے تھے؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، آیا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ اور کون تھا؟" سلطان شاہ کے اس عجیب سوال پر میں چونک پڑا۔

"کوئی بھی نہیں، یہ کیوں پوچھ رہے ہو تم؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آؤ۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر اس نے اپنے بستر کی سفید چادر پر سے کئی نرم اور لمبے سنہری بال چٹکی میں اٹھا کر میرے سامنے کر دیے۔

"تم اکیلے تھے تو میرے بستر پر یہ زنانہ بال کہاں سے آ گئے؟"

لمحہ بھر کے لیے مجھے اس کے بے تکے سوال پر شدید غصہ آیا مگر میں فوراً ہی ہنس پڑا۔ "میں اپنے ساتھ کسی کو لایا ہوتا تو اس کے بال میرے بستر پر ہوتے۔ یہ تمہاری کوئی مہمان تھی۔"

اپنی ذہنی پریشانی کے باوجود میں نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو الجھن میں ڈالے رکھا پھر جب میں نے اسے فلیٹ میں ویرا کی نقب زنی کی اطلاع دی تو اس کا منہ بن گیا مگر غزالہ والے معاملے کا ذکر آتے ہی وہ سب کچھ بھول بھال کر بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔

"آج کل پولیس والوں کے ہاتھ بہت کھل گئے ہیں۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "شہر میں امن و امان کی خراب صورتِ حال کی وجہ سے پولیس کو مشتبہ افراد کی گرفتاری، تشدد اور ہاتھ پرس کے خصوصی اختیارات دے دیے گئے ہیں اور غزالہ تو موقعِ واردات سے پکڑی گئی ہے۔ تھانے میں اس بے چاری کی مٹی پلید کر دی جائے گی۔ اس کے لیے تم کیا کر رہے ہو؟"

"اختلافات اپنی جگہ پر ہیں۔ میں اسی کے لیے گیا ہوا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے ساتھ زیادہ برا سلوک نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں اس بارے میں سرور لودھی کو پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ اب اس سے بات کیے بغیر کوئی راہ تلاش کرنا مشکل ہے۔"

"سرور لودھی ذاتی طور پر سب کچھ کر سکتا ہے لیکن غزالہ ایک ملزمہ بن چکی ہے۔ لودھی کے ۔۔۔ سے پہلے ہی کوئی بدمعاشی کر سکتا ہے۔ اپنے ایک ساتھی کو قتل اور دوسرے کو زخمی کرنے والی مشتبہ عورت سے تھانے کا سارا ہی عملہ نفرت آمیز سلوک کرے گا۔"

میں نے اسے اپنی حکمتِ عملی سے مختصر طور پر آگاہ کر کے فوراً ہی ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر جنرل فرمان خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہ پہلی ہی گھنٹی پر لائن پر آ گیا۔

اس کے نام کی تصدیق کر کے میں نے گمبھیر آواز میں ایگل چیف کہہ کر اپنا تعارف کرایا تو ریسیور پر فوراً ہی اس کے گہرے گہرے سانسوں کی آواز سنائی دی۔

"تم ڈی ایس پی سرور لودھی سے ضرور واقف ہو گے۔ تمہیں اس کو پیغام پہنچانا ہے کہ وہ اپنی آوارہ گردی فوراً بند کر دے اور اپنے دفتر میں مقیم رہے ورنہ بھاری نقصان اٹھائے گا۔ یہ پیغام اسے فوراً ملنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ تم سرور لودھی کے تھانے سے اس عورت کو رہا کراؤ گے جسے تھوڑی دیر پہلے ایک مشتبہ ملزمہ کے طور پر حراست میں لیا گیا ہے۔"

"میں ہر وقت ہر کام کے لیے تیار ہوں۔" اس کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "سرور لودھی کو تمہارا پیغام تھوڑی دیر میں پہنچا دوں گا مگر حوالات سے ایک ملزمہ کے فرار کے بارے میں میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں پوری کوشش کروں گا مگر بھرے تھانے سے کسی ملزمہ کو نکال لے جانا میرے تو کیا، کسی بھی اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ یہ میری زندگی کے ۔ ۔ ۔"

"بس فرمان خان!" میں اس کی بات کاٹ کر برہمی کے عالم میں غرایا۔ "شاید تم بھول رہے ہو کہ میں انکار کے الفاظ کا عادی نہیں ہوں۔ تمہیں شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر سرِ بل کھڑا ہو کر الو کی بولی بولنی پڑے تب بھی میں آج کی رات اس عورت کو حوالات کی چھت سے باہر کھلی فضا میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ آزاد ہو گی یا پھر تم شہر میں آج کی رات چوتھے شاہکار کے درجے پر فائر کر دیے جاؤ گے۔ تم نے بہت حرام مال کمایا ہے اگر میرے کام کے لیے اس میں سے کچھ قربان کرنا پڑے تو تمھیں اپنی جان بچانے کے لیے یہ کر گزرنا چاہیے ورنہ تم کہیں بھی میرے بھیانک انتقام ۔ امان نہ پا سکو گے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" گہرے سانسوں کے درمیان اس کی روندھی ہوئی والی آواز سنائی دی۔ شاید وہ دمے کا مریض تھا اور اس وقت خوف سے اس پر دورہ پڑ گیا تھا۔ "سرور لودھی بہت خود سر اور بددماغ افسر ہے۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ میں نے اپنے دور میں ایک بار اس کی ترقی کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ میری بات ہرگز نہیں مانے گا اگر اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں اس عورت کی رہائی میں دلچسپی لے رہا ہوں تو وہ حوالات کی دن رات حفاظت پر پولیس کی مسلح گارڈ لگا دے گا۔" اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اپنے اکھڑتے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کی پھر بات جاری رکھتا ہوا بولا۔ "تمہارا پیغام تو میں کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچوا دوں گا مگر عورت کی رہائی کے لیے میں صرف کوشش کر سکتا ہوں۔ کاش میں اپنی کوششوں میں سرخرو رہوں ورنہ معلوم ہوتا ہے کہ میری موت تمہارے ہی ہاتھوں لکھی گئی ہے۔ اتنے مشکل کام کا میرے تصور میں بھی آنا ممکن نہیں تھا۔"

"مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ آج رات دو میں سے ایک واقعہ ضرور رونما ہو گا۔" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "عورت کی آزادی یا تمہاری موت ۔۔۔ میں تم کو اس وقت کے لیے نہیں پال رہا تھا کہ جب مجھے تم سے کام پڑے تو تم مجھے پیٹھ دکھا دو۔"

"خدا، رسول کی قسم میں تمہاری بات نہیں ٹال رہا۔" فون پر اس کی بلبلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں حقیقت بتا رہا ہوں۔ میں تھانے پر حملہ کرا دوں گا، عمارت کو تباہ کرا دوں گا۔ کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ . . میں نے دو مہینے پہلے نئی شادی کی ہے . . . میرے بہت سے ارمان اور منصوبے ہیں . . . میں تم سے رحم کی نہیں، بس وقت کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن مہلت کل تک بڑھا دو۔ واردات تازہ ہے ابھی تھانے میں افسروں کی بھرمار ہو گی۔ میں میدان صاف ہوتے ہی اپنا کام دکھاؤں گا . . . مجھے یقین ہے کہ اس عورت کا جرم بھی معمولی نہیں بہت سنگین ہو گا۔"

"بڈھے طوطے! یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"تم کسی معمولی بات پر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔" اس کا لہجہ پُریقین تھا۔ "معمولی بات ہوتی تو اسے دوسرے طریقوں سے بھی تھانے سے چھڑایا جا سکتا تھا۔ تم نے مجھے فون کیا ہے تو ضرور اس معاملے میں کوئی خاص گڑبڑ ہو۔"

"عورت پر شاید ایک سپاہی کو قتل اور دوسرے کو زخمی کرنے میں معاونت کا الزام عائد کیا جائے گا۔" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر یہ سراسر جھوٹ ہو گا۔ تمہاری عبرت کے لیے سرور لودھی آج مار دیا جائے گا کیونکہ وہ میرے حکم کے برعکس اس عورت کو حوالات سے دور رکھنے میں ناکام رہا ہے۔ ایگل چیف کے نافرمانوں پر زمین تنگ کر دی جاتی ہے۔ تمہاری مہلت اگلا سورج طلوع ہونے تک باقی رہے گی۔ ناکام رہے تو کل کا دن تمہارا آخری دن ہو گا۔"

فون پر اس کے نرخرے سے سیٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شاید وہ بولنا چاہ رہا تھا لیکن سانس پھول جانے کی وجہ سے بول نہیں پا رہا تھا۔ سر پر منڈلاتی ہوئی موت کے بھیانک تصور نے اس رشوت خور اور نافرض شناس بڈھے کا سانس اکھاڑ دیا تھا۔

میں نے اس کے لیے اپنے دل میں رحم کی ذرا بھی رمق محسوس کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اس وقت تم واقعی مافیا چیف نظر آ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔ "جس کے سائے سے موت جنم لیتی ہے۔ کیا تم واقعی غزالہ کو گرفتار کرنے والے کو مروا دو گے؟"

"اب کہہ بیٹھا ہوں تو اس پر عمل بھی کرانا پڑے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویرا کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ واردات کے وقت سرور لودھی موقع پر موجود نہیں تھا۔ غزالہ کو اس کے ماتحتوں نے پکڑا ہو گا لیکن اس نے غزالہ کو حوالات میں بند کر کے میری حکم عدولی کی ہے۔ اسے تھوڑی دیر میں اپنے دفتر میں آ جانا چاہیے۔ اس سے بات کرنے کے بعد میں سینڈو کو حکم دوں گا اور تم کل کے اخبارات میں

دیکھ لینا کہ ایگل چیف کی نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ سرور لودھی کی موت فرمان خان کو اپنے سارے وسائل استعمال کرنے پر مجبور کر دے گی جنھیں اپنی زندگی سے غیر معمولی پیار ہوتا ہے وہ زندہ رہنے کے لیے بدترین اور گھناؤنے حربے استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔"

صرف بیس منٹ ہم نے اس نئی صورت حال پر تبادلۂ خیال کرنے میں گزارے پھر میں نے سرور لودھی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اسی نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز سہمی ہوئی تھی۔ شاید وہ اپنے بارے میں نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔

"ایگل چیف!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے اپنے مقدر پر سیاہی مل لی ہے سرور!"

وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر متوحش لہجے میں تخلیے کے بارے میں بولا۔ شاید مجھ سے بات کرنے سے پہلے وہ اپنے دفتر میں موجود لوگوں کو نکال رہا تھا۔

"میں رحم چاہتا ہوں چیف!" چند ثانیوں بعد سپریم اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی۔ "جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس گھر پر آنے والی سفید فام قاتلہ نے میرا سارا منصوبہ درہم برہم کر دیا۔ ایک سپاہی کے قتل کے بعد اندر سے فرار ہونے والی کو میرے مشتعل آدمیوں نے پکڑ لیا۔ میں اسے بند نہ کرتا تو نہ صرف نوکری سے جاتا بلکہ اعانتِ جرم میں اندر کر دیا جاتا۔ وہ حوالات میں بالکل محفوظ و مامون ہے۔ اسے بند کر کے میں نے اپنے مشتعل عملے کے تشدد سے بچا لیا ہے۔ تم چاہو تو اپنا کوئی آدمی تھانے بھیج کر اس سے تصدیق کرا سکتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"وہ رہا کب ہو گی؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"زیادہ سے زیادہ دو روز میں۔" اس کی آواز میں اُمید کی قوت اُمڈ آئی۔ "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ دو روز بعد ہم اسے ریمانڈ لینے کے لیے عدالت میں لے جائیں گے، تو واپسی پر وہ ہمارے ساتھ نہیں ہو گی میں عدالت کے احاطے سے اسے اپنی نگرانی اور حفاظت میں فرار کرا دوں گا۔"

"اور ان دو دنوں میں لاک اَپ میں اس کے ساتھ کیا ہو گا؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ "تمھاری تفتیش کیسے جاری رہے گی؟"

"تفتیش ہوتی رہے گی۔ تم چاہو تو صبح شام اپنا آدمی تھانے میں بھیج کر اس سے تصدیق کرا سکتے ہو کہ میں اپنے عہد کی پابندی کرتا ہوں یا نہیں۔ اس کے ساتھ گرفتاری کے وقت جو کشمکش اور زور آزمائی ہوئی اس کے بعد کسی نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے لیکن میری ایک التجا ہے اسے مشورہ دو کہ وہ گونگی اور بہری نہ بنی رہے۔ کم از کم اپنا نام پتا وغیرہ بتا دے۔ اپنی مدافعت میں وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے وہ میں من و عن ریکارڈ کر لوں گا۔ اس نے زبان بند رکھی تو ہو سکتا ہے کہ میرے اوپر کا کوئی افسر پوچھ گچھ میں دخل دے بیٹھے۔ میں ایسے کسی بھی امتحان سے بچنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی ان دو دنوں میں بھی تمھارے اوپر والوں کی دخل اندازی کا خطرہ ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے خشمناک لہجے میں سوال کیا۔

"نن... نہیں۔" اپنی غلطی محسوس کرتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ "میں نے تو بس ایک بات کہی تھی۔ وہ نہ بولنا چاہے تو میں اس کی طرف سے ایک محفوظ فرضی بیان بنا لوں گا۔ مجھ سے جو کچھ ممکن ہے وہ میں کر گزروں گا اور دو دن کے بعد وہ آزاد ہو گی۔ ایک دفعہ وہ فرار ہو گئی تو ریکارڈ میں خورد بُرد کر کے اس کا قصہ حذف کرنا میرا کام ہو گا۔ یہ میرا تم سے عہد ہے اس میں سرمو فرق نہیں آئے گا۔"

"فوری طور پر اس کی رہائی ممکن نہیں؟" میں نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔

"میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی...." وہ گڑگڑایا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم جہنم میں جاؤ، میں اس کی بات کر رہا ہوں میری دلچسپی اس کی آزادی سے ہے۔"

"میں وہی کہہ رہا تھا۔" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا۔ "میں عتاب میں آ گیا تو میرے حوالے سے پورے شہر کی پولیس اس کی تلاش شروع کر دے گی اور وہ زیادہ دیر آزاد نہ رہ سکے گی۔"

"ٹھیک ہے سرور!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم اپنی کوششیں جاری رکھو۔ تقدیر کا اپنا کھیل شروع ہو چکا ہے۔ وقت بتائے گا کہ کون جیتتا اور کون ہارتا ہے۔"

"مجھے تو دو دن کی مہلت مل گئی ہے نا؟" اس نے لجلجاتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"اس کا جواب وقت دے گا۔" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

[illegible] مبہم جواب دینا ضروری تھا تاکہ وہ اپنی زندگی [illegible] مایوس ہو کر تخریبی کارروائی شروع نہ کر دے لیکن [illegible] کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا۔ فرمان خان کو [illegible] دھن کی بازی لگانے پر مجبور کرنے کے لیے [illegible] سرور لودھی کا ہلاک کیا جانا ضروری تھا۔ فرمان خان [illegible] سرور لودھی کے انجام سے پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا [illegible] فوری طور پر ذہنی دباؤ میں آ جائے اور وہ واقعی [illegible] گیا تھا۔ اس نے سرور سے مراسم نہ ہوتے ہوئے [illegible] جھپکتے میں دفتر واپس لوٹنے کے بارے میں میرا [illegible] اس تک پہنچا دیا تھا اور میں صرف بیس منٹ بعد [illegible] سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

[illegible] میری دانست میں غزالہ کی رہائی سرور کے بس سے [illegible] ہاں، اس کے قتل کے بعد زندگی کا حریص فرمان خان [illegible] معمولی کارگزاری دکھا سکتا تھا۔

میری اگلی فون کال سینڈو کے لیے تھی جو دفتر ہی میں تھا۔

ڈی ایس پی سرور لودھی کا نام سینڈو کے لیے نامانوس تھا اس کے فوری قتل کا نادر شاہی حکم سن کر وہ بُری طرح چونکا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔

"یہ ایگل چیف کا جو بھا شکار ہو گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "اس کی لاش کے ساتھ نشان بھی ملنا چاہیے تاکہ ہر متعلقہ شخص کو معلوم ہو سکے کہ سرور ایگل چیف کی نافرمانی کی پاداش میں مارا گیا ہے۔ یہ کام سورج ڈھلنے سے پہلے ہو جانا چاہیے۔"

"ضروری تو نہیں کہ اسے تھانے میں ہی مارا جائے؟" سینڈو نے سوال کیا۔

"وہاں زیادہ بہتر رہے گا۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ تھانے بھی ایگل چیف کی دسترس سے باہر نہیں ہیں لیکن کوئی بڑا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ اصل اہمیت اس کے قتل کی ہے۔"

اپنے کسی ماتحت کو کسی کے قتل کا حکم صادر کرنے کا وہ میرا پہلا موقع تھا۔ انسانی خون کی حرمت اپنی جگہ پر مسلّم تھی۔ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ میرا وہ اقدام خلافِ قانون تھا لیکن سماج کے باغی سرمجرم کی طرح میرا ضمیر مطمئن تھا کہ میں نے کسی معصوم اور بے گناہ شخص کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ سرور لودھی ایگل چیف کا آلۂ کار تھا اور وہ

منصب ایسا تھا کہ شیطانی کردار اور صفات رکھنے والے ہی اپنی شرمناک کمزوریوں کا پردہ رکھنے کے لیے ایگل چیف کے غلام بننے پر مجبور ہوتے تھے۔

"وہ بٹیروں کے قورمے کا بہت شوقین ہے" سینڈو کہہ رہا تھا۔ "میں کسی گمنام دوست کی طرف سے اسے زہر ملا ہوا قورمہ عقاب کی تصویر کے ساتھ پیک کر کے بھیج دیتا ہوں۔ اس کی موت کے بعد پیکنگ وغیرہ کی باریکی سے جانچ پڑتال ہو گی تو عقاب کی تصویر سامنے آجائے گی۔"

"نہیں۔" میں نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ "میں کسی بے گناہ کا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ اگر اس نے اپنے ساتھ کھانے میں کسی اور کو بھی شریک کر لیا تو وہ بھی بے موت مارا جائے گا۔ احتیاط اور چالاکی کے ساتھ تمھیں صرف اسی کو مارنا چاہیے۔"

"رات ہونے سے پہلے کام پورا ہو جائے گا۔"

اس کی آواز سنائی دی اور میں نے فون بند کر دیا۔

غزالہ کے ساتھ میری برہمی اپنی جگہ پر تھی لیکن اس پر پڑنے والی نئی افتاد نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی مدد کے لیے مزید کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے پولیس کی تحویل میں ہونے کی وجہ سے حالات اس قدر نامساعد تھے کہ ....

میں خود سامنے آکر کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا البتہ مجھے یہ اطمینان ضرور تھا کہ میں جس کسی سے کام لے سکتا تھا اس کو میں نے دھندے سے لگا دیا تھا۔

وہ سارے انتظامات اپنی جگہ پر تھے لیکن فلیٹ میں رہ کر مجھے کہیں سے کوئی خبر نہیں مل سکتی تھی۔ میں نے سینڈو کے لیے دوبارہ دفتر فون کیا تو وہ وہاں سے نکل چکا تھا اس لیے میں نے اپنا نمبر دے کر پیغام چھوڑ دیا کہ وہ واپس آتے ہی مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا تھا اور کسی بھی وقت کامیابی کی خبر کے ساتھ واپس آسکتا تھا۔

غزالہ کے بارے میں میں سلطان شاہ سے اس قدر بحث کر چکا تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں اس سے غزالہ کے موضوع پر بات کرنا مشکل ہو رہی تھی اس لیے میں نے ایک بار پھر مینا و پیمانہ سنبھال کر خود کو اپنی خواب گاہ تک محدود کر لیا اور فون اپنے ہی کمرے میں لے لیا۔ ویرا کا اپریٹس بھی میں نے آن کر کے رکھ لیا تھا۔

سلطان شاہ اپنی جگہ گم تھا۔ مجھے اس کی فکر مندی کا احساس بھی تھا اور اندازہ بھی، لیکن وہ خود بھی زبان بند [illegible] باہر سے آنے والی کسی اچھی خبر کا منتظر تھا۔ ہم دونوں [illegible] آپس میں کوئی مشورہ کیے بغیر رضاکارانہ طور پر ایک [illegible] کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن سوا چھ بجے جب فون کی گھنٹی بجی تو وہ بے تابانہ انداز میں میرے کمرے میں [illegible] چلا آیا۔

وہ کال سینڈو کی تھی۔ اُس نے بتایا کہ وہ ڈی ایس پی سرور لودھی کو تھانے سے گھر لوٹتے ہوئے گولی مارنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت سرور لودھی اپنی کار خود چلا رہا تھا اور تنہا سفر کر رہا تھا۔ سینڈو نے اپنی مسروقہ کار اس کے پہلو میں لے جا کر اس کی کھوپڑی اور چہرے میں تین گولیاں اُتارنے کے بعد عقاب کی تصویر والا کارڈ کھڑکی میں سے سرور کی ڈرائیونگ سیٹ پر پھینک دیا تھا۔

مسروقہ کار سے نجات حاصل کرنے کے بعد اُس نے میرے پیغام کے بعد دفتر لوٹتے ہی مجھے فون کیا تھا اور وہ [illegible] دن کی پہلی اچھی خبر تھی۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میرا دل انجانے وسوسوں سے تیزی سے دھڑک رہا تھا یا شاید میں مے نوشی کی وجہ سے اس بارے میں زیادہ حساس ہو گیا تھا۔ پھر آٹھ بجے اچانک ٹرانسمیٹر پر ویرا کی آواز اُبھرنے لگی وہ ماریانا کے فرضی نام سے میرے لیے پیغام نشر کر رہی تھی۔

"اسلحہ لے کر گھر سے نکل پڑو۔" میرا جواب ملنے پر [illegible] نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کسی منصوبے کے ساتھ [illegible] کی تلاش میں تھانے کے گرد منڈلا رہی تھی کہ اچانک کچھ مسلح لوگوں نے تھانے کی عمارت پر شدید حملہ کر دیا ہے۔ غزالہ کی جان کو خطرہ ہے اس سے تھوڑی دیر پہلے کسی نے علاقہ کے انچارج کو اس کی کار میں گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے، میں اکیلی کچھ نہ کر سکوں گی۔ تم سلطان کو ساتھ لے کر جلدی [illegible] تاکہ ہم پوری عمارت تباہ ہونے سے پہلے غزالہ کو اس جلتے جہنم سے نکال سکیں۔ اوور اینڈ آل۔"

وہ رُکے بغیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی اور [illegible] جواب سنے بغیر رابطہ بھی منقطع کر دیا مگر اس کا پیغام [illegible] مکمل تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو تیاری کی ہدایت دیتے ہوئے بستہ چھوڑ دیا۔

[illegible] یہ تعین نہیں کر سکا تھا کہ فرمان خان نے غزالہ کو [illegible] کرانے کے لیے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا یا کوئی اور [illegible] تھانے کی عمارت کا دشمن ہو گیا تھا۔

"غزالہ کے حق میں ویرا کا وجود ہی منحوس ہے۔" [illegible]ن شاہ تیاری کرتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ جب بھی اس کے آس [illegible] نظر آتی ہے۔ وہ بے چاری کسی نہ کسی ناگہانی مصیبت [illegible] مبتلا ہو جاتی ہے ....."

"یہ تمھارا خیال ہے۔" میں نے سرزنش کرنے والے لہجے [illegible]ہا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ غزالہ کی مدد کرنے کی [illegible]یں تھانے کے قریب منڈلا رہی تھی۔"

"اور ایسی مدد کی ہے کہ اب ہمیں ہتھیار جمع کرنے پڑ رہے [illegible] اس نے برا سا منہ بنا کر استہزائیہ لہجے میں تبصرہ کیا۔ "اللہ [illegible] ایسی مدد سے محفوظ رکھے۔"

"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ بُرے مواقع پر ویرا کسی نہ کسی [illegible] غزالہ کے آس پاس ہی پائی جاتی ہے۔ اگر اس وقت وہ [illegible]انہ ہوتی تو ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔" اس کی بیزاری میں کوئی [illegible]نہیں آسکی تھی۔ "تم اس کے ساتھ پچھلی رات گزار چکے ہو [illegible]لیے تمھیں اس کی صرف اچھائیاں نظر آرہی ہیں۔ میرا تو [illegible]یال ہے کہ ویرا تھانے کی طرف نہ پہنچتی تو غزالہ کسی بڑے [illegible]ے سے دوچار ہوئے بغیر، اب تک آزاد ہو چکی ہوتی۔"

وہ سب ہماری قیاس آرائیاں تھیں۔ مفروضوں میں اُلجھ [illegible]نے ذہن کو تھکانے کے بجائے اس وقت ہم کوئی عملی [illegible]اُٹھا کر ہی غزالہ کی مدد کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے [illegible]طان شاہ سے بحث جاری رکھنے کے بجائے چُپ سادھ [illegible]ور ہم دونوں مسلح ہو کر فوراً ہی فلیٹ سے روانہ ہو گئے۔

[illegible] طرح جانتا تھا کہ سلطان شاہ کے ذہن میں ویرا کی طرف [illegible] جو مخاصمانہ خیالات پروان چڑھ رہے تھے، انھیں ختم کرنا [illegible]رے بس سے باہر تھا۔ وہ جس سخت قبائلی ماحول میں پروان [illegible] چڑھا تھا وہاں شرم، حیا، عزت اور غیرت کے مخصوص مگر اٹل [illegible] معیار رائج تھے جن سے انحراف کر کے عورتیں تو درکنار، مرد [illegible] قبائلی جرگے کی تعزیری کارروائی سے نہیں بچ سکتے تھے اور [illegible] عورت ہونے کے باوجود ان معاملات میں کسی معیار پر [illegible] نہیں اترتی تھی۔ سلطان شاہ جیسے کٹر قبائلی مسلمان کے [illegible] اقدار اس کی زندگی کا سرمایہ ہو سکتی تھیں، ویرا برسوں پہلے [illegible] بارُوم میں ڈان مرسیانو کے چنگلوں میں آن پھنسی تھی۔ اس [illegible] کا اور سلطان شاہ کا ایک دوسرے کو معاف کرنا ناممکن [illegible] سلطان اسے کسی بھی قیمت پر ایک عورت تسلیم کرنے [illegible] کے لیے تیار نہیں تھا اور اسی طرح ویرا اپنی دانست میں اس [illegible] سے آزمانے کے بعد اس کی مردانگی کو کبھی کبھار کھل

کر چیلنج بھی کر دیتی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارے ذہن میں غزالہ کی خیر خواہی کے جذبات اب بھی موجود ہیں۔" راستے میں سلطان نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "ورنہ کل پرسوں تو تم اس سے بالکل ہی منحرف نظر آرہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم زندگی بھر اس کی صورت بھی نہیں دیکھو گے۔"

"انسان اپنی چوکھٹ پر جانور بھی پالتا ہے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ غزالہ تو پھر آدمی کی بچی ہے۔" میں نے ایک بار پھر اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "اس کی خیر خواہی اور خبر گیری کے پیچھے صرف یہ جذبہ کار فرما ہے کہ وہ اکیلی اور بے سہارا ہے۔ اس سے آگے مجھے اس سے کوئی امید نہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ اب پھر اس کی خاطر میرے سینے میں محبت کا طوفان اُمڈنے لگا ہے۔"

"خود کو فریب نہ دو ڈیئی!" اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا۔ "جن سے زندگی میں ایک بار محبت ہو جاتی ہے۔ ان سے دوبارہ محبت یا نفرت تو کی جا سکتی ہے لیکن اس طرح لاتعلق اور غیر جانبدار نہیں رہا جا سکتا جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو۔ ایسا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کی رگوں میں خون کے بجائے کسی کاریز میں بہنے والا ٹھنڈا پانی دوڑ رہا ہو۔ تم مان کیوں نہیں لیتے کہ اپنی ساری ناراضی کے باوجود تم آج بھی غزالہ کے لیے اپنے دل میں گہرا پیار رکھتے ہو؟"

"تم کتنے عشق لڑا چکے ہو جو اس بارے میں اتنے اعتماد کے ساتھ رائے زنی کر رہے ہو؟" میں نے تلخ اور ملامت آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ لاجواب ہو کر چُپ ہو جائے گا مگر وہ بولتا ہی رہا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں نے کبھی کسی سے عشق نہیں کیا؟"

اس کے بے باکانہ سوال نے مجھے چونکا دیا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی مرحلے پر خود ہی ایسا کوئی انکشاف کر بیٹھے گا۔ "تم نے کسی گائے، بکری یا بھیڑ سے عشق کیا ہو تو اس سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے اس پر حاوی رہنے کی نیت سے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"تم میرا مذاق اڑا سکتے ہو لیکن میرے دعوے کو نہیں جھٹلا سکتے۔" اس کی آواز میں آزردگی تیر گئی۔ "ضروری نہیں کہ عشق لڑایا ہی جائے، عشق کیا بھی جاتا ہے۔ مجھے اپنی ماں سے عشق تھا۔ میں اس سے لڑتا بھی تھا، ناراض بھی ہوتا تھا اور جب وہ ناراض ہو کر مجھ سے بولنا بند کر دیتی تھی تو یہ میں ہی جانتا ہوں

کہ میرے زخمی دل میں کیسی کسک ہوتی تھی۔ اپنے اسی تجربے کی بنا پر میں تمہاری کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔ تم نے اپنے اوپر غزالہ سے برہمی اور تنفر کا خول ضرور چڑھا لیا ہے لیکن اضطراری لمحات میں کچھ سوچے سمجھے بغیر تم اچانک اس خول سے باہر آکر اس کے لیے بے چین ہو جاتے ہو۔ جوں ہی تمہیں اپنی اداکاری میں خلل پڑنے کا احساس ہوتا ہے، تم ایک بار پھر اسی خول میں سمٹ کر اپنی اضطراری بے چینی کے الٹے سیدھے جواز تلاش کرنے لگتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ اندر سے تم اب بھی غزالہ کے پرانے ڈیینی ہو۔ جنھیں چاہا جاتا ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے میں کوئی سبکی یا توہین نہیں ہوتی۔ تمہیں غزالہ سے روٹھنے کے بجائے اس سے مل کر پوچھنا چاہیے کہ وہ تم سے دور کیوں بھاگ رہی ہے؟ اسے کیا مجبوری ہے؟ ایسے سوال ان ہی لوگوں سے کیے جاتے ہیں جن پر تمہارا کوئی حق ہوتا ہے۔۔۔!"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا غالباً درست ہی کہہ رہا تھا لیکن یہ مردانہ انا بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اپنے دل میں میں اپنی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا غزالہ سے میرا سامنا ہوگا تو اس کی صورت دیکھتے ہی میرے تمام شکوے اور ساری مفروضہ شکایتیں ہوا میں تحلیل ہو جائیں گی مگر مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ سلطان جیسا جاں نثار اور قریبی دوست بھی میرے من مندر کے نہاں خانوں میں بنتی بگڑتی ان سبھاؤں میں جھانک سکے۔ اس کے سامنے میں وہی تند خو اور روایتی مرد بنا رہنا چاہتا تھا جو ذرا سی لغزش پر چوٹی پکڑ کر اپنی عورت کو اماوس کی ٹھٹھرتی ہوئی سیاہ اور لمبی رات میں گھر سے باہر ہانک دیتا ہے۔

میں خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تیزی سے کار ڈرائیو کرتا رہا اور پھر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہونے لگی جو آنکھوں اور نتھنوں میں جلن پیدا کر رہی تھی لیکن فضا میں کسی قسم کے ہتھیاروں کی گھن گرج موجود نہیں تھی۔

چند موڑ گھومنے کے بعد تھانے کی دھواں اگلتی ہوئی تباہ شدہ عمارت کا منظر ہمارے سامنے آگیا اور میں نے بکھرے ہوئے ہجوم میں سے گزرنے کے بجائے کار ایک طرف پارک کر کے لاک کر دی۔

تھانے کی عمارت بظاہر سالم نظر آ رہی تھی مگر کثیف دھوئیں اور شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس کے کسی حصے کے منہدم نہ ہونے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس عمارت پر بموں وغیرہ سے حملہ نہیں کیا گیا تھا لیکن وہاں موجود فائر بریگیڈ کی گاڑیوں اور ایمبولینسوں کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں کوئی معمولی کارروائی نہیں کی گئی تھی جو کچھ ہوا تھا، وہ خاصے بڑے اور منظم پیمانے پر ہوا تھا۔

ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے حملہ آور فرار ہو چکے تھے لیکن تھانے کی جلتی ہوئی عمارت کے گرد ہونے والی کا... اور دہشت زدہ ہجوم کی کثرت نے مجھے دہشت میں ڈال دیا کہ فرمان خان جیسا شخص سرور لودھی کے قتل کے بعد قلیل وقت میں اتنے وسائل یکجا کرنے میں کیسے کامیاب ہو گیا کہ تھانے تاراج کر کے میرے حکم کی تعمیل پر تل گیا۔ اس وقت تک میں یہی سمجھ سکا تھا کہ وہ کارروائی فرمان خان نے کی تھی اور اس کا مقصد حوالات سے غزالہ کو فرار کا موقع فراہم کرنا تھا۔

مقابلہ ختم ہو چکا تھا اس لیے ہم دونوں نے اپنے ساتھ کوئی اسلحہ نہیں لیا تھا۔ خوف و ہراس میں مبتلا تماشائیوں میں ہر ایک حقیقت جاننے کے لیے بے تاب تھا لیکن کسی کو اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ تھانے پر کچھ لوگوں نے باہر سے زبردست فائرنگ کی آڑ میں حملہ کیا تھا۔ ایک ہی شام میں ڈی ایس پی سرور لودھی کے قتل اور تھانے کی تباہی نے لوگوں میں دور از کار قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جن میں ہر پُرجوش شخص لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے الزام طرازی پر تلا ہوا تھا۔ ان افواہوں اور خیال آرائیوں میں حقیقی صورتِ حال کا علم ہونا محال تھا۔ اس لیے میں نے سرکاری اہلکاروں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں میری نگاہ ویرا کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔

ویرا کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ اسی روز غزالہ کے مکان کی قفل شکنی کرتے ہوئے اس کا سرور لودھی کے آدمیوں سے تصادم ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک سپاہی ہلاک اور دو زخمی ہو گیا تھا۔ غزالہ کے پکڑے جانے کے باوجود ویرا وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن ایک سفید فام کی حیثیت سے اس کا خاص حلیہ بچ رہنے والے حریفوں کی نگاہوں میں آگیا تھا اس لیے ویرا اپنے رنگ روپ میں نمایاں تبدیلیاں لائے بغیر اس علاقے میں منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس نے ٹرانسمیٹر پر مجھے بتایا تھا کہ وہ غزالہ کی مدد کے ارادے سے تھانے کے اردگرد منڈلا رہی تھی۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے حلیے میں تبدیلی کر کے ہی اس مہم پر نکلی ہو گی اگر وہاں تھانے پر فائرنگ کا سلسلہ شروع نہ ہو جاتا تو شاید ویرا خود ہی تھانے میں پہنچنے کی کوشش کرتی۔ تھانے کا عملہ تو شاید بہروپ میں اسے شناخت نہ کر پاتا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں ہر حالت میں اسے پہچان... وہ اس پورے معاملے کی چشم دید گواہ تھی اور اس سے صحیح واقعات کا علم ہو سکتا تھا۔

شہر کے ایک تھانے پر دیدہ دلیری کے ساتھ حملہ کرنا بڑا اور سنگین واقعہ تھا اس لیے وہاں لمحہ بہ لمحہ باوردی اور سرکاری گاڑیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

فائر بریگیڈ کا عملہ پانی کی تیز دھاروں سے آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ امدادی ٹیم کے اراکین اندر سے ...پر کئی افراد کو ایمبولینسوں میں لائے تھے جن کے ...گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی، برق رفتاری کے ساتھ اسپتال ...روانہ ہو گئی تھیں۔ جائے واردات کی صورتِ حال کے ...نظر یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ لے جائے جانے والوں میں ...ے ہی زخمی نہیں تھے بلکہ ان میں چند لاشوں کا ہونا بھی ...تھا۔ ان مناظر کو دیکھ کر میرا دل بوجھل ہونے لگا۔

پولیس کے محکمے میں کام کرنے والوں کے لیے شہر بلکہ ...بھر میں لوگوں کے دلوں میں محبت اور اپنائیت کا کوئی ...ذکر جذبہ نہیں پایا جاتا تھا۔ محکمے میں جا بجا اتنی خرابیاں ...اور ان کو ذرائع ابلاغ سے اس قدر اچھالا جاتا تھا کہ ...یاں دھندلا کر رہ جاتی ہیں۔ میں نے جب فرمان خان ...الات سے غزالہ کی رہائی کا بندوبست کرانے کا حکم ...ا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دمے کا مریض ...ٹائرڈ افسر اتنی طاقت سے کام لے سکے گا کہ خون کی ...بہہ جائیں گی۔ پولیس کے محکمے میں کام کرنے والے اہلکار ...فرسودہ اور زوال پذیر معاشرے کے ارکان تھے۔ ...ے میں ہر طرف جو برائیاں پھیل رہی تھیں ان سے وہ ...لودہ تھے لیکن وہ آلودگی انسانی لہو کی حرمت کو آنچ نہیں ...دیتی۔

انسان اچھا ہو یا برا، نیک نام ہو یا بدنام۔ وہ ہر حال میں ...ہی رہتا ہے۔ اور اس کے افعال و کردار کی بنا پر کسی ...رے انسان کو اس کا خون بہانے کی آزادی ہرگز نہیں ...سکتی، ورنہ انسانی آبادیاں ایسے جنگلوں میں تبدیل ہو جاتی ...ہاں صرف درندوں کا راج ہوتا ہے۔ میں نے فرمان خان ...کارروائی کا حکم دیا تھا اور اس اقدام کے نتیجے میں کچھ ...وجود میں آ چکی تھیں۔ اس لیے میں خود کو اس خونریزی کا ...ست ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خوف ...تھا کہ ایسی ہولناک اور اندھا دھند کارروائی میں کسے یہ ...رہا ہو گا کہ وہ اپنے حریفوں کو پہچان کر گولیاں برسائے ...ہو سکتا تھا کہ فرمان خان کے سورماؤں نے خونریزی کے اندھے جوش میں اسی غزالہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو جسے آزاد کرانے کے لیے ان کے ولیِ نعمت نے وہ مہم ترتیب دی تھی۔

سنسنی، بے چینی اور تجسس کے عالم میں کافی دیر تک اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد پتا چلا کہ تھانے پر جو تباہی نازل ہوئی تھی وہ تو اپنی جگہ پر تھی لیکن اسی کے ساتھ، تھانے والوں کی جوابی کارروائی کے نتیجے میں حملہ آوروں میں سے کم از کم ایک شخص ضرور مارا گیا تھا جس کی لاش وہ لوگ فرار ہوتے وقت اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری نے اس لاش کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ سننے میں آیا کہ متوفی کی شناخت ہو گئی تھی لیکن اعلیٰ حکام نے اس امر کو سختی کے ساتھ صیغۂ راز میں رکھا ہوا تھا۔

ہم دونوں کسی اہم خبر کی امید میں کم و بیش ایک گھنٹے تک وہاں دھکے کھاتے رہے۔ ایک بار بڑھتے ہوئے ہجوم پر پولیس والوں کے لاٹھی چارج سے پیدا ہونے والی بھگدڑ کے نتیجے میں سلطان شاہ کی پشاوری چپلیں اس کے پیروں سے نکل گئیں تو ہم نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔

وہاں بھٹکنے کے بجائے فلیٹ پہنچ کر میں فرمان خان سے فون پر زیادہ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

"اسی سے معلومات حاصل کرنا تھیں تو یہاں تک کیوں دوڑے چلے آئے تھے؟" سلطان شاہ پسنجر سیٹ پر دراز ہوتا ہوا دھیمے لہجے میں بڑبڑایا۔

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی میدان صاف ہو جائے گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہم یہاں معلومات حاصل کرنے نہیں، بلکہ مقابلے میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔"

"ویسے تمہارا کیا خیال ہے؟" کار حرکت میں آ جانے کے بعد اس نے سوال کیا۔ "کیا وہ غزالہ کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا؟"

"آثار بتاتے ہیں کہ منظم اور مسلح حملہ آوروں کو تھانے والوں پر برتری حاصل تھی۔ انھوں نے اپنا مقصد حاصل نہ کیا ہوتا تو اپنے مورچے چھوڑ کر نہ جاتے۔"

"پھر اب غزالہ کہاں ہو سکتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ تو فرمان خان ہی بتا سکے گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ اس کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے کوئی نیا سوال نہیں کیا اور فلیٹ پہنچنے تک کار میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔

فلیٹ میں غیر متوقع طور ویرا پہلے سے موجود تھی۔ اس

نے موت کی طرح ہمارا گھر دیکھ لیا تھا اور چونکہ قفل شکنی میں بھی ماہر تھی اس لیے اسے آزادانہ آمد و رفت سے روکنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ اس سے ہم کو تھانے پر حملے کے بارے میں بہت سی خبریں مل سکتی تھیں لیکن اسے اپنے بستر پر دراز دیکھ کر سلطان شاہ کا مُنہ بن گیا۔

"چوروں کی طرح آتی ہو تو ڈبنی کے بستر پر ہی آرام کیا کرو۔ میں اپنے بستر پر کسی عورت کا تصرف تو درکنار، اس کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ تلخی کے ساتھ بولا تھا۔

ویرا تنک کر اس کے بستر سے اُتر گئی۔ "میں خود بھی اب غسل کروں گی۔ پتا نہیں تم جیسی گندی سوچ رکھنے والا کا بستر کتنا غلیظ رہتا ہوگا۔"

"اسے سمجھالو! یہ حد سے تجاوز کر رہی ہے۔" سلطان شاہ میری طرف پلٹ کر شکایتی لہجے میں غرایا۔ "اب میں کچھ کہوں گا تو یہ مرنے مارنے پر تل جائے گی۔"

"میں مردوں سے لڑتی ہوں، تمھیں نہیں چھیڑوں گی۔" ویرا نے چڑانے والے لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا اور سلطان شاہ بھنّا کر باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

ویرا مسکراتی ہوئی میرے ساتھ کمرے میں آگئی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے اسے کسی عورت نے نہیں بلکہ اس کے باپ نے ہی جنا ہو۔" کمرے میں آکر اس نے کہا۔ "عورتوں کو تو چڑیلوں سے بھی زیادہ حقیر سمجھتا ہے۔"

میں نے چاہا کہ اسے بتاؤں کہ سلطان شاہ غزالہ کی کتنی عزت کرتا تھا۔ وہ ان ہی عورتوں سے بدکتا تھا جو ہر مرد کی مردانگی کو آخری مرحلے تک آزمانے کے چکر میں رہتی تھیں۔ مگر اس وقت میں ویرا کو خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے تبصرے پر مسکرا کر رہ گیا۔

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم تھانے کے اطراف میں اپنی اصلی شکل و صورت میں گھوم رہی تھیں؟" میں نے سب سے پہلے وہی اہم سوال کیا۔

"میں مناسب موقع پر ایک باضمیر اور قانون پرست شہری کی حیثیت سے تھانے میں داخل ہو کر اپنی گرفتاری دینا چاہتی تھی۔ تھانے والے بہت زیادہ بوکھلائے ہوئے تھے کیونکہ شام کو کسی پراسرار شخص نے ان کے ڈی ایس پی کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کی لاش پر سے عقاب کی تصویر والا ایک کارڈ بھی ملا تھا۔ سنا ہے کہ عقاب والے اہم سرکاری افسران کے دشمن ہیں اور وہ اپنی نوعیت کی چوتھی واردات تھی۔ تھانے کا خاصا عملہ بھی اسی طرف مصروف تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک بار مجھے غزالہ کے ساتھ حوالات میں پہنچا دیتے تو میں کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اپنے ساتھ اسے بھی رہا کرا لیتی مگر پھر اچانک ہی تھانے پر مسلح حملہ شروع ہو گیا اور میں کچھ بھی نہ کر سکی۔"

"حملہ آور کون تھے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں چل سکا بس اچانک ہی کئی اطراف سے تھانے پر گولیاں برسنے لگیں۔ میں نے فوراً ہی ایک خشک برساتی نالے کی پلیا کے نیچے چھپ کر اپنی جان بچائی لیکن میں اپنے تجربے کی بنا پر یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ سب پیشہ ور لوگ تھے۔ میں نے کئی رائفلوں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں نے دور رہتے ہوئے بھی تھانے میں تباہی مچا دی۔"

"لیکن تھانے میں کوئی آتش گیر مادہ تو نہیں رہا ہوگا پھر محض فائرنگ سے تھانے میں آگ کیسے لگ گئی؟" میں نے اگلا سوال دریافت کیا۔

"میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن آگ کے ابتدائی شعلوں کے ساتھ میں نے فضا میں پیٹرول کی تیز بو محسوس کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اندر گھس کر آگ لگائی ہو۔ وہاں موجود گاڑیوں کی ٹنکیاں توڑ کر پیٹرول ہی پیٹرول حاصل کیا جا سکتا تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ غزالہ کے بارے میں ہم اب بھی تاریکی میں ہیں۔"

"میرا منصوبہ دھرا رہ گیا تھا۔ اس لیے فائرنگ ختم ہوتے ہی میں وہاں سے اِدھر روانہ ہو گئی۔ تم تو وہاں خاصا وقت گزار کر آئے ہو۔ تمھاری اطلاعات کیا ہیں؟"

"صفر!" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں صرف ایک افواہ کا اضافہ کر سکتا ہوں۔ سنا ہے کہ حملہ آور فرار ہوتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کی لاش وہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"پھر تو وہ لوگ پولیس کی نگاہوں میں آگئے ہوں گے۔" وہ بولی۔ میری بات سن کر اس کی نگاہوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس بار وہ غزالہ کی سلامتی اور آزادی کے بارے میں واقعی مخلص تھی۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ صرف افواہ ہی ہو۔ البتہ تم تھوڑی دیر کے لیے باہر چلی جاؤ تو میں [illegible] سے کچھ خبریں حاصل کر سکتا ہوں۔"

"[illegible] کسی کو فون کرو گے؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے [illegible]

"[illegible] فلیٹ میں رہ کر فون ہی کر سکتا ہوں مگر تخلیہ ضروری ہے۔"

"میں اسی کمرے میں آرام کرتی ہوں تم اطمینان سے فون کر لو۔ پھر بھی اطمینان نہ ہو تو سلطان شاہ کو میری نگرانی پر [illegible] کر دو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ میری مسہری پر دراز ہو گئی۔

"تمھارے معاملے میں سلطان شاہ ناکارہ ثابت ہوگا۔" میں [illegible] سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم اس کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرو [illegible] وہ خود ہی اچٹ کر بھاگ جائے گا..."

"تمھاری مرضی۔" وہ میری بات کاٹ کر بے پروائی سے بولی۔ [illegible] بعد میں فون کر لینا۔ فی الحال میرا یہاں سے جانے کا ارادہ [illegible] ہے۔ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"تو پھر کرو بات۔" میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک [illegible] لیکن تھا۔ مجھے بڑی حد تک یقین تھا کہ تھانے پر حملے کی کارروائی [illegible] خان کی ہی رہی ہوگی۔ اسے فون کر کے مجھے یہ معلوم کرنا [illegible] ویرا کہاں اور کس حال میں ہوگی اور دوم اسے غیر ضروری [illegible] خون پر سخت سرزنش کرنی تھی۔ وہ دونوں ہی کام ایسے [illegible] ویرا کو ٹالنے کے بعد بھی کیے جا سکتے تھے۔ اس کی موجودگی [illegible] اپنی ایگل چیف کی حیثیت استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ [illegible] چالاک اور مکار تھی۔ اگر اسے اس کوڈ کی بھنک بھی مل جاتی [illegible] میرے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتی تھی۔

"سلطان شاہ کی صحبت میں رہ کر تم بالکل ہی بے مروت [illegible] گئے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "اس مہم سے واپسی پر [illegible] ناکامی کا ایک جام تو ہونا چاہیے پھر باتیں [illegible]"

اس کی زبان سے ناکامی کا لفظ سن کر میرا دل دہل گیا۔ میرے [illegible] ہوتا تو میں اسے وہیں خاموش کر دیتا لیکن وہ میرے [illegible] سے لاعلم تھی۔ اور جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی دانست میں [illegible] ہی کہہ رہی تھی۔ اس لیے مجھے خاموشی سے وہ سنگین [illegible] سہنا پڑا۔

میرے ہاتھ میں لارج اسکاچ کے دو گلاس دیکھ کر وہ [illegible] یوں اچھل کر اٹھی جیسے اس کے وجود میں شیطان حلول [illegible] ہو۔ میرے ہاتھ سے گلاس لے کر اس نے غزالہ کی سلامتی [illegible] ٹوسٹ تجویز کیا اور ہم دونوں نے بہ یک وقت اپنے [illegible] آتشیں تحریریں آتار لیں۔

[illegible] لمبی لمبی مخروطی انگلیوں سے لائٹر جلا کر ویرا نے پہلے میری سگریٹ سلگائی پھر اپنی سگریٹ سلگا کر بولی۔ "کل دن میں تم کیا کر رہے ہو؟"

"فی الحال کوئی پروگرام نہیں ہے۔ اپنا پتا دو تو کسی وقت تمھاری طرف چکر لگا لوں گا۔ تم میرا گھر دیکھ چکی ہو تو اب تمھیں بھی اپنا ٹھکانا نہیں چھپانا چاہیے۔"

"تم دوست بن کر بھی میرا سراغ نہیں لگا سکے لیکن ایک اجنبی مجھ تک پہنچ گیا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب مجھے تم کو بتانا ہی پڑے گا کہ میں کہاں رہ رہی ہوں۔"

اس کی زبان سے اجنبی کا حوالہ کچھ عجیب اور ذو معنی سا محسوس ہوا مگر میں نے دانستہ کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ میرا تجسس بھانپ کر بات کو طویل کر سکتی تھی۔

"آج ایک اجنبی نے مجھے فون کیا تھا۔" ویرا نے دھیمے لہجے میں بات شروع کی تو اس کے بشرے پر تفکر آمیز لکیریں نمودار ہو چکی تھیں۔ "اس نے مجھے ماریانا گبرائیل کے بجائے ویرا کے نام سے مخاطب کیا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں اپنی کمین گاہ میں اکیلی رہ رہی ہوں۔ وہ شی کے نام اور کام سے بھی واقف ہے لیکن میرے لیے اس کی آواز اجنبی تھی۔ وہ کسی اہم معاملے میں کل بارہ بجے مجھ سے میرے گھر پر ملنا چاہ رہا ہے۔ اس کی شرط ہے کہ میں اس سے تنہا ملوں کیونکہ اسی میں میری اور اس کی بہتری پوشیدہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تمھارا کوئی پرانا عاشق ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"عاشق عیار نہیں ہوتے۔" وہ بھڑکے بغیر بولی۔ "میں جو کچھ ہر ایک سے چھپاتی رہی ہوں وہ سب اُسے معلوم ہے میرا اندازہ ہے کہ اسے کسی بڑے گروہ کی سرپرستی حاصل ہے جو ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"وہ مافیا کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے دوسرا شوشا چھوڑا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے میری بات رد کر دی۔ "مافیا والے کبھی اس طرح کسی کی راہ نہیں کاٹتے۔ انھیں ملنا ہوتا تو مجھے یا میرے بڑوں کو کوئی باقاعدہ پیغام ملتا۔ اس شخص نے مجھے کچھ ایسی باتیں بھی بتائیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ملاقات کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہ رہا تھا۔"

"اس بارے میں تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"انطونیو کے قتل اور مانچے کی مکمل تباہی کے بعد میں اس شہر میں تنہا رہ گئی ہوں۔ اس وقت میں صرف تم پر ہی اعتماد کر سکتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس پُراسرار شخص سے ملاقات کے

وقت تم میرے آس پاس پوشیدہ رہ کر معاملات پر نگاہ رکھو۔"

"میں تمہاری دوستی حاصل کرنے میں دوبارہ کامیاب ضرور ہو گیا ہوں مگر تم جانتی ہو کہ میں تم لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ میرے دوست بن جانے کے باوجود ابھی تک شی سے باغی ہو اور شی کے کسی بھی کاز کے لیے کبھی میرے ہم نوا نہیں بن سکتے۔ اسی وجہ سے آج میں نے تھانے کا رُخ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر میں غزالہ کی آزادی کے سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر کام دکھا سکی تو اس طرح تم مجھ سے تعاون کرنے کے لیے اخلاقی دباؤ میں آجاؤ گے مگر بدقسمتی سے وہاں بازی ہی اُلٹ گئی اور اس وقت مجھے تم سے ایک سوالی کے روپ میں بات کرنا پڑ رہی ہے۔"

"تمہاری ذات کے لیے میں کسی اخلاقی دباؤ کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن شی کے لیے میں ایک کیل بھی ہلانے پر آمادہ نہیں۔ اب تو تم کو بھی ہوش آجانا چاہیے۔ تم اس سیٹلائٹ مائکروفون کو کیوں بھول رہی ہو جو ہالینڈ سے ان میں تمہاری عارضی قیام گاہ میں دریافت ہوا تھا؟"

"جمی لائیڈ میرا باپ ہونے کے ساتھ ہی شی کا سربراہ، ہزاروں کارکنوں کا مربی اور سرپرست بھی ہے۔ جب میں اس کی سگی بیٹی ہو کر، اس کے تم جیسے دشمن سے پینگیں بڑھا سکتی ہوں تو اُسے بھی اپنے کارندوں کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ بے خبر رہے تو اس کا کوئی بھی آدمی سیکڑوں کارندوں کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔ میں نے اس معاملے میں ہر طرح سے غور کرنے کے بعد اسے یکسر بھلا دیا ہے... میں مانتی ہوں کہ اس پُراسرار اجنبی کا معاملہ آخر کار شی کا مسئلہ ہی ثابت ہوگا لیکن فوری طور پر یہ میری، یعنی ویرا لائیڈ کی ذات کی سلامتی کا مسئلہ ہے اور اسی کے لیے میں تم سے مدد مانگ رہی ہوں۔ جونہی شی کے مفاد کا معاملہ سامنے آئے تم اپنا ہاتھ نکال لینا۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گی لیکن نئے اور پرانے مراسم کی روشنی میں تم کو میرا ساتھ ضرور دینا ہوگا۔"

"تم اس سے ملے بغیر اپنا ٹھکانا بدل سکتی ہو۔ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ رہ چکے ہو اور اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اپنی راہ میں آنے والے پتھروں کو ٹھوکریں مار کر اِدھر اُدھر نہیں لڑھکاتے۔ انھیں تراش خراش کر اپنے کام میں لے آتے ہیں یا پھر زمین میں دفن کر دیتے ہیں پھر یہ خطرہ بھی ہے کہ میرے گھر کی نگرانی نہ ہو رہی ہو۔ وہ میرے فرار اور پھر نئے ٹھکانے سے واقف ہو گیا تو اسے میری کمزوری سمجھ کر مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا۔"

"نگرانی ہو رہی ہے تو اس وقت بھی کوئی میرے فلیٹ کے نیچے موجود ہوگا اور پھر تمہارے قرب و جوار میں میری موجودگی اس کی نظروں سے کب پوشیدہ رہ سکے گی؟"

"اس وقت نگرانی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے اس بات کا یقین کرنے کے بعد ہی تھانے کا رُخ کیا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس کے محافظ ضرور میرے گھر کے گرد گھیرا ڈال سکتے ہیں، ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔" اُس کے پاس میرے ہر اعتراض کا جواب موجود تھا۔

"تمہارے اردگرد موجود رہ کر مجھے کیسے علم ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور مذاکرات کس رُخ پر جا رہے ہیں؟"

"بہت آسان سی بات ہے۔ بازار میں ایف ایم مائک آسانی سے ملتے ہیں۔ اس کے ذریعے لاسلکی رابطے پر تم کسی بھی جیبی ٹرانزسٹر کو ایف۔ ایم بینڈ پر ٹیون کر کے دیواروں کے پیچھے ہونے والی گفتگو سن سکو گے اور جب ضرورت محسوس کرو، دخل انداز ہو سکو گے۔"

مجھے وہ معاملہ دلچسپ رُخ اختیار کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ڈٹ کر ویرا کی حفاظت کرنا کوئی قابلِ فخر کام نہیں تھا بلکہ سلطان شاہ تو شاید اسے باعثِ شرم ہی قرار دے دیتا لیکن ایک باخبر اجنبی سے ویرا کے مذاکرات کی روداد میرے لیے کسی نئی دلچسپی کا باعث ثابت ہو سکتی تھی۔

"میں وعدہ نہیں کرتا ویرا۔" میں نے اس پر اپنی دلچسپی ظاہر کیے بغیر کہا۔ "غزالہ کا معاملہ ابھی گمبھیر ہے۔ اس کی طرف سے کوئی مصروفیت پیدا نہ ہوئی تو میں ضرور آجاؤں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دلچسپی صرف تمہاری سلامتی تک ہوگی۔ شی غرق بھی ہو جائے تو مجھے کوئی پروا نہیں ہوگی۔"

"تمہیں میرے الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کہتی ہوں، وہ پوری طرح یاد رکھتی ہوں۔"

گلاس خالی ہو جانے کے بعد میں نے اس سے رسماً بھی دوسرے دور کے لیے نہیں پوچھا اور وہ ایک توبہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے چلنا چاہیے۔ تمہیں کسی کو فون بھی کرنا ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی معنی خیز لہجے میں بولی۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ فلیٹ سے نکلنے سے پہلے ویرا نے

سلطان شاہ کی نیم روشن خواب گاہ میں جھانک کر پشتو میں نہ جانے کیا کہا کہ وہ بُری طرح بھڑک کر بستر سے اُس کی طرف لپکا تھا اور فوراً ہی میری اوٹ میں ہو گئی۔ میں نے سلطان شاہ کو پچکار کر بمشکل واپس لوٹایا اور ویرا کو نیچے تک چھوڑنے کے لیے اس کے ہمراہ فلیٹ سے باہر آگیا۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا پاکستان کے شمال مغربی پہاڑوں میں ہیروئن کے فروغ کے لیے کافی عرصے تک کام کرتی رہی تھی اور پشتو کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں پر بھی خاصا عبور رکھتی تھی لیکن میں یہ نہ سمجھ سکا کہ سلطان شاہ کو اس نے کس لفظ سے بھڑکایا تھا۔

"اچھا آدمی ہے لیکن عورتوں کے معاملے میں بالکل جنگلی ہے۔" ویرا نے میرے سہارے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔ "اپنی باتوں اور حرکتوں سے جنسِ مخالف کو غصہ دلانے میں پیدائشی ماہر معلوم ہوتا ہے لیکن آج میں نے بھی ایسی چٹکی لی ہے کہ اب وہ ہفتوں بلبلاتا رہے گا۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے اُسے کیا کہہ دیا تھا؟"

"بس نختیئی کہہ دیا تھا۔" وہ ہنستی ہوئی بولی اور میں زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا کیونکہ وہ لفظ میرے کانوں کے لیے نامانوس نہیں تھا۔

ویرا کو رخصت کر کے میں اوپر واپس لوٹا تو سلطان شاہ بہت زیادہ برہم اور مشتعل تھا۔ ویرا تو فتور پھیلاتے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن سلطان شاہ کو شاید رہ رہ کر اس توہین آمیز خطاب کا خیال آرہا تھا جو ویرا جاتے جاتے اس پر چپکا گئی تھی۔

"تم نے اُسے بہت سر چڑھایا ہوا ہے۔" دروازہ کھولتے ہی وہ غصیلے لہجے میں مجھ پر برس پڑا۔ "آج تم درمیان میں نہ آتے تو میں تھپڑ مار مار کر اُس کا چہرہ بگاڑ دیتا۔ آخر وہ خود کو سمجھتی کیا ہے؟ دوبارہ اس نے اب یہاں قدم رکھا تو میں اُس کی ٹانگیں چیر کر اُسے نیچے پھینک دوں گا۔"

"اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔" میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہیں غصہ دلانا چاہتی تھی اور دیکھ لو وہ کامیاب ہو گئی۔ تم نے خود ہی اُسے اپنے کمرے سے نکال کر لڑائی میں پہل کی تھی۔ میرے آگے یا پیچھے اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانہ شان کے خلاف ہوتا ہے۔"

"ہوا کرے۔" اس وقت اس کی کھوپڑی گرم تھی۔ "جو عورتیں آوارہ اور بے لگام ہو کر مردوں کے منہ آنے لگیں انھیں جوتی کی زبان ہی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اب اس معاملے میں تم کچھ نہ بولنا۔"

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ارادہ یہ تھا کہ بعد میں کسی مناسب موقع پر اسے سمجھا لوں گا۔

میں فون کی طرف بڑھا تو میرے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ بھی میرے ساتھ آگیا اور نسبتاً دھیمی آواز میں بولا۔ "غزالہ کے بارے میں وہ کیا بتا رہی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ فائرنگ اتنی شدید تھی کہ وہ ایک پلیا کے نیچے چھپی رہی۔ سناٹا ہوا تو وہاں سے نکل کر ادھر آگئی۔ اب فرمان خان سے ہی پتا چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔" میں نے فرمان خان کا نمبر ملایا تو ریسیور خود اُسی نے اُٹھایا تھا اور میری آواز پہچانتے ہی اُس کا سانس پھولنے لگا۔ "میں... میں تم سے معافی چاہتا ہوں چیف! میں کچھ بھی نہ کر سکا۔" اُس نے خوفزدہ آواز میں ہکلاتے ہوئے بمشکل وہ الفاظ ادا کیے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اچانک ہی مجھے کسی اتھاہ اور تاریک کنوئیں میں پھینک دیا ہو اور میں تیزی کے ساتھ اس پُرہول خلا میں نیچے ہی نیچے گرتا جا رہا ہوں۔

"میں اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں زبردست فائرنگ اور خون ریزی کے بعد سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ میرے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔" وہ اپنے نرخرے سے پیدا ہونے والی سیٹیوں کے درمیان دہشت زدہ لہجے میں بولے جا رہا تھا۔ "میں نے اپنے مسلح آدمیوں کو فوراً واپس کر دیا۔ جو کچھ ہوا، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے سردار لودھی کا انجام معلوم ہو چکا ہے مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں چیف!"

"پھر وہ حملہ آور کون تھے؟" مجھے اپنی سرد اور سپاٹ آواز کہیں دُور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں بول رہا تھا لیکن اس وقت میری سماعت صحیح طور پر کام نہیں کر رہی تھی۔

"وہ جانو ماچھی کے آدمی تھے جنھوں نے اسے حوالات سے نکال لے جانے کے لیے پوری قوت سے تھانے پر حملہ کیا تھا۔ وہ لوگ فرار ہوتے ہوئے حوالات سے اس لڑکی کو بھی اپنے ساتھ نکال لے گئے جس کے لیے تم نے مجھے حکم دیا تھا۔ پولیس نے پورے شہر کی ناکابندی کر لی ہے۔ وہ لوگ شہر سے نکلنے سے پہلے ہی پکڑ لیے جائیں گے۔ ایک بار وہ لڑکی مل جائے تو میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنا کام کر گزروں گا۔ سردار لودھی کے ہٹ جانے کے بعد اس تھانے میں میرے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی...!"

"یہ جانو ماچھی کون ہے؟" وہ نام میرے لیے اجنبی تھا۔

"دادو کا ایک بدنام قاتل اور ڈاکو ہے جو تین روز قبل

ایک مسروقہ کار میں شہر سے پکڑا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کا ایک ساتھی بھی تھا۔ اس کے خلاف اندرونِ سندھ کے متعدد تھانوں میں قتل، ڈکیتی، تاوان، رسّا گیری، آتش زنی اور عصمت دری کے بے شمار مقدمات درج ہیں ...“

”اُس کا ٹھکانا کہاں ہے؟“ میں نے اُس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

”علاقے کے لوگ ہی جانتے ہیں مگر وہ اس قدر سفاک اور موذی ہے کہ اس کے خوف سے کوئی قانون کی مدد نہیں کرتا۔ کراچی میں بھی وہ محض نشے میں تیز رفتار ڈرائیونگ کی وجہ سے اینگل اسکواڈ والوں کی نظر میں آ گیا، ورنہ وہ یہاں بھی عیش کر کے واپس لوٹ جاتا۔“

”وہ اسی قدر سفاک اور موذی ہے تو اس کے خلاف مقدمات درج کرانے والے کیوں زندہ ہیں؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ فرمان خان سے میری گفتگو بہت اہم تھی، اس لیے میں نے جذباتی جھٹکے پر فوراً ہی قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ فرمان خان بلا وجہ ہی دہشت زدہ تھا، ورنہ اس کی ناکامی میں اس کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں تھا۔ شاید سردار لودھی کے انجام نے اس کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

”وہ بہت بے خوف اور دریدہ دلیر مجرم ہے۔ اس کے خلاف سارے مقدمات پولیس نے خود درج کیے ہیں کیونکہ وہ ہر واردات کے بعد ایک دو روز میں کسی معصوم بچے یا راہگیر کے ذریعے کسی تھانے میں اطلاع دیتا ہے کہ فلاں واردات اس نے کی ہے۔ اس سے علاقے کے چھوٹے موٹے ڈاکو بھی ڈرتے ہیں کیونکہ اس نے دیہاتوں میں کھل کر اعلان کیا ہوا ہے کہ جس کسی نے اس کے نام سے فائدہ اُٹھا کر لوٹ مار کرنے کی کوشش کی، وہ اس کا نرخرا کاٹ ڈالے گا۔“

”لڑکی حوالات میں اسی کے ساتھ رکھی گئی تھی؟“ اس سوال پر میری رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔

”نہیں!“ اس کے جواب کا پہلا لفظ سُن کر مجھے قرار آ گیا۔

”حوالات میں مرد قیدی تھے۔ لڑکی کو حوالات کے سامنے ایک کوٹھری میں بند رکھا گیا تھا، وہ اسے وہاں سے نکال لے گئے۔“

”تم بڈھے ہو گئے ہو فرمان خان! شاید تمھاری ہڈیوں کا گودا سوکھ چلا ہے جو تم نے تھانے تک پہنچنے میں اتنی تاخیر کی۔ اب اس کے ازالے کی ایک ہی صورت ہے کہ جلد از جلد لڑکی یا جانو ماچھی کا سُراغ لگاؤ۔“

”قسم پروردگار کی چیف!“ وہ فوراً ہی گڑگڑانے لگا۔ ”میں نے کہیں کوئی تاخیر نہیں کی۔ آدمی جمع ہوتے ہی میں تھانے کی طرف چل دیا تھا۔ میں ریٹائر ضرور ہو گیا ہوں مگر ابھی بوڑھا نہیں ہوا۔ میرے بدن میں جوانوں سے زیادہ دم خم ہے۔ ابھی دو مہینے پہلے ہی میں نے نئی شادی کی ہے۔ میں ضرور تمھارے سامنے سرخرو رہوں گا۔ انھیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں نے اپنی نوکری کا زیادہ عرصہ اندرونِ سندھ گزارا ہے۔ افسران نے میرے تجربے کی وجہ سے جانو ماچھی کے اس قصے میں مجھے بھی ساتھ لے لیا ہے ...“

”تمھیں ساتھ لے لیا ہے تو تم اس وقت گھر پر کیا کر رہے ہو؟“ میرا وہ سوال غیر ارادی تھا۔

”مجھے معلوم تھا کہ تم فون کرو گے، اس لیے افسروں سے نئی شادی کا بہانہ کر کے گھر آ گیا تھا۔ اب صبح سے میں میدان میں ہی رہوں گا اور جلد ہی کچھ نہ کچھ کر گزروں گا۔ اپنی نوکری کے زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ واردات بعد میں ہوتی تھی۔ مجھے پہلے سے پتا ہوتا تھا کہ مجرم کون ہو گا۔ سب میری جیب میں ہوتے تھے۔ جب اور جسے چاہا، اسی کو پکڑ لیا ...“

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا مگر بولے جا رہا تھا اور اس کا بسیار گوئی میں بہک بھی رہا تھا۔ وہ اپنے جو کمالات بتا رہا تھا، ان کی بنا پر یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ اینگل چیف کی گرفت میں کیسے آیا ہو گا۔

”اس وقت تمھاری نئی بیوی کہاں ہے؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ مجھے اچانک ہی خیال آ گیا تھا کہ کہیں وہ بڈھے کی ساری ہرزہ سرائی نہ سُن رہی ہو۔

”وہ اپنے کمرے میں ہے۔ میں اپنی خواب گاہ سے بات کر رہا ہوں۔“ اس بار وہ فوراً ہی میری بات سمجھ گیا۔

”تو کیا تم دونوں کی خواب گاہیں الگ الگ ہیں؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

”کبھی کبھی مجھے سانس کا زور ہونے لگتا ہے تو وہ میرے نرخرے سے نکلنے والی آوازوں سے ڈر جاتی ہے اس لیے ہم الگ کمروں میں سوتے ہیں۔“ اس کی کھسیانی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں کل شام چار بجے فون کروں گا۔“ میں نے اُسے آخری ہدایت دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

”کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔“ سلطان شاہ نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا اور میں اسے فرمان خان سے ہونے والی مایوس کن گفتگو کا خلاصہ سُنانے لگا۔

*

اگلی صبح کا اخبار اس واردات کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات سے بھرا ہوا تھا۔

اس تھانے میں کافی عرصے سے کسی انچارج کا تقرر نہیں کیا گیا تھا اور ذمے داریاں عارضی طور پر ایک سب انسپکٹر کو سونپ دی گئی تھیں لیکن عملاً تھانے کا پورا کنٹرول سرور لودھی نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ اس دوران میں اس نے دونوں ہاتھوں سے مال بنایا تھا۔ فریقین سے لے دے کر ریکارڈ میں ردوبدل سے لے کر مال خانے میں موجود چوریوں وغیرہ کے برآمد کیے ہوئے زیورات، تسکات اور نقدی کی خورد برد تک کی خبریں موجود تھیں۔

جانو ماچھی اور اس کے ساتھی کی گرفتاری ایگل اسکواڈ کے ذریعے عمل میں آئی تھی، اس لیے اسے بند کرنا ہی پڑ گیا لیکن جب جانو ماچھی نے اپنے فرار کے لیے اسے دو لاکھ روپے کی پیش کش کی تو اس نے فوراً ہی ایک اچھوتا منصوبہ سوچ لیا۔

جانو ماچھی کے آدمیوں سے رقم وصول ہونے کے بعد واردات والی شب سرور لودھی خلافِ معمول سرِ شام ہی تھانے سے گھر لوٹ گیا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے گھر پہنچنا نصیب نہ ہو سکا اور سینڈو نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اسے راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مقررہ وقت پر جب جانو ماچھی کے آدمیوں نے تھانے پر فائرنگ شروع کی تو سرور لودھی کا معتمدِ خاص، مال خانے کا منشی پٹرول کے گیلن لیے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے اس نے مال خانے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگائی پھر اس نے ریکارڈ روم میں بھی وہی حرکت کرنا چاہی۔ مقصد یہ تھا کہ ان دونوں کی دھاندلیوں اور بے ایمانیوں کا معاملہ بھی آگ کی اوٹ میں چھپ جائے لیکن ریکارڈ روم میں پٹرول چھڑکتے ہوئے منشی کے کپڑے بھی پٹرول میں بھیگ گئے اور جونہی اس نے دیا سلائی جلائی، ریکارڈ روم سے پہلے اس کے لباس میں آگ بھڑک اٹھی۔ وہ بری طرح جل کر اسپتال پہنچا تھا۔ اس آگ نے اسے اس قدر دہشت زدہ کیا کہ اس نے کسی بازپرس کے بغیر خود ہی سارے جرائم کا اعتراف کر لیا جس کی تائید یا تردید کے لیے سرور لودھی زندہ نہیں تھا مگر مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ جس شخص کو ایگل چیف اپنے مقاصد کے لیے بلیک میل کر رہا ہو وہ کبھی بھی چھوٹا مجرم نہیں ہو سکتا تھا۔

اس مذموم سانحے میں آتش زنی سے تین اور فائرنگ سے صرف دو افراد زخمی ہوئے تھے جب کہ مرنے والوں میں سے جانو ماچھی کے صرف ایک ساتھی کی لاش دستیاب ہو سکی تھی۔

عام طور پر اس رائے کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ جانو ماچھی نے دو لاکھ روپے رشوت دینے کے بعد خود ہی سرور لودھی کو ہلاک کرایا تھا اور معاملے کو الجھانے کے لیے اس کی لاش پر عقاب کی تصویر والا کارڈ ڈال دیا تھا۔

معاملے کو سیدھا رکھنے کے شوق میں تفتیشی افسران نے اس نکتے کو فراموش کر دیا تھا کہ جانو ماچھی اپنے جرائم کو الجھانے کا عادی نہیں تھا بلکہ اپنی دھاک قائم رکھنے کے لیے خود ہی اپنی سیاہ کاریوں کا برملا اعلان کرتا پھرتا تھا۔

واردات کے فوراً بعد شہر سے نکاسی کے تمام راستوں کی سخت ناکا بندی کر کے اندرونِ شہر مفرور مجرموں کی تلاش کی مہم شروع کر دی گئی جس کے نتیجے میں دیگر بہت سے مجرم پکڑے گئے تھے لیکن جانو ماچھی کا کہیں سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس پوری کہانی پر جانو ماچھی اس بری طرح حاوی تھا کہ دوسرے حوالاتیوں کے بارے میں خبر میں صرف اتنا لکھا گیا تھا کہ اس افراتفری میں دیگر دو مرد اور ایک عورت حوالاتی کو بھی فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔

غزالہ کے مکان پر ویرا کی مداخلت کے موقع پر رونما ہونے والے خوں ریز معاملے کی خبر عقبی صفحے پر موجود تھی۔ اس کے کوائف من و عن وہی تھے جو پہلے ہی میرے علم میں آ چکے تھے۔ خبر سے یہ تصدیق بھی ہو گئی کہ ویرا کی فائرنگ سے ایک کانسٹیبل ہلاک اور دوسرا زخمی ہوا تھا۔

اس خبر میں اضافی اطلاع یہ تھی کہ پولیس حکام یا اخباری نامہ نگار نے واضح طور پر غزالہ کے خلاف کوئی فردِ جرم عائد نہیں کی تھی۔ خبر میں قتل کا تمام تر الزام اس سفید فام عورت پر عائد کیا گیا تھا جو فائرنگ کرتی ہوئی فرار ہو گئی تھی البتہ غزالہ کے لیے پُراسرار اور گمنام حسینہ کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ خبر کے مطابق غزالہ نے تھانے میں اپنی زبان سختی سے بند رکھی ہوئی تھی۔ گونگا پن کا کردار اپنا کر اس نے اپنی اصلیت پر پردہ ڈالے رکھنے کی کامیاب کوشش کی تھی جو جانو ماچھی کے ساتھ اس کے فرار یا اغوا کی وجہ سے مکمل ترین ثابت ہوئی تھی۔ ان دونوں خبروں میں کہیں بھی اس بات کا کوئی اشارہ موجود نہیں تھا کہ غزالہ کو ڈاکوؤں نے اغوا کیا تھا مگر اسی کے ساتھ، میرے پاس فرمان خان کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔

جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں نے تھانے کو تباہ کر کے قانون کے محافظوں کو ایک اعتبار سے کھلا چیلنج دیا تھا اور شکست خوردہ پولیس اہل کاروں نے پورے شہر میں اپنا جال پھیلا دیا تھا مگر مجھے خوب اندازہ تھا کہ جو لوگ اپنے ساتھیوں کو حوالات سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو سکتے تھے انھیں رسمی اور روایتی کارروائیوں کے ذریعے دوبارہ پکڑ لینا اس قدر سہل نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ جب تک ضابطے کی کارروائیوں کے بعد شہر کی ناکا بندی اور نگرانی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہو، وہ لوگ شہر کی حدود سے کوسوں دور نکل چکے ہوں اور اگر وہ کسی وجہ سے شہر میں ہی پھنسے رہ گئے تھے تو حالات اعتدال پر آنے تک یقیناً کسی مہنگے علاقے میں روپوشی اختیار کر چکے تھے۔

آئے دن ملنے والی خبروں سے یہ پتا چلتا تھا کہ بڑے بڑے ڈاکوؤں وغیرہ نے متوسط اور غریب طبقے کی گنجان آبادیوں میں اپنی پناہ گاہیں بنانے کے بجائے شہر کے مہنگے اور پُرسکون علاقوں میں خطیر کرایوں پر وسیع و عریض کوٹھیاں حاصل کی ہوئی تھیں جہاں چھوٹے موٹے اہل کار دروازوں پر دستک دینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسے علاقوں میں ہر گھر کے مکین آسودہ حال اور بارسوخ تھے جو اپنی خلوت اور شہری آزادیوں کے بارے میں غیر معمولی حد تک حساس تھے۔ ایسے بیس گھروں کے درمیان اگر ایک چار دیواری میں چور، ڈاکو، قاتل اور دہشت گرد بھی پناہ گزین ہو جاتے تو کسی کوشش یا محنت کے بغیر ان تمام غیر معمولی آزادیوں اور رعایتوں سے فیض یاب ہو سکتے تھے جو ان کے معزز پڑوسیوں کو حاصل تھیں۔

غزالہ کے قصے نے مجھے ذہنی طور پر اس قدر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا کہ اس کی بازیابی کے سلسلے میں مجھے فوری طور پر شہر میں فرمان خان کے علاوہ کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی زبانی مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جانو ماچھی بدنام ڈاکو اور قاتل ہونے کے ساتھ ہی تاوان کے لیے باحیثیت لوگوں کو اغوا کرنے کا بھی عادی تھا۔ میں نے اس نکتے پر خاصا غور کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تاوان کے اعتبار سے غزالہ کی ذات میں جانو ماچھی کے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ وہ حوالات میں قید ایک گمنام لاوارث تھی جس کے بارے میں جانو ماچھی کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اس کا کوئی ولی وارث بھی تھا یا نہیں۔ ایک ایسے غیر یقینی شکار کو ایسے نازک موقعے پر اپنے گلے کا ہار بنا کر وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس امکان کے بعد بس یہی ایک دلخراش حقیقت رہ جاتی تھی کہ حرام کی بے تحاشا آمدنی پر پلنے والے دوسرے لوگوں کی طرح جانو ماچھی بھی رنگین مزاج تھا۔ اس نے حوالات کی آہنی سلاخوں کے درمیان سے دیکھا ہو گا کہ اس کے سامنے والی کوٹھری میں ایک جواں سال اور خوبرو لڑکی کو قید کیا گیا تھا اس لیے فائرنگ کے سائے میں تھانے سے فرار ہوتے ہوئے وہ غزالہ کو مالِ غنیمت کی طرح اپنے ساتھ لیتا چلا گیا تھا۔

اندرونِ سندھ کے غیر تعلیم یافتہ، دیہی اور روایتی طور پر جاگیردارانہ معاشرے میں ویسے بھی عورت کی وقعت بہت زیادہ نہیں تھی۔ مرد کو ہر قسم کی برتری اور آزادی حاصل تھی جبکہ عورتوں کو عام طور پر مذہب اور رسوم و رواج کی آڑ میں اس حد تک مغلوب رکھا گیا تھا کہ موروثی جاگیروں کی تقسیم میں بھی عورتوں اور بیٹیوں کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا۔ بعض گھرانوں میں محض جائیداد کی تقسیم سے بچنے کے لیے جوان جہان لڑکیوں کو قرآن سے شادی کے نام پر زندگی بھر کنوارا رکھ کر آخر کار قبروں میں آتار دیا جاتا تھا۔ جانو ماچھی اسی ماحول کا پروردہ تھا اور کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ اس کے لیے عورت کی حیثیت کھلونے سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی اور پھر غزالہ تو اس کی لاوارث قیدی بن چکی تھی۔ وہ اس پر جو کچھ بھی ستم ڈھاتا وہ کم ہوتا۔

مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں میں نے مضطرب ہو کر ریڈ لائٹ کا نمبر ملا لیا۔ فرمان خان کے بعد اگر کوئی اور شخص میرے کسی کام آ سکتا تھا تو وہ سینڈو تھا۔

”یہ شہر میں کیا ہو رہا ہے سینڈو؟“ اس کے لائن پر آتے ہی میں نے بلا کسی تمہید کے یہ سوال کر ڈالا۔ وہ میرا ماتحت ضرور تھا مگر میں نے اسے اس بری طرح گرفت میں لیا ہوا تھا کہ وہ میرا ہم درد اور غم گسار بنا رہنے پر مجبور تھا۔ میں رازداری کے پورے یقین کے ساتھ اس سے کھل کر بات کر سکتا تھا۔

”مجھے خود تشویش ہے باس!“ اس کی آواز تشویش آمیز تھی۔ ”میں نے اڑتی اڑتی سی خبر سنی ہے کہ تھانے سے فرار ہونے کے بعد جانو ماچھی اپنے ساتھیوں سمیت، ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر شہر سے نکل گیا مگر پولیس اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے شہر بھر میں پھیل گئی ہے۔ ان کی کڑی نگرانی اور سخت چیکنگ کی وجہ سے مجھے آج کی رات اپنے لیے بھاری نظر آ رہی ہے۔۔۔“

”کیوں؟ آج کیا خاص بات ہے؟“ میرے ذہن سے غزالہ کے علاوہ ہر بات محو ہو چکی تھی۔

”آج رات کورنگی کریک پر مال آنے والا ہے باس!“ اس کی آواز یک بہ یک دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی۔ ”یہ کھیپ بہت عرصے کے بعد آ رہی ہے۔ اگر اس کی وصولی میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم کافی دنوں تک اس خلا کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ سوچ سوچ کر میری تو کھوپڑی دُکھنے لگی ہے۔“

مجھے یاد آ گیا کہ وہ رات میرے لیے بھی اہم تھی۔ میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ خود پس پردہ رہ کر ویرا کو سینڈو کی راہ پر ڈال دوں گا۔ وہ دونوں کتے بلیوں کی طرح آپس میں لڑتے اور آنے والی ہیروئن خطرے میں پڑ جاتی لیکن بدلے ہوئے حالات میں میں

ایسی کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ مافیا کی بدقسمتی سے اگر پولیس والے ہی سینڈو کی گردن ناپ لیتے تو اور بات تھی۔

"یہ ممکن نہیں کہ آج خطرہ مول نہ لیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔ اس وقت سینڈو کا آزاد اور محفوظ رہنا میرے بھی مفاد میں تھا۔

"مال لانے والا ہی نہ پہنچ سکے تو اور بات ہے۔ مجھے یا میرے کسی آدمی کو تو ہر حال میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچنا ہوگا۔ میں تم کو ایسے کسی فیصلے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہم غوطہ مار گئے تو ہم پر بدعہدی اور بزدلی کا الزام آجائے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں تیاری کے ساتھ وہاں چلا ہی جاؤں۔"

"تم نے آج کے اخبارات دیکھے ہیں؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"اخبارات میں تو کئی عجیب کہانیاں ہیں۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔ "سرور لودھی اسی تھانے میں بیٹھا تھا جہاں سے جانو ماچھی فرار ہوا ہے۔ کیا تمہیں پہلے سے علم ہو گیا تھا کہ سرور لودھی رشوت لے کر اسے حوالات سے فرار کرانے کا منصوبہ بنا چکا ہے؟"

"یہ اتنا سیدھا کھیل نہیں تھا۔ تم اس بارے میں اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ اور پوری توجہ کے ساتھ رات کی مہم کی تیاری کرو۔ ویسے جانو کے شہر سے نکل جانے کے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ریاض ٹیڈی یہاں کا بہت جی دار ڈکیت ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "جانو ماچھی کو تھانے سے نکالنے میں اسی کے آدمیوں کا ہاتھ ہے۔ کل رات ہی ان لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ اب جانو ماچھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پولیس والوں نے اپنی ساری توجہ اندرونِ سندھ جانے والے راستوں پر مرکوز کی ہوئی ہے مگر وہ دو جیپوں میں لسبیلہ کی طرف فرار ہوا ہے وہاں سے وہ جہاز کے ذریعے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ جائے گا۔"

"ہو سکے تو اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرو۔ میں خود ہی فون پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔" میں نے بے چینی کے ساتھ کہا۔ سینڈو اس معاملے میں بھی میری توقعات سے زیادہ باخبر نظر آرہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "ایسا ہے تو ایک اور ضروری بات تمہارے علم میں آجانی چاہیے۔"

"وہ بھی بتا ڈالو۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"جانو بہت رنگین مزاج آدمی ہے۔ وہ تھانے سے اپنے ساتھ ایک خوبصورت حوالاتی لڑکی کو بھی اٹھا لایا تھا۔ وہ بہت نخریلی ہے۔ راستے میں اس کی طرف سے کسی گڑبڑ کے خدشے کی وجہ سے جانو اسے اپنے ساتھ بلوچستان نہیں لے گیا ہے۔ وہ لڑکی کراچی کے ہی کسی بنگلے میں ہے۔ جانو کے آدمی اسے یہاں سے سیدھا دادو کے جنگلوں میں لے جائیں گے۔ سنا ہے کہ جانو دیکھتے ہی اس لڑکی پر مر مٹا تھا۔"

میرا دورانِ خون میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ "تمہیں اس لڑکی کا ٹھکانا معلوم ہے؟"

"نہیں!" اس کی مایوسانہ آواز ابھری۔ "مجھے تو یہ تمام باتیں ریاض ٹیڈی کے ہی ایک آدمی سے اتفاقاً معلوم ہو گئیں ورنہ ایسی باتیں سینہ بہ سینہ بہت آہستگی سے سفر کرتی ہیں۔"

"ریاض ٹیڈی کو تو معلوم ہوگا کہ لڑکی کو کہاں رکھا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں! وہ تو صرف جانو کو حوالات سے باہر نکالنے کا ذمہ دار تھا۔ باہر آتے ہی اس نے اپنے آدمیوں پر خود کنٹرول کر لیا تھا۔ بتانے والے نے اس کی زبان سے صرف وہ ہدایات سنی تھیں جو وہ لڑکی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو دے رہا تھا پھر وہ مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے تھے۔"

"تم کوشش کرو۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم محنت کرو گے تو اس بارے میں بہت کچھ معلوم کر لوگے۔ میرے لیے وہ لڑکی بہت اہم ہے۔ سرور بھی اسی کی وجہ مارا گیا تھا۔"

"وہ ویرا تو نہیں تھی؟" اپنے تجسس سے مجبور ہو کر وہ آخرکار ایک احمقانہ سوال کر ہی بیٹھا۔

"تمہاری حوصلہ افزائی کا یہ مطلب نہیں کہ تم جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھنے شروع کر دو۔" میں نے سرد لہجے میں اسے تادیب کرتے ہوئے کہا۔ "جو کہا جا رہا ہے وہ کرو، اس سے آگے قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں باس!" میری تنبیہہ پر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میں ابھی اپنے آدمی دوڑاتا ہوں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا، اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔"

"گڈ!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "نوکری کرنے کا یہ بنیادی اصول یاد رکھنا کہ بہترین ماتحت وہی ہوتا ہے جو اعلیٰ ترین کارکردگی دکھا کر بھی ماتحت ہی بنا رہتا ہے۔ جو لوگ سر پر آنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی اچھی کارکردگی پر بھی ستائش کے دو بول سننے کو ترستے رہتے ہیں۔"

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ قریب آتے آتے یک بہ یک ایک سراب کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ میرے لیے وہ خیال ہی

سوہانِ روح تھا کہ اسے لے جانے والا ایک رنگین مزاج قاتل اور ڈاکو تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ حالات کے جبر کے تحت عارضی طور پر غزالہ، جانو ماچھی کی دسترس سے دور اور بڑی حد تک محفوظ تھی۔ جانو نے اس کے لیے اپنی پسند کا اظہار کر کے اپنے آدمیوں کی کسی بھی چیرہ دستی کی راہ مسدود کر دی تھی اور وہی میرے لیے ایک مہلت تھی کہ میں غزالہ کو ہوس کے اس درندے کے چنگل سے آزاد کرا لوں۔

اس بارے میں ستارہ نے کچھ یاوری کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف فرمان خان ان پہاڑوں اور جنگلوں سے خوب آشنا تھا جہاں جانو ماچھی روپوش رہتا تھا اور دوسری طرف سینڈو نے کسی جدوجہد کے بغیر کچھ کلیدی باتیں معلوم کر لی تھیں اور اگر مجھے کراچی میں غزالہ تک پہنچنے میں کامیابی نہ ہوتی تو میں وقت ضائع کیے بغیر فرمان خان کے ساتھ دادو کے جنگلات کی طرف روانہ ہونے کا پختہ عزم کر چکا تھا۔

میں سینڈو سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں سلطان شاہ سے اگلے اقدامات کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں ہیلو کہا ہی تھا کہ دوسری طرف سے ویرا نے بولنا شروع کر دیا۔

”دس بج رہے ہیں، تم اب تک فلیٹ میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ یہاں ابھی تک میدان صاف ہے، ایک بار اس کے آدمی آ گئے تو تم اندر داخل نہ ہو سکو گے اور اگر کسی طرح تم اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سامنے نہیں آئے گا...“

اس نے اچھا خاصا تقریری اسٹارٹ لیا تھا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہارے مسائل اپنی جگہ پر ہیں مگر میں بھی کسی الجھن سے دوچار ہوں۔ پچھلی رات کو غزالہ حوالات سے اپنی مرضی سے فرار نہیں ہوئی بلکہ اسے جانو ماچھی اغوا کر کے لے گیا ہے۔“

”اسے غزالہ سے کیا دشمنی ہو گئی؟“ اس کی تحیر زدہ آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

”دشمنی نہیں، وہ اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لے گیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ غزالہ کے لیے اس وقت میں کیا کر سکتا ہوں۔“ ویرا سے بات کرتے ہوئے میرے لہجے میں بے بسی عود کر آئی۔

”میں سمجھ رہی ہوں۔“ وہ جلدی سے بولی تھی۔ ”تمہارے آنے کی ضرورت نہیں، اپنا معاملہ میں خود سنبھال لوں گی۔ ادھر سے فارغ ہو کر میں تمہاری طرف آؤں گی۔ اگر تمہیں ملنے والی اطلاع درست ہے تو ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ہم فوری طور پر غزالہ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ تو واقعی بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔“

میرا خیال تھا کہ وہ غزالہ کے معاملے کو نظر انداز کر کے مجھے بلانے پر اصرار کرے گی اور میں اسے ٹکا سا جواب دے دوں گا لیکن اس نے پوری بات سمجھتے ہی جس ہمدردانہ ردِ عمل کا اظہار کیا، اس نے مجھے بھی پگھلا دیا۔

”غزالہ کے بارے میں ہمیں مل کر ہی سوچنا پڑے گا۔ میں بس چند منٹ میں نکلتا ہوں۔“

”آ جاؤ گے تو تمہاری مہربانی ہو گی۔ میں غزالہ کی طرح کسی کے لیے مالِ غنیمت نہیں بننا چاہتی لیکن یہ دھیان رکھنا کہ میں تمہیں مجبور نہیں کر رہی۔“

”میں آ رہا ہوں۔“ میں نے وہ پیغام دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

”میں یہاں اکیلا پڑا رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے بھی کوئی کام بتلاتے جاؤ۔“ سلطان شاہ بولا۔

پچھلی رات اس کی ویرا سے جو تلخ کلامی ہوئی تھی اس کے بعد میں فوری طور پر ان دونوں کا سامنا نہیں کرانا چاہتا تھا، ورنہ اس وقت سلطان شاہ میرے لیے ایک اچھا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

”مجھے واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس دوران میں تم فون پر جہانگیر کو غزالہ کے اغوا کے واقعے سے آگاہ کر دو، ورنہ وہ ہماری غیر حاضری کو ہماری ناراضی کا نتیجہ تصور کرے گا۔“ میں نے لباس بدلتے ہوئے اس سے کہا۔

”یہ فرض تم خود ہی انجام دے لینا۔ اگر فون سلمٰی نے اٹھا لیا تو مجھ سے اس کی کھٹ پٹ ہو جائے گی۔ تمہاری جاننے والیوں سے اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔“

”یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم مسلمان ہو کر بھی راہبوں سے گئے گزرے بن گئے ہو۔ راہب تارک الدنیا ہونے کے دعوے دار ہوتے ہیں لیکن موقع مل جائے تو کسی بھی دوشیزہ پر لشیہ خطمی ہونے کے لیے تلے رہتے ہیں۔ سلمٰی سے ڈر لگتا ہے تو تھوڑی دیر میں جہانگیر کو فیکٹری فون کر لینا۔ اب وہ صحت مند ہو چکا ہے، ساڑھے دس بجے تک اسے وہاں پہنچ جانا چاہیے۔“

میں تیار ہو کر فلیٹ سے نکل آیا۔ اس وقت معاملہ ویرا سے ملاقات کا تھا، اس لیے میں نے مافیا والی گاڑی کے بجائے کالی شیراڈ لی تھی۔ پچھلے دنوں ویرا سے میری خونریز دشمنی چل نکلی تھی، میں اس کا تاثر برقرار رکھنا چاہتا تھا تاکہ مافیا کے بڑوں کی بے خبری میں ویرا سے ان کی بنیادیں کمزور کرا سکوں۔ اگر انہیں ویرا کے ساتھ میری ملی بھگت کی بھنک بھی مل جاتی تو شی سے پہلے وہ میری زندگی کو جہنم میں تبدیل کر سکتے تھے۔

میرے لیے اس وقت صورتِ حال نہایت سنگین اور پیچیدہ ہو چکی تھی۔

شی والوں سے میں نے ذاتی طور پر ٹکر مول لی ہوئی تھی اور اپنی کارروائیوں سے انہیں اس قدر زچ کیا تھا کہ جمی لائیڈ بذاتِ خود میری سرگرمیوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخری چارۂ کار کے طور پر اس نے اپنی بیٹی ویرا سے ضلع کر کے اسے مجھ کو پھانسنے کے مشن پر پاکستان بھیجا تھا تاکہ وہ یہاں شی کی بکھرتی ہوئی تنظیم کو سہارا دینے کے ساتھ ہی مجھے فراخ دلانہ شرائط پر دوبارہ شی میں شامل ہونے کی ترغیب دلا سکے۔ ویرا کی وہ پیش کش مسترد کر کے میں نے اسے اپنا دشمن بنا دیا اور وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مجھے ختم کر دینے پر کمربستہ ہو گئی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہالیڈے اِن کے ایک کمرے میں سیٹلائٹ مائکروفون کی دریافت ہوتے ہی ویرا کی مجھ سے دشمنی، دوستی میں بدل گئی۔ دوستی کی تجدید کے بعد مجھے اپنے خلوص کا مظاہرہ کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا لیکن ویرا پے در پے کئی مرتبہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر چکی تھی کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہو چکا ہے۔ اس وقت ویرا کے گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے مجھے اس سے عملی ہمدردی کے اظہار کا پہلا موقع میسر آیا تھا جسے میں استعمال کرنے والا تھا۔

دوسری طرف غزالہ کا معاملہ میرے لیے ناقابلِ فہم پہیلی کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے بوجھنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔ دلدار آغا کی موت کے بعد اس نے مجھ سے رجوع کرنے کے بجائے ناقابلِ فہم انداز میں روپوشی اختیار کر لی پھر جب میں نے اس کا سراغ لگایا تو میرے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ اپنے گھر سے نکل چکی تھی۔ میک اپ کی وجہ سے سلطان شاہ اسے نہیں پہچان سکا لیکن غزالہ نے بھی کسی شناسائی کا اظہار نہ کیا اور اس سے قبل کہ میں اس مسئلے کو حل کرتا، غزالہ پولیس لاک اپ میں پہنچ گئی جہاں سے جانو ماچھی اسے لے اڑا تھا۔ میرے پاس اس امر کے یقین کی کوئی صورت نہیں تھی کہ غزالہ کسی مجبوری کے تحت مجھ سے دور بھاگ رہی تھی یا پھر وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے ترکِ تعلق کا فیصلہ کر چکی تھی؟ غزالہ میری زندگی کی پہلی اور شاید آخری پاکیزہ چاہت تھی۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین لمحات، اس کے ساتھ حسین مستقبل کے منصوبے بناتے ہوئے گزارے تھے۔ اس نے بے بسی، مجبوری اور ناامیدی کے جس موڑ پر پہنچ کر دلدار آغا سے شادی کرنے کا المناک فیصلہ کیا تھا۔ وہ کسی بھی خانہ دار مشرقی لڑکی کے لیے ناقابلِ تصور ہو سکتا تھا ایسے مراحل پر باحیا لڑکیاں کوئی جرأت مندانہ فیصلہ کرنے کے بجائے عموماً موت کو گلے لگا لیتی ہیں لیکن غزالہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس میں زندہ رہنے اور حالات سے لڑنے کا حوصلہ تھا۔ اس لیے میں نے دلدار آغا کے بارے میں اس کی لغزش کو بھلا دیا تھا لیکن غزالہ میری زندگی کی کتاب پر نرم پنسل سے لکھی ہوئی کوئی بے ثبات تحریر نہیں تھی جسے ربر سے مٹا کر فراموش کر دیا جاتا۔ اس کا وجود میری سانسوں اور دل کی دھڑکنوں میں بسا ہوا تھا۔۔۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں اکثر میرے تصورات میں آ کر سوالیہ انداز میں میرے چہرے پر جم جاتی تھیں۔ اس کے حسین پیکر کو میں نے بارہا کسی سائے کی طرح اپنے قرب و جوار میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بارے میں، میں سلطان شاہ سے تو ہرزہ سرائی کر سکتا تھا، اس سے اپنی لاتعلقی اور بیزاری کا اعلان کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ غزالہ سے ملے بغیر اور اس کی بے رخی کے اسباب جانے بغیر میں اس کے خلاف مر کر بھی کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ اس کی زندگی کے تباہ ہو جانے یا اس کے مر جانے سے پہلے میں ہر قیمت پر اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس ملاقات کے دو ہی امکانات باقی رہ گئے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ اندرونِ سندھ لے جائے جانے سے پہلے ہی کراچی کی کسی شاہراہ پر مجھے اتفاقاً نظر آ جاتی یا پھر مجھے ہر قیمت پر جانو ماچھی کی واپسی سے پہلے دادو کے گھنے اور خطرناک جنگلات میں اس کے ٹھکانے پر پہنچنا تھا، جہاں سے جانو ماچھی کو غزالہ سے ملنا تھا۔

تیسری طرف میں مافیا والوں میں گھرا ہوا تھا۔ سیٹھ حبیب جیوانی ایک عارضی خطرے کے تحت روپوش ہو کر مقامی مافیا کی سربراہی مجھے سونپ گیا تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ کسی بھی وقت واپس آ کر اپنی جگہ سنبھال سکتا تھا لیکن اس کی خفیہ کمین گاہ کا نہ مجھے علم تھا، نہ کسی اور کو... اس لیے میری سربراہی بدستور چل رہی تھی مگر مدر مافیا کے ڈان تھری نے فون پر مجھے یہ خبر بھی سنا دی تھی کہ میری وفاداریوں کا معاملہ نچلی سطح سے گزر کر شی اور مافیا کے بڑوں تک پہنچ گیا تھا۔ سپر ڈان اور جمی لائیڈ اس متنازعہ مسئلے کو سلجھانے کے لیے جلد ہی یورپ کے کسی پُر فضا مقام پر ملنے والے تھے اور اس امر کا قوی امکان تھا کہ اس سربراہی اجلاس میں میرا اقبالی بیان سننے کے لیے مجھے یورپ طلب کر لیا جاتا۔ وہاں میرے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ایک الگ ہی قصہ ہوتا لیکن اس مخدوش صورتِ حال میں، میں کسی طویل مدت کے لیے شہر سے غائب ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مافیا سے وفاداری میری شہر میں موجودگی کی طلب

گاریتھی بشی کی دشمنی میری روپوشی کی متقاضی تھی جب کہ غزالہ کی روح فرسا مجبوریاں مجھے کھل کر سامنے آنے اور کراچی سے دادو کے علاقے میں پہنچنے پر مجبور کر رہی تھیں میرا اندازہ تھا کہ غزالہ کی آواز پر لبیک کہہ کر ہی میں اپنے دل اور ضمیر کو مطمئن رکھ سکتا تھا، ورنہ بدیہی طور پر جو کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا تھا، وہ اس قدر وحشت انگیز تھا کہ زندگی بھر بھی میرے اندر کے زخم مندمل نہ ہو پاتے۔ وقت گزر جانے کے بعد جانو ماچھی کا قتل بھی میرے ان زخموں کا مداوا نہیں بن سکتا تھا۔

خیالات کی وہ سرخ آندھیاں میرے ذہن میں تلاطم برپا کیے رہیں۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں ویرا کے بتائے ہوئے پتے کے عین مطابق اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جس کے پھاٹک پر پیتل کی گول تختی میں صرف "انتالیس" سی کندہ تھا، جب تک وہ سنگین مکان باقی تھا، اس کا نمبر بھی وہی رہنا تھا، اسی لیے عقل مند مالک جائیداد نے مکان پر نمبر کی مستقل تختی نصب کرائی ہوئی تھی۔ مکین شاید کرائے پر آتے جاتے رہتے ہوں گے، اس لیے ان میں سے کسی کے نام کے اظہار کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

اس گیٹ پر ہارن بجانے سے پہلے ہی میری نگاہ ستون میں نصب اسپیکر فون پر پڑ گئی۔ انجن بند کیے بغیر میں نے گیئر نیوٹرل کر کے ہینڈ بریک لگایا اور انٹر کام کے اسپیکر کی جالی پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔

"کون ہے؟" اس آلے پر فوراً ہی ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں الیکٹرک لاک کھول رہی ہوں، بزر آف ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھول لینا۔" میرا نام سن کر ویرا نے ہدایت کی۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ عریض آہنی پھاٹک میں ذیلی کھڑکی کے بجائے برابر میں ایک چوبی دروازہ بھی تھا جو صرف آدمیوں کی آمدورفت کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"دروازہ نہیں پھاٹک کھولو! میرے پاس گاڑی بھی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"چوبی دروازہ کھول کر اندر آؤ اور پھاٹک کا بولٹ کھول لو، پھاٹک مقفل نہیں ہے۔" اسی کے ساتھ چوبی دروازے کی طرف سے بزر کی ہلکی سی آواز ابھرنے لگی۔

اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں نے گاڑی اندر داخل کر کے پھاٹک دوبارہ بولٹ کر دیا۔ وہ مکان بہت وسیع اور عریض تھا۔ میں نے کار میں سوار ہو کر برآمدے تک جانے والی پختہ روش طے کی تو وہاں داخلی دروازے کے سامنے ویرا چبوترے پر میرے استقبال کے لیے موجود تھی۔

"مہمانوں سے دروازہ یا پھاٹک کھلوانا بدتہذیبی بلکہ بزدلی میں شمار ہوتا ہے۔" میں نے کار سے اترتے ہوئے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"باتیں بنانے کے بجائے جلدی اندر آجاؤ!" اس نے برا مانے بغیر کہا۔ "اتنے بڑے گھر میں اکیلا رہنے کی وجہ سے ایسی مجبوریاں پیش آتی رہتی ہیں۔"

"ایسی بھی کیا کفایت؟ تم کم از کم ایک چوکیدار تو رکھ ہی سکتی ہو۔"

"بات کفایت کی نہیں، پرائیویسی کی ہے۔" وہ میرے ساتھ آراستہ اور پرشکوہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "انٹرویو کے بعد تم دوسرے آدمی ہو جسے میرے اس ٹھکانے کا علم ہوا ہے۔"

"دوسرا نہیں تیسرا کہو۔" میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ "دوسرا تو وہ ہے جس کے استقبال کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا ہے۔ اس کی طرف سے کوئی نئی کال تو نہیں آئی؟"

"نہیں!" وہ ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "باہر کا موسم تم نے کیسا پایا؟"

"مطلع صاف ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمہارے پھاٹک پر پہنچنے تک میں غزالہ کے بارے میں اتنی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ قرب و جوار کا جائزہ لینا ہی بھول گیا۔"

وہ اس موضوع کو ختم کر کے غزالہ کے بارے میں سوالات کرنے لگی۔ چند ثانیے تک تو میں اسے جوابات دیتا رہا پھر میں نے اسے روک دیا۔

"فی الحال تمہارا اتنا ہی جاننا کافی ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب وہ کام کرو جس کے لیے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارا وہ نامعلوم شیدائی آپہنچے اور ہم بیٹھے ہی رہ جائیں۔"

"ایف ایم مائک میں نے ٹیپ سے اس سنٹر ٹیبل کے نیچے چپکا دیا ہے۔" وہ اپنے سامنے رکھی ہوئی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "جیبی ٹرانزسٹر ہیڈ فون اور جیک وائر کے ساتھ پیانو پر رکھا ہوا ہے۔ ایک بار تم اسے مائک سے ٹیون کر لو تو بہ آسانی ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکو گے۔"

میں فوراً ہی پیانو کی طرف بڑھ گیا۔ ویرا وقفے وقفے بولتی رہی اور میں اس سے کافی دور پیانو کے قریب ہی ٹرانزسٹر کو ٹیون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پورے ایف ایم بینڈ پہ سوئی گھمانے کے باوجود جب کوئی کامیابی نہ ہوئی تو میرے چڑچڑے ردعمل پہ ویرا ہی کو مائک آن کرنے کا خیال آیا اور اس نے دبیز قالین پر بیٹھ کر میز کے نیچے چپکے ہوئے مائک

کا سوئچ آن کر دیا۔ چند ثانیوں میں ویرا کی آواز ٹرانسمٹر پر سنائی دینے لگی۔

"یہ بتاؤ کہ مجھے کہاں چھپنا ہوگا؟" میں نے وہ کام ختم ہونے کے بعد اسے سوال کیا۔

"کسی بھی ایسی جگہ چھپ جانا جہاں سے اسے دیکھ سکو اور ضرورت پیش آنے پر فوراً مداخلت کر سکو۔" پھر وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی "تمھیں ابھی سے ان سب باتوں کی کیا فکر ہے؟ ابھی تو گیارہ ہی بجے ہیں۔ وہ بارہ بجے آئے گا۔ اس دوران میں تم مجھے غزالہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"بارہ بجے آنا ضرور تھا لیکن اب نہیں آؤں گا۔" اچانک کمرے میں ایک اونچی مردانہ آواز سنائی دی اور ہم دونوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔ ویرا کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ہی سراسیمگی نظر آنے لگی تھی۔

"میرے آنے کی شرط یہی تھی کہ تم مجھے تنہا ملو گی لیکن تم نے یہ شرط توڑ دی ہے۔ اس لیے مجھے مجبوراً وہ بگ سسٹم استعمال کرنا پڑ رہا ہے جو تمھاری لاعلمی میں کئی دن سے یہاں نصب ہے۔" اجنبی آواز گونج رہی تھی۔

"تم کون ہو؟ اور آخر ملاقات میں اتنی رازداری کے متمنی کیوں ہو؟" ویرا نے سوال کیا۔ اس اثنا میں میں نے آواز کے مخرج کا اندازہ لگا لیا تھا اور قالین پر دبے قدموں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"میری رازداری کے اسباب کچھ اسی قسم کے ہیں جو تم کو حفاظتی اقدام پر مجبور کر چکے ہیں۔ کسی بھی بڑے کام میں بڑوں کی سلامتی تمام نتائج پر فوقیت رکھتی ہے اور تم...."

"تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ..." ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہنا شروع کیا لیکن اسی لمحے کمرا عجیب سی ریڈیائی گونج سے بھر گیا۔

میرے لیے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس وقت اجنبی نے ہم سے کسی دو طرفہ ٹرانسمٹر کے ذریعے لاسلکی رابطہ قائم کیا ہوا تھا اور ایسے ریڈیائی رابطوں میں ایک طرف کا پیغام مکمل ہونے سے پہلے دوسرا فریق بھی بولنا شروع کر دے تو دونوں میں سے کسی طرف کا کوئی لفظ نشر نہیں ہوتا اور ریسیور پر بے ہنگم ریڈیائی شور سنائی دینے لگتا ہے جو کسی ایک کے خاموش ہونے تک برقرار رہتا ہے۔

ویرا کے لیے بھی وہ مواصلاتی شعبے سے نئے نہیں تھے اس لیے صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی وہ یکلخت خاموش ہو گئی اور کمرے میں ایک بار پھر وہی اجنبی، مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔

"اب تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں کیسے تم سے مخاطب ہوں۔ ازراہِ کرم اب میری بات پوری ہونے سے پہلے نہ بولنا آج میری اور تمھاری ملاقات کا امکان ختم ہو گیا ہے لیکن میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمیں اب ایک دوسرے سے دور رہ کر اسی طرح مذاکرات کرنا ہوں گے۔"

"تم بے دھڑک بولتے چلے جاؤ، میں سن رہی ہوں۔" اس کے خاموش ہو جانے پر ویرا نے کہا۔

"مجھے چھوٹا اسلحہ اور میگزین درکار ہے۔ تمھارے پاس جتنی کھیپ موجود ہے میں اس کا خریدار ہوں۔ ادائیگی نقد اور تمھاری مرضی کے مطابق ہوگی۔"

"تم مجھے پہلے رابطے میں بھی بتا چکے ہو کہ شی غیر قانونی اسلحے کی تجارت کرتی ہے۔ اس وقت میں نے تمھاری تردید کرنی مناسب نہ سمجھی، لیکن اب تم اپنا منہ کھول ہی بیٹھے ہو تو سن لو کہ شی پاکستان سے باہر بہت کچھ کرتی ہے مگر یہاں ہم اسلحے کے لین دین سے دور رہتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے چند برسوں سے یہ بہت حساس علاقوں میں شمار ہونے لگا ہے اور یہاں غیر قانونی اسلحے کی کوئی بھی قابلِ ذکر مقدار طاقت کے توازن پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔"

"ایک بالغ آدمی کو پریوں کی کہانی سنا کر بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ لاہور میں تباہ ہونے والا لائیڈرز کاٹیج کس کی ملکیت تھا اور اس کے زمین دوز تہ خانوں میں کیا سامان ذخیرہ کیا ہوا تھا۔"

"ہماری پالیسی میں تبدیلی ہی لائیڈرز کاٹیج والے حادثے کے بعد آئی ہے۔" ویرا پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے مؤقف پر اڑ گئی تھی۔ "اور پھر ہم جہاں بھی اسلحہ فراہم کرتے ہیں، جانے پہچانے لوگوں سے معاملہ کرتے ہیں۔ اجنبیوں سے ہم کسی قیمت پر کوئی سودا نہیں کرتے۔"

"جو آج تمھارے جانے پہچانے لوگ ہیں، پہلی ڈیل کے وقت وہ بھی اجنبی رہے ہوں گے۔ یہ بتا دوں کہ اس وقت اسلحہ میری ضرورت ہے اور میں تمھیں اس کے بہت معقول دام دے سکتا ہوں۔"

"ایسے خریداروں کی ہر ایک قدر کرتا ہے۔ تم جس سے چاہو، سودا کر سکتے ہو۔ پاکستان ہی میں کئی لوگ یہ کام کرتے ہیں۔"

"مجھے زیادہ تعداد میں اسلحہ درکار ہے۔ پھر جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ شی ہی مجھے فراہم کر سکتی ہے۔ میرے مطلوبہ اسلحے تک دوسروں کی رسائی بہت مشکل ہے۔"

"تم اینٹی ائرکرافٹ گنوں کے خواب تو نہیں دیکھ رہے؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مل جائیں تو کیا ہی بات ہے لیکن میری اصل دلچسپی ہلکے ہتھیاروں اور ان کے میگزین میں ہے۔ اسٹنگر میزائل اور ان کے لانچروں کی بھی ضرورت ہے۔"

"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم گوریلا جنگ کے امریکی ہتھیاروں میں دلچسپی لے رہے ہو۔"

"تم خود ہوشیار ہو تو مجھے اتنا کھلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"لیکن زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کی ضروریات عام طور پر ایسی مہلک نہیں ہوتیں۔ تم تخریب کاری یا دہشت گردی کے کسی منصوبے کو روبہ کار لانا چاہتے ہو؟"

"اہمیت اسلحے سے زیادہ ان ہاتھوں کی ہوتی ہے جن سے وہ چلایا جاتا ہے۔ ہمارا مشن بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہ سب اسلحہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے استعمال ہوگا۔"

"کیا تم کسی خفیہ سرکاری محکمے کے اہلکار ہو؟" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارا اندازہ درست ہو، تب بھی میں اس کا اعتراف نہیں کروں گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ الجھی الجھی گفتگو کر رہا تھا۔ خاص طور پر اپنی ذات اور اپنے مقاصد کے بارے میں ابہام پیدا کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہا تھا۔

"اعتراف نہیں کرو گے تو مجھے سرحد کی حفاظت کا دعویٰ مشکوک نظر آئے گا۔" ویرا کے اس تبصرے پر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہی تھی جو میرے ذہن میں جنم لے رہے تھے۔

"شی کسی معاہدے کے تحت اسلحہ نہیں بیچتی جو تم میرے مقاصد میں اتنی دلچسپی لے رہی ہو۔"

"لیکن تم شی سے زیادہ میرے لیے اجنبی ہو۔ تم نے پہلے کبھی ہم سے واسطہ ڈالا ہوتا تو تمھیں معلوم ہوتا کہ شی اصولوں پر چلنے والوں کی تنظیم کا نام ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "جو لوگ اسلحے اور ہیروئن کی آمدنی پر پلتے ہوں ان کی اصول پرستی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہوتی۔ تم اصل موضوع سے بھٹک رہی ہو۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنے اس سسٹم پر ابتدا ہی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا اور میرے وجود سے باخبر تھا اس لیے میرا خاموش رہنا ضروری نہیں تھا۔ اس بار میں نے اشارے سے ویرا کو خاموش کر دیا اور نامعلوم شخص سے گفتگو آگے بڑھانے کا کام خود سنبھال لیا۔

"اگر تم سرکاری آدمی ہو تو یہ امکان بھی ہے کہ تم ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے اس کے پیدا کیے ہوئے ابہام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سرکاری اہلکار چوروں کی طرح چھپ کر سودے نہیں کرتے۔ وہ تو سامنے آکر ڈنکے کی چوٹ پر اپنا کمیشن تک خود طے کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ تم نے سرحدوں کی حفاظت کی بات بھی کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمھاری یہ بات سچ ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ تم کس ملک کی سرحدوں کی حفاظت میں دلچسپی لے رہے ہو۔ پاکستان کی یا اس کے کسی ناراض پڑوسی کی سرحدوں کی؟"

"مادام نے تمھیں ڈینی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نرے محافظ ہی نہیں ہو بلکہ اہم معاملات میں دخیل بھی ہو سکتے ہو۔ مادام غیر ملکی ہے۔ تمھاری قومیت مجھے معلوم نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجرم کا کوئی وطن نہیں ہوتا، وہ صرف اپنی ذات کے لیے کماتا اور زندہ رہتا ہے۔ اس بات سے تمھیں کیا فرق پڑتا ہے کہ میری ہمدردیاں کس ملک کے ساتھ ہیں۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ایسے خطرناک سودے آدمی اپنی سرزمین پر ہی زیادہ آرام، اطمینان اور حفاظت کے ساتھ کرتا ہے۔"

اس کے دلائل کمزور تھے۔ میں نے بھانپ لیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کا تعلق یقیناً سرحد پار کی کسی غیر دوستانہ سلطنت سے تھا۔ وہ کھل کر جھوٹ اس لیے نہیں بول پا رہا تھا کہ سودا بن جانے کے بعد مال کی تحویل کے مقام اور رقم کی ادائیگی کے مراحل سامنے آتے تو وہ باتیں خود بخود کھل سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ میں نے اس کا جھوٹ پکڑ لیا تھا۔

مجھے اخبارات اور سیاست سے کبھی بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی مگر میرا خیال تھا کہ وہ کسی دشمن ملک کا ایجنٹ تھا۔ اپنے ملک کی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے اس نے شی اور ویرا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی سرزمین پر اس سے رابطہ قائم کیا تھا مگر بدقسمتی سے وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کی معلومات کے ذرائع مقامی ہوتے تو ویرا کے ساتھ ہی میرے نام اور کام سے بھی واقف ہوتا کیونکہ ایک زمانے میں، میں خودکشی میں بہت زیادہ فعال رہنے کے بعد تدریجاً شی سے تصادم کی راہ پر چل نکلا تھا۔

"ویرا نے تمھیں بتا دیا ہے کہ اب پاکستان میں شی اسلحے کی تجارت نہیں کرتی لیکن ویرا کے بین الاقوامی رابطے ہیں، یہ تمھارا سودا کرا سکتی ہے۔ اس کے لیے تمھیں مطلوبہ سامان کی فہرست کے ساتھ ذاتی طور پر ہم سے ملنا ہوگا تاکہ ہم اپنے ذرائع سے

تمہارے بے ضرر ہونے کے بارے میں تصدیق کرا سکیں۔"
"اور اگر میں اس سے انکار کر دوں؟" اس کا لہجہ تمسخر آمیز ہو گیا۔ جیسے میں نے اس سے کسی انہونی بات کا مطالبہ کر دیا ہو۔
"پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم ویرا کے بارے میں مخبری کر کے اسے ماریانا گیبرائیل کی سفری دستاویزات پر پاکستان میں داخل ہونے کے جرم میں گرفتار اور پھر شاید ملک بدر تو کرا سکتے ہو لیکن ہمارے خلاف اپنا کوئی اور الزام ثابت نہیں کر سکو گے۔ ویرا کا تنہا رہنا ہمارے کسی پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم ہر کام قانون کی زد سے باہر رہ کر صاف ستھرے انداز میں سرانجام دیتے ہیں جس پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔"
"مخبری تو گھٹیا اور چھچھورے حریف کرتے ہیں۔ میں اپنا کام نکالنا اچھی طرح جانتا ہوں مگر میری مخلصانہ کوشش یہ ہو گی کہ ہم دوستانہ فضا میں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں۔"
"مل بیٹھ کر ہی کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔" ویرا کے اشارے پر میں اپنا فقرہ مکمل کر کے خاموش ہو گیا اور اس نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔
"ڈینی کی تجویز معقول ہے۔ تم ہماری بہت سی کمزوریوں سے واقف ہو جبکہ ہم تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس لیے ہم سے مل بیٹھنے میں تمہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے۔ آپس میں ملے بغیر ہم کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم جب چاہو ہم سے مل سکتے ہو۔"
"میں نے احتیاط کے طور پر تمہارے گھر کو بگ کرایا تھا تاکہ ملاقات سے پہلے تمہاری تیاریوں سے آگاہ رہ سکوں اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ تم باہر سے آئی ہوئی ہو۔ تم سے ملنے میں مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن تمہارے علاوہ میں کسی اور سے نہیں مل سکتا۔ یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسی اصول کی پاسداری کے لیے میں نے تمہارے گھر میں گفتگو سننے کے آلات نصب کرائے تھے ورنہ مجھے یہ خطرہ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"
"چلو، اب میں تم سے تنہا ہی ملوں گی۔" ویرا نے مجھے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسے پیشکش کی۔
اس کی خفیف سی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا۔ "میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تمہارا آقا جمی لائیڈ بھی ذاتی تحفظ کے اسی اصول پر برسوں سے عمل پیرا ہے اور کوئی بھی صورتِ حال اسے کسی کے سامنے آنے پر مجبور نہیں کر سکی ہے۔"
"جہاں ذاتی نمائندگی ناگزیر ہو وہاں وہ اپنے بااختیار نمائندے سے کام لیتا ہے۔ تم بھی اپنے کسی آدمی کو بھیج سکتے ہو جو ہمارے سوالات کے جواب دے سکے۔"
"مشکل ہے۔ تم جیسی ہوشیار اور ذہین عورت سے معاملات طے کرنے کے لیے میرے پاس کوئی پائے کا آدمی نہیں ہے اس بڑے سودے کو مجھے خود ہی طے کرنا ہو گا۔"
"پھر ہمیں کوئی اور بات کرنی چاہیے۔" ویرا نے دوٹوک لہجے میں وہ بات وہیں ختم کرنا چاہی۔
"اگر میں تمہارا کوئی اہم کام کرا سکوں، تب کیا صورتِ حال ہو گی؟" قدرے پس و پیش کے بعد اس کی تردد آمیز آواز سنائی دی۔
"پتا نہیں تم کس کام کا حوالہ دے رہے ہو۔ اس پر بات کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گی کہ یہ سودے بازی ہو گی یا بلیک میلنگ کی کوئی دھمکی؟" ویرا اس پر حاوی رہنا چاہ رہی تھی۔
"دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔
"سودے بازی یک طرفہ ہوتی ہے۔ بلیک میل کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنے پر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"
"جو نقصان ہونے والا ہے وہ تو تمہارے ذہن میں بھی ہے۔ مجھ سے معاملہ کر کے تم اس نقصان سے محفوظ رہ سکتی ہو۔ بات نہ بننے کی صورت میں وہی ہو گا جو ہونے والا ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں گا۔"
"یہ ایک باعزت تجویز ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم میرے کس معاملے کا ذکر کر رہے ہو۔ فی الحال تو میرے سامنے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"
"تمہاری اور ڈینی کی گفتگو میں نے ابتدا سے سنی ہے۔ تم دونوں غزالہ نامی کسی ایسی لڑکی کے بارے میں فکرمند ہو جسے جانو ماچھی نے حوالات سے اغوا کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اس بارے میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔"
ہمارے کام آنے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ جانو ماچھی تمہارا آدمی ہو۔ اس جیسے لوگ قانون اور طاقت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے اور لڑتے لڑتے ایک دن کسی پاگل کتے کی طرح مار دیے جاتے ہیں۔"
"جانو ماچھی میرا آدمی ہے۔ اس کے فرار کی منصوبہ بندی بھی میں نے ہی کرائی تھی لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ فرار ہوتے ہوئے بھی اپنے ساتھ ایک ایسی لڑکی کو اٹھا لے جائے گا جو کسی بھی طرح تمہارے لیے اہم ہو سکتی ہے۔ میں چاہوں تو اس لڑکی کو کوئی نقصان پہنچنے سے پہلے عزت کے ساتھ تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔"

”جانو ماچھی سے اپنا تعلق ظاہر کر کے تم نے اپنا بھرم کھول دیا ہے۔ تم کسی خفیہ سرکاری محکمے کے اہلکار تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔“ ویرا خود پر قابو رکھتے ہوئے غزالہ کے معاملے میں کسی غیر معمولی جوش کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی بلکہ اس نے اپنی جرح کا مرکز اسی کی اصلیت کو بنایا ہوا تھا۔

” یہ تمہارا مفروضہ ہے جس کا حقائق سے کوئی تعلق ضروری نہیں۔ تم جانتی ہو کہ جانو ماچھی یا اس جیسے دوسرے جرائم پیشہ لوگ سرکاری اہلکاروں کی سرپرستی ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔ اس بحث میں پڑ کر تم اصل موضوع سے بھٹک رہی ہو۔ ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے غزالہ کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ جانو کے آدمی اسے کراچی سے نکال لے گئے تو یہ معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔“

ویرا استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی لیکن میں نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ میرے کچھ کہے بغیر بھی ویرا جانتی تھی کہ میں غزالہ کو اس ذلت آمیز قید سے ہر صورت میں رہائی دلوانا چاہتا تھا۔ وہ غزالہ کی مدد کے بدلے شی سے مخصوص قسم کے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ خریدنا چاہ رہا تھا جو شی یا ویرا کے لیے کوئی نامناسب مطالبہ نہیں تھا۔ وہ لوگ تو خود ہی دہشت گردوں اور تخریب کاروں میں اسلحہ کھپانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

” ہم غزالہ کی آبرو مندانہ واپسی چاہتے ہیں لیکن اس کی صورت کیا ہو گی؟“ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے اس سے سوال کیا۔

” جو کچھ طے ہو جائے اس پر نیک نیتی کے ساتھ عمل ہونا چاہیے لیکن میں کوئی خطرہ پھر بھی مول نہیں لوں گا۔ غزالہ کو میں اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔ اسی ٹرانسمٹر پر میں تم سے اس اس کی بات کرا دوں گا۔ اس کے بعد ہمارا سودا طے ہو گا۔ مال کی وصولیابی کے وقت سودے کی رقم کے ساتھ غزالہ تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ اس بندوبست میں کہیں بھی خلل آیا تو اس کے نتائج غزالہ کو بھگتنا ہوں گے۔ میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جس کا عشرِ عشیر بھی جانو ماچھی کے وہم و خیال میں نہیں آ سکا ہو گا۔“

”تمہاری بدعہدی کی صورت میں ہم کہاں جائیں گے؟“ ویرا نے سوال کیا۔ ”ہمارے لیے تو تم محض ایک آواز ہو جس کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔“

”میں تمہیں مؤثر ضمانتیں فراہم کر سکتا ہوں۔“ اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔ ”پھر تم آخری مرحلہ آنے تک سودا منسوخ کر سکتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ غزالہ تو اب بھی محفوظ نہیں ہے۔ میری مداخلت سے اسے تحفظ مل جائے گا۔ میں نے تم سے کوئی بدعہدی کی تو مجھے کیا مل جائے گا؟ غزالہ تو میرے لیے ایک ان دیکھی لڑکی ہے۔ میں حسینۂ عالم کی خاطر بھی اپنا یہ سودا خراب نہیں کروں گا۔ جس کے لیے میں نے اتنے پاپڑ بیلے ہیں۔“

”یہ اسلحہ تمہیں ان ڈاکوؤں کے لیے درکار ہے جو تمہاری سرپرستی میں پل رہے ہیں؟“ میں نے دخل دیتے ہوئے سوال کیا۔

”اسلحہ بیچنے کے بعد تمہاری ذمّے داری ختم ہو جاتی ہے۔“ اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔ ”تمہاری سوچ بہت محدود معلوم ہوتی ہے۔ مجھ سے ویرا کو بات کرنے دو۔“

”تمہیں کیا کیا درکار ہے؟“ ویرا نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ وہ میری الجھن کا سبب سمجھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں نے محض پاکستانی معاشرے کی فلاح کی خاطر شی سے مخاصمت مول لی تھی۔ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں کو بہرحال کے لاعلاج عذاب میں مبتلا کرتا رہوں اور پھر بات وہیں آ گئی تھی کہ غزالہ کی سلامتی کے نام پر وہ شخص اسلحے کا طلبگار تھا۔ غیر قانونی اسلحہ جہاں اور جس کے پاس ہو، کبھی امن اور فلاح کی آبیاری کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور دہشت گرد گوریلوں کے ہاتھ لگ جائے تو سرحدوں کا طاعون بن کر ملکوں کے جغرافیے کو بدلنے لگتا ہے۔ وہ دونوں ہی صورتیں میرے لیے تکلیف دہ تھیں۔ شی اپنے طور پر جو چاہتی وہ کر سکتی تھی لیکن غزالہ کے حوالے سے جو کچھ ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا وہ اچھا نہیں تھا۔

”ٹائپ کی ہوئی فہرست آج شام تک تمہیں مل جائے گی۔“ دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔

”اصولی اتفاقِ رائے سے پہلے میں وہ فہرست سننا چاہتی ہوں۔“ ویرا نے اصرار کیا۔

اس نے فہرست پڑھنا شروع کی جس میں سب سے ہلکا ہتھیار سب مشین گن تھا۔ ہلکی مشین گنوں اور راکٹ لانچروں تک پر مشتمل اسلحے کی وہ فہرست زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس خطرناک اسلحے کی مقدار سن کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس سے آگے اس اسلحے کے میگزین کی مطلوبہ تعداد تو ہوش رُبا تھی۔ رائفل کی طرح شانے سے فائر کیے جانے والے ہلکے لانچروں کے لیے دو ہزار اسٹنگر میزائل

فہرست میں شامل تھے۔ یہ کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ ان ہتھیاروں کی فراہمی کے لیے ایک گمنام فرد ذاتی سطح پر دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ تعداد اور مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس کے سہارے ایک نئی اور طاقت ور ترین گوریلا آرمی کھڑی کی جا سکتی تھی جو نہ صرف زمینی نشانوں کو نیست و نابود کرنے پر قادر ہوتی۔ بلکہ نیچی پرواز کرنے والے طیاروں اور ہیلی کاپٹرز کو بھی میزائل سے مار گرا سکتی تھی۔

”شی ہتھیاروں کا لین دین ضرور کرتی ہے اور پاکستان سے باہر کرتی ہے لیکن اتنے بڑے ذخیرے کے لیے میں اپنے طور پر کوئی سودا نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے مجھے اپنے اوپر والوں سے منظوری لینا ہو گی۔“ ویرا نے کہا۔

”اس منظوری میں کتنا وقت لگ جائے گا؟“ اس نے سوال کیا۔

”فون پر شام تک معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو یورپ میں صبح بھی طلوع نہیں ہوئی ہو گی لیکن مجھے ڈر ہے کہ موجودہ سیٹ اپ کے ساتھ ہم اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ پاکستان میں نہیں لا سکیں گے۔“

”لیکن میرے لیے یہ بہت ضروری ہے۔“ اس نے زور دے کر کہا تھا۔ ”مجھے مال ہر صورت میں سانگھڑ یا تھرپارکر کے کسی سرحدی قصبے میں ملنا چاہیے۔“

”اگر یہ بندوبست سرحد پار راجھستان کے کسی علاقے میں طے پا جائے تو کیسا رہے گا؟“ ویرا نے مجھے آنکھ مار کر وہ سوال کیا جو اسے بڑی حد تک بے نقاب کر سکتا تھا۔

”نہیں۔“ اس کا جواب فیصلہ کن تھا۔ ”مال سرحد سے ادھر ہی ملنا چاہیے۔ سرحدوں پر آج کل کشیدگی ہے۔ دونوں طرف فوج کی بھاری تعداد مامور ہے اور دن رات گشت جاری رہتا ہے۔ میں اپنا کانوائے راجھستان سے اس طرف نہ لا سکوں گا۔ زیادہ مجبوری ہو تو میں دو کھیپیں بھی قبول کر سکتا ہوں۔“

”مجھے اندازہ ہے کہ بری راستہ ہمارے لیے مخدوش ہو گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ رن کچھ کے علاقے میں ہم لانچ کے ذریعے کس گھاٹ پر مال اتار سکیں گے۔“ ویرا نے پُرخیال لہجے میں اظہارِ رائے کیا۔

”یہ یاد رکھنا کہ وہ بہت گندی سمندری دلدل ہے۔ جس کے درمیان چند نالیوں میں ہی سفر کیا جا سکتا ہے۔ ان اطراف میں آنے جانے والے ہی ان راستوں کو پہچان سکتے ہیں۔ نئے لوگ دلدل میں پھنس گئے تو تیر کر بھی ساحل تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لیے میں رن کچھ کے بحری راستے کا مشورہ نہیں دوں گا۔“

”وہ میرا یا تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ ویرا نے بے پروائی سے کہا۔ ”ہمارے پاس بحری راستوں اور ان پر چلنے والے عملے کا انتخاب کرنے والے ماہرین موجود ہیں جو تم سے زیادہ سمندری راستوں کو سمجھتے اور جانتے ہیں لیکن میں پیشگی اتنا ضرور بتا دوں کہ اوپر سے اجازت مل گئی تو نصف رقم پیشگی دینا ہو گی۔ مقامی کرنسی میں شرح تبادلہ پر دس فیصد پریمیم دینا ہو گا ورنہ ہم ڈالروں میں ہی رقم لینا پسند کریں گے۔“

”رقم تمہاری مرضی کے سکّے میں دی جائے گی لیکن پیشگی ادائیگی کے بدلے میں ایسا ضامن فراہم کر دوں گا جو تم کو قبول ہو گا۔ رقم ڈلیوری پر ہی دی جائے گی۔ ان کچے دھندوں میں یہ بنیادی اصول ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ آنے سے پہلے مال پکڑا گیا تو میری کوئی ذمّے داری نہیں ہو گی۔“

”میں تمہاری شرائط اوپر پہنچا دوں گی۔ فیصلہ وہیں سے صادر ہو گا۔“

”میں رات کو اسی سسٹم پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت ہم کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ خیر سگالی کے اظہار کے طور پر میں غزالہ کے لیے ابھی سے کام شروع کر دیتا ہوں۔ وہ مل گئی تو رات کو اس سے تمہاری گفتگو بھی کرا دوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ اب ہمیں ایک دوسرے کے اعتماد پر پورا اترنا ہو گا۔“

”اعتماد تو اب مجھے اپنے گھر پر بھی نہیں رہا مجھے باہر ہی سے اہم فون کالز کرنا ہوں گی۔ ورنہ تم ہر بات سنتے رہو گے۔ اس وقت میں تمہارے سسٹم کو تلاش کرنے میں اپنا وقت برباد نہیں کر سکتی۔“

”میں نے تمہارا صرف ڈرائنگ روم بگ کرایا ہے۔ باقی گھر محفوظ ہے۔ تم نے میری آواز کی سمت سے یہ اندازہ تو لگا لیا ہو گا کہ اس ریسیور کا اسپیکر سسٹم سفید مرمر کے مجسمے کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تمہاری آوازیں مجھ تک پہنچانے والا ٹرانسمٹر فانوس میں لگا ہوا ہے۔ اس کا بٹن آف کر کے تم اپنے گھر کی پوری رازداری بحال کر سکتی ہو لیکن میرے اس سسٹم کو تباہ نہ کرنا کیونکہ اب یہی ہمارے درمیان رابطے کا کام دے گا۔“

”ہمارے پاس تمہارا مطلوبہ مال اسٹاک میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ سب باہر سے ہی منگوانا ہو گا۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں پیشگی ادائیگی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے متبادل کے طور پر تم نے ضامن کا ذکر کیا ہے۔ اگر تم اس کو ہمارے لیے قابلِ قبول سمجھتے ہو تو اب اس کا نام بھی بتا دو۔ ہو سکتا

ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے ہمارے اوپر والے تم سے سودا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ عزالہ کا معاملہ درمیان میں آجانے کے بعد مجھے اس سودے سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے تاکہ مال دے کر میں تم سے عزالہ کو چھڑوا سکوں۔"

"تم بہت دیر کے بعد کھلی ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ عزالہ کی صورت میں جانو ماچھی نے مجھے ماسٹر ٹرمپ کارڈ تھما کر دیا ہے۔ تم یقین رکھو کہ وہ کراچی میں ہو یا اودو میں، میں اسے کوئی گزند پہنچنے سے پہلے اپنی تحویل میں لے لوں گا اور اگر سودے کی تکمیل تک میرے ساتھ کوئی بدعہدی یا چال بازی نہ کی گئی تو میں اسے اپنی بہن اور بیٹی کی طرح تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سمجھ لینا کہ اب ہمارے درمیان معاہدے پر عمل کا مرحلہ شروع ہو گیا ہے، اس لیے میں تمہیں اپنے ضامن کا نام بتانے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس سے واقف نہ ہو لیکن وہ سری لنکا میں شی کے ساتھ براہِ راست کھرے سودے کر چکا ہے اور آج کل اسلام آباد میں متعین ہے۔ کرنل مہیش پال اس کا نام ہے۔"

وہ نام سن کر ویرا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی لیکن اس نے اجنبی کی بات پر کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ معاہدے پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے تو اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتا دو۔ کرنل پال یا کوئی اور کسی آواز کا ضامن تو نہیں بن سکتا۔"

"میری شناخت بلیک کیٹ ٹی ہے۔ کرنل پال اس نام سے آشنا ہے۔" اس کا جواب سن کر میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔ آخر کار وہی سب سامنے آ رہا تھا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

کرنل مہیش پال کے نام ہی سے اس کی قومیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور اگر وہ اسلام آباد میں متعین تھا تو یقینی طور پر کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں اپنا کام کر رہا تھا۔ سری لنکا میں شی کے ساتھ اس کے سودوں کا حوالہ بھی ایک خاص سمت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ سری لنکا میں تامل آبادی کو پُراسرار انداز میں مسلح کر کے مقامی آبادی اور پھر حکومت کے خلاف کھڑا کیا گیا تھا۔ آبادی کے دو مختلف طبقات کو آپس کی خونریزی میں الجھا کر سیاسی سطح پر تامل اور سنہالیوں کے مسئلے کا اسکینڈل کھڑا کیا گیا جس کی آڑ لے کر آخر کار ایک طاقت ور مگر کم ظرف پڑوسی نے اپنی باقاعدہ مسلح افواج سری لنکا میں اتار دی تھیں۔ اگر کرنل مہیش پال نے اس دوران میں شی سے بھاری تعداد میں اسلحہ خریدا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ سری لنکا میں ہونے والی گوریلا کارروائی کے براہِ راست سرپرستوں میں شامل تھا اور اس نے تامل سنہالی تنازعے کو گوریلا جنگ میں تبدیل کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔

اپنے اس پس منظر کے ساتھ کرنل مہیش پال مجھے ایک مکروہ اور شیطانی کردار نظر آ رہا تھا۔ پاکستان میں سندھ کے سرحدی علاقوں اور اندرونِ سندھ میں عرصہ دراز سے ڈاکوؤں، قاتلوں اور تاوان وصول کرنے والوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ مہلک اور جدید اسلحے کی فراوانی سے انہیں اتنی طاقت میسر آ گئی تھی کہ وہ رنگ، نسل، مذہب، زبان اور فرقے کا کوئی لحاظ کیے بغیر اس حد تک شہریوں اور دیہاتیوں کے دشمن ہو گئے تھے کہ بسا اوقات امن و امان قائم رکھنے والی مقامی اور صوبائی قوتیں ان کے سامنے مفلوج نظر آنے لگتی تھیں۔

امن دشمن اور شرپسند قوتوں کی وہ شورش اپنی جگہ رہی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ متعصب نسل پرور گروہوں کو بھی نامعلوم ذرائع سے اسلحے کی کمک مل رہی تھی جو نسلی جنون میں وحشی درندوں کی طرح اپنے جیسے دوسرے انسان کو صرف اس لیے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے کہ وہ کسی اور نسل سے تعلق رکھتا تھا یا اس کی من پسند زبان نہیں بولتا تھا۔ بعض اوقات پُرامن فریقین کو مشتعل کرنے کے لیے نامعلوم دہشت گرد کہیں سے نمودار ہوتے اور بلاتفریق گولیاں برسا کر متعدد بے گناہوں کو ہلاک و زخمی کرتے ہوئے روپوش ہو جاتے۔ ایسی کارروائیوں کے بارے میں بہت سے باشعور لوگ بیرونِ ملک کی پروردہ بلیک کیٹس کمانڈو تنظیم کا نام لیتے تھے اور اس پُراسرار شخص نے اپنی شناخت ہی بلیک کیٹ بتائی تھی جس میں ٹی کا اضافی حرف شاید اس کی ذاتی شناخت کے لیے تھا۔ اگر وہ شی سے اسلحے کی بھاری مقدار خریدنا چاہ رہا تھا تو اس کے عزائم بہت صاف اور واضح تھے۔ وہ کرنل مہیش پال کی سرپرستی میں سندھ کے سرحدی علاقے میں باہر سے آتے ہوئے اپنے کارکنوں اور قانون کو مطلوب مقامی جرائم پیشہ لوگوں پر مشتمل ایک مسلح اور طاقت ور گوریلا تنظیم قائم کرنا چاہ رہا تھا جو اس کے اشاروں پر امن و امان کو تہ و بالا کر کے صوبے میں عدم تحفظ اور بغاوت کی صورت حال پیدا کر سکے۔ ایسے غیر یقینی بلکہ مخدوش اندرونی حالات میں بیرونِ ملک سے کوئی بھی یلغار مہلک اور تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

مجھے صدمہ اس بات کا تھا کہ عزالہ بدقسمتی سے جانو ماچھی کے ذریعے ایسے لوگوں میں پہنچنے والی تھی جو ملک دشمن عزائم رکھتے تھے اور وہ عزالہ کی آڑ میں شی سے اپنے خون آشام

منصوبوں کے لیے بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود خریدنا چاہ رہے تھے مگر ساتھ ہی مجھے اس بات کی موہوم سی خوشی بھی تھی کہ مجھے قبل از وقت ایک ہولناک بیرونی سازش کا سُراغ مل گیا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی!" ویرا نے اس کا کوڈ دُہرایا "بلیک کیٹس تو شاید سرحد پار کے ایک تجربے کار کمانڈو گروپ کا نام ہے۔ کیا تم انہی کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"یہ فضول باتیں ہیں جو پروپیگنڈے کے ذریعے پھیلائی جاتی ہیں۔" اُس کی سخت آواز گونجی "تمھیں میرے اوپر ریسرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمھیں وہ کوڈ بتایا ہے جو کرنل مہیش پال کے لیے نیا نہیں ہے۔"

"جو باتیں خود بخود سامنے آ جائیں انھیں تم ریسرچ نہیں کہہ سکتے۔ دو جمع دو کا جواب ہر شخص چار ہی دے گا۔ اسے پونے چار یا سوا چار ثابت کرنے کے لیے ریسرچ کی ضرورت پڑتی ہے۔"

"تمھیں شام کو میری مطلوبہ فہرست مل جائے گی اور میں رات کو نو بجے تم سے خود رابطہ قائم کروں گا۔"

گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا مگر سسٹم آن تھا، اس لیے ہم دونوں نے فوری طور پر زبان نہیں کھولی۔ سب سے پہلے میں نے مرمر کے مجسمے کے قریب رکھے ہوئے ریسیور کا جائزہ لیا۔ اس مختصر سے سیاہ ڈبے پر سے ساخت وغیرہ کے بارے میں ہر تفصیل رگڑ کر مٹا دی گئی تھی۔ تلاش بسیار کے بعد میں ایک سوراخ میں ننھا سا دہ سُرخ بٹن دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے سوراخ میں دیا سلائی ڈال کر ہی چھڑایا جا سکتا تھا۔ دیا سلائی دبانے سے اس آلے میں ایک خفیف سا کھٹکا پیدا ہوا اور اسپرنگ کے دباؤ سے دیا سلائی پہلے سے زیادہ باہر آ گئی جس کا مطلب تھا کہ دبا ہوا سُرخ بٹن قدرے باہر آ گیا تھا جو کسی بھی پش بٹن کے آف ہونے کی علامت تھی۔

سقف گیر فانوس کی پیچیدہ ساخت میں ٹرانسمیٹر اس طرح چھپایا گیا تھا کہ بادی النظر میں اس کا سُراغ لگانا ناممکن تھا۔ اس پر سے بھی سارے نشانات بہت احتیاط کے ساتھ مٹا دیے گئے تھے۔ میں نے اسے بھی نیچے اُتار کر آف کر دیا تھا۔

اس کارروائی کے بعد ہم دونوں نے پورا گھر چھان مارا لیکن کہیں اور کوئی مشتبہ آلہ دریافت نہ کر سکے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ہم دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"شکر ہے کہ غزالہ کی رہائی کی ایک صورت تو نظر آئی ہے۔" اُس نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس بار اُس کی آزادی بہت ضروری ہے کیونکہ وہ بہت خطرناک اور بدفطرت لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔"

"ضروری تو ہے مگر اس قیمت پر نہیں جو بلیک کیٹ ٹی نے طلب کی ہے۔" میں نے فضا میں نظریں جما کر سخت لہجے میں کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" وہ بے پروائی سے بولی "میں بھی وہی سمجھی ہوں جو تمھارے ذہن میں ہے۔ یہ کوئی طاقتور بھارتی گروپ ہے جس کے ایجنٹ یہاں ڈاکوؤں اور مجرموں کی سرپرستی کر رہے ہیں اور ہم سے اسلحہ لے کر یہاں اپنی دہشت گردی اور تخریبی کارروائیوں میں تیزی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خریدار ہیں اور شی دُکاندار۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شی ہمیشہ اچھے گاہکوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ غزالہ کا معاملہ درمیان میں نہ آتا تب بھی یہ لوگ مجھ سے ضرور رجوع کرتے اور اسلحہ خریدنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یہ تو پھر بھی نقد کا ضرورت مند خریدار ہے جس سے ہم زیادہ دام بھی لے سکتے ہیں۔ یہ بڑی خوشی سے عالمی منڈیوں سے دو چار فیصد زیادہ قیمت دے دے گا۔ تمھیں یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ شی اکثر و بیشتر اُدھار یا قسطوں پر بھی اسلحہ فراہم کرتی رہتی ہے بشرطیکہ رقم ڈوبنے کا خطرہ نہ ہو۔ بعض مخصوص حالات میں شی نے اس شرط پر اسلحہ فراہم کیا ہے کہ سازش یا بغاوت کامیاب ہو گئی تو دوگنی رقم ادا کی جائے گی اور اگر ناکامی ہوئی تو خریدار ہر ذمّے داری سے بری ہو گا۔ میرے علم میں افریقہ کے دو ایسے واقعات ہیں اور دونوں ہی مرتبہ ہمارے خریدار کامیاب رہے تھے۔ یہ کھیل دُنیا بھر میں چلتے رہتے ہیں تم تو یہ سمجھو کہ اس سودے میں غزالہ بونس کے طور پر رہا ہو رہی ہے۔"

"وہ غزالہ کا ذکر درمیان میں نہ لاتا تو تمھارا ردِعمل کیا ہوتا؟" میں نے پوچھا۔

"میں خوشی سے اس کا سودا کرا دیتی۔ تمھیں دراصل میرے ابتدائی ردِعمل سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ابتدا میں بات آگے بڑھانے سے پہلے میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی فرضی گاہک نہ ہو مگر وہ اناڑی تھا۔ اس لیے فوراً ہی غزالہ کا ذکر نکال بیٹھا۔ ہم لوگ دیکھ بھال کیے بغیر نئے لوگوں کو قریب نہیں آنے دیتے۔"

"شی کے دونوں ہی روپ گھناؤنے ہیں۔" میں نے اپنے دل کی بات اس پر ظاہر کر دی "ہیروئن کے کاروبار کو میں ایک عرصۂ دراز تک قریب سے دیکھتا رہا ہوں اور آج اسلحے کا گندا کھیل بھی دیکھ لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ نے اس کرۂ ارض پر موت اور روگ پھیلانے کا ٹھیکا لیا ہوا ہے۔"

"یہ سب اُس دور کی بین الاقوامی ضرورتیں ہیں۔ انھیں میرا باپ پورا نہیں کرے گا تو کوئی اور آگے بڑھ کر اپنی جیبیں بھر لے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ جمی لائیڈ یا شی کے ختم ہوتے ہی دُنیا میں ہر طرف امن اور شانتی کا دور دورہ ہو جائے گا، جب تک اسباب کا خاتمہ نہیں کیا جاتا سیاسی اور معاشرتی بیماریاں اسی طرح پھلتی پھولتی رہیں گی۔"

"جو کچھ بھی ہو مگر میں اس سودے کے نتیجے میں غزالہ کی آزادی پر زندگی بھر اپنے آپ سے شرمندہ رہوں گا۔" میں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا "اپنے گاہک کے ساتھ تمھارا جو دل چاہے، وہ کرتی رہو مگر میں اس کی بیخ کنی ضرور کروں گا۔ تمھاری یہی مہربانی کافی ہے کہ تم نے مجھے بلا لیا اور اس طرح مجھے اس منحوس کے بارے میں کافی کچھ جاننے کا موقع مل گیا، جو رسوائے زمانہ مجرموں کو قانون کی تحویل سے نکال کر اُن سے اپنے کام لیتا ہے۔"

"بلیک کیٹ ٹی کو تو خیر تم غیر ملکی ایجنٹ کہہ رہے ہو لیکن میری بات لکھ کر رکھ لو کہ جب تم اس معاملے کی چھان بین کرو گے تو تمھیں اپنے نہ جانے کتنے شرفا اور معززین اس کے مددگار نظر آئیں گے۔ باہر سے آنے والے تخریب کار اسی وقت کامیاب ہوتے ہیں جب انھیں مقامی پناہ ملنے لگیں۔ تم ایک محبِ وطن شہری کی طرح اس کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔ میں تمھاری کامیابی کے لیے دست بہ دُعا ہوں۔ تم ایک پھوڑا کاٹ پھینکو گے لیکن اس سرطان کی ہزاروں نادیدہ جڑوں میں ہر شاخ سے ایک نیا پھوڑا اُبھرتا رہے گا۔ تم کس کس پر ہاتھ یا ہتھیار اُٹھاؤ گے؟ میری مانو تو اب یہ خیال اپنے سر سے نکال دو۔ شی کے لیے کام نہیں کرنا چاہتے تو نہ کرو اور غزالہ کو اپنے محبت انگیز سائے میں لے کر خاموشی سے کسی حسین شہر یا وادی میں روپوش ہو جاؤ۔ بلیک کیٹ ٹی تمھارا کوئی وار اوچھا پڑا تو وہ ہم پر معاہدہ شکنی کا الزام لگا کر غزالہ کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر بیٹھے گا کہ تم پچھتانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکو گے۔"

"میں تم کو تمھارے کام سے روک نہیں رہا، جو چاہتی ہو کرتی رہو۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے وہ سوچ سمجھ کر ہی کروں گا اور اگر ناکام رہا تو غزالہ کو تحفے میں تم سے وصول کروں گا۔"

"کم از کم غزالہ کے معاملے میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی، اس کے بارے میں میرے اپنے دل اور ضمیر پر بوجھ ہے۔ میں پوری طرح تمھارا ساتھ دوں گی..."

"وقت پڑنے پر میں خود تم سے مدد مانگ لوں گا لیکن کم از کم سوچنے کا کام تو مجھے تنہا ہی کرنا ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم سوچو اور بہت اچھی طرح سوچو۔ میرا خیال ہے کہ آخر کار تم کو مجھ سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ تم تنِ تنہا اس دُنیا میں کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔ اگر تم گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کا ارادہ کر لو تو میں جمی لائیڈ سے بات کر کے تمھاری اور اس کی صلح بھی کرا سکتی ہوں۔ وہ کبھی تمھاری سلامتی کے لیے خطرات نہیں کھڑے کرے گا۔"

"اس سودے کے بارے میں تم کو کس سے منظوری لینا ہو گی؟" میں نے وہاں سے اُٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" وہ قہقہہ مار کر بولی "ارے بابا! میں شی کے لیے منافع بخش بزنس حاصل کر رہی ہوں۔ اس سے مجھے کون روک سکتا ہے۔ ہاں، مجھے کچھ لوگوں سے فراہمی کی صورتِ حال اور موجودہ داموں کے بارے میں ضرور مشورہ کرنا ہو گا۔ میں اسے چکّر دے رہی تھی اور تم بھی اس چکّر میں آ گئے۔"

"اسٹنگر میزائل تو شاید تم اتنی آسانی سے فراہم نہیں کر سکو گی۔" میں نے اپنی محدود معلومات کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر کی۔ "امریکی حکومت اپنے حلیفوں کو بھی پس و پیش کے بعد یہ ہتھیار دے رہی ہے۔"

"یہ سب ڈھکوسلا ہے۔" وہ میرے ہمراہ ڈرائنگ روم سے باہر آتی ہوئی بولی۔ "آج کل ہتھیاروں کی ٹکنالوجی بہت مہنگی ہو گئی ہے۔ ایک نیا ہتھیار تیار ہونے تک اس کی ریسرچ پر لاکھوں بلکہ کروڑوں ڈالر خرچ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر ان کی محدود تیاری کے بعد کارخانے بند کر دیے جائیں تو امریکا کیا، کسی بھی ملک کی معیشت تباہی سے دوچار ہو سکتی ہے اور پھر محدود تعداد میں بننے والے ہتھیار اس قدر مہنگے ہوں گے کہ کوئی انھیں خرید ہی نہیں سکے گا۔ یہ عالمی پبلسٹی کا ایک نیا حربہ ہے کہ ہر نئے ہتھیار کو مہنگا دفاعی راز اور دوسروں کے لیے ممنوعہ قرار دینے کا ڈھول پیٹا جائے۔ اس طرح خریدار ممالک نئے ہتھیار پر تنقید کرنے یا اس کی خامیاں تلاش کرنے کے بجائے، اپنی رائے عامہ کے دباؤ کے تحت اسے خریدنے پر تُل جاتے ہیں ورنہ آج صنعتی جاسوسی اور ٹکنالوجیکل ترقی اس کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک ملک کا کوئی نیا ہتھیار بازار میں آنے سے پہلے اس کا حریف ملک اس کے توڑ پر کام شروع کر چکا ہوتا ہے۔ تمھیں امداد اور خیرات میں اسٹنگر

میزائل نہیں ملتے ہوں گے۔ زرِمبادلہ فراہم کرو۔ ڈالروں میں نقدادائیگی کا یقین دلاؤ تو میں تمھاری سرزمین کے ہر میل پر اسٹنگرز کے ڈھیر لگوا سکتی ہوں۔ دن رات چلنے والے اسلحہ ساز کارخانوں کی پیداوار سمندر میں تو نہیں پھینکی جا سکتی نا؟"

وہ جو کچھ جانتی تھی اس میں کتاب سے زیادہ شاید ورثے کا دخل تھا۔ اس کے بدن میں ایک اسمگلر کا خون دوڑ رہا تھا جو عالمی پیمانے پر ہیروئن، دیگر منشیات اور اسلحے کی تجارت میں سر سے پیر تک غرق تھا اس لیے ویرا سے بحث کر کے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔

میں اس کے گھر سے روانہ ہوا تو میرے ذہن پر سوچنے کے لیے خاصا مواد سوار تھا۔

فلیٹ پر سلطان شاہ اپنے کمرے میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ میں نے اس کے آرام میں خلل ڈالے بغیر اپنی خواب گاہ سے ٹریڈ لائن کے دفتر فون کیا تو سینڈو سے معلوم ہوا کہ جانو ماچھی کے آدمیوں کے بارے میں اسے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے آدمی فیلڈ میں مصروف تھے اور وہ ان کی کارکردگی کی طرف سے خاصا پُرامید تھا لیکن مجھے اس سے کوئی قابلِ ذکر خبر ملنے کی امید نہیں رہی تھی۔

اگر وہ جانو ماچھی کے فرار ہی کا معاملہ ہوتا تو ریاض ٹیڈی سے ہی بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا لیکن اس واقعے کے پس پردہ کام کرنے والے بلیک کیٹ ٹی کا کردار سامنے آ جانے کے بعد میری وہ امید ختم ہو گئی تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کا کام کرنے کا بنیادی اصول یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی پیش قدمی سے پہلے وہ اپنے پچھلے نقوش پا مٹاتے چلے جاتے ہیں تاکہ کوئی ان کے سائے کا بھی سراغ نہ لگا سکے۔

جانو ماچھی اور بلیک کیٹ ٹی، دونوں ہی اس کہانی کے گم شدہ کردار تھے لیکن ایک نام بہرحال میرے سامنے موجود تھا اور میں اس پر محنت کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کرنل مہیش پال لاکھ سفارتی افسر سہی، سینڈو اس کو بہت آسانی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے سکتا تھا مگر سینڈو کو اسلام آباد روانہ کرنے سے پہلے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ فرمان خاں اپنے پیشہ ورانہ انداز میں میرے لیے کیا کر سکتا تھا۔

فرمان خان کو پروگرام کے مطابق اپنا دن تفتیشی افسران کے ساتھ گزارنا تھا البتہ مجھ سے طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ چار بجے گھر پر موجود ہوتا اس لیے وقت گزاری کی خاطر میں نے جہانگیر کی فیکٹری کا نمبر ملایا۔

اُس کی دل کش سیلونی سیکرٹری خوش شکل ہونے کے ساتھ ہی خوش آواز بھی تھی اور اس سے بلاوجہ باتیں کیے جانے کو دل چاہتا تھا لیکن اس وقت کی گمبھیر صورتِ حال نے میرے وجود میں سے خوش دلی کی ہر رمق نچوڑ لی تھی اس لیے میں نے اس سے فوراً ہی جہانگیر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"صاحب بیمار ہیں اور دفتر نہیں آ رہے۔" مجھے پہچان کر اُس نے شستہ انگریزی میں آگاہ کیا۔

"اُس کی غیر موجودگی میں دفتری معاملات کی دیکھ بھال کون کر رہا ہے؟" میں بلاوجہ ہی سوال کر بیٹھا۔

"میں جو یہاں موجود ہوں۔" وہ دھیمے سے مترنم آواز میں ہنسی تھی۔

"میں بھول گیا تھا کہ وہ تمھاری اور تم دفتری معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہ اب صحت مند ہو چکا ہے اور اُسے دفتر آنا چاہیے وہ گھر پر رہ کر کیا کر رہا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ باس ہر جگہ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔" اُس نے بے بسی سے کہا اور میں نے اپنی اس غیر ارادی گفتگو کا سلسلہ فوراً ہی موقوف کر دیا۔

جہانگیر کے دفتر میں موجود نہ ہونے کا مطلب تھا کہ وہ غزالہ کے معاملے سے بے خبر تھا کیونکہ سلمٰی کی وجہ سے سلطان شاہ نے اس کے گھر فون کرنے سے پہلے ہی معذرت کر لی تھی۔

میری مزاج پُرسی کے جواب میں وہ فوراً ہی چہکنے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ ویک اینڈ گھر پر ہی گزار کر نئے ہفتے کی ابتدا سے دفتر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ میرے مصائب سے بے خبر تھا اس لیے اپنی رو میں کئی منٹ تک انٹ شنٹ بولتا رہا اور میں نہایت سکون سے وہ سب سنتا رہا پھر جب اس کو میری مزاج پرسی کا خیال آیا تو میں نے مختصر الفاظ میں اُسے صرف اتنا بتایا کہ غزالہ ایک ناگہانی حادثے کے نتیجے میں پولیس کی تحویل میں پہنچنے کے بعد حوالات سے اغوا کر لی گئی ہے۔

اگلے سوال کے جواب میں اغوا کنندہ کے طور پر جانو ماچھی کا نام سُن کر وہ حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔

"اُس ذلیل ہاری کی یہ مجال کہ وہ بھابی کو اُٹھا لے گیا!" اُس کے لہجے سے غم و غصہ عیاں تھا۔

"اوّل تو وہ اُسے اٹھا کر نہیں لے گیا، چلا کر لے گیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے ساتھ کہا پھر سوال کیا۔ "یہ تم جانو ماچھی کے بجائے کون سے ذلیل ہاری کا ذکر لے بیٹھے ہو؟"

"میں اُسی کا ذکر کر رہا تھا۔ چند برس پہلے جانو میر رجب علی کا ہاری ہوا کرتا تھا۔ میر رجب علی میرا دوست اور دادو کا بہت بڑا زمیندار ہے۔ رجب علی کے سامنے وہ بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ جسم کا مضبوط تھا اس لیے رجب علی لڑائی جھگڑے والے معاملات میں اسی کو آگے رکھتا تھا۔ مجھے تو آج کے اخبار میں اس کی تصویریں دیکھ کر علم ہوا کہ وہ مسکین سا ہاری آج کا جانو ماچھی بنا ہوا ہے۔ . ."

"تمہارا کیا خیال ہے؛ کیا وہ آج بھی میر رجب علی کا ہی محکوم ہوگا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"نمک حرام نکلا ہے وہ۔" جہانگیر کی غصیلی آواز اُبھری۔ "اخبار دیکھ کر میں نے میر کو فون کیا تھا؛ وہ اس سے بہت نالاں ہے کیونکہ جانو کئی بار اس کے مویشی بھی کھول کر لے جاچکا ہے۔"

"پھر تمہیں اس کا نام عزت سے لینا چاہیے۔ کیونکہ اب وہ تمہارے کسی دوست کا ملازم نہیں رہا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم میر سے سفارش کر کے اس کی کھال میں بھوسا بھروا دوگے۔"

"نشتر زنی نہ کرو۔" وہ بُرا مان کر بولا تھا۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں سجدا ہی کرتا، پھر تم بھابی کی بازیابی کے لیے کیا کر رہے ہو؟ اخبار میں تو اس بارے میں کچھ نہیں تھا۔"

"افراتفری میں کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ تھانے میں کیا ہوا تھا۔ مجھے اندر والوں سے یہ خبر ملی ہے۔ فی الحال صبر یا انتظار کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بھابی کی طرف سے ابھی تمہارا دل صاف نہیں ہوا ہے۔"

"دل صاف ہے۔" میں نے قدرے برہم ہو کر کہا۔ "لیکن وہ ایک بار میرے سامنے تو آئے۔ کبھی حالات اسے مجھ سے دور دھکیل دیتے ہیں اور کبھی وہ خود مجھ سے دور بھاگنے لگتی ہے۔ ایک بار ملاقات ہو تو میں اس سے کم از کم یہ تو پوچھ ہی سکتا ہوں نا کہ اب ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے؟"

"پولیس اغوا کی اس واردات سے لاعلم ہے اور تم کچھ نہیں کر سکتے تو اب غزالہ کا کیا بنے گا؟"

"میں بالکل ہی ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بھی نہیں بیٹھا ہوا ہوں۔ کچھ لوگوں کو ہلایا جلایا ہے۔ اب دیکھو کہ ان کوششوں کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔ فی الحال تو بہتر امیدوں کے ساتھ انتظار ہی کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہارے وہ آدمی کہاں ہیں جنھوں نے ہمارے گھر پر ماجے کے آدمیوں کی یلغار اور اس سے پہلے دلدار آغا کے حملے کا مقابلہ کیا تھا۔ انھیں سارے شہر میں پھیلا کر کچھ نہ کچھ تو کیا ہی جا سکتا ہے۔"

"تم بیمار بن کر گھر پر پڑے ہوئے ہو اس لیے ان باتوں پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "غزالہ کے سلسلے میں جو کچھ کر سکتا ہوں، وہ کر رہا ہوں۔ تم بس اتنا کرو کہ فون کر کے میر رجب علی کو غزالہ کے بارے میں ہوشیار کر دو، میں نے سنا ہے کہ جانو ماچھی کی کمین گاہیں دادو کے جنگلات میں ہی ہیں۔ . . ."

"میر سے تم کیا توقع کر رہے ہو؟" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"وڈیرے اور جاگیردار اپنی میری پیری کو رواں رکھنے کے لیے نہ صرف اپنے غنڈے پالتے ہیں بلکہ ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کی سرپرستی بھی کرتے ہیں۔ تمہارے میر کے آدمی کچھ اور نہ کر سکے تو کم از کم یہ خبر تو دے ہی سکیں گے کہ جانو جنگلات میں اکیلا ہی داخل ہوتا ہے یا کوئی لڑکی بھی ساتھ لے کے آتا ہے؟"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔" اس نے پُرخلوص لہجے میں اقرار کیا تھا۔ "چاہو تو میں خود تمہارے ساتھ گوٹھ اللہ داد چلنے کے لیے تیار ہوں۔ میر تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔ بہترین میزبانی کے ساتھ ہی اپنے بہترین آدمی بھی ہمارے حوالے کر دے گا۔ یہاں رہ کر کسی خبر کا انتظار کرنے کے بجائے ہمارا وہاں موجود رہنا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"میں فی الحال یہ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میری اطلاعات کے مطابق فی الحال غزالہ کراچی ہی میں کہیں قید ہے۔ میرے لیے کئی افراد کام کر رہے ہیں۔ میں گوٹھ چلا گیا تو ان سب سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ ویسے بھی غزالہ اگر کراچی میں ہے تو ہم دادو میں کیا کر سکیں گے۔"

"یہ تو معاملہ ہی دیگر ہو گیا ہے۔ . . . میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ ہمیں سر جوڑ کر کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"سلمیٰ کو بھی ساتھ لا رہے ہو نا؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔ کیونکہ اس وقت میرے لیے سلمیٰ کو برداشت کرنا تقریباً ناممکن ثابت ہو سکتا تھا۔

"نہیں! میں اکیلا آ رہا ہوں۔" اس کا جواب سن کر میرا دل خوش ہو گیا۔ "آج اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ اسے ہی

[...]سپتال میں داخل کرا دیا ہے۔ وہ تین دن وہیں رہے گی۔"

[...]پھر جلدی آؤ! میں انتظار کر رہا ہوں۔ ایک آدھ بوتل بھی [...]لیتے آنا۔"

[...]میں نے سلسلہ منقطع کیا تو سلطان شاہ دروازے میں موجود تھا [...]کے چہرے سے بھی فکرمندی ٹپک رہی تھی اور وہ بہت زیادہ [...]پریشان نظر آ رہا تھا۔

[...]غزالہ کے سلسلے میں ویرا کے مکان پر جو سنسنی خیز پیش رفت [...]ہوئی تھی اس کے بارے میں میں جہانگیر کو اعتماد میں نہیں لے سکتا [...]لیکن سلطان شاہ کو سب کچھ بتانا ناگزیر تھا۔

[...]وہ حیرت سے مُنہ پھاڑے میری کہانی سُنتا رہا۔ میرے خاموش [...]ہونے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر دو ٹوک الفاظ میں اپنی رائے [...]دی تھی۔ "اب ہمارے سامنے صرف کرنل مہیش پال موجود ہے [...]وقت ضائع کیے بغیر اس حرامزادے پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے [...]یہ غزالہ کے ساتھ ہی ملک کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کا [...]معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹ فی آخر میں غزالہ کو رہا [...]کرنے سے انکار کر دے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا ہم بلیک کیٹس کی یقین دہانی پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے۔ "میں صبح سینڈو کو اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ کرنل کو وہ صحیح طرح سے قابو میں لے گا۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

"اس طرح تم معاملات کو پھر اُلجھا دو گے۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "وہ میرا اپنا علاقہ ہے میں اسے بے بس کر کے آسانی کے ساتھ کراچی لا سکتا ہوں۔ یہاں ہمیں بہت سی آسانیاں حاصل ہیں۔"

"راستے میں تم سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ اسے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"کرائے کی پرائیویٹ ٹیکسیوں میں اکثر و بیشتر ادھر سے مریض کراچی لائے جاتے ہیں۔ ایک آدھ آدمی کو اُجرت پر ساتھ لے لوں گا اور راستے بھر اسے اتنی افیم کھلاتا رہوں گا کہ وہ ہوش ہی میں نہ آ سکے۔ اگر مجھے آج کی فلائٹ مل گئی اور کرنل اسلام آباد میں موجود ہوا تو میں زیادہ سے زیادہ پرسوں رات تک اسے یہاں لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ کام ہمیں خود ہی کرنا چاہیے۔ سینڈو سے کام لیا تو مافیا میں تمہاری پوزیشن خطرے میں پڑ سکتی ہے کیونکہ کرنل کوئی عام آدمی نہیں بلکہ ایک اہم سفارتی عہدے دار ہے۔"

اس سے مشورہ کر کے میں نے کبھی کوئی نقصان نہیں اُٹھایا تھا۔ اس کی احمقانہ رائے کو میں خندہ پیشانی کے ساتھ ٹال دیتا تھا لیکن کام کی باتیں ہمیشہ معاون ثابت ہوتی تھیں۔ سینڈو یہ شک مجھ سے کچھ دریافت نہ کرتا لیکن وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتا تھا کہ مجھے ایک سفارتی افسر کے اغوا کی ایسی کون سی ضرورت پیش آ گئی تھی جس کا مافیا سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ پھر وہ اپنے اسی تجسس سے مجبور ہو کر سیٹھ حبیب جیوانی کو اس کی واپسی پر اس معاملے سے آگاہ کر سکتا تھا۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ڈان تھری کی خواہش پر مجھے مافیا کے مقامی بیورو میں مامور کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈان کی نظروں میں میری کیا وقعت تھی۔ اسے یہ بھی نظر آ رہا ہو گا کہ آگے چل کر میں اس کی سربراہی کے لیے چیلنج بن سکتا تھا جب کہ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی موت اور اس کی میڈیکل فائل کا تضاد ختم ہونے کے بعد وہ سرکاری طور پر آنجہانی ہو چکا تھا اور نام تبدیل کر کے بے خوف د خطر آزادی کی زندگی گزار سکتا تھا اس لیے وہ میری کسی بھی بڑی کمزوری یا کوتاہی کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے اسے ڈان تھری کے علم میں لے آتا تاکہ اس پر میری برتری قائم ہونے کا موہوم سا خطرہ بھی باقی نہ رہے۔

میں نے بلا پس و پیش سلطان شاہ کی تجویز منظور کر لی "تم آج بلکہ ابھی روانہ ہو جاؤ — ائر پورٹ پر ڈیرا ڈال دو گے تو کسی نہ کسی پرواز میں جگہ مل ہی جائے گی لیکن یہ دھیان رکھنا کہ کرنل کو اغوا کرنے کے بعد تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ اسے ہوا بھی نہ لگنی چاہیے کہ اسے کس معاملے میں اغوا کیا گیا ہے۔"

"تم بے فکر رہو" وہ فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑتا ہوا بولا۔ "اغوا کے بعد سے یہاں پہنچنے تک وہ ہوش میں ہی نہیں آنے پائے گا جو اس سے کوئی گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ وہاں سے چلنے سے پہلے فون پر تم کو خبر بھی دے دوں گا لیکن تم اسے قید کہاں کرو گے؟" آخر میں اُسے وہ اہم نکتہ یاد آ گیا۔

"تم فکر نہ کرو" میں نے اُسی کے لہجے میں جواب دیا۔ "فلیٹ میں اس کی چیخیں باہر دُور تک سُنی جائیں گی۔ میں اسے جہانگیر کی فیکٹری میں رکھوں گا جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکے گا۔"

سلطان شاہ نے نہا دھو کر تیار ہونے میں بہت عجلت سے کام لیا تھا کیونکہ چار بجے کے قریب ایک پرواز براہِ لاہور، اسلام آباد کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ وقت کا خیال رکھنے والے بیشتر مسافر اسلام آباد جانے کے لیے اس پرواز کو پسند نہیں کرتے تھے اور لاہور جانے والوں کی تعداد ان دنوں بہت زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لیے لاہور کے راستے اسلام آباد جانے والوں کو اس پرواز پر نشست مل ہی جاتی تھی۔

اسے روانہ کیے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جہانگیر فلیٹ پر آ موجود ہوا۔ وہ کئی دنوں بعد گھر سے باہر نکلا تھا، اس لیے استری کیے ہوئے صاف ستھرے لباس میں بہت ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔

غزالہ کے بارے میں وہ بہت زیادہ تشویش میں مبتلا تھا۔ غزالہ سے میرے تعلق کے علاوہ خود اس کے اخلاق کی وجہ سے میرے شناساؤں میں غزالہ کے لیے غیر معمولی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مگر اس حالت میں بھی پینے پلانے کی عادت بد نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

چند پُر سوز فقروں اور پُر جوش تجویزوں کے بعد اس نے خود ہی لوازمات جمع کر کے بوتل کھول لی۔

"یہ دُکھ درد تو یار زندگی کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں۔" اُس نے گلاسوں میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے اللہ والوں کی طرح بے نیازی سے کہا تھا۔ "انھیں بھول جانے یا ان کا بار ہلکا کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو آدمی زندہ ہی درگور ہو جاتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے اُس کی تائید کرتے ہوئے اپنا گلاس اُٹھا لیا۔

ہم نے ایک ایک گھونٹ لے کر سرور میں آنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ بیرونی دروازے کے قفل میں ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ وہ دروازہ میری خواب گاہ سے صاف نظر آتا تھا اس لیے چابی گھومنے کے میکانی کھٹکوں کی خفیف سی آواز کے بعد لیور نے حرکت کی اور میں اپنی جگہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کوئی تالا کھول کر اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔" جہانگیر نے سراسیمہ سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ خوف کی وجہ سے اس کی آنکھیں پھیل کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں مسلسل دروازے پر مرکوز تھیں۔

آخر لمحہ بھر میں دروازہ کُھل گیا۔ اس خلا میں پیش قدمی کرنے والے وجود کو دیکھ کر جہانگیر کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی عجیب آواز برآمد ہوئی اور گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل ٹاپ پر پُر شور آواز سے ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اُسے دیکھ کر جہانگیر پر ایسی سراسیمگی طاری ہوئی کہ وہ قطعی غیر ارادی بلکہ مشینی طور پر اپنی کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ اُس کے انداز میں خوف کے ساتھ ہی عزت و تکریم کا پہلو بھی نمایاں تھا۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس سے کہا۔ "نقب زنی کرنے کے بجائے تم ڈور بیل بھی بجا سکتی تھیں۔"

"میں نے سوچا کہ کہیں گھنٹی کی آواز تمھاری نیند میں مخل نہ ہو۔" اُس نے مڑی ہوئی ناکارہ بال پن ڈسٹ بِن میں پھینکتے ہوئے کہا۔ "جب تک تم یہ ناکارہ قفل نہیں بدلواؤ گے میں اسی طرح آتی رہوں گی۔"

میں نے اُس کا نام نہیں لیا تھا اور نہ ہی جہانگیر نے کبھی ویرا کو دیکھا تھا اور نہ ہی اُس کی کوئی تصویر دیکھی تھی پھر بھی اُس نے ویرا کو محض اندازے سے شناخت کر لیا تھا۔

اُس کی اس وقت کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ویرا سے غائبانہ طور پر ہی بہت خائف تھا۔ ویرا کے اچانک سامنے آ جانے سے اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اُس کے لیے ویرا جمی لائیڈ کی بیٹی اور اُس شی کی سربرآوردہ شخصیت تھی جس کو پروان چڑھانے کے لیے جہانگیر نے دن یا رات کی پروا کیے بغیر اپنے خون پسینے کی قربانی دی تھی۔ اُس زمانے میں شی والوں میں ویرا بلیک کوئین کے نام سے جانی جاتی تھی اور مدتوں میں شاید دو بار ہم لوگوں کے سامنے آئی تھی۔ بلیک کوئین کے روپ میں وہ سر سے پیر تک سیاہ اور چست لباس میں ملبوس ہوتی تھی، کوئی اس کی صورت سے واقف نہیں تھا لیکن اس کی بربریت اور سفاکی سے ہر ایک ہی لرزہ براندام رہتا تھا۔ ایک اجلاس میں تو ویرا نے کسی بات پر ناراض ہو کر کھڑے کھڑے اپنے ہی ایک اہم کارکن کو گولی مار کر موت کی نیند سُلا دیا تھا۔ اُس نے اجلاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیا لیکن بلیک کوئین کی ہیبت کی وجہ سے اُس کے دن رات کے ساتھی بھی اُس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ اس لاش کو چھیڑے بغیر وہ اجلاس اس طرح جاری رہا تھا جیسے ویرا نے اپنے سر پر بھنبھنانے والی کسی مکھی کو مارا ہو۔ اجلاس کے اختتام پر وہ لاش پر نگاہ ڈالے یا اُس کے بارے میں کسی کو کوئی ہدایت دیے بغیر سرد مہری کے ساتھ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

ویرا کے صرف اس بھیانک روپ سے واقف ہونے کی وجہ سے جہانگیر کی دہشت اپنی جگہ حق بجانب تھی۔ ویرا کے بارے میں سنائی ہوئی سلطان شاہ کی کہانیاں اور سلمیٰ کی تلخ کلامیاں بھی جہانگیر کے دل سے اُس کا خوف کم نہیں کر سکی تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شی پر بُرا وقت آنے کے ساتھ ساتھ اُس کا شیرازہ اس طرح بکھر اتھا کہ بعد میں آنے والوں میں سے کسی نے جہانگیر سے کام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی ورنہ وہ اُس وقت بھی شی کا ایک وفادار کارندہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شی میں ایک مرتبہ شمولیت اختیار کر لینے کے بعد ہر شخص زندگی بھر شی کا غلام رہتا ہے یا اپنی قیادت کے فیصلوں سے انحراف کرنے پر مار دیا جاتا ہے۔ شی کو چھوڑ کر یا اس سے باغی ہو کر کوئی زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے زیرِ زمین دنیا میں شی کے کسی سابقہ کارکن کا کوئی وجود نہیں ملتا تھا۔ یہ اعزاز صرف میرے ہی نصیب میں آیا تھا یا پھر میرے ستارے یاور تھے کہ میں اُن لوگوں سے بغاوت کر کے بھی اُن کے سینے پر مونگ دَلنے کے لیے زندہ تھا۔

شی والا رابطہ ٹوٹ جانے کے بعد جہانگیر نے چند روز قبل ویرا کے وہ بھیانک تیور بھی دیکھے تھے جب وہ مسلح آدمیوں کے جتھے لے کر مجھے ہلاک کرنے کے ارادے سے جہانگیر کے مکان پر چڑھ دوڑی تھی۔ اُس رات ویرا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہانگیر کے گھر پر اس قدر شدید حملہ کیا تھا کہ گھر میں محصور ہو جانے والے ہر فرد کو وہ کائنات کی آخری طویل رات محسوس ہونے لگی تھی جسے ٹالنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

جہانگیر کے ذہن سے ویرا کی وہ دہشت دُور کرنے کے لیے مجھے اپنی جانب سے پیش رفت ضروری محسوس ہو رہی تھی ورنہ وہ ویرا کے قرب کے خوف سے ہی سہم کر اپنا خاصا وزن کھو بیٹھتا۔ ویرا بھی پکی بدمعاش تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ میں خواب گاہ میں اکیلا نہیں تھا اور شاید وہ یہ قیاس بھی کر چکی تھی کہ وہ میرا جگری دوست، جہانگیر تھا لیکن اُس نے ابتدا سے ہی اُسے بُری طرح نظر انداز کیا ہوا تھا۔ ایک بار بھی اُس سے مخاطب نہ ہوئی تھی اور نہ اُس پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

"یہ میرا دوست جہانگیر ہے اور یہ میری دوست ماریانا گبرائیل۔" میں نے اُن دونوں کا رسمی تعارف کراتے ہوئے اُن سے باری باری مخاطب ہو کر اُن کے نام دُہرائے۔ جہانگیر کو میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس مرتبہ ویرا ایک فرضی نام سے پاکستان میں وارد ہوئی تھی مگر ویرا کو بھی یہ جتانا مقصود تھا کہ میں نے اپنے قریب ترین دوست کو بھی اُس کے راز میں

شریک نہیں کیا تھا کیونکہ وہ خود اس بارے میں رازداری کی خواہاں تھی۔

تعارف ہوتے ہی ویرا نے باچھیں پھیلا کر بلاتردّد اپنا داہنا ہاتھ جہانگیر کی طرف بڑھا دیا۔ جہانگیر نہ کچھ بول سکا اور نہ ہی اُس سے نظریں چار کرنے کی ہمت کر سکا۔ میں نے دیکھا کہ ویرا سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس کا داہنا ہاتھ یوں کانپ رہا تھا جیسے اُس پر رعشہ طاری ہو گیا ہو۔

خواب گاہ میں دو کرسیاں موجود تھیں۔ تیسرا امیر البستر تھا، لیکن وہ کمرا تین افراد کی نشست کے لیے ناکافی تھا۔ اس لیے میں اپنا گلاس لے کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ "بوتل وغیرہ بھی ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔ ماریانا بھی ہمارا ساتھ دے گی۔" میں نے چلتے چلتے جہانگیر سے کہا تھا۔

"مادام کے لیے اسکاچ ہی چلے گی یا شیری کا بندوبست کروں؟" جہانگیر نے ہم دونوں کی تقلید کرتے ہوئے کسی جدّی پشتی غلام کی طرح مجھ سے سوال کیا تھا۔

میں اُس کی بزدلی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ویرا کی سفید چمڑی اور شی میں اُس کی بالادستی کے باوجود اس کے تعارف کی رسم اردو زبان میں ادا کی گئی تھی جو جہانگیر کو اس کی پوشیدہ شخصیت سے متعارف کرانے کے لیے ضرورت سے زیادہ کافی تھی پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ویرا سے میرے مراسم کی نوعیت کیا تھی لیکن اس کے باوجود وہ ویرا کے سائے سے بھی یوں پگھلا جا رہا تھا جیسے وہ اُسے صحیح سالم ہی نگل جائے گی۔

"شیری کی ضرورت نہیں، مس گیرائیل نیٹ وسکی پیتی ہے۔" میں نے پلٹ کر جہانگیر کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "میری یا تمھاری کم ظرفی کی وجہ سے اگر یہ وسکی میں پانی یا برف کے ڈلے ڈال لے تو دوسری بات ہے۔ اس لیے جو حاضر ہے وہی لے آؤ تو کافی ہے۔"

"سب لوگ تمھاری طرح بے مہر اور سنگ دل نہیں ہوتے۔" ویرا ہم دونوں کے مکالموں سے محظوظ ہو کر ایک جاندار قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔ "جہانگیر مجھ جیسی خوب صورت لڑکیوں کے معاملے میں تم سے کہیں زیادہ نرم دل اور [illegible] ہے۔ میں اس کی نرم خوئی کی دل سے قدر کرتی ہوں۔"

"بدمعاشی کی ضرورت نہیں۔" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اسی سرد لہجے میں کہا۔ "اوّل تو تم کسی بھی معیار سے خوب صورت نہیں ہو، صرف قبول صورت کہی جا سکتی ہو۔ دوم یہ کہ تم لڑکی نہیں بلکہ ایک بھرپور اور تجربہ کار عورت ہو جو کسی بھی مرد کو ناک آؤٹ کرنے کے فن سے آشنا ہو۔ اس لیے میں تم کو جہانگیر پر پنجہ آزمائی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ شرافت سے ہمارے ساتھ بیٹھو اور کسی کی مردانگی کو للکارے بغیر جو کچھ پی سکتی ہو، وہ پی کر یہاں سے چلتی پھرتی نظر آؤ۔ یہ توقع نہ رکھنا کہ تم اپنی اداؤں سے ہمارے درمیان کوئی پھوٹ ڈلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔ میں اگر کنوارا ہوں تو جہانگیر ایک عدد خوبصورت اور ذہین بیوی کا مالک ہے۔"

"میں نے آج تک تم سے بڑا مسخرہ نہیں دیکھا ہے۔" وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر دراز ہو کر ہنستے ہوئے بولی۔ "تم اپنے ایک فقرے میں دو لطیفے سناتے ہو۔ پہلا یہ کہ تم کنوارے ہو اور دوسرا یہ کہ جہانگیر ایک عدد بیوی کا مالک ہے۔" اُس نے لفظ مالک پر تضحیک آمیز انداز میں زور دیا تھا۔ "لڑکی یا عورت بذاتِ خود ایک بااختیار ذات ہوتی ہے۔ وہ کوئی چوپایہ یا مویشی نہیں ہوتی جس کے مالک نامزد یا مقرر کیے جا سکیں۔ تمھارے دوست نے اگر کسی لڑکی سے شادی کر لی ہے تو وہ اپنی بدقسمتی سے اس کی بیوی ضرور کہلا سکتی ہے لیکن ملکیت قرار نہیں دی جا سکتی۔ تم میرے سامنے عورتوں کی ایسی تذلیل نہیں کر سکتے۔"

"نہیں کرتا۔" میں نے اُس کے لیے اسکاچ کا نیا گلاس تیار کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں اُس لڑکی کے بارے میں کیا کہوں جو عورت بننے کی آرزو میں میرے سامنے ایک پیج کی طرح بچھی جاتی ہو؟"

"زیادہ بکواس نہ کرو۔" وہ تلخ لہجے میں غرائی۔ "تم میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو ایک آبرومند لڑکی تمھارے لیے ایک کھلونا بننے پر تُل جائے گی؟"

"سرخاب کے پر؟" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "میں تو آج بھی اپنے سرخاب کے اُن پروں کی تلاش میں ہوں جو گوری چمڑی والیوں کو میرا دیوانہ بنا دیتے ہیں۔"

"کم از کم میں اس زمرے سے خارج ہوں۔" وہ اپنا گلاس اٹھا کر جلدی سے مدافعانہ لہجے میں بولی۔ "میری چمڑی بھی گوری ہے اور میں تمھاری دوست بھی ہوں مگر میں ہمیشہ سے اپنی مرضی کی مالک رہی ہوں۔ مجھے کھلونا بنانے کی آرزو کرنے والے ہمیشہ خاک چاٹتے ہوئے نظر آئے ہیں۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو مادام!" جہانگیر پھر رشتہ غلطی ہونے لگا۔ اُس کے ذہن سے بلیک کوئین اور ویرا کا بھوت شاید اُتر گیا تھا اور وہ خود کو ایک آزاد خیال، سفید فام اور خوبرو حسینہ کے رُوبرُو محسوس کرنے لگا تھا جو ذرا سی محنت کے نتیجے میں اس کے سامنے سپر ڈال سکتی تھی۔

"تم پر جو شخص بھی الزام لگائے گا میں اُس کی گردن اُڑا دوں" جہانگیر نے اپنے دوسرے گلاس کی ترنگ میں کہا۔ "تم پوری طرح اپنی مرضی کی مالک ہو۔ چاہو تو کسی سے ملو اور نہ چاہو تو کسی کے چہرے پر بھی تھوک دو۔ تمھارے سامنے کسی کی کیا مجال کہ کچھ بھی بول سکے۔"

"ابے اُلو کے چرخے! یہ مس ماریانا گیرائیل ہے۔" اُس کے مرے پر میں تلملا کر غیر ارادی طور پر بول پڑا۔ "اسے تم اپنی اماں سمجھ رہے ہو؟"

"خبردار! جو میری ماں کے بارے میں کچھ کہا۔" جہانگیر کے رنگ یک لخت بدل گئے۔ "مرجانے والے بزرگوں کی شان میں دراز سرائی میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم بلاوجہ بہک رہے ہو۔ میں تو ایک زندہ اور جیتی جاگتی عورت کی بات کر رہا تھا۔" میں نے اُس کی بات اچکتے ہوئے کہا۔ "جو اس وقت بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔"

"میرے لیے یہ بھی قابلِ احترام ہے۔" وہ اپنی جھونک میں بولا۔ "جب تک کوئی عورت تمھارے ساتھ خلوت میں نہ ہو تم کو اس کے بارے میں ادب و آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اگر ہم لوگ ہی عورتوں کی عزّت کا خیال نہیں رکھیں گے تو اس کام کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں اُتارے جائیں گے۔"

"جس طرح بیوی خلوت اور جلوت میں صرف اور صرف بیوی ہوتی ہے اسی طرح گرل فرینڈ ہر جگہ اور ہر حالت میں گرل فرینڈ ہوتی ہے۔ جب ماریانا کو میری کسی بات پر اعتراض نہیں تو تم کیوں اس کے ماموں بننے کی کوشش کر رہے ہو؟ یہ ہماری آپس کی باتیں ہیں، تمھیں اِن میں دخل انداز ہونا ہی نہیں چاہیے۔"

ویرا بڑی دلچسپی کے ساتھ جہانگیر کا جائزہ لے رہی تھی جو اس وقت پوری سنجیدگی کے ساتھ اُس کی یک طرفہ حمایت پر تلا ہوا تھا۔ ویرا کے ساتھ بیٹھ کر اُس نے خلافِ عادت دو تین لمبے گھونٹ لے لیے تھے جن کے نتیجے میں نہ صرف اُس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے بلکہ شاید اس کی عقل بھی ماؤف ہونے سے پہلے سن ہو کر رہ گئی تھی اور وہ بس اپنی رَو میں بولے جا رہا تھا۔

"تمھاری آپس کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کر بے پروائی کے ساتھ بولا۔ اس کی مخمور نگاہیں بار بار بہک کر ویرا کے وجود پر جمی جا رہی تھیں اور ویرا اپنی ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اندازہ کر کے زیادہ بے حجابانہ انداز میں میز پر یوں جھک کر بیٹھ گئی تھی کہ اس کے بدن کے نظر آنے والے حصے بھی جہانگیر کو مہمیز دینے لگے تھے۔

"آپس کی بات ہوتی تو مادام، تم سے یہ نہ کہتی کہ اسے کھلونا سمجھنے والے ہمیشہ خاک چاٹتے ہیں۔ تم میرے سامنے اس خوبصورت اور معزز خاتون کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔" مجھ سے بات کرتے ہوئے اس نے اپنے خالی گلاس میں اسکاچ انڈیل کر اُس میں پگھلی ہوئی برف کا نخ پانی ملا لیا تھا۔

"اس معزز خاتون کو تم کب سے جانتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے بدمزہ لہجے میں سوال کیا۔

"جاننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ویرا کے لبوں پر سلگتی ہوئی مسکراہٹ نے اس وقت جہانگیر کی کھوپڑی ہی چوپٹ کر کے رکھ دی تھی۔ "مجھ جیسے شائستہ آدمی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اس وقت میری مہمان ہے۔"

ویرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تمھارا دوست تم سے زیادہ مہذب اور ذہین ہے ڈینی! اس سے بحث کرنے کے بجائے تم کو اپنی غلطی تسلیم کر لینی چاہیے۔"

"بالکل۔" جہانگیر نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر پرزور انداز میں اُس کی تائید کی۔ "غلطی تسلیم کر کے خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو یا پھر یہاں سے چلے جاؤ۔ میں مادام کی عزت افزائی کا یہ موقع کھونا نہیں چاہتا۔"

میں نے بھنّا کر اپنی نشست چھوڑ دی۔ "میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔ پتا نہیں کہ ماریانا گیرائیل میں تم کو اپنی کون سی بزرگ مادام کی شباہت نظر آ رہی ہے؟ لیکن یہ یاد رکھنا کہ ماریانا نرم و نازک سی لڑکی نہیں ہے۔ جوڈو کے سہارے یہ بڑے بڑے توانا مردوں کے دانت کھٹے کر سکتی ہے۔" میں تیز اور غصیلے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ ویرا نے بوکھلا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

"ارے بیٹھو۔" وہ اضطراری مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مذاق ہی مذاق میں تم دونوں لڑ بیٹھو گے۔ میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنے آئی تھی۔"

جہانگیر نے آنکھیں پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھا اور پھر مایوسی سے اُس کا چہرہ لٹک گیا۔

"یہ نشے میں ہے اور کچھ نشہ تم نے اپنی حرکتوں سے گہرا کر دیا ہے۔" میں نے جہانگیر کو سنانے کے لیے تلخ اور قدرے بلند آواز میں کہا۔ "آج اُس نے محض تمھاری وجہ سے مجھے یہاں

سے نکل جانے کی دھمکی دے کر میری شدید بے عزتی کی ہے۔ میں یہاں نہیں رک سکتا۔ تمہیں مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے تو میرے ساتھ چلو، ہم باہر کسی ہوٹل میں بیٹھ کر بات کر لیں گے . . .“

”ہوٹل میں ہم آزادی سے بات نہیں کر سکتے۔“ ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ”دوستوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر نہیں لیا کرتے۔ جہانگیر ابھی تم سے معافی مانگ لے گا۔“

مجھے اندازہ تھا کہ جہانگیر کو اُکسانے میں ویرا کا ہاتھ تھا اس لیے میں خود بھی اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اور ویرا جہانگیر کی طرف بڑھ گئی۔

”ڈینی، میرے بارے میں منہ پھٹ اور گستاخ ضرور ہے لیکن تم کو بھی اس کے ساتھ اتنی ترش روئی کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔“ وہ اپنے نرم و گداز ہاتھ سے اُس کی پشت سہلاتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولی۔ ”بعض اوقات ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر عمر بھر کی دوستیاں پل بھر میں ختم ہو جاتی ہیں۔“

جہانگیر ٹس سے مس ہوئے بغیر کسی اُداس اُلو کی طرح ٹھس بیٹھا رہا۔ ویرا کے خاموش ہونے پر اُس نے اپنے گلاس سے ایک اور لمبا گھونٹ لیا تھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا تھا۔

ویرا نے اپنے دستِ شفقت کو رائیگاں جاتے ہوئے دیکھ کر پینترا بدلا اور جہانگیر سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ ”اب اُٹھو اور ڈینی سے معافی مانگو نا۔“ اُس نے اِٹھلاتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

جہانگیر ایک جھرجھری لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ویرا نے اُس کے بدن میں برقی رَو دوڑا دی ہو۔ وہ ویرا کی طرف مڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ ”تم واقعی بہت نرم دل اور مہربان دوست ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ دوستوں کے بارے میں ڈینی جیسے ناقدرے اور ناشکرے کا نصیب اتنا اچھا کیوں ہے؟“

ویرا نے شاید اُس کی مخمور آنکھوں میں کچھ پڑھ لیا تھا کیونکہ وہ تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔ ”مقدرات کو بدلنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ بس تم جلدی سے ڈینی سے صلح صفائی کر لو تاکہ میں کچھ کام کی بات کر سکوں۔“

”تم کہو گی تو میں اس کے پیر بھی پکڑ لوں گا مگر تم مجھے بس ایک سوال کا جواب دے دو۔“ اُس نے التجا کی اور میں مخمصے میں پڑ گیا کہ اس مرحلے پر جہانگیر کو کون سا نازک سوال یاد آ گیا تھا۔

”سوال محبت کے بارے میں نہ ہونا چاہیے۔“ ویرا نے بلا توقف شرط عائد کر دی۔ ”مجھ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ میں محبت کے بارے میں مستقل مزاج نہیں ہوں۔ دل بھر جاتا ہے تو جوتوں اور کپڑوں کی طرح محبوب بھی بدل لیتی ہوں اور یہ سب آناً فاناً میں ہوتا ہے . . .“

”محبت تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔“ میری توقع کے برعکس جہانگیر نے عقل کی بات کی۔ ”میں تو تمہاری زبان سے صرف یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم ماریا ناگبرائیل نہیں ہو۔“

”ہاں، میں ماریا ناگبرائیل نہیں ہوں۔“ ویرا اُس کی طرف دیکھ کر میٹھے انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔

”پھر کون ہو؟“ جہانگیر اس بارے میں اس قدر متجسس اور پُرہیجان ہو گیا تھا کہ اُس کے سانسوں کی آواز مجھ تک سُنائی دینے لگی تھی۔

”ایک حسین اور خوبرو لڑکی۔“ ویرا کے بھرے بھرے گلابی ہونٹوں پر مسکان گہری ہو گئی۔ ”ایک اجنبی عورت کا اس سے بہتر کوئی نام نہیں ہوتا۔ تم جو سمجھ رہے ہو وہ بتا دو، میں ایمانداری کے ساتھ اس کی تصدیق یا تردید کر دوں گی۔“

”ویرا لائیڈ۔“ اُس کے حلق سے وہ دو الفاظ رُک رُک کر برآمد ہوئے تھے۔

”ہاں۔“ ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔ ”تمہارا قیاس درست ہے۔“

”مادام!“ جہانگیر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی اور خوف زدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ منہ کے بل ویرا کے قدموں میں جھکتا ہی چلا گیا۔

جہانگیر کی اس گھٹیا حرکت پر میرا خون کھول اُٹھا یہ درست تھا کہ فنی اعتبار سے وہ اس وقت بھی شی کا غلام اور بلیک کوئین یعنی ویرا لائیڈ کا ایک معمولی ماتحت تھا لیکن وہ جانتا تھا پاکستان میں میرے ہاتھوں سے شی اور ویرا کی کیسی دُرگت بن چکی تھی۔ اس لیے میرے سامنے اُس کا ویرا کے پیروں میں گرنا شرمناک حد تک مضحکہ خیز تھا۔

میرا وہ غصہ لمحہ بھر کے لیے بھی قائم نہ رہ سکا۔ اور مجھے لپک کر ویرا کے سامنے جہانگیر کو سنبھالنا پڑا کیونکہ اُس نے ویرا کی قدم بوسی کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اپنے رُوبرو بلیک کوئین کی موجودگی کا یقین ہوتے ہی دہشت سے بے ہوش ہو کر منہ کے بل فرشی قالین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

جہانگیر کو سنبھالتے ہوئے میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ مسرت اور غرور سے غیر معمولی طور پر دمک رہا تھا۔ اس جیسی پیشہ ور گروہ بند عورت کے لیے یہ واقعی فخر کا

مقام تھا کہ اُس کے برسوں پرانے کارندوں پر بھی اس کے نادیدہ روپ کی ایسی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ اس سے اچانک سامنا ہوجانے کی دہشت سے وہ بے ہوش بھی ہوسکتے تھے ہونے پر سہاگا یہ تھا کہ ویرا کی ہیبت کے اس مظاہرے کا شاہد میں بھی تھا جو دوستی یا دشمنی . . . کسی بھی عالم میں ویرا کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

"اس وقت اِسے کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی ہے۔" میں نے ویرا کی مدد سے جہانگیر کو صوفے پر لٹاتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔"مردُود، دس پندرہ منٹ میں تین گلاس چڑھا گیا جو لاج سے بھی شاید ڈبل ہی تھے . . ."

"بات بنانے کی ضرورت نہیں۔" وہ اُسے لٹانے کے بعد آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔"اِسے نشہ وشہ کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے سُنا نہیں کہ وہ مادام کہہ کر اچانک ہی کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرتا چلا گیا تھا۔"

"میرا بھی یہی مقصد تھا۔" میں نے بات بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔"نشے کی جھونک میں آدمی ضرورت سے زیادہ حساس ہوجاتا ہے۔ دلیری کی رو چل پڑے تو بھڑکتی ہوئی آگ میں بھی کُود پڑتا ہے اور خوف کی لہر سوار ہوجائے تو دہی آدمی چیونٹی جیسے حقیر کیڑے سے بھی دہشت زدہ ہوسکتا ہے . . ."

"تم اس واقعے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کررہے ہو لیکن اپنے دل میں تم خود بھی جانتے ہو کہ یہ کیوں بے ہوش ہوا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔"اس کی بے ہوشی کا سبب نشہ نہیں بلکہ میرا خوف ہے۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" میں نے جہانگیر کے بوٹوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"ایسا ہوا تو یہ جلدی ہوش میں آجائے گا ورنہ نشہ اُترنے تک یُوں ہی بے سُدھ پڑا رہے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج سٹی کی بے توقیری کے باوجود میری [illegible] دھاک برقرار ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔"میری اور تمھاری [illegible] کافی پرانی ہوگئی ہے لیکن تمھیں اندازہ بھی نہ ہوسکا ہوگا کہ [illegible] کی مریضہ ہونے کے باوجود اتنی ہنگامہ خیز زندگی گزار رہی ہوں . . ."

"تت . . . تم مرگی کی مریضہ ہو؟" میں نے بے اعتباری کے ساتھ سوال کیا۔

"تمھیں میرے بیان پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ پُراعتماد مُسکراہٹ کے ساتھ بولی۔"یہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ تم نے آج تک میرا حسین روپ ہی دیکھا ہے ورنہ جب مجھ پر دورہ پڑتا ہے تو مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ دیکھنے والے بعد میں بتاتے ہیں کہ میرے اعصاب پر تشنج طاری ہوجاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں، دانت بھنچ جاتے ہیں، زبان باہر نکل آتی ہے اور حلق سے مکروہ آوازیں برآمد ہونے لگتی ہیں۔ ہوش میں آنے پر یہ سب مجھے یاد نہیں رہتا البتہ آئینے میں اپنے چہرے پر بڑے بڑے نیلے اور وَرم آلود دھبے دیکھ کر میں سمجھ جاتی ہوں کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔ میں داغ دُور ہونے تک چند روز کے لیے گوشہ نشین ہوجاتی ہوں اور جب دوبارہ منظرِ عام پر آتی ہوں تو پھر اُسی طرح حریص مرد، رال ٹپکاتے ہوئے میرے اردگرد منڈلانے لگتے ہیں۔ میں اُن میں سے کسی کو رجھاتی ہوں، کسی کو پھانستی ہوں، کسی کو گراتی ہوں اور کسی کو ٹھوکروں میں اُڑانے لگتی ہوں۔ اُن میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہو پاتا کہ میں مرگی کی مریضہ ہوں۔ میرے لیے یہ اعزاز قابلِ فخر ہے کہ مریضہ ہونے کے باوجود جہانگیر جیسے مَردوں کے اوسان خطا کرسکتی ہوں۔"

"مہلک آتشیں ہتھیار کے سہارے تو دس سال کا ایک بچہ بھی دس سورماؤں کو مُرغا بنا کر بانگ دینے پر مجبور کرسکتا ہے۔ اصل مزہ تو جب ہے کہ مقابلہ برابر کا ہو۔ دونوں فریق برابر مسلح ہوں . . ."

وہ زور سے ہنسی۔"برابر سے مسلح ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا۔ عورت نہتی ہوکر بھی مرد سے زیادہ مسلح ہوتی ہے تم قدرت کے بنائے نظام کو نہیں بدل سکتے۔"

"میں ان ہتھیاروں کی بات نہیں کررہا . . ." میں نے سختی سے کہنا چاہا لیکن اُس نے درمیان سے ہی میری بات اُڑادی۔

"[illegible] قدرت نے مَرد پر ایک پیدائشی برتری دی ہے جہاں مرد [illegible] ہو کر [illegible] ایک وحشی رہ جاتا ہے۔ میں نے روم میں امرا ایکسپریس نامی ایک ٹریول ایجنسی میں ملازمت کے دوران میں اپنی نسائیت کے جادو کا خوب مشاہدہ کیا ہے جسے چھو کر بات کرلی وہ بندۂ بے دام ہوگیا اور اگر کسی سے رسمی فاصلے مٹا کر زیادہ قریب سے بات کرلی تو وہ سوچے سمجھے بغیر میری مدد اور حمایت پر تل جاتا تھا . . ."

"یہ تم روم کی بات کررہی ہو یا کراچی کی؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔"مغرب میں عورت کے جادوئی لمس میں وہ کمال نہیں جو مشرق میں نظر آتا ہے۔"

"عورت مشرق میں ہو یا مغرب میں، ہر جگہ عورت ہوتی ہے۔ تہذیب اور جغرافیہ بدلنے سے صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ تکلّف اور بے تکلّفی کے درمیان لگی ہوئی لکیر کچھ اوپر نیچے ہوجاتی ہے۔" وہ پُرزور لہجے میں بولتی چلی گئی۔"میرا عورت ہونا [illegible] جگہ اٹل ہے لیکن میں جو بات تمھیں سمجھانا چاہ رہی تھی وہ یہ ہے کہ میں مریض ہو کر بھی ہزار صحت مند مَردوں پر بھاری ہوں [illegible] تمھارا . . ."

میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔"ایک کھونٹے سے بندھی [illegible] والی عورت کی بات اور ہے۔ اُسے کوئی روگ لگ جائے [illegible] یہ غم ڈستا رہتا ہے کہ ہر شام اُس کا مرد گھر لوٹ کر اس [illegible] کے مرض کی نئی کہانیاں سُنے گا تو ایک نہ ایک دن اُس [illegible] کر کہیں بھاگ نکلے گا لیکن جو عورت ہر شام نئے پنچھی کے [illegible] اڑانے کی شوقین ہو اُس کے لیے اس کا روگ ایک نعمت [illegible] ہے۔ نئے مردوں کی زبان سے ہمدردی کے رنت نئے [illegible] ایک عجیب سی سنسنی سے دوچار کرتے ہیں اور وہ [illegible] سنسنی سے اپنے مرض یا روگ سے لڑنے کا حوصلہ حاصل کرتی [illegible] میں شرط لگاتا ہوں کہ تم شادی نہ کرو لیکن نیک نیتی کے [illegible] اپنی آزاد روی ترک کرنے کا ارادہ کرلو تو کل ہی تم خود کو [illegible] عمر سے یک بیک دس پانچ برس زیادہ بوڑھی محسوس [illegible] لگو گی۔"

"یہ سب مردوں کے وہ حربے ہیں جن سے وہ اپنی مردانگی [illegible] پہنچاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اگر زندہ رہنے [illegible] کرہی لے تو وہ سدا بہار رہتی ہے جب کہ مرد ہر ڈھلتے [illegible] لمحے کے ساتھ جہانگیر کی طرح بوڑھا اور ازکار رفتہ ہوتا جاتا [illegible] ایسی صورت میں ہر عورت نئی مردانہ کونپلوں سے زندگی کا جوہر [illegible] پر مجبور ہوجاتی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہرجائی [illegible] بےوفا ہے بلکہ اس کی زندہ اور جواں تر رہنے کی اُمنگ اُسے [illegible] مضبوط کھونٹوں کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔" وہ میرے [illegible] باقاعدہ بحث پر تُل گئی تھی۔

"اس وقت مجھے تمھارے کھونٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم [illegible] بہار رہنا چاہتی ہو تو ضرور رہو۔ اپنا مرگی کا مرض دوسروں [illegible] یا خود ہی اسے پالتی رہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ [illegible] وقت تو میں صرف جہانگیر کو اس کے ہوش و حواس میں لانا [illegible] ہوں۔ تمھارے کہنے کے مطابق یہ تمھاری دہشت سے بے ہوش [illegible] اس لیے اسے ہوش میں لانے کی زیادہ ذمّے داری بھی تم [illegible] عائد ہوتی ہے۔"

"اس کے مُنہ سے مُنہ ملا کر تیز تر مصنوعی تنفس کے ذریعے [illegible] چند منٹ میں ہوش میں لاسکتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے [illegible] مگر میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گی کیونکہ مجھے بھی مرگی کا مرض [illegible] لگا تھا۔ میں سر پر ایک ضرب آنے کی وجہ سے بے ہوش [illegible] گئی۔ میری نائیکہ کے پاس ایک بوڑھا مینڈولین نواز تھا جو مرگی کا مریض تھا۔ اس نے میرے منہ میں اپنے دہانے سے پھونکیں مار کر مجھے ہوش دلایا تھا اور اُسی روز سے میں اُس کے مرض کی امین بن گئی۔ میں نہیں چاہتی کہ جہانگیر بھی میری طرح زندگی بھر کا روگی بن جائے۔"

"تم بہت پیچیدہ عورت ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔"تم، تمھاری ترجیحات اور تمھارے اوہام سب میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ چھُوت چھات چند ہی امراض میں ہوتی ہے۔ ہر جگہ نہیں . . . تمھیں شاید یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اگر جہانگیر کو تمھارے لبوں سے دمِ مسیحائی ملنے کی اُمید ہو تو ایک بار وہ اپنی قبر سے بھی انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑا ہوگا۔ تمھیں اس پر مصنوعی تنفس کی آزمائش ضرور کرنی چاہیے۔"

"اس وقت وہ بے ہوش ہے اسے کیا پتا چلے گا کہ کون اُسے ہوش میں لانے کی کوششیں کررہا ہے؟" اُس نے قدرے معصومانہ حیرت سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ عورت بلکہ اجنبی عورت کا لمس، مَرد عالمِ سکرات میں بھی محسوس کرلیتا ہے اور اس کی رُوح آسانی کے ساتھ قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ تم کوشش کرو، اگر اسے زندہ رہنا ہے تو ابھی یہ انگڑائی لے کر صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوگا۔"

"تم بہت بدمعاش اور بے رحم ہو۔" ویرا بے اختیار ہنس پڑی۔"تمھیں نہ جہانگیر کی زندگی سے دلچسپی ہے اور نہ میری بے گناہی سے۔ تم ہر حال میں اپنی رائے کی بالا [illegible] ہو۔"

ویرا نے جہانگیر پر اپنی لب آزمائی کا [illegible] ہی تھا کہ اُس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور کسی ناقابلِ فہم زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا تھا۔

"دیکھ لو، ابھی میں نے صرف ارادہ ہی کیا تھا کہ یہ زندہ ہونے لگا ہے۔" ویرا نے شوخ لہجے میں کہا۔"اسے چھُو لیتی تو یہ ابھی قلانچیں بھرتا ہوا باہر بھاگ نکلتا۔"

"چھوڑو، اب یہ ہوش میں آ ہی جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئی تھیں؟"

"بلیک کیٹ ڈی۔" اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔"وہ رات کو نو بجے اپنے نصب کیے ہوئے سسٹم پر مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اس لیے میں نے اپنا کام مکمل کرلیا ہے۔ اُسے صرف تین دن کے نوٹس پر اس کا مطلوبہ سامان فراہم کیا جاسکتا ہے۔"

"تین دن؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔"تو کیا اُس کا مطلوبہ اسلحہ ائر لفٹ کیا جائے گا؟"

"ایک خلیجی ریاست میں اسلحے کا ایک بہت بڑا انفرا سٹاک موجود ہے۔ اس میں سے بلیک کیٹ ٹی کی ساری ضروریات بآسانی پوری کی جاسکتی ہیں۔"

"اور دام کیا ہوں گے؟" میرے لیے شی اور ویرا کی وہ سرگرمیاں خاصی حیران کُن تھیں۔

"آج کل بازار مندا ہے۔ ایران عراق جنگ بند ہوچکی ہے۔ نکاراگوا، سری لنکا، افغانستان، جنوبی افریقہ، سارے ہی محاذوں پر سناٹا ہے اس لیے جو دام مل جائیں وہ غنیمت ہیں۔ میری کوشش تو یہ ہوگی کہ بلیک کیٹ ٹی سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرسکوں۔"

"اسلحے کی عالمی منڈی کے ان حالات سے تو وہ بھی واقف ہوگا۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تمھیں زیادہ قیمت نہیں دے دے گا۔" میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ویرا مسکرادی۔ "یہ اونچ نیچ ہی تو سودے بازی کہلاتی ہے۔ جہاں بات ختم ہوگی، وہیں سودا ہوجائے گا۔ اس معاملے میں کلیدی نکتہ یہ ہے کہ اُسے جو کچھ درکار ہے وہ امریکی حکومت یا پھر چور بازار میں صرف شی ہی فراہم کرسکتی ہے۔ اسٹنگر میزائیل اور خاص قسم کی آٹومیٹک رائفلیں اسے کسی دوسرے ذریعے سے نہیں مل سکیں گی۔"

"اِس کا مطلب یہ ہوا کہ شی امریکی حکومت کا ہی ایک غیر سرکاری رُخ ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "وہ جو کچھ سرکاری سطح پر، بدنامی کے خوف سے کسی کو نہیں دے سکتے، وہ شی کے ذریعے فراہم کردیتے ہیں۔ اِس طرح اُن کا نام منظرِ عام پر آئے بغیر مقاصد حاصل ہوجاتے ہیں۔"

"تم کافی دنوں سے شی کو امریکی حکومت کی پروردہ، زیرِ زمیں تنظیم ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو جو افیم پیدا کرنے والے ایشیائی ملکوں میں ہیروئن کے فروغ کا خون ریز مشن چلا رہی ہے اور اسی کے ساتھ غیر قانونی مزاحمتی تحریکوں اور تنظیموں کو اسلحے کی امداد فراہم کررہی ہے۔ یہ سب تمھارے اپنے قیاسات ہیں۔ میں تو شی کے بارے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ تنظیم جمی لائیڈ کے اشاروں پر چلتی ہے۔ اس کے تمام تر مفادات اور اقدام اسی ایک شخص کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ شی کے فیصلوں کا سیاسی مفادات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"یہ تمھارے قیاسات ہیں۔" میں نے ...ن کے لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "جذباتی سوچ انسان کو اندھا کردیتی ہے۔ اگر تم غیر جانبدار ہوکر شی کی سرگرمیوں اور حکمتِ عملی پر غور کرو تو تم خود محسوس کروگی کہ میرے سارے الزامات دُرست ہیں۔ امریکی حکومت ایک منظم منصوبے کے تحت شی کو ایک متوازی سیاسی قوت کے طور پر پروان چڑھا رہی ہے جو ساری بین الاقوامی پابندیوں سے آزاد ہوکر امریکی حکومت کے مفادات کی نگراں ثابت ہوسکتی ہے۔"

"تمھاری یہ سوچ سراسر تعصب اور تنگ نظری پر مبنی ہے۔" وہ اُکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "امریکی حکومت کے پاس اپنے آئینی دائرہ کار میں رہتے ہوئے سی آئی اے کی ایسی متحرک، منظم اور فعال قوت موجود ہے کہ اُسے اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے کسی اور تنظیم کی ضرورت نہیں۔ ۔ ۔"

میں نے اُس کی بات وہیں کاٹ دی۔ "اپنی ہٹ دھرمی کے باوجود تم خود ہی میرے سوال کا جواب دے رہی ہو۔ امریکن سی آئی اے جو کچھ بھی ہے امریکی آئین اور قانون کے دائرۂ کار میں ہے لیکن اگر کہیں قانون اور آئین سے ماورا کسی کارروائی کی ضرورت پیش آجائے تو امریکی حکومت کہاں جائے گی؟"

"پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکی حکومت کو اپنے آئین اور قانون سے ماورا کسی کارروائی کی ضرورت کیوں پیش آئے گی؟" وہ ایک بار پھر مجھ سے اُلجھنے کے موڈ میں نظر آنے لگی۔ "ایک بہت بڑی جمہوریت اور سُپر پاور کو خود کو اتنا گرانے کی کیا ضرورت ہے کہ اُسے مجرموں کی پُشت پناہی کرنی پڑے؟"

"یہی اس سارے مسئلے کا نچوڑ ہے۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اسرائیل آج کے دَور کی سب سے بڑی غنڈا مملکت ہے۔ اُن کے عزائم بھی واضح اور روشن ہیں۔ اس لیے اُنھیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی غیر آئینی اور غیر قانونی آڑ کی ضرورت نہیں۔ وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں، اپنی بری اور فضائی قوت سے من مانی کرگزرتے ہیں۔ وہ بُرے یا بھلے جو کچھ بھی ہیں، صرف اپنے لیے ہیں کیونکہ وہ ایک علاقائی طاقت ہیں لیکن جب کوئی ملک عالمی قوت ہونے کا دعوے دار ہوتا ہے اور چودھراہٹ پر تُل جاتا ہے تو اُسے اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لیے قانونی قوتوں کے ساتھ ہی زیرِ زمیں قوتوں پر بھی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اپنی عالمی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات سپر پاورز کو بعض مقامات پر ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً اپنے مطالبوں سے دست بردار نہیں ہوتے۔ ایسے مواقع پر اُن کے زیرِ زمیں حلیف حرکت میں آجاتے ہیں اور پوری صورتِ حال کو اتنی تیزی کے ساتھ بدل لیتے ہیں کہ سپر پاورز کے حریفوں کو اُن کی ہی بتائی ہوئی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر سپر پاورز بظاہر اَمن، صلح اور قانون کی سربلندی کا راگ الاپتی رہتی ہیں لیکن پسِ پردہ اپنی کٹھ پتلیوں سے خون ریزی، تخریب کاری اور دہشت گردی کے کام لے کر اپنے حریفوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اِس بارے میں لیبیا دورِ جدید کی سب سے واضح مثال ہے۔ جب لیبیا کے معمر قذافی کو سرنگوں کرانے کی ساری زیرِ زمیں ترکیبیں ناکام ہوگئیں تو امریکا نے بلبلا کر اپنی فضائیہ کی مدد سے قذافی کے محل پر خوف ناک بمباری کرا ڈالی۔ آج کی مہذب اور سکڑی ہوئی دنیا میں ایسے حربوں کا کیا جواز ہے؟ یہ تو صریحاً ایک غیر قانونی قاتلانہ حملہ تھا لیکن کسی نے امریکا کا کیا بگاڑ لیا؟ اصل بات یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون کا ماخذ اور منبع یہی سُپر طاقتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ وہ جو کچھ کرلیں، وہی قانون کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ تنبیہ اور تادیب چھوٹی قوموں کا مقدر بن کر رہ گئی ہے۔ نیپال شی کی سرپرستی کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن امریکا کے اَن لکھے قانون میں کہیں نہ کہیں جمی لائیڈ جیسے بھیڑیے کی پرورش کا جواز ضرور موجود ہوگا۔ ۔ ۔"

"میری بات کا بُرا نہ منانا۔" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ "تم، تیسری دنیا کے لوگ بہت چھچھورے اور جذباتی ہوتے ہو۔ اس مرض سے تمھارے دانشور بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تمھارے لیے جو بات بھی ذرا سی ناقابلِ فہم یا پیچیدہ ہو، اُسے براہِ راست سُپر پاورز کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔ بڑی طاقتوں کے خلاف تم لوگوں کا احساسِ کمتری اس قدر گہرا اور شدید ہے کہ جو شاعر اور ادیب اِن عالمی طاقتوں کو گالیاں دینے لگتا ہے اُسے راتوں رات قومی ادیب اور شاعر کے منصب پر فائز کردیتے ہو لیکن یہ سب عالمی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کے شاخسانے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شی کے بارے میں تمھارے بعض اندازے درست ہوں لیکن میں یہ نہیں مان سکتی کہ شی امریکی حکومت کی مرضی سے، اُسی کے اشارے پر وجود میں آئی ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ شی اپنی حکمتِ عملی کی وجہ سے نادانستگی میں بعض امریکی مفادات کی تکمیل کرتی ہو لیکن امریکا جیسے جمہوری ملک میں کوئی حکومت شی جیسی مجرمانہ تنظیم کی سرپرستی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ ایسے معاملات میں وہاں کی رائے عامہ بہت حساس ہے۔ جس دن یہ انکشاف ہوا کہ اُن کی عظیم جمہوری روایات کی پاسداری میں شی جیسی قانون شکن تنظیم کا بھی کوئی کردار ہے تو اُسی دن وہاں ایسا بھیانک اسکینڈل کھڑا ہوگا جو نہ صرف پوری حکومت کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا بلکہ کئی لوگوں کو بُرقی کرسی تک کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ۔ ۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "امریکی قوم بہت چالاک اور خود غرض ہے۔ اُن کی سی آئی اے دنیا کے متعدد ممالک میں سیاسی دہشت گردی، سربراہانِ مملکت کے قتل اور مقبول حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کی شرمناک کارروائیوں میں ملوث رہی ہے لیکن آج تک کسی امریکی شہری نے سی آئی اے کے وجود اور کردار پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ دراصل آزاد خیال قوم میں خود غرضی کا عنصر اس قدر راسخ ہے کہ وہ ہر قول اور فعل کو اپنے ذاتی مفاد کی ترازو میں تولتے ہیں۔ حکومت کے کسی اقدام سے اُن کی شخصی آزادی میں خلل واقع ہورہا ہو تو وہ واٹر گیٹ جیسے ہزاروں اسکینڈل کھڑے کرکے اپنے حکمرانوں کو آناً فاناً معزول کرکے گھر واپس بھیج دیتے ہیں لیکن اُن کے حکمراں اُن کی آزادیوں پر کوئی قدغن عائد کیے بغیر اگر پوری دنیا میں بدترین قانونی اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب بھی کرتے رہیں تو امریکی معاشرہ اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ اپنے عوام کی اسی گندی اور خود غرضانہ نفسیات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امریکی حکمرانوں نے سی آئی اے اور شی جیسے بھیانک ادارے تخلیق کیے ہیں جو اپنی جگہ حا...مت در حکومت کا آزاد اور خود مختار درجہ رکھتے ہیں۔ یہ ادار...ے مجسمۂ آزادی کے سائے میں دنیا بھر میں سیاسی اور معاشی آزادیوں کا گلا گھونٹنے میں مصروف رہتے ہیں لیکن کسی کی مجال نہیں جو ان سے ذرا بھی باز پرس کرسکے۔ امریکی حکومت کی دی ہوئی پالیسیوں سے انحراف کرنے والے جانتے ہیں کہ اگر انھوں نے ان دوستانہ مشوروں کو بے رحمی سے ٹھکرا دیا تو اُن کے نیست و نابود ہونے تک سنگدل اور سفاک قاتل ہر لمحے اُن کا پیچھا کریں گے اور اپنے بے رحمانہ فیصلوں سے انھیں عبرت کی ایسی مثال بنادیں گے کہ اُن کی آنے والی نسلوں میں بھی کوئی ان دیدہ دلیروں سے تصادم مول لینے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ اس لیے تم یہ خیال تو چھوڑ دو کہ شی کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے امریکی حکومت کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ امریکیوں کو تو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ اُن کے حکمراں اُن کے بچوں کو ہیروئن کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے ایشیائی بچوں میں اس شوق کو مقبول بنانے کی کوششیں کررہے ہیں تاکہ ایشیا میں پیدا ہونے والی افیم کا سارا جوہر وہیں کھپ جائے، جب مقامی

مانگ سے فاضل پیداوار نہ ہوگی تو امریکی اور مغربی معاشرے خود بخود ہیروئن کے عذاب سے محفوظ ہوجائیں گے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم اندر سے اتنے سیدھے اور سادے نہیں ہو جتنا اوپر سے نظر آتے ہو۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ عالمی سیاسی اور معاشی مسائل کے بارے میں تمھاری سوجھ بوجھ مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ شی کے بارے میں تمھارے قیاسات درست ہو سکتے ہیں مگر میں پوری ایمان داری کے ساتھ یہ دعویٰ کرسکتی ہوں کہ مجھے شی کے بارے سیاسی پس منظر کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں شی کو اپنے باپ کی جاگیر تصور کرتی ہوں۔ میری دانست میں وہی شی کا مطلق العنان سربراہ ہے اور شی کی ہر کارروائی سے براہِ راست اسی کو سارا فیض حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس کی امریکی حکومت یا کسی اور سے کوئی ساجھے داری ہے تو میں اس سے لاعلم ہوں۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھارا یہی اعتراف اس ساری بحث کا نچوڑ ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تم انگریز ہو۔ تمھاری پرورش مغربی یورپ بلکہ اٹلی میں ہوئی۔ تمھارے اعصاب پر ابتدا ہی سے صرف ایک خبط سوار رہا کہ تم اپنے باپ تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ تمھیں اس بات سے کبھی کوئی غرض نہیں رہی کہ وہ کس کے لیے کام کررہا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں کسی کے لیے بھی کام کرسکتا ہوں مگر مجھے یہ علم ضرور ہونا چاہیے کہ میری تمام کارروائیوں سے فائدہ کس کو حاصل ہورہا ہے؟ میں جرائم ضرور کرتا ہوں لیکن اُن کے مقاصد سے آگاہ ہوئے بغیر میں کسی کا آلۂ کار نہیں بن سکتا۔ یہی میری کمزوری یا مجبوری ہے۔"

"شی کی اصلیت سے قطعِ نظر اس وقت ہم بلیک کیٹس کے معاملے میں کہاں ہیں؟ اُس سے رات کو بات ہونی ہے۔ میں اپنے وسائل اور ذرائع کے بارے میں تمھیں بتا چکی ہوں۔ اب ہمیں اُن کے ساتھ کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیے؟ میں اسی مسئلے پر بات کرنے کے لیے یہاں آئی تھی اور تم نے مجھے دوسری باتوں میں اُلجھا لیا۔"

"بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم تو پورا پروگرام لے کر آئی ہو۔ رات کو اُن سے دام طے کرو اور تین دن میں ڈلیوری دے کر رقم وصول کرلو۔"

"پہلے اُس کے ضامن سے رجوع کرنا ہوگا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں بلیک کیٹ ٹی پر آنکھیں بند کرکے بھروسا نہیں کرسکتی۔ اگر مال پہنچ جانے پر وہ غائب ہوگیا تو میں اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ کو کہاں سے جاؤں گی۔ شی کے تمام محفوظ اڈے تم پہلے ہی تباہ کرچکے ہو۔"

"پھر تو تمھیں کرنل مہیش پال سے پہلے ہی بات کرلینی چاہیے۔" میں نے رائے دی۔

"میرے لیے اس کا نام اجنبی ہے۔ مجھے کل صبح تک اُس کے بارے میں رپورٹ ملے گی کہ وہ شی کے لیے کس حد تک قابلِ اعتماد ہے۔ اس کے بعد ہی اُس سے بات کرسکوں گی۔"

اُسی لمحے جہانگیر نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے ذہن پوری طرح سنبھال نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اُس کے بشرے پر خفت کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ مجھ سے نظریں چار کیے بغیر وہ صوفے سے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اُسے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت جہانگیر کا بہترین علاج یہی تھا کہ وہ کچھ دیر تک ٹھنڈے پانی کے شاور میں کھڑا ہوکر غسل کرتا۔

"اُسے مال کہاں دیا جائے گا؟" توقف کے بعد میں نے بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے۔ اسے اندرونِ سندھ ڈلیوری نہیں دی جاسکے گی۔ لانچ سے مال کیٹی بندر پر اُتار دیا جائے گا۔ جسے وہیں ڈلیوری لینا ہوگی۔" وہ بولی۔ "اور غزالہ کو بھی وہیں ساتھ لانا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مال وصول ہونے سے پہلے غزالہ کو ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"کرنل مہیش پال سے رابطہ ہوجانے کے بعد اسے بھی تم پر اعتماد کرنا چاہیے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جب تم اتنے بڑے سودے کے معاملے میں اُس پر اعتبار کرو گی تو اُسے بھی غزالہ کے معاملے میں فراخدلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

"میں کوشش ضرور کروں گی لیکن اُمید نہیں ہے کہ وہ میری بات مان لے۔ رات کو تم خود بھی میرے ساتھ ہی موجود رہو گے۔ مجھ سے بات نہ بن سکی تو تم خود کوشش کرلینا۔"

میں نے کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ غزالہ کی بازیابی کے لیے بلیک کیٹس کو اسلحہ فراہم کیے جانے کی بات ابتدا ہی سے میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ اس گندی بلیک میلنگ کے بجائے اگر زرِ تاوان ادا کرنے کی بات ہوتی تو وہ اتنی زیادہ ذلت آمیز محسوس نہ ہوتی لیکن میں ویرا سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس قیمت پر غزالہ کی آزادی مجھے منظور نہیں تھی۔ میرے بس میں جو کچھ تھا وہ میں کرگزرا تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ سلطان شاہ اسلام آباد سے کرنل مہیش پال کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوجائے گا مگر میں نے ویرا کو اپنے اس اقدام کی ہوا تک بھی نہ لگنے دی تھی۔

جانو ماچھی اور غزالہ کی تلاش کے سلسلے میں سینڈو اور فرمان خان کی کوشش اپنی جگہ پر تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھے ان دونوں سے کوئی بڑی اُمید نہیں تھی۔ میرے کھیل کا سارا دارومدار سلطان شاہ کی کامیابی پر تھا۔ جانو ماچھی بلیک کیٹ ٹی کا پروردہ تھا اور بلیک کیٹ ٹی کرنل کا نمک خوار تھا۔ ایک بار وہ میرے قبضے میں آجاتا تو میں نہ صرف غزالہ کو باعزت طور پر اُن لوگوں کے چنگل سے نکال سکتا تھا بلکہ اسلام آباد سے کرنل کی غیرحاضری کی وجہ سے ویرا کا اسلحے کا سودا بھی خراب ہوسکتا تھا۔

جس طرح ہیروئن لوگوں کے لیے مہلک تھی اسی طرح باہر سے اسمگل کیا جانے والا غیرقانونی اور مہلک اسلحہ بھی بہت بڑی بربادی کا سبب بن سکتا تھا۔ ویرا سے دوستی ہوجانے کے بعد میں کھل کر اُس کی سرگرمیوں کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا لیکن پسِ پردہ رہ کر اس کی تخریب کاریوں کا سدِباب کرنے میں میرے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اُس کا وہ سودا روک کر میں ایک بڑی کامیابی حاصل کرسکتا تھا۔

اگر جانو ماچھی اور غزالہ کا وہ چکر نہ چل پڑا ہوتا تو میں شی اور مافیا کو ایک دوسرے سے لڑا کر اُن کی قوت تباہ کرانے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔ اس معاملے کی پہلی کڑی اُسی رات سے شروع ہوسکتی تھی کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی کی روپوشی کے بعد سینڈو اُس رات کورنگی کریک کے علاقے میں ہیروئن کی پہلی کھیپ وصول کرنے والا تھا۔ اگر میں ویرا کو اشارہ بھی کردیتا تو وہ سینڈو پر وار کرکے اس سے مال چھین سکتی تھی مگر میں اس مرحلے پر وہ نیا محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس وقت میری پہلی ترجیح غزالہ کی آزادی بن چکی تھی۔

ویرا میرے پاس ٹھہرنا چاہتی تھی تاکہ مقررہ وقت پر مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر جاسکے مگر میرے لیے اس کی موجودگی مناسب نہیں تھی۔ اس لیے میں نے رات کو بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والے مذاکرات کا تفصیلی خاکہ طے کرنے کے بعد ویرا کو خوش اسلوبی کے ساتھ روانہ کردیا۔

ویرا کے جانے کے بعد میں نے ٹریڈ لائن کے دفتر فون کیا تو سینڈو وہاں موجود نہیں تھا۔ فرمان خان کے گھر پر اس کی بیوی نے میری کال ریسیو کی تھی۔ اس کی زندگی سے بھرپور اور شوخ آواز سن کر ہی اندازہ ہوگیا کہ اس کی اور فرمان خان کی عمر میں خاصا نمایاں فرق تھا۔

"فرمان ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" میرے استفسار پر وہ بولی تھی۔

"میرا نام عبدالسلام ہے۔ مجھے فرمان سے ضروری بات کرنا تھی۔" میں نے کہا۔

"کوئی بہت ضروری بات ہے؟" اُس کا لہجہ تجسس آمیز ہوگیا تھا۔

"ہاں! دراصل مجھے چار بجے اُس سے بات کرنا تھی لیکن کسی مصروفیت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی۔" میں نے یہ سوچ کر وقت کا حوالہ دے ڈالا تاکہ فرمان خان پیغام ملنے پر یہ سمجھ لے کہ وہ میری کال تھی۔

"اوہ تو وہ تمھاری ہی کال کا انتظار کررہے تھے۔" اس کی تحیر زدہ آواز اُبھری۔ میرے لیے چونکنے والی بات یہ تھی کہ وہ اچانک ہی آپ سے تم پر آگئی تھی۔

"کیا اُس نے اس بارے میں تمھیں کچھ بتایا تھا؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"بتا دیتے تو مجھے اندازہ نہ لگانا پڑتا۔ وہ پونے چار بجے آئے تھے اور ساڑھے چار بجے تک بہت بے چینی اور وحشت کے عالم میں فون کے آس پاس ہی منڈلاتے رہے۔ انھوں نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تم سے خوف زدہ بھی تھے۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور فرمان سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم ذہین ضرور ہو لیکن ذہانت میں اتنی لمبی چھلانگیں مناسب نہیں ہوتیں۔ فرمان کو جب یہ معلوم ہوگا کہ تم نے مجھ سے ایسی بے تکی گفتگو کی ہے تو وہ تم پر بہت ناراض ہوگا۔"

"میں فرمان کی ناراضی کی پروا نہیں کرتی۔ انھیں منانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" اُس کا لہجہ بہت مضبوط اور پُراعتماد تھا۔ "دوستوں کی فون کال کا اس قدر بے چینی کے ساتھ انتظار نہیں کیا جاتا۔ میں نے انھیں بہت غور سے دیکھا تھا۔ اس وقت فرمان پسینے میں نہائے جارہے تھے اور اُن پر سانس کا دورہ بھی پڑا ہوا تھا۔ اُن کی کیفیت انتظار کی نہیں تھی بلکہ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کسی ظالم اور سفاک آدمی نے اس مقررہ وقت پر فون پر اُن کی ڈیوٹی لگائی ہو اور اگر تم اُن کے دوست ہی ہو تو اُن کے پاس تمھارا فون نمبر ہونا چاہیے تھا۔ تمھاری کال نہیں آئی تھی تو وہ تم کو فون کرسکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"فرمان آئے تو اُنہی سے پوچھ لینا۔" میں نے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔ "وہ تمھیں زیادہ بہتر طریقے پر سمجھا دے گا کہ میں کون ہوں اور اُس سے کیا چاہتا ہوں۔"

"تم میرے سوال کا جواب نہیں دو گے تو میں انھیں پتا بھی نہیں چلنے دوں گی کہ تمھاری کوئی فون کال آئی تھی، یہی نہیں بلکہ

میں اُن کے فون ریسیو کرنے پر پابندی لگا دوں گی۔ تم جب بھی فون کرو گے، تمھیں مجھ ہی سے بات کرنا پڑے گی۔ مجھے جب تک میرے سوالوں کے جواب نہیں ملیں گے، اس نمبر پر تم فرمان سے بات نہیں کرسکو گے۔"

"اپنی ضد سے تم فرمان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا بیٹھو گی۔" میں نے کہا۔ اس وقت میری مشکل یہ ہوگئی تھی کہ میں بات ادھوری چھوڑ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیتا تو وہ عورت بات کا بتنگڑ بنا سکتی تھی۔ وہ عمر میں فرمان خان سے خاصی چھوٹی رہی ہوگی لیکن اپنی گفتگو سے خاصی ہوشیار اور تجربے کار معلوم ہو رہی تھی۔

"دیکھا! اب آ گئے نا اپنی اصلیت پر۔" میری بات مکمل ہوتے ہی اُس کی پُرجوش آواز اُبھری تھی۔ "دوست ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی دھمکیاں نہیں دیتے۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میرا شوہر ایک ریٹائرڈ پولیس افسر ہے اور آج بھی کنٹریکٹ پر اپنے محکمے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اُسے دھمکی دے کر تم سکھ سے نہیں رہ سکو گے۔ ۔ ۔"

"تم بلاوجہ بھڑک رہی ہو۔" میں نے سخت لہجے میں اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ فرمان نے دوسری شادی کر کے ایک جھکی اور شکی عورت کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے۔ نقصان جسمانی نہیں، کاروباری بھی ہوتا ہے۔ میری اُس سے بات نہ ہوئی تو اُسے بھاری خسارہ اُٹھانا پڑے گا۔"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کون سا کاروبار کر رہا ہے؟"

اُس نے خود ہی میرے ساتھ تلخ کلامی کی ابتدا کی تھی اس لیے مجھے بھی اس پر گرم ہونے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے اس بحث کو وہیں ختم کرنے کے لیے کہا۔ "فرمان تمھارا شوہر ہے، تمھاری جرح کا جواب وہی دے سکتا ہے۔ میں نہ تمھارا شوہر ہوں اور نہ دوست۔ اس لیے مجھے معاف رکھو۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ تم کس سے لڑ رہے تھے؟" پشت سے آنے والی جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سر گھمایا تو وہ صرف پتلون پہنے تولیے سے اپنے سر کے بال خشک کر رہا تھا۔

"اب تو تم خاصے ہوش میں نظر آ رہے ہو۔" میں نے تیز نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آہستہ بولو! وہ کہاں گئی؟" اُس نے جھینپتے ہوئے انداز میں مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"وہ چلی گئی۔ موجود ہوتی تو تمھارا نشہ ابھی بھی نہ اُترتا۔ اُسے پہچانتے ہی تم دہشت زدہ کیوں ہو گئے تھے؟"

"دہشت زدہ نہیں ہوا تھا۔ بس ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ تم خود سوچو کہ جو عورت سر سے پیر تک نقاب میں چھپ کر ہم پر برسوں حکمرانی کرتی رہی، وہ اچانک ہی یوں بے حجاب سامنے آ گئی۔ مجھے تو اُسے دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا لیکن جب تک اُس نے خود اعتراف نہیں کیا، مجھے یقین نہیں آ سکا تھا کہ وہی ویرا لائیڈ ہو گی۔"

"تم نے اُس کے سامنے بزدلی بلکہ نامردی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔ "اور اُس کی شہ پر مجھ سے کیوں اُلجھ بیٹھے تھے؟ معلوم ہو رہا تھا کہ تم نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی گوری چمڑی والی عورت ہی نہیں دیکھی ہے۔"

"میں تم سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔" اس نے ندامت کے ساتھ میرے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے۔ "وہ بہت بدمعاش عورت ہے۔ مجھے ذرا سی چڑھ گئی تھی اور وہ میری تفریح لینے پر تُل گئی۔ تم یقین کرو کہ وہ بار بار اشاروں کنایوں سے مجھے اُکسائے جا رہی تھی۔ میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں اضطراری کیفیت میں تیزی سے پیتا چلا گیا تھا۔ دوسری بار اُس سے سامنا ہو گا تو تم دیکھ لینا کہ میں اپنی آج کی حرکتوں کا ازالہ کر دوں گا۔"

"بس اب کسی ازالے کی ضرورت نہیں۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "تم اُس سے خوف زدہ تھے اور اب بھی تم ذہنی طور پر اُس سے مرعوب ہو۔ ازالہ کرنے کے چکر میں پھر کوئی نادر الوجود حماقت کر بیٹھو گے۔"

"میں تو یہی نہیں سمجھ پا رہا کہ اب میری کیا حیثیت ہے۔" وہ اُلجھے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنی کی طرف سے مجھ سے عرصۂ دراز سے کوئی کام نہیں لیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ مجھے آج تک سنی سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر ویرا مجھے کوئی حکم دے بیٹھی تو میں کیا کروں گا؟"

"اُسے معلوم ہے کہ میری وجہ سے تم اُس کی گرفت سے نکل چکے ہو۔ اگر وہ اسی قدر حاوی رہنا چاہتی تو مجھے مارنے کے لیے خود تمھارے گھر پر دھاوا نہ بولتی بلکہ فون پر تمھیں حکم دیتی کہ مجھے تلاش کر کے بے دست و پا کر دو اور اُس کے سامنے پیش کر دو۔ وہ تمھیں کوئی ہدایت دینے کی حماقت نہیں کرے گی۔"

"آئندہ تمھیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔" اُس نے اپنے دونوں کان پکڑ کر کہا اور مسکراتا ہوا دوبارہ غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

پونے نو بجے ہی میں نے دونوں سسٹم آن کر دیے تھے تاکہ مقررہ وقت پر بلیک کیٹ ٹی سے دو طرفہ مذاکرات ہو سکیں۔ ذرا

کے ساتھ میری موجودگی کا راز اُس پر پہلے ہی منکشف ہو چکا تھا اس لیے ویرا نے مجھے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ مَیں جب چاہوں، گفتگو میں دخل انداز ہو کر معاملات کو اپنی مرضی پر چلا سکوں۔

ٹھیک نو بجے کمرے میں بلیک کیٹ ٹی کی آواز گونجی تھی۔ "شام بخیر! مَیں کسی اچھی خبر کی اُمید لیے، حسبِ وعدہ، مقررہ وقت پر حاضر ہوں۔"

"اچھی خبر کہیں سے طلوع نہیں ہوتی۔ اسے بنانے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔" ویرا نے گفتگو کی ابتدا ہی میں اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں اپنے حصّے کی محنت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم کو اپنا کام کرنا ہوگا۔"

"اس سودے میں غزالہ کی باعزت آزادی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ تم نے اس بارے میں ابھی تک کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ تمھارا خیال تھا کہ تم اس وقت غزالہ سے ہماری بات بھی کرا سکو گے۔"

"وہ میرا خیال تھا جو اس وقت حقیقت نہیں بن سکا لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غزالہ کراچی میں جانو ماچھی کے آدمیوں کی حفاظت میں ہے اور کسی بھی وقت میری تحویل میں آ سکتی ہے۔"

"اتنے یقین کے باوجود اگر تم اسے اپنی تحویل میں لینے سے قاصر ہو تو پھر آگے کیا کر سکو گے؟ جو لوگ ڈھیلی ڈھالی باتوں سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ عموماً قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔"

"تم خود ایک زیرِ زمین تنظیم کی ذمّے دار رکن ہو۔ تم اپنے گنے چُنے ماتحتوں سے ہی رابطہ رکھتی ہو گی۔ یہ نہیں کہ ہر للّو پنجو کے ساتھ مغز زنی کرتی رہتی ہو۔"

"میرا اپنا ایک طریقۂ کار ہے۔ تمھیں اس کے بارے میں تجسّس میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے کوئی تجسّس نہیں ہے۔ مَیں تمھیں اپنی پوزیشن سمجھانا چاہ رہا تھا۔ جانو ماچھی براہِ راست مجھے جواب دہ ہے اور میرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا لیکن اس کے آدمیوں کے لیے مَیں محض ایک اجنبی ہوں۔ وہ میرے کسی مطالبے یا اتھارٹی کو تسلیم نہیں کریں گے۔ جانو ماچھی سے رابطہ قائم ہونے کے بعد ہی مَیں اپنا مقصد حاصل کر سکوں گا۔"

"اور اس وقت تک جانو کے آدمی غزالہ کو لے کر دادو کے گھنے اور خطرناک جنگلات میں روپوش ہو چکے ہوں گے۔" ویرا کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔ "اگر معاملات اسی طرح طے پانے تھے تو غزالہ کے بارے میں کل تم نے اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر ڈالا تھا۔ کیا تمھیں کل اپنی مجبوریوں کا اندازہ نہیں تھا؟"

جواب میں بلیک کیٹ ٹی کا لہجہ بھی خوشگوار نہیں تھا۔ "کل میرا خیال تھا کہ شاید جانو ماچھی بھی کراچی میں کہیں چھُپا ہوا ہوگا مگر وہ حوالات سے فرار ہوتے ہی آگے نکلتا چلا گیا۔ مجھے کراچی میں اُس کے ٹھکانے معلوم ہیں۔ اُس کے آدمی ان ہی میں سے ایک کمین گاہ میں چھُپے ہوئے ہیں۔ میرے اپنے ذرائع ہیں جن کی مدد سے مَیں نے انھیں خوف زدہ کر دیا ہے اور وہ میری مرضی کے بغیر وہاں سے فرار ہونے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ اس اثنا میں جانو ماچھی سے میرا رابطہ قائم ہو جائے گا اور لڑکی آسانی کے ساتھ میری تحویل میں آ جائے گی۔"

"تو پھر ہم اپنے مذاکرات کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کیے دیتے ہیں۔" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

"مَیں اس وقت تم سے سودا نہیں کر رہا۔" اُس کا لہجہ مضطربانہ ہو گیا۔ "مجھے یہ جاننے کا حق تو حاصل ہے کہ اگر مَیں نے تمھاری عائد کی ہوئی شرط پوری کر دی تو مجھے میرا مطلوبہ مال مل سکے گا!"

"شرط نہیں، شرائط کہو۔" ویرا نے فوراً ہی اس کی تصحیح کر ڈالی۔ "اگر تم غزالہ سے ہماری بات کرا کر اُسے بحفاظت ہماری تحویل میں پہنچانے کا یقین دلا سکتے تو اس دوران میں ہم کرنل مہیش پال سے تمھارے بارے میں ضمانت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ ضامن بن جاتا ہے تو مال تمھیں فروخت کر دیا جائے گا۔"

"گڈ! میرے لیے یہ ایک حوصلہ افزا خبر ہے۔" اس نے اپنا اطمینان چھُپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ "یہ دونوں شرائط پوری ہو جائیں گی بلکہ کرنل سے تو تم کل صبح ہی تصدیق کر سکتی ہو۔"

"یہ کام کسی کو سونپا جا چکا ہے۔ کل شام تک مجھے رپورٹ مل جائے گی۔" ویرا نے اتنے اعتماد سے کہا کہ مَیں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پاکستان میں واقعی کسی بہت بڑے گروہ کو چلانے میں مصروف ہو۔

"دام اور ڈلیوری کا کیا رہے گا؟" اُس نے اگلا سوال کیا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ دام اگلی گفتگو میں طے کر لیے جائیں گے۔ تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے ہمارے درمیان سب کچھ طے ہو چکا ہے۔"

"میرے لیے یہ سب جاننا ضروری ہے تاکہ مَیں پروگرام کو مدِنظر رکھتے ہوئے آگے کی منصوبہ بندی کر سکوں۔ ہم لوگ کافی یا چاکلیٹ کا سودا نہیں کر رہے جو وصول ہوتے ہی بازار میں پھیلائی جا سکے۔"

"ڈلیوری کیٹی بندر پر دی جائے گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "داموں کا تعلق ڈلیوری کی مدت سے ہے۔ تم اس بارے میں حسّاس نظر آتے ہو۔"

"مجھے مال جلد از جلد چاہیے۔ ویسا تمھارا نارمل ڈلیوری ٹائم کتنا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ایک سے ڈیڑھ ماہ!" ویرا نے اطمینان سے کہا۔ "ارجنٹ ڈلیوری پر پریمیم دینا ہوگا۔ اس کے بارے میں مَیں فی الوقت کوئی اندازہ ظاہر نہیں کر سکتی۔"

"دونوں ہی معاملے ٹیڑھے ہیں۔" اُس کی آواز میں تشویش اُمڈ آئی۔ "مجھے تو دنوں میں مال چاہیے۔ تاخیر ہوئی تو میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ پورے معاملے میں اصل اہمیت بروقت پہل کی ہے جو حریف پیش قدمی کرنے میں کامیاب ہو گیا وُہی کامیاب رہے گا اور دوسرے کو تہس نہس کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیٹی بندر پر ڈلیوری کا معاملہ بھی ٹیڑھا ہے لیکن اُسے مَیں کسی نہ کسی طرح سنبھال لوں گا۔ تمھیں اصل پیکنگ والے چوبی کریٹوں کو گتّے کے مضبوط ڈبوں میں اس طرح پیک کرانا ہوگا کہ بادی النظر میں اس کھیپ پر کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کرنل پال سے ضمانت حاصل ہو جانے دو۔ مَیں دیکھوں گی کہ شی تمھارے ساتھ کہاں تک تعاون کر سکتی ہے۔"

"مَیں جانتا ہوں کہ شی زیرِ زمین دنیا میں معجزے دکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے اس لیے میں نے تم سے رجوع کیا ہے۔" اس کا لہجہ قدرے خوشامدانہ ہو گیا اور ویرا کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر ہماری ڈیل ہو گئی تو یہ کئی ملین ڈالر کا سودا ہوگا۔" ویرا نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "شی ایسی بڑے سودے عام طور پر حکومتوں کے ذمّے دار افراد سے کرتی ہے۔ تمھارے پاس اگر غزالہ کا سہارا اور کرنل پال کا حوالہ نہ ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ تمھاری درخواست براہِ راست مسترد کر دی جاتی۔"

"میری حکومت کی بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔" وہ رفتہ رفتہ ویرا کے ساتھ بے تکلّف ہوتا جا رہا تھا اسی وجہ سے مَیں نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

"اس علاقے کے حسّاس سیاسی ماحول کی وجہ سے ہم افشائے راز کا ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس لیے یہ مشن مجھے سونپا گیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس علاقے کے اَن پڑھ اور تعلیم یافتہ بے روزگار جو معاشی جبر سے مجبور ہو کر ڈاکو بنے ہوئے ہیں، انھوں نے ابتدا میں بڑی سنسنی محسوس کی۔ مفلسوں کو راتوں رات دولت کے انبار ملے تو انھوں نے عیش و عشرت کی نئی مثالیں قائم کیں۔ ان کے خواب تھے کہ وہ یوں ہی شہزادوں کی طرح زندگی گزار لیں گے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کا نامۂ اعمال سیاہ تر ہوتا چلا گیا اور قانون کے رکھوالے اُن کے لہو کے پیاسے ہو گئے تو اب وہ گھروں کی پُرسکون زندگی کو ترستے ہیں۔ اُن کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں لیکن وہ رات کے اندھیرے میں بھی بے فکری سے آبادیوں میں اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے ملنے نہیں جا سکتے۔ انھیں اپنے سایوں سے بھی خوف آتا ہے، قریب سے گزرنے والا ہر اجنبی اُن کو سرکاری مخبر نظر آتا ہے۔ سیاسی محاذ آرائی کے دباؤ کی وجہ سے حکومت نے پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش اُن ڈاکوؤں کی فوج کو معافی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حکومت برقرار رہی تو وہ یوں ہی ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی طرح قانون سے لڑتے ہوئے ایک روز دردناک موت سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔ معافی کے بغیر اُن کا مستقبل تاریک ہے اس لیے وہ ہم سے مل کر علاقے میں شورش کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ سیاسی نظام کو تباہ کر کے وہ اپنی قوّت سے جن لوگوں کو برسرِ اقتدار لائیں گے وہ یقیناً انھیں عام معافی دے دیں گے اور یہ تمام دہشت گرد اور ڈاکو اپنے گھروں میں اپنی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور اولادوں کے پاس لوٹ سکیں گے۔ اس وقت لوہا گرم ہے۔ ان سب کے حوصلے بلند ہیں۔ انھیں اسلحہ فراہم کر کے ہم بہت دُور رس نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو عام حالات میں شاید اس صدی کے اختتام تک ہمارے خواب ہی بنے رہیں گے۔ میرے لیے وقت سب سے اہم ہے۔ تم ڈلیوری میری مرضی کے مطابق دو، مَیں تمھیں منہ مانگے دام ادا کروں گا۔"

وہ بہت کھُل کر بول رہا تھا۔ اُس کے بھیانک عزائم سن کر میرا خون کھولنے لگا تھا اور میرے دل میں سلطان شاہ کے مشن کی کامیابی کی آرزو شدید ترین ہو گئی تھی۔ اگر وہ اسلام آباد سے کرنل پال کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو بلیک کیٹ ٹی کے پورے پلان پر پانی پھر سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مَیں نے ویرا کو بھی سلطان شاہ کے خفیہ مشن کی ہوا نہ لگنے دی تھی۔ ایک بار کرنل پال منظر سے غائب ہو جاتا تو نہ بلیک کیٹ ٹی کو ضامن میسر ہوتا اور نہ ویرا کا سودا طے ہو پاتا۔

رہا غزالہ کا معاملہ تو مجھے اُمید تھی کہ بلیک کیٹ ٹی کے مقابلے میں مَیں کرنل پال کو زیادہ بہتر طریقے پر استعمال کر سکتا تھا کیونکہ حالات کی روشنی میں وہ سفارتی افسر سب سے بڑا بدمعاش نظر آ رہا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ آج ڈینی میرے ساتھ نہیں ہے۔" ویرا اُس سے کہہ رہی تھی۔ "وہ گاہکوں سے اتنی کھُلی کھُلی باتوں کا قائل نہیں ہے۔ لین دین سے آگے کسی معاملے سے سروکار نہیں

رکھتا مگر میرے لیے تمھاری گفتگو خیال انگیز ہے۔ مجھے موقع ملا تو کبھی تمھارے ساتھ تفصیلی ملاقات کروں گی۔ تم جیسے بارسوخ اور موقع شناس لوگ آج کل کم ہی ملتے ہیں۔ باہمی کشیدگی کی اس فضا میں یہاں کام کرنا واقعی دل گردے کا کام ہے۔"

"اصل نکتہ یہی ہے کہ میری اصل پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی دھرتی کی خدمت کے لیے پچھلے پندرہ برس سے اُسے چھوڑا ہوا ہے اور روپ بدل کر یہیں کے ایک سرحدی قصبے میں رہ رہا ہوں۔ میں نے ایک مقامی عورت سے شادی کی ہوئی ہے جس سے میرے دو بچے بھی ہیں۔ اپنی دھرتی کے لیے اتنی بڑی قربانی کون دے سکتا ہے؟ حالات ساز گار رہے اور کبھی تم سے ملاقات ہوئی تو دیکھنا کہ گاؤں کے لوگ میری کتنی عزت کرتے ہیں کیونکہ میں درختوں کے سائے میں اُن کے بچوں کو تعلیم دیتا ہوں۔ میں نے اپنی یہ ساکھ بڑی محنت سے بنائی ہے۔ راج ناگ کا سر کچلنے کے لیے دل پر پتھر رکھ کر سپنولیوں کو دودھ کے پیالے پلا رہا ہوں لیکن آج تم سے بات ہونے کے بعد مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب میری آخری اور سب سے بڑی کامیابی کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔"

وہ تیزی سے کھل رہا تھا۔ ویرا اُس کی زہریلی گفتگو سننے کے ساتھ بہت غور سے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں التجا تھی کہ میں خاموش رہ کر وہ ساری زہر فشانی سُنتا رہوں اور میں بھی خاموش تھا کیونکہ اس طرح مجھے ملک دشمنوں کے ہولناک عزائم سے واقف ہونے کا موقع مل رہا تھا۔ بلیک کیٹ ٹی تو پھر بھی غیر ملکی تخریب کار اور ایجنٹ تھا۔ مجھے دکھ اُن لوگوں کا تھا جو اسی پیڑ کی جڑوں میں تیزاب اُنڈیل رہے تھے جس کا پھل کھا کر وہ اپنے وجود کے لیے قوتِ نمو حاصل کرتے تھے۔

"ارادے مضبوط ہوں تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے۔" ویرا نے اُس سے کہا۔ "اب اتنی باتیں ہو گئی ہیں تو یہ بھی بتا دو کہ تم کس گاؤں میں اور کس نام سے رہتے ہو؟"

"ابھی اس انکشاف کے لیے وقت ساز گار نہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمھیں اپنا مہمان بناؤں گا۔ تم سے باتیں کر کے مجھے تمھاری ذات سے کچھ عقیدت سی ہو چلی ہے۔"

ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔ "عقیدت ہو گئی ہے مگر ابھی بھروسا نہیں ہوا۔ تم تمام سیکرٹ ایجنٹ ایک جیسے ہوتے ہو۔ ہر قسم کے احساس سے عاری ایک انسانی مشین کی طرح۔ میرا تو خیال ہے کہ جس دن تم اپنا مشن مکمل محسوس کرو گے اپنی مقامی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالو گے۔"

"نہیں ویرا جی!" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔ "میری خود ساختہ جلاوطنی میں اُس عورت نے مجھے بہت سُکھ دیا ہے۔ اُسے میں دل و جان سے چاہنے لگا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ مجھے دیندار مسلمان سمجھتی ہے۔ یہ گالی میری برداشت سے باہر ہے جسے میں پندرہ برس سے سوتے جاگتے برداشت کر رہا ہوں۔ تمھاری دعا سے جب میرا مشن پورا ہو گا تو میں اُسے اور دونوں بچوں کو کلکتے لے جا کر اپنے ہاتھوں سے کالی دیوی کے چرنوں پر بھینٹ کر دوں گا۔ مانا کہ وہ میرا بھی خون ہے مگر میرا خون گنگا جل تو نہیں جو ہمیشہ اور ہر جگہ پاک رہتا ہے۔ کیا پتا کہ کب میری بیوی کا خون میرے بچوں کے سر چڑھ کر بولنا شروع کر دے۔ اتنی بڑی قربانی دے کر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے بچے میرے دیوتاؤں کو بُرا سمجھنے لگیں۔"

"تمھارے خیالات قابلِ قدر ہیں۔" اس وقت ویرا اُس مردود سے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ "اپنا خدا مٹی کا ہو یا پتھر کا، ہر ایک کو جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اب تم دعا کرو کہ تمھارا کرنل حوصلہ کر کے تمھارا ضامن بن جائے اور تمھیں اپنے برسوں کے خواب پورے کرنے کا موقع مل سکے۔"

"میں کل رات اسی وقت تم سے بات کروں گا۔" اُس کی آواز ممنونیت آمیز ہو گئی تھی۔

"میں نو بجے یہ سسٹم آن رکھوں گی، فی الحال شب بخیر!" ویرا نے وہ الوداعی فقرہ ادا کر کے اپنے لیے سگریٹ سُلگائی اور میں نرم قالین پر بے آواز قدموں سے اس مواصلاتی نظام کی طرف بڑھ گیا۔

"بڑے لال پیلے ہو رہے تھے تم اُس کی باتوں پر!" میرے فارغ ہونے پر ویرا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مشتعل ہو کر اُسے گالیاں دینی نہ شروع کر دو..."

"میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ ذرا بھی بولتا تو وہ اپنے دل و دماغ میں چھپا ہوا زہر اُگلنا بند کر دیتا۔ مجھے تو اس خبیث پر پہلے ہی شبہ تھا۔ اب تم نے اپنے کانوں سے سُن لیا کہ وہ کون ہے اور کیا گُل کھلانا چاہ رہا ہے۔"

"وہ کون ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اُسے تو بھول جاؤ۔ دشمن ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ ایسے ہی تباہ کن منصوبے بناتے ہیں۔ تمھارے نزدیک وہ خبیث اور ملعون ہے مگر اپنے ہم وطنوں کے لیے وہ بہت بڑا ہیرو ثابت ہو گا۔ مادیت پرستی کے اس دور میں تمھیں ایسے کتنے لوگ ملیں گے جو کسی نظریے کی آبیاری کے لیے وطن اور گھر بار کو تج کر دشمنوں کی صف میں اتنی طویل مدت تک ریاض کرتے رہیں؟ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اُسے اپنا مقصد

آگے بڑھانے کے لیے یہاں والوں کی حمایت اور سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اِن جونکوں کو جسم کاٹے بغیر کس طرح نوچ کر پھینکا جا سکتا ہے؟"

"تم یہ سوال آج کر رہی ہو اور مَیں نے صرف اسی بنا پر شی سے بغاوت کی تھی۔ میرا ضمیر مجھے یہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ مَیں ہیروئن جیسا زہر اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں میں پھیلاؤں۔ اُس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہیروئن اور اسلحے کا اتنا قریبی ساتھ ہوگا۔ شی تو اس دَور کی مکروہ ترین طاقت ثابت ہو رہی ہے۔

کیا تمھارا ضمیر تم کو کبھی اِن سرگرمیوں پر ملامت نہیں کرتا؟"

"جو لوگ اپنے گھروں میں داخل ہونے سے روک دیے گئے ہیں، اُن کے بارے میں تمھارا ضمیر کیا کہتا ہے؟" اُس نے میرا سوال نظر انداز کر کے جوابی سوال کر ڈالا۔

"جو لوگ اپنے ذاتی تحفظ کے لیے اپنے وطن کے بخیے اُدھیڑنے پر تُل جائیں وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انھیں چوراہوں پر پھانسی پر لٹکایا جانا چاہیے . . ."

"یہ آفاقیت کا دَور ہے مسٹر ڈینی!" وہ میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اس دَور میں ہم بند جزیروں میں نہیں رہ رہے۔ تم اپنا جغرافیہ درست رکھنے کے لیے لوگوں کو سُولیوں پر لٹکاؤ گے تو تاریخ تمھارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔ تاریخ تو پھر بعد میں آئے گی، حقوقِ انسانی کے عالمی ادارے لٹھ لے کر تمھارے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"حقوقِ انسانی کے عالمی ادارے!" مَیں نے حقارت سے کہا۔ "یہ سب بڑی طاقتوں کے چونچلے ہیں۔ چھوٹے ملکوں میں مقامی مفادات پر سیکڑوں انسان تہِ تیغ کر دیے جاتے ہیں، ڈرگ مافیا اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے خون کی ہولی کھیلتی ہے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن فاک لینڈ میں ایک انگریز جوڑے کی ٹھکائی ہو جاتی ہے تو برطانیہ کی شاہی بحریہ اپنی پوری بحری اور فضائی قوت کے ساتھ اُسے روند ڈالتی ہے۔ یہ سب بھانڈوں کے درباری ادارے ہیں اور ہر حال میں اُسی کے گُن گاتے ہیں جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے۔"

"یہ بہت طویل اور لاحاصل بحث ہوگی۔" وہ بات وہیں ختم کرتی ہوئی بولی۔ "یہ بتاؤ کہ اب اپنے دوست کو اسلحہ دلوانے کا ارادہ ہے یا اُسے ٹال دیا جائے؟"

"تم شی کی نمک خوار ہو اور مجھے نہیں بلکہ اپنے باپ کو جواب دہ ہو، اس لیے جو مناسب سمجھو وہ کرتی رہو۔ مَیں تمھاری روزی کے معاملے میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔" مَیں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اِس بے حسی پر تمھارا ضمیر تمھیں ملامت نہیں کرے گا؟"

اُس نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "تمھاری ناک کے نیچے یہ سودا ہوگا اور تم تماشا دیکھتے رہو گے؟"

"مَیں نے یہ نہیں کہا۔ تم اپنا کام کرو، مَیں اپنا کام کروں گا۔" میرا سیدھا سا جواب تھا۔

"میرے مقابل آنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مَیں تمھاری خاطر یہ سودا ترک کر دوں؟ مگر یہ یاد رکھنا کہ مَیں نے بلیک کیٹ ڈی کو اتنا مُنہ صرف اس لیے لگایا ہے کہ غزالہ بحفاظت ہماری تحویل میں آسکے۔"

"تمھیں سودا خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُس کی فرمائش پوری کر کے جتنا مال بنا سکتی ہو وہ بنا لو۔ اسلحے کی فراہمی کے عوض اگر غزالہ کو چھڑوا سکتی ہو تو یہ حسرت بھی پوری کر لو۔ مَیں اپنا کام اس وقت شروع کروں گا۔ جب اسلحہ تمھاری تحویل سے نکل کر . . . . بلیک کیٹ ڈی کے قبضے میں چلا جائے گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمھارے اعتماد کی بدولت مجھے اُس لین دین کے بارے میں تفصیلی معلومات مل گئی ہیں۔"

میری بات سُن کر ویرا کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ تعریفی لہجے میں بولی۔ "یہ تو واقعی سب سے سہل تجویز ہے۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی مگر بلیک کیٹ ڈی کو شبہ ہو جائے گا کہ اس سودے کے بارے میں مخبری کی گئی ہے۔ اتنی بڑی کھیپ پکڑے جانے پر ایک مدت کے لیے اُن لوگوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"پیسہ تمھارے پاس آجانے کے بعد وہ تم سے کوئی شکوہ نہیں کر سکے گا۔" مَیں نے اپنی دلیل کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "پندرہ برس کی ریاضت کے بعد آخر کار اُسے اپنے سَر میں دھول ڈال کر اپنی کالی پیلی دیویوں کے چرنوں میں ہی واپس لَوٹنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی ناکامی کا صدمہ اُسے خودکشی پر مجبور کر دے۔"

"یہی تدبیر بہتر رہے گی۔" وہ مجھ سے پوری طرح متفق تھی۔ حالانکہ وہ سب مَیں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا۔ میرا اصل منصوبہ تو پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ نہ ہوگا بانس، نہ بجے گی بانسری والی کہاوت اس وقت کرنل مہیش پال پر سو فی صد صادق آرہی تھی۔ اس سے دو فائدے تو حاصل ہوتے ہی تھے لیکن بلیک کیٹ ڈی کی تازہ ترین ہرزہ سرائی کے بعد مَیں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ کرنل سے بلیک کیٹ ڈی کا سراغ حاصل کر کے اُسے بھی پہلی فرصت میں ٹھکانے لگانا تھا۔

میرے لیے وہ رات بہت اہم تھی۔ ایک طرف سینڈو کو کورنگی کریک سے ہیروئن وصول کرنی تھی۔ مَیں اپنے پروگرام کے مطابق اس کی وصولیابی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکا تھا لیکن مجھے اُس کا کچھ زیادہ غم نہیں تھا کیونکہ تبدیل شدہ منصوبے کے

ت وہ ساری کھیپ جُوں کی توں میڈرڈ کے ذریعے نیویارک وانہ کی جانے والی تھی۔ شہر میں سرور لودھی کے قتل اور جاتو ماچھی ے فرار کی وجہ سے پولیس کی جو سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں، اُن ی وجہ سے مَیں سینڈو کے بارے میں فکر مند تھا۔ میرے مفادات ی تکمیل کے لیے اُس کی سلامتی بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھی۔

دوسری طرف میرا دھیان سلطان شاہ کی طرف بھی لگا ہوا تھا۔ اُس نے فلیٹ سے ائرپورٹ جانے کے بعد مجھے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے اُمید تھی کہ اُسے اسلام آباد جانے والی کسی پرواز میں جگہ مل گئی ہوگی۔

سلطان شاہ غزالہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ حساس تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اسلام آباد پہنچنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کرنل مہیش پال پر کام شروع کر دے گا۔ اگر اُسے رات ہی میں اُس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیابی حاصل ہو جاتی تو وہ مجھے فون کر کے وہاں سے فوری طور پر کراچی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

ان دونوں کی خیر خبر لینے کے لیے میرا اپنے فلیٹ پر موجود رہنا ضروری تھا کہ ویرا کو پورے پس منظر کی ہوا لگے بغیر مَیں اپنا کام مکمل کر سکوں۔ اس لیے مَیں ویرا کے مکان سے فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

جہانگیر کے ساتھ شام میں میری جو جھڑپ ہوئی تھی اس پر وہ بہت زیادہ شرمسار تھے اور پھر سلمیٰ بھی گھر کے بجائے اسپتال میں تھی اس لیے وہ میری غیر موجودگی میں اسپتال کا چکر لگا کر فلیٹ پر ہی آگیا تھا اور بظاہر میرے ساتھ ہی شب بسری کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

مجھے اُس کو دیکھ کر خوشی ہوئی مگر مَیں نے اُس پر رُعب گانٹھنے کے لیے خشک لہجے میں سوال کیا۔ "تم اب تک یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"گھر، گھر والی سے ہوتا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستا ہوا بولا۔ "جب گھر والی اسپتال یا میکے میں ہو تو ہر جگہ گھر کے برابر ہوتی ہے۔ آج تو تم بھی اکیلے ہی نظر آرہے ہو۔ تمھارا جوڑی دار کہاں ہے؟"

اُسے بہت دیر سے سلطان شاہ کی غیر حاضری کا خیال آیا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ اُسے بھولا نہیں تھا۔

"اگر آپ تمھارے ہوش و حواس بحال ہو چکے ہوں تو کچھ کام کی بات کر دوں؟" مَیں نے اُسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اب بار بار اس ناخوشگوار واقعے کا ذکر کر کے شرمندہ نہ کرو۔" وہ بُرا مانے بغیر بولا۔ "کبھی کبھار تم سے بھی ایسی بے اعتدالی سرزد ہو سکتی ہے۔"

"سلطان شاہ ایک اہم مشن پر اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ اس لڑکا

قوی امکان ہے کہ واپسی میں اُس کے ساتھ ایک خطرناک قیدی بھی ہوگا۔ اگر حالات سازگار رہے تو وہ کل کسی بھی وقت واپس آجائے گا۔"

"قیدی؟" اُس نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا۔ "تو کیا وہ کسی کو اغوا کرنے گیا ہے؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔" مَیں نے اُس کے خیال کی تائید کی۔ "آنے والا ایک اہم سیاسی بلکہ سفارتی عہدے دار ہوگا۔ اُس سے بازپرس کے لیے مجھے شاید تمھاری فیکٹری استعمال کرنی ہوگی۔"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں، فیکٹری تو کیا، تم اس مقصد کے لیے میرا گھر بھی استعمال کر سکتے ہو۔ سلمیٰ کو ابھی چار چھ دن تک اسپتال میں رہنا پڑے گا مگر سوال یہ ہے کہ تم اچانک ہی ٹریک سے کیسے اُتر گئے۔ سفارتی عہدے داروں سے تمھارا کون سا نیا تعلق پیدا ہو گیا جو اب اُن کے اغوا تک کی نوبت آگئی ہے۔"

"بس یُوں سمجھ لو کہ مجھے اتفاقاً ہی ایک بھیانک سازش کا علم ہو گیا ہے جو کامیاب ہو گئی تو نہ صرف صوبہ سندھ خاک و خون میں نہا جائے گا بلکہ سرحد پار سے بھی کوئی بڑی مداخلت ہو سکتی ہے۔ اس کا سدِباب کرنے کے لیے اس سفارتی افسر پر ہاتھ ڈالنا ضروری ہو گیا ہے۔"

پھر مَیں نے نہایت اختصار کے ساتھ اُسے بلیک کیٹ ڈی سے متعلقہ واقعات سے آگاہ کرنا شروع کیا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی تک چڑھتی چلی گئیں۔

"اگر تم اتفاقاً ہی درمیان میں نہ آجاتے تو بلیک کیٹس نے شی سے یہ سودا کر لیا ہوتا۔ شی تو واقعی نہایت خون آشنا تنظیم ثابت ہو رہی ہے۔"

"برخوردار! مَیں بلاوجہ ہی شی سے بدظن نہیں ہوا تھا۔ لاہور میں مَیں نے اُن کا ایسا بھیانک روپ دیکھا تھا جو کسی کو بھی ہول دلانے کے لیے کافی ہوتا۔ لاہور میں لائیڈز کا ٹیج ان کا ایک ایسا گڑھ تھا جہاں ان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ وہاں زیرِ زمین تہ خانوں میں تباہ کُن اسلحے کے بھاری ذخائر موجود تھے جو آخر کار اسی ملک کی تباہی کے لیے استعمال ہونے تھے۔ ان ذخیروں کو مَیں نے ویرا کے ساتھ مل کر خود تباہ کیا تھا اور جب ہی سے جمی لائیڈ میرے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔"

"لیکن مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ اس واقعے کے بارے میں اخبارات میں کچھ اور ہی کہانیاں چھپی تھیں۔" جہانگیر نے اس پرانے واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"یہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ ہر کلیدی جگہ پر ان کے ایسے نمک خوار موجود ہیں جو ان کے اصل چہروں کو بے نقاب

ہونے ہی نہیں دیتے۔ ہوتا کچھ اور ہے، کہانیاں کچھ اور ہی پھیلائی جاتی ہیں۔"

"اور میں ان کے لیے کام کرتا رہا تھا۔" وہ پھریری لیتا ہوا بولا تھا۔

"بلکہ اصولی طور پر تم اب بھی ان ہی کے تابع ہو۔ آدمی ایک بار ان میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے ان ہی کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور باغی ہو جائے تو یہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میری تو عقل کام نہیں کرتی کہ تم ان سے ٹکرا کر اب تک کیسے زندہ ہو۔ بھوکے درندوں کے غول کو اپنے پیچھے لگا کر آدمی زیادہ دیر تک نہیں بچ سکتا۔"

"حوصلہ اور مضبوط قوتِ ارادی ہو تو ہر کام ممکن ہے اور اب یہی دیکھ لو کہ بلیک کیٹ ٹی اور اس کا سرپرست کسی پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود میری جھولی میں آ گرا ہے۔"

"لیکن کرنل مہیش پال کو سلطان شاہ اسلام آباد سے یہاں تک کیسے لائے گا؟"

"وہ اس کا کام ہے۔ جب سر پر ذمے داری آ پڑتی ہے تو آدمی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ غزالہ کے لیے وہ اس قدر پریشان رہتا ہے جیسے وہ اس کی سگی بہن ہو۔"

"چلو، تمھیں مفت میں ایک وفادار اور جاں نثار سالا ملا ہوا ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

ہمارے لیے باتیں کرنے کے لیے اس گمبھیر صورتِ حال کے بارے میں بہت مواد موجود تھا۔ اس لیے ہم دیر تک اس بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ بارہ بجے میں نے سینڈو کے لیے فون کیا تو دوسری طرف سے اس کی پژمردہ آواز سن کر مجھے شبہ ہوا کہ وہ اپنے مشن میں ناکام رہا تھا۔

"آج شہر کے حالات بہت ناسازگار ہیں۔" دعا سلام کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "پولیس کی مدد کے لیے رینجرز کو بھی طلب کر لیا گیا ہے اور جگہ جگہ گاڑیوں کو روک کر تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ مال کا کیا بنا؟" اس کے تمہیدی فقروں سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔

"وہ بہت دشواریوں سے مال لے کر پہنچا تھا اس لیے کسی بھی قیمت پر واپس لے جانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ واپسی کے سفر میں رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تو اس کی چمڑی میں بھوسا بھر دیا جائے گا۔ میں خود بھی وہاں سے مال نہیں لا سکتا تھا۔ اس لیے مجبوراً ساری تھیلیاں ایک ویرانے میں زیرِ زمین دفن کر دی گئیں۔ ایک دو روز میں حالات معمول پر آئیں گے تو وہاں سے مال نکال لوں گا۔"

"اس وقت تک وہ لوگ انتظار کر لیں گے جنھیں آگے مال دینا ہے؟"

"مجبوری ہے، انھیں انتظار کرنا ہی ہو گا۔ اس وقت شہر میں مال کی پوزیشن بہت ٹائٹ ہے۔ باہر بھیجنے کے لیے خالص مال کی اتنی بڑی مقدار کہیں سے نہیں مل سکے گی۔"

"ٹھیک ہے، میں صبح دفتر آ کر بات کروں گا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کس سے کس مال کے بارے میں بات کر رہے تھے؟" جہانگیر نے میری اس گفتگو پر چونکتے ہوئے سوال کیا۔ "اس وقت تمھارے لب و لہجے سے پرانے قصوں کی بو آ رہی تھی۔ ایک طرف مال اور اسلحے سے نفرت کر رہے ہو اور دوسری طرف اسی کی فکر میں دُبلے ہوئے جا رہے ہو۔"

"آج کل میں کئی محاذوں پر مصروف ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک پارٹی کو ڈبل کراس کر رہا ہوں۔ مال سامنے آتے ہی پکڑوا دوں گا۔ اب تو میرے سامنے بس یہی ایک مشن رہ گیا ہے۔"

"تم ہر طرف اور ہر ایک سے دشمنی لے کر جو چومکھی لڑائی لڑ رہے ہو وہ تمھارے لیے بہت مہلک ثابت ہو گی۔ کسی بھی وقت اتنی خاموشی اور بے رحمی سے مار دیے جاؤ گے کہ ہمیں تم پر رونے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ تم پر جنون کی کیفیت طاری ہوتی جا رہی ہے اور بعض اتفاقی کامیابیوں نے تمھارا دماغ بالکل ہی خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اپنے زمانے میں خود تم نے کتنے شرفا اور معززین کو جھوٹے مگر مضبوط مقدموں میں پھنسا کر ان کا جینا اجیرن کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی تمھاری زندگی جہنم بنا دیں گے۔۔۔"

"شاید میرے وہی پرانے گناہ میرے ذہن پر کچوکے لگاتے رہتے ہیں۔ جو میں ان کے ازالے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ اس راستے میں مارا بھی گیا تو دوسری دنیا میں کم از کم میری روح تو سکھی رہ سکے گی۔"

"یہ سب خود فریبی کی باتیں ہیں، بس یہ یاد رکھو کہ جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو اس کے پَر نکل آتے ہیں۔ تم نے جو اونچی پرواز شروع کی ہوئی ہے، مجھے اس کا انجام اچھا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "عینک لگا کر دیکھو گے تو سب صاف نظر آنے لگے گا۔"

"مشورہ مان لو گے تو ہمیں بھی خوشی ہو گی۔ نہیں مانو گے تو جب تک تمھاری زندگی لکھی ہوئی ہے، مجبوراً تمھارا ساتھ ضرور دیتے رہیں گے۔ اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔"

"جمع کا صیغہ استعمال کر رہے ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "کیا اپنے ساتھ سلمیٰ بھابی کو بھی شامل کر رہے ہو؟"

"تم بلاوجہ اس کی طرف سے بدظنی میں مبتلا رہتے ہو۔ جس طرح سلطان شاہ غزالہ سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اس کے لیے سگے بھائی سے زیادہ بے چین رہتا ہے، اسی طرح سلمیٰ تمھاری حالت اور بے ترتیب زندگی پر کڑھتی رہتی ہے۔" اس نے وہ ناموزوں ترین مثال دے کر میری طبیعت بدمزہ کر دی۔ اسے حقیقت کا علم نہ ہونا ایک دوسری بات تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سلمیٰ کے دل میں میرے لیے کیا جذبات موجزن رہتے تھے۔ اور وہ کیوں مجھے بار بار خلوت میں گھیر کر مجھ سے ناگفتنی باتیں کیا کرتی تھی۔ میری مجبوری یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بات بھی جہانگیر کو نہیں بتا سکتا تھا۔

"وہ ٹوک ٹوک کر تمھیں تمھاری غلطیوں کا احساس دلانا چاہتی ہے، اس کی دلی آرزو ہے کہ تم اپنی زندگی میں کوئی ترتیب اور قرینہ پیدا کر لو مگر تم ہر وقت اس سے لڑنے پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہو۔ یقین کرو کہ اس کے دل میں جھانکو گے تو وہ تمھیں مجھ سے زیادہ اپنی خیرخواہ نظر آئے گی۔"

"مجھے اس کی خیرخواہی پر کبھی کوئی شبہ نہیں رہا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "اسی لیے کئی بار کی تُو تُکار کے باوجود میں اس سے صلح کر چکا ہوں لیکن اس کا کسی ہیڈ ماسٹرنی والا رویّہ مجھے چڑانے لگتا ہے۔۔۔"

"یہی نہیں، بلکہ کچھ اور بھی ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو میں بری طرح چونک پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے دل کا چور پکڑ لیا ہو لیکن وہ بولا تو میرا اندیشہ ختم ہو گیا۔

"تمھارے اور اس کے درمیان تکرار کی ایک بڑی وجہ سلطان شاہ کی ذات بھی ہے۔ وہ آج تک اسے دل سے تمھارا گہرا دوست تسلیم نہیں کر سکی ہے اور اس بار بھی تم اسی کی وجہ سے ناراض ہو کر میرے گھر سے آئے تھے۔ میں سب کچھ سمجھ رہا تھا لیکن بات بڑھ جانے کے خوف سے خاموش رہا تھا۔"

"تم جیسے عقلمند شوہروں ہی کی وجہ سے نسلی ارتقا کا عمل جاری ہے۔ ورنہ ساری دنیا کی عورتیں اپنے شوہروں سے لڑ کر گھروں میں بیٹھ چکی ہوتیں۔"

وہ کھسیائے ہوئے مدافعانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا، کیونکہ اس کے یہاں بچے کی ولادت قریب ہونے کی وجہ سے نسلی ارتقا کی پھبتی اس پر بُری طرح چپکی تھی۔

جہانگیر جب تولیے سے اپنا سر اور بدن خشک کرتا ہوا غسل خانے سے برآمد ہوا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ اس کے بدن پر دلدار آغا کے آدمیوں کے تشدد کی کی متعدد نشانیاں مندمل ہوتے ہوئے زخموں کی صورت میں موجود تھیں اور وہ میرے اندازے کے مطابق غیر معمولی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہوا تھا مگر کئی دنوں تک خانہ نشین ہو رہنے کی وجہ سے اس کی شراب نوشی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ عادی شرابیوں کی طرح وہ بھی ہر اچھائی کو مے نوشی سے منسوب کرنے کا عادی تھا اور میری ہر سرزنش پر اس نے یہی کہا تھا کہ شراب کے جراثیم کش اور صحت افزا اثرات کی وجہ سے ہی وہ اپنے زخموں سے اتنی جلدی سنبھل گیا تھا، ورنہ شاید ہفتوں تک بستر پر صاحبِ فراش رہتا۔

اس نے بستر پر جانے سے پہلے بھی اس کا سہارا لینا ضروری سمجھا کیونکہ رات کا کوٹا لیے بغیر اسے آسانی سے نیند نہیں آ سکتی تھی جبکہ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دُور تھی اور مجھے بلاوجہ اس کا ساتھ میسر آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے شوق پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور تقریباً دو بجے تک ہم یونہی بیٹھے گپیں لڑاتے رہے۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا جبکہ میرا ذہن مسلسل سلطان شاہ کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کامیابی اور ناکامی، ہر حالت میں مجھے رات ہی کو باخبر ضرور کرے گا۔ آخرکار جب جہانگیر پر ہلکی سی اونگھ سوار ہونے لگی تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اور میں اسے بستر تک پہنچا کر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

نائٹ لیمپ کی روشنی میں اپنے بستر پر سگریٹیں وغیرہ پھونکتے ہوئے کسی ارادے کے بغیر ہی مجھے سٹی والوں کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل کی ہوئی وہ خطیر رقم یاد آ گئی جو ڈالروں کی صورت میں جوں کی توں سلمیٰ کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ ابتدا میں میں نے اس رقم میں سے جو چند بنڈل نکالے تھے ان کے بعد کبھی پیسے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اس لیے میں لوٹ کے اس مال کو بھولا ہوا تھا لیکن جہانگیر کے گھر پر جو ہنگامے ہو چکے تھے، ان کی بنا پر مجھے رقم کا وہاں چھوڑنا احمقانہ اقدام محسوس ہو رہا تھا اور پھر کبھی کبھار تو وہ گھر سراسر نوکروں ہی کے رحم و کرم پر رہ جاتا تھا۔ جیسے اس وقت سلمیٰ اسپتال میں تھی اور جہانگیر فلیٹ میں میرے پاس دُھت ہو کر سو رہا تھا۔

میرے ذہن میں بھانت بھانت کے متعلقہ اور غیر متعلقہ

خیالات آتے رہے میں نیند کا دُور دُور تک کوئی پتا نہیں تھا پھر آخر کار صبح کے سوا تین بجے ٹیلی فون کی گھنٹی کے ایسی شور نے مجھے بری طرح بوکھلا دیا۔
میری توقع کے عین مطابق دوسری طرف سے سلطان شاہ بول رہا تھا۔
"تم کہاں ہو خیریت تو ہے نا؟" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی انتہائی تشویش میں سوال کیا۔
"میں خیریت سے ہوں" مرنا باقی آگیا ہے تم تیاری کر لو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں یہاں سے نکلنے ہی والا ہوں۔ میں نے اپنے ساتھ دو مقامی آدمی لے لیے ہیں جو مجھے کراچی پہنچا کر واپس آجائیں گے۔ . . "
"اس وقت کہاں ہو تم؟" کرنل مہیش پال کے پکڑے جانے کی خبر یہ ہے یہ ایک بڑی خوش خبری سے کم نہیں تھی مگر مجھے سلطان شاہ کی سلامتی کی زیادہ فکر تھی۔ غلط کار سفارتی نمائندے کسی بھی طرح سفاک اور بے رحم سیکریٹ ایجنٹوں سے کم نہیں ہوتے کیونکہ بے نقاب ہونے کی صورت میں تو ان کا کیریئر ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ جو سفارت کار ایک مرتبہ کسی بڑے اسکینڈل میں ملوث ہو جائے اسے دوسرے ممالک عام طور پر یہاں کسی طور قبول ہی نہیں کرتے اس لیے مجھے ڈر تھا کہ کہیں کرنل پال نے مزاحمت کرتے ہوئے اسے زخمی نہ کر دیا ہو۔
"شاید تم نے سنا ہو کہ اسلام آباد سے ذرا آگے بری امام کا مزار ہے۔ میں اسی سے ملحقہ آبادی میں اپنے جاننے والوں کے ساتھ مقیم ہوں مجھے گولی کا زخم آیا ہوا ہے۔ یہ مجبوری نہ ہوتی تو میں اب تک گجرات سے بھی آگے نکل چکا ہوتا۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ اب وہ مسلسل بے ہوش ہے اور اسی حالت میں کراچی پہنچے گا۔"
"زخم کہاں آیا ہے؟ اور تم اس وقت کہاں سے فون کر رہے ہو؟"
"زخم معمولی سا ہے۔ گولی بائیں بازو کی جلد پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس وقت بھی میں اسی آبادی میں ہوں اور ایک سرکاری ادارے کو جانے والی فون کی لائن سے تار جوڑ کر اس وقت تم سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے تم سے فون پر اطلاع دینے کا وعدہ کیا تھا جو میں نے پورا کر دیا ہے۔ اب میں جلدی میں ہوں۔ کیونکہ اس وقت پولیس والے رات بھر کے گشت کے بعد تھک ہار کر آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اسی وقت نکلنا چاہتا ہوں۔"
"اتنا بڑا خطرہ مول نہ لو۔ منہ اندھیرے تمھاری گاڑی ہر جگہ مشتبہ سمجھی جائے گی۔ دن نکلنے کے بعد جب ٹریفک رواں ہوگا تو پر ہجوم سڑکوں پر کوئی تم پر خاص توجہ نہیں دے گا۔" میں نے اصرار کیا۔
"تم فکر نہ کرو۔ جی ٹی روڈ پر دن رات بھاری ٹریفک چلتا رہتا ہے۔ ایک بار میں اس سڑک پر نکل گیا تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مجھے اس کی گاڑی سے کچھ نقشے اور دستاویزات بھی ملی ہیں جو میں جلد از جلد تم تک پہنچانا چاہتا ہوں اور پھر غزالہ کے لیے بھی ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اس وقت میں اپنے ذرا سے آرام کی خاطر کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
"تمھارا زخمی ہونا خطرناک ہے۔ ایک کار میں ایک بے ہوش مریض اور دوسرا زخمی ہو تو پولیس لامحالہ شبے میں پڑ جائے گی اور پھر تمھارے پاس کچھ دستاویزات بھی ہیں۔ گاڑی میں تھوڑا بہت اسلحہ بھی ہوگا. . . "
"میں نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "میرا زخمی بازو جیکٹ کی آستین میں پوشیدہ ہے۔ ہمارا اسلحہ لائسنس یافتہ ہے اور ہم ایک نئی مرسڈیز میں سفر کریں گے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ پولیس والے ایسی قیمتی گاڑیوں کو روکنے کی ہمت نہیں کرتے۔ بدقسمتی ہی آڑے آجائے تو یہ اور بات ہے۔"
"ٹھیک ہے، میں تمھیں مجبور نہیں کر سکتا۔ مریض کو براہ راست جہانگیر کے گھر لے آنا، میں تمھیں وہیں ملوں گا۔ اس کے ساتھ فلیٹ آنا اور پھر فیکٹری کی طرف روانہ ہونا مناسب نہیں رہے گا۔"
"میں اب کسی بھی قیمت پر اس عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔ "وہ میری حد سے زیادہ تحقیر کرتی ہے۔ میں تم کو نہیں منع کر سکتا لیکن اگر شہر میں وہی ایک محفوظ ٹھکانا رہ گیا ہے تو میں مریض کو تمھارے حوالے کر کے پھاٹک ہی سے واپس لوٹ جاؤں گا۔ وہاں ٹھہرنا میرے لیے ممکن نہ ہو سکے گا۔"
"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ تمھاری عزتِ نفس مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ دراصل سلمٰی کئی دن کے لیے اسپتال جا چکی ہے۔ اس کی غیر حاضری میں تمھارے لیے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"
"وہ لوٹ آئی تو میں وہاں نہیں رکوں گا۔" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے۔
فون کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد میرا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ کرنل مہیش پال بلاشبہ سلطان شاہ کی قید میں تھا۔ لیکن اس ایک واقعے سے پیوستہ متعدد سوالات ایسے تھے

جو میں فون پر سلطان شاہ سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اگر اس کے لیے وہ مہم آسان ثابت ہوئی ہوتی تو وہ صبح کے سوا تین بجے کے بجائے بہت پہلے مجھے فون کرتا۔ اسلام آباد میں اس وحشی درندے پر ہاتھ ڈالنے کے لیے سلطان شاہ کو یقیناً محنت کرنی پڑی تھی اور اس بارے میں واپس آنے کے بعد وہ خود ہی زیادہ بہتر روشنی ڈال سکتا تھا اور مجھے اس وقت تک قیاس آرائی اور انتظار کی اذیت سے گزرنا تھا۔
سلطان شاہ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد کہیں آرام کیے بغیر بھی سفر جاری رکھتا تب بھی اس کا اگلے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا۔ اس کی جلد از جلد واپسی اگلی صبح ہی ہو سکتی تھی۔
ایک اعتبار سے وہ صورتِ حال کوئی اطمینان بخش نہیں تھی کیونکہ آنے والی رات کے نو بجے ویرا کو ایک بار پھر بلیک کیٹ ٹی ٹی سے بات کرنا تھی۔ ویرا نے اس سے تو کہہ دیا تھا کہ اس دوران میں وہ کرنل سے مطلوبہ ضمانت حاصل کرنے کی کوشش کرے گی مگر مجھے اس سے یہ دریافت کرنا یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کرنل سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کسے استعمال کرے گی۔ میری دانست میں اس وقت پاکستان میں ستی سمٹ کر ویرا کی ذات تک محدود رہ گئی تھی۔ میرے سامنے کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جس پر ویرا اعتماد کر کے اپنا رازداں بنا سکے۔
اگر ویرا کرنل سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی تو اسے رات نو بجے سے پہلے ہی بوکھلا کر مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا کیونکہ کرنل پال کے اغوا کی خبر سفارتی حلقوں سے ہوتی ہوئی جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیلنی چاہیے تھی۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی سفارتی افسر کا اغوا بجائے خود ایک اہم واقعہ ہوتا ہے لیکن جب دونوں ملکوں کے تعلقات کشیدہ ہوں تو ایسے کسی بھی واقعے کی اہمیت یک بہ یک ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔
ویرا کا کرنل مہیش پال سے رابطہ نہ ہوتا تو اس رات بلیک کیٹ ٹی ٹی سے تلخ گفتگو ہونے کا امکان تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ غزالہ کو چھوڑ لینے کے باوجود ٹرانسمیٹر پر اس سے میری یا ویرا کی بات کرانے سے انکار کر دیتا۔
جو کچھ ہوا ہمارے پروگرام کے مطابق ہی ہوا تھا لیکن اس میں اوقات کا تعین کرتے ہوئے تقدیم و تاخیر کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔
اس ضمن میں جب میں نے اپنے ذہن میں سلطان شاہ سے ہونے والی گفتگو کا جائزہ لیا تو مجھے اس میں کھلا تضاد محسوس ہوا جس پر میں نے پہلے توجہ نہیں دی تھی۔ ایک طرف سلطان شاہ نے یہ بتایا کہ اس کا بایاں شانہ گولی سے زخمی ہوا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اغوا کی واردات خاموشی سے اور بلا مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ گولیوں کے ساتھ تصادم بھی ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اس واقعے کا راز میں رہنا ناممکن نظر آتا تھا۔ لیکن دوسری طرف اس نے اپنی روانگی کے ضمن میں پولیس کا اس طرح ذکر کیا تھا جیسے دارالحکومت میں کوئی غیر معمولی صورتِ حال نہ ہو۔ اس کا یہ کہنا کہ پولیس والے رات بھر کے گشت کے بعد اس وقت تھک کر آرام کر رہے ہوں گے۔ یہ ظاہر کرتا تھا کہ سلطان شاہ کی دانست میں دارالحکومت کی پولیس ایک سفارتی افسر کے اغوا سے لاعلم تھی۔
واقعات تیزی سے رونما ہو رہے تھے اور اس وقت جو تصویر بن رہی تھی وہ بہت گنجلک تھی۔ آنے والے حالات کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی تھی۔ لیکن یہ طے تھا کہ مجھے ہر لمحے مستعد اور ہوشیار رہنا تھا، ورنہ میری ذرا سی غفلت سے حالات قابو سے باہر نکل سکتے تھے۔
تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تو مجھے احساس ہوا کہ اس وقت میرے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی پریشانی کی وجہ سے جاگ رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ فون کال سلطان شاہ کی نہیں تھی۔ اس نے سرکاری لائن سے تار جوڑ کر جس طرح مجھ سے فون پر بات کی تھی۔ اس عمل کا اتنی جلدی دہرانا آسان نہیں تھا اور پھر اس نے فرار کی عجلت میں خود ہی گفتگو کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔ اس لیے ریسیور اٹھاتے ہوئے مجھے پوری امید تھی کہ وہ کوئی نئی آواز ہوگی۔
"میں ویرا بول رہی ہوں۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کان میں اس کی غنودہ آواز گونجی۔
"بولو، بولو۔" میں نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تم میری قبر میں بھی بولتی رہو گی۔ ابھی رات کو ہماری ملاقات ہوئی ہے، پھر صبح کے چار بجے تمھیں جھک مارنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"تمھاری آواز میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں ہے تم اتنی صبح جاگ کر کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز سے ہلکی سی حیرت کا اظہار ہو رہا تھا جو ناقابلِ فہم نہیں تھی۔
"غزالہ غائب ہو گئی ہے نا! اس کے فراق میں اختر شماری کر رہا ہوں۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "تم بتاؤ کہ تمھیں انطونیو کی بدروح نے جھنجوڑا ہے یا کوئی کالا بلا تمھارے بستر تک گھس آیا ہے۔"
"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ کرنل مہیش اپنے گھر سے

غائب ہے۔" ویرا کی آواز سے تشویش ہویدا تھی۔" وہ اپنے کام کے سلسلے میں اکثر کئی کئی دن کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن جانے سے پہلے اپنے سیکریٹری کو اپنے پروگرام سے ضرور آگاہ کر دیتا ہے۔ اسے پیشگی اطلاع دیے بغیر وہ اپنے پروگرام سے پندرہ منٹ کا بھی انحراف نہیں کرتا لیکن آج وہ رات سے کہیں لاپتا ہے۔ اسے آخری بار ساڑھے نو بجے ہالیڈے ان میں ایک ڈنر پارٹی سے روانہ ہوتے دیکھا گیا ہے اس کے بعد وہ گھر نہیں پہنچا۔ نہ ہی اس کے سفارت خانے کا عملہ شہر میں اس کی گاڑی دریافت کر سکا ہے۔"

"یہ خبر میرے بجائے پولیس کو دی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔" میں نے اپنی دلچسپی کو دباتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔" ویسے تم کو یہ سب تفصیلات کس نے مہیا کی ہیں؟"

"جہانگیر کی طرح پاکستان کے چند دوسرے شہروں میں اب بھی شی کے ایسے بڑے موجود ہیں جن سے ایک مدت سے تنظیم نے کوئی کام نہیں لیا لیکن وہ آج بھی تنظیم کے احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ میں نے اسلام آباد میں ایسے ہی ایک شخص کو پوری بریفنگ دے کر کرنل مہیش سے ضمانت حاصل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اسی نے ابھی چند منٹ پہلے مجھے فون پر یہ سب بتایا ہے۔ کرنل کے سفارت خانے نے ابھی تک پولیس سے رجوع نہیں کیا ہے۔ وہ لوگ مخمصے میں ہیں کہ کیا کیا جائے؟ اگر کرنل کسی خفیہ ترین مشن پر نکلا ہوا ہے تو پولیس رپورٹ کے بعد اس کی واپسی پر ناقابلِ بیان دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔ اور اگر کسی نے اس پر ہاتھ ڈالا ہے تو رپورٹ نہ کرنے کی صورت میں اسے کرنل سمیت بہت دور نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ انھیں اس معاملے میں نئی دہلی سے خفیہ ہدایات کا انتظار ہے۔"

"یہ تو واقعی دلچسپ معاملہ معلوم ہوتا ہے لیکن سفارت خانے والوں نے اندر کی یہ باتیں تمھارے آدمی کو کیسے بتا دیں۔ تمھاری باتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ انھوں نے کرنل کی گمشدگی کا معاملہ ابھی تک چھپایا ہوا ہے۔"

"کرنل ہی نہیں، اس سفارت خانے کے مزید دو افسر ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔ ان سے بھی پہلے لین دین ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے آدمی کو تینوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ان میں سے ایک آج کل کرنل کا سیکریٹری ہے۔ وہ کوڈ سنتے ہی سمجھ گیا کہ کرنل کو تلاش کرنے والا شی کا آدمی ہے۔ اسے بلیک کیٹ کے سودے کی بھی کچھ سن گن تھی۔ اس لیے اس نے میرے آدمی کو یہ سب بتا دیا۔ مجھے پریشانی یہ ہے کہ اگر کرنل کو کچھ ہو گیا تو بلیک کیٹ ٹی سے سودا نہیں بن سکے گا۔

ایسی صورت میں غزالہ کا کیا بنے گا؟ اس کا تو مستقبل تباہ ہو جائے گا۔"

"کسی کا مستقبل بنانا اور بگاڑنا انسانوں کے اختیار میں نہیں ہوتا ویرا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ لہجے میں کہا۔" ہم لوگ جو کچھ کر سکتے تھے ہم نے کر کے دیکھ لیا اب باقی کام خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ معاملہ اتنا سنگین اور نازک ہے تو بلیک کیٹ ٹی کو تم سے پہلے کرنل کی گمشدگی کا علم ہو چکا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ سندھ میں اسلحہ پھیلانے کی مہم کا اصل روحِ رواں کرنل ہی تھا۔ بلیک کیٹ ٹی کو اس نے اپنی سفارتی حیثیت بچائے رکھنے کے لیے استعمال کیا ہوگا۔ اگر میرا یہ خیال درست ہے تو کسی مقامی خفیہ ایجنسی کے لوگ بھی اسے اٹھا سکتے تھے۔" میں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

ویرا نے مجھے معاملہ سلجھانے کے لیے فون کیا تھا مگر میں کرنل کے معاملے کو اس کے لیے اتنا الجھا دینا چاہتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہی نہ رہ سکے اور رات کو بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والی گفتگو میں فطری انداز اختیار کر کے اسے کسی بھی صورت میں نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے دے۔ میرے لیے اس معاملے میں وقت حاصل کرنے کی وہی ایک سب سے بہتر اور قابلِ عمل صورتِ حال ہو سکتی تھی۔

"میرے لیے یہ خبر تشویش انگیز تھی اس لیے میں نے تمھیں مطلع کرنا ضروری سمجھا تاکہ تمھیں میری کارکردگی پر کوئی شبہ نہ ہو۔ غزالہ کے بارے میں میں اپنا وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کر رہی ہوں لیکن من مانے نتائج کا حصول میرے بس سے باہر ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے اور تم بھی اس معاملے میں میری کوئی مدد کرنے سے قاصر ہو۔" اس گفتگو کے نتیجے میں اس کی آواز سے نیند کا خمار یکسر کافور ہو چکا تھا۔

"تم خود بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری تو عقل ہی ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔"

"کیوں نہ ہم خود جانو ماچھی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں؟"

"اگر خودکشی کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔" وہ ان جنگلوں کا کیڑا ہے جہاں اس نے برسوں سے روپوشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس کے چپے چپے پر اس کے مخبروں کا جال بچھا ہوا ہوگا۔ تم ان اطراف میں قدم رکھتے ہی قیدی بنا لی جاؤ گی۔ آبادیوں سے دور جنگلوں اور ویرانوں میں روپوش رہنے والے دہشت گرد مسلسل محرومیوں کے نتیجے میں صنفِ مخالف کے حق میں بالکل جانور ثابت ہوتے ہیں۔ بہرحال میں تمھیں کسی ایسی حماقت کا مشورہ نہیں دوں گا۔ غزالہ کے تو

ے اچھے ہیں کہ جانو ماچھی نے اسے اپنے لیے پسند کر کے اپنے ساتھیوں کی چیرہ دستیوں سے بچا لیا ہے۔ تم بلیک ٹی سے یہ بھی سن چکی ہو کہ غزالہ سمیت جانو ماچھی کے آدمی راچی ہی میں روپوش ہیں جنھیں اس نے اپنی حکمتِ عملی ان کی کمین گاہ میں محصور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس تم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتی ہو کہ بلیک کیٹ ٹی کو ہیں نے کر غزالہ کی نگرانی کرنے والی ٹولی کو کراچی سے لنے دو۔ اسی دوران میں تازہ جمود کا بھی کوئی نہ کوئی حل سامنے آجائے گا۔ جس کی روشنی میں ہم کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔"

"یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ وہ لوگ ایک بار غزالہ کو اپنے لے کر یہاں سے نکل گئے تو پھر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔" ں پر خیال آواز ابھری۔" اگر کسی طرح ہمیں ان کی کمین گاہ ہو جائے تو ہم ہر خطرہ مول لے کر طاقت کے زور پر ان سے غزالہ کو چھین سکتے ہیں۔ غزالہ اب کوئی خانہ دار نہیں رہی ہے۔ تصادم کی صورت میں اپنی حفاظت وہ ہی کر لے گی۔ دیکھو، میں بھی سوچتی ہوں، تم بھی اس بارے غور کرو۔"

"میں تو اس وقت بھی پلک جھپکائے بغیر اسی معاملے ر کر رہا تھا۔ لیکن عین ممکن ہے کہ میں تمھیں کوئی خبر دیے چانک ہی کہیں چلا جاؤں۔ میرے بارے میں تشویش مبتلا ہوئے بغیر یہاں کے حالات تمھیں خود ہی سنبھالنا گے۔ ورنہ کہ میں کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"کیوں، تم کہاں غائب ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟" وہ دم ہی چونک پڑی تھی۔

"میں اسی بارے میں اندرونِ سندھ کا ایک چکر لگانے ارادہ رکھتا ہوں۔" میں نے سلطان شاہ یا کرنل مہیش پال ئی ذکر کیے بغیر کہا۔" میں نے چند بااثر زمینداروں سے ع کر کے کچھ معلومات منگوانے کی کوششیں شروع کی ی ہیں۔ اگر ادھر سے کوئی بھی موافق اشارہ مل گیا تو میں ا ہی چل دوں گا۔"

"لیکن آج رات نو بجے تو تم میرے پاس آؤ گے ناں؟" ا لہجہ مضطربانہ تھا۔" میں چاہتی ہوں کہ بلیک کیٹ ٹی سے کے مذاکرات تم خود بھی سنو تاکہ تمھیں فیصلے کرنے میں مدد سکے۔ اسے بھی یہ معلوم رہے گا کہ تم ابھی تک میرے ساتھ ، وہ اپنی ضرورت کے تحت اندھا ہو رہا ہے۔ ہم سے اسلحہ ل کرنے کے لیے وہ کوئی گندا وار بھی کر سکتا ہے۔ جب کہ غزالہ کی بازیابی تک اس سے کوئی بگاڑ پیدا کرنا نہیں ئی ہوں۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی کے ساتھ کہا۔" لیکن نہ آسکوں تو سمجھ لینا کہ کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ہی مجھے کہیں جانا پڑا ہے۔"

"سلطان شاہ تو فلیٹ ہی میں موجود رہے گا ناں؟" اس نے سوال کیا۔

"تم نے اسے جو کچھ کہا تھا اس پر وہ بُری طرح بدک گیا تھا اور اسی کے بعد سے کہیں بھاگا ہوا ہے۔ شام کو جہانگیر چکر میں پڑ کر تم نے شاید اس کی غیر موجودگی کو محسوس نہیں کیا۔"

"محسوس کیا تھا مگر وہ آوارہ گرد ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ کہیں نکلا ہوا ہوگا۔ تو کیا اب وہ لوٹ کر تمھارے پاس واپس نہیں آئے گا؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی ندامت پیدا ہو گئی تھی۔

"جائے گا کہاں؟ دو چار روز میں غصہ سرد ہوگا تو خود ہی لوٹ آئے گا۔ تم سے میری ایک گزارش ہے کہ اب کہیں اس سے سامنا ہو جائے تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ وہ تم پر ہاتھ بھی چھوڑ سکتا ہے۔"

"میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ وہ مجھ پر ہاتھ اٹھائے میں آناً فاناً میں اس کا سارا غرور خاک میں ملا دوں گی۔ تند خو اور خشک مزاج مردوں کے لیے مظلوم عورت کے آنسو عذاب بن جاتے ہیں۔ جس دن وہ مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا۔ اس کے بعد زندگی بھر میری تحقیر کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

"صبح سویرے خدا کا نام لو ویرا۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔" معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہو اور بس اسی کو زیر کرنے کے خواب دیکھتی رہتی ہو۔ وہ ایک کرخت اور اکھڑ مزاج آدمی ہے۔ تم اس کے منہ لگتی ہو تو مجھے دکھ ہوتا ہے۔ میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں اور نہ اسے پھٹکار سکتا ہوں۔"

"عشق نہیں، بس اسے تم میری اَنا کا سوال کہہ سکتے ہو مجھ جیسی کوئی بھی لڑکی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی مرد اسے مسلسل اور بُری طرح نظر انداز کرتا رہے۔ جس دن میں نے اسے زیر کر لیا وہی اس میں میری دلچسپی کا آخری دن ثابت ہوگا۔ اگر تم چلے بھی گئے تو میں کبھی کبھار تمھارے فلیٹ کا چکر لگاتی رہوں گی۔ جانے سے پہلے فلیٹ کا تالا نہ بدلوا دینا۔ اس سے مجھے بہت آسانی رہتی ہے۔"

"فضول باتیں کر کے اپنی معصومیت جتانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔" میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم لڑکی نہیں بلکہ بھرپور عورت ہو۔ اور نسائیت کے ہر گھر گھاٹ سے واقف ہو۔ اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک

ماہر نقب زن ہو۔ تمہارے لیے دروازوں کے عام تالے تو کیا، تجوریوں کے پیچیدہ قفل کھیل ثابت ہوتے ہوں گے۔ اب اپنی یہ تقریر ختم کرو، تاکہ میں سورج طلوع ہونے سے پہلے کچھ دیر کے لیے سو سکوں۔ تمہاری گفتگو سن کر اب مجھے نیند آنے لگی ہے۔ اس سے پہلے کہ غنودگی کی یہ لہر ختم ہو مجھے سو جانا چاہیے۔"

"رات نو بجے والا معاملہ نہ بھولنا۔" اس نے مجھے آخری یاد دہانی کرا کے فون کا رابطہ منقطع کر دیا۔

"تم نے میرا سونا محال کر دیا ہے۔" میں بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دروازے کی طرف سے آنے والی جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ اتنی رات گئے بار بار فون کی گھنٹی کیوں بج رہی ہے؟" وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔

"رات نہیں ہے، اب تھوڑی دیر میں صبح طلوع ہونے والی ہے۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اگر شراب پی کر بھی تم اتنی کچی نیند سوتے ہو کہ فون کی گھنٹیاں خلل انداز ہوتی ہیں تو تمھیں اپنی بے خوابی کا باقاعدہ علاج کرانا چاہیے۔ تمہاری نیند کے خیال سے میں باہر سے فون کرنے والوں پہ پابندی نہیں لگا سکتا۔"

"میرا تو خیال ہے کہ تم سرے سے سو ہی نہیں سکے۔ بے خوابی کے علاج کے لیے ہم دونوں کو ایک ساتھ جانا پڑے گا۔ تم اپنے اندرونِ سندھ سفر کے بارے میں ابھی کیا کہہ رہے تھے؟"

"ویرا کا فون تھا۔ اس کو اپنی غیر حاضری کا جواز بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے آجانے کے بعد مجھے لامحالہ یہاں سے تمہارے گھر منتقل ہونا پڑے گا۔ بعد میں ویرا کو جواب دہی مشکل ہو جاتی۔"

"لوگوں کے اندرونِ سندھ جانے کے ذکر پہ مجھے وہ دوست یاد آتا ہے۔ جو اپنی شادی کے بعد اندرونِ سندھ سفر کے نام پر اپنی بیوی کے ساتھ حجرہ نشین ہو گیا تھا۔ خاصی تگ و دَو اور اشتہاری مہم کے بعد اسے وہاں سے برآمد کرایا جا سکا تھا۔ مجھے گمان ہوا تھا کہ کہیں تم نے بھی غزالہ کے بجائے اپنا کوئی اور سندھ نہ دریافت کر لیا ہو۔"

"سوتے جاگتے، ہر وقت تمہارے ذہن پر بے ہودگی سوار رہتی ہے۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "اب تم لاابالی لونڈے نہیں رہے ہو۔ چند روز میں ایک بچی کے باپ بننے والے ہو۔ ایسی باتیں تمھیں زیب نہیں دیتیں۔"

"بچی کیوں؟ بچہ کہتے ہوئے شرم آرہی ہے تمھیں؟"

میرے اندازے کے عین مطابق وہ بچی کے لفظ پر بھڑکا تھا۔

"یہ تمہارے اندرونی معاملات ہیں، ان کے بارے میں تم ہی مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میں نے تو یوں ہی روا روی میں بچی کا ذکر کر دیا تھا۔ نومولود کی جنس سے زیادہ میرا مقصد تمھیں یہ جتانا تھا کہ اب تم بھی باپ ہونے والے ہو۔ تو تمھیں باپوں جیسے انداز بھی اپنانے چاہئیں۔"

"ویرا کو تم نے اپنی غیر حاضری کے بارے میں بتا دیا ہے، سلطان شاہ سے تمہارا رابطہ کب اور کیسے ہوگا؟" اس نے میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے موضوع بدل دیا۔

"اس سے بھی میری بات ہو گئی ہے، پہلا فون اسی کا تھا۔ کرنل مہیش پال اس کی قید میں ہے۔ اسے لے کر وہ اسلام آباد سے سیدھا تمہارے ہی گھر پہنچے گا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ہم یہاں فلیٹ پر کیا کر رہے ہیں؟" وہ اس اطلاع پر خوش ہو گیا۔ "اٹھو! گھر چل کر آرام کریں گے۔ کم از کم ملازم گرم کھانا اور عمدہ ناشتا تو فراہم کرتے رہیں گے یہاں تو ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر بیزار ہو جائیں گے۔"

اس کی تجویز مناسب تھی۔ وہاں ہمیں ہر طرح کا آرام ہونے کے ساتھ ہی یہ موقع بھی مل جاتا کہ کرنل کو قید میں رکھنے کے انتظامات کر کے غیر ضروری ملازمین کو جبری رخصت پر بھیج دیتے۔

کرنل مہیش پال ایک سفارتی افسر تھا۔ اس لیے اسے زبان کھولنے پر مجبور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ تشدد کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے کے لیے ہمیں کئی دن تک اسے اپنا قیدی بنائے رکھنا پڑتا۔ اس لیے اس معاملے میں جہانگیر کے گھر جتنے کم ملازمین ملوث ہوتے اتنا ہی بہتر ہوتا۔

اس وقت تک کرنل مہیش پال کے مستقبل کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ غزالہ کی بازیابی کی جستجو میں ایک کلیدی کردار کے طور پر اس کا نام سامنے آیا اور میں نے فوراً ہی سلطان شاہ کو اسلام آباد دوڑایا لیکن اب جب کہ سلطان شاہ نے اسے پکڑ لیا تھا تو جلد از جلد اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

سلطان شاہ نے ایک مقابلے کے بعد اسے زیر کیا تھا اس لیے یہ بات واضح تھی کہ کرنل نے اپنے شکاری کا چہرہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ اگر باز پرس کے دوران میں ہم لوگ نقابیں وغیرہ استعمال کر کے خود کو اس

...ئے رکھنے میں کامیاب ہو جاتے تب بھی رہائی حاصل ...نے کے بعد وہ سلطان شاہ کے لیے خطرات کھڑے ...تا تھا اور ایک بار سلطان شاہ گرفت میں آجاتا تو اس ... ذریعے ہم بھی مشکلات سے دوچار ہو سکتے تھے۔

کرنل مہیش پال بادی النظر میں ہماری سرزمین پر ہونے ...ایک گھناؤنی سازش کا سرغنہ نظر آرہا تھا۔ اس کے ...کے پیشِ نظر اس کا سہل ترین علاج یہ تھا کہ اسے ...ن کا خوف دلا کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جاتا اور اس ...ساری اہم باتیں اگلوانے کے بعد اسے موت کے ...ٹ اتار دیا جاتا اور لاش کو خاموشی کے ساتھ کہیں ...ل کر دیا جاتا۔ اس صورت میں ہم میں سے کسی کے پھنسنے ...کے امکانات بہت کم رہ جاتے لیکن کرنل مہیش پال نرا ...رم ہی نہیں تھا۔ مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک ...ی سفارت کار بھی تھا۔ اس کے سفارت خانے کے ...کار اس کی پُراسرار گم شدگی پر اپنی مجبوریوں کے سبب ...ک دو دن تک تو خاموش رہ سکتے تھے لیکن اس کے ...ہ کسی زیادتی کا یقین ہوتے ہی سیاسی اور سفارتی ...زبر ایک طوفان کھڑا ہو سکتا تھا۔ جو باہمی کشیدگی کی فضا ...ک ناک حد تک بگاڑ سکتا تھا۔

ان دنوں میں جو کچھ کر رہا تھا وہ صرف میری اپنی ...ن کے لیے نہیں تھا۔ میں نے اپنے وطن اور ہم وطنوں ...بلائی کی خاطر شی کو خیر باد کہہ کر ان عالمی بھیڑیوں کی ...ٹی مول لی تھی۔ اپنے لوگوں کو شی کے ذریعے ہیروئن نوشی ...مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے میں نے مافیا والوں کے ...مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو مقامی منڈی سے ...سے زیادہ ہیروئن سمیٹ کر یورپ اور امریکہ کے ...دانتہ شہروں کے مضطرب اور ناآسودہ شہریوں میں ...ہی تھیں۔ اس لیے میں کرنل مہیش پال کے بارے میں ...ایسا خود غرضانہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا جو میری سہولت ...بت پر میری مملکت کو پیچیدہ مشکلات سے دوچار ...یا۔ مگر وہ سب میری نظریاتی قیاس آرائیاں تھیں اصل ...کچھ ہونا تھا اس کا تمام تر انحصار خود کرنل مہیش پال ...اپنے رویے پر ہوتا۔ مجھے اپنے طور پر صرف اتنی... ...لی تدبیر کرنی تھی کہ سلطان شاہ کے علاوہ وہ ہم میں ...کسی کو نہ پہچان پائے اور اگر اسے زندہ رہنا ہی ہو ...تو نادیدہ دشمنوں کی دہشت سے نجات نہ پا سکے۔

کرنل مہیش پال دُبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا جس کے استخوانی چہرے پر اندر کو دھنسی ہوئی عقابی آنکھیں دیکھنے والے کو اپنے وجود میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ وسط سے اس کی چندیا کسی انڈے کی طرح صاف اور چمک دار تھی لیکن کنپٹیوں سے اوپر کھوپڑی پر کھچڑی جیسے بالوں کی ایک جھالر موجود تھی۔ کھوپڑی سے ملی ہوئی سپاٹ پیشانی سے اس کی سنگ دلی کا اظہار ہوتا تھا۔

اس وقت بھی اس کے بدن پر وہی شکن آلودہ، سیاہ سوٹ موجود تھا جس میں اسے اسلام آباد سے اغوا کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کے بشرے سے برہمی ٹپک رہی تھی۔ کیوں کہ اغوا کے فوراً بعد ہی سلطان شاہ نے اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا تھا اور پھر اسے افیم کے زیرِ اثر مسلسل بے ہوش رکھا گیا تھا۔ اسے بے ہوشی ہی کی حالت میں ہم نے جہانگیر کے گھر کے صاف ستھرے اور کشادہ تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں مسہری اور ملحقہ باتھ روم جیسی بنیادی ضروریات کے ساتھ ہی کمرے کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے ائرکنڈیشنر بھی نصب تھا۔ کرنل مہیش پال کی تفصیلی جامہ تلاشی لینے کے بعد اسے ٹھنڈے تہ خانے میں ہی مقفل کر دیا تھا۔ سلطان شاہ زخمی تھا اور طویل سفر سے بُری طرح تھکا ہوا تھا اس لیے ڈریسنگ کرانے کے بعد طویل غسل کر کے ایک خواب گاہ میں جا گھسا تھا۔ اس نے کرنل کی کار سے برآمد ہونے والے جو کاغذات میرے حوالے کیے تھے ان کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

کئی گھنٹوں کا طویل وقفہ دینے کے بعد میں جہانگیر کے ہمراہ دن چڑھے تہ خانے میں داخل ہوا تو کرنل تشویش زدہ انداز میں مسہری پر دراز تھا۔ اسے خائف کرنے کے لیے ہم دونوں نے سر سے پیر تک سیاہ چست لباس پہنے ہوئے تھے جس میں آنکھوں کی جگہ گول سوراخ تھے یا سانس لینے کے لیے نتھنوں کے سامنے باریک جالی لگی ہوئی تھی۔ اس پر اپنی دہشت قائم کرنے کے لیے ہم دونوں نے امریکن کاؤبوائز کی طرح خود کو بے تحاشا مسلح کیا ہوا تھا۔

بلٹ ہولسٹرز سے ہم دونوں کے دونوں پہلوؤں سے اعشاریہ تین آٹھ کے ہولناک پستول لٹک رہے تھے جن کے کئی فاضل میگزین بیلٹ میں لگے ہوئے تھے۔ بائیں شانوں پر خودکار سب مشین گنیں موجود تھیں۔ ان کے فاضل کلپ ایک شولڈر اسٹریپ میں لگے ہوئے تھے۔

کرنل مہیش زمانے کا سرد و گرم دیکھا ہوا ایک گھاگ افسر تھا۔ اس نے کسی بھی قسم کے خوف یا غصے کا اظہار کیے

بغیر قدرے حیرت مگر خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھا تھا۔ اور ہم بھی اسے مخاطب کیے بغیر چند ثانیوں تک گھورتے رہے پھر جہانگیر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق فوجی انداز میں مڑا اور اس زیرِ زمین خواب گاہ سے باہر نکل کر۔۔ دروازہ بند کر دیا۔

میں کرنل مہیش پال پر سے نظریں ہٹائے بغیر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دیوار کے سہارے لگے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے لوڈ کی ہوئی سب مشین گن احتیاط سے اپنی گود میں رکھ لی تھی۔

"یہ کیا ناٹک ہو رہا ہے؟ اور تم لوگ کون ہو؟ مجھے کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا ہے؟" آخر کار اسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ اضطراری لہجے میں بول پڑا۔

"تمھیں اغوا نہیں کیا گیا بلکہ تم دوستوں کے درمیان ہو۔" میں نے بدلی ہوئی مرتعش آواز میں کہا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ تم یہاں آگ سے کھیل رہے ہو۔ انٹر سروسز انٹیلی جنس اور دوسرے کئی حساس ادارے تمھارے وجود اور سرگرمیوں سے غافل نہیں ہو سکتے پھر بھی تم گارڈز وغیرہ کے بغیر باہر نکلنے کا خطرہ مول لیتے رہتے ہو۔ تم کو ان ہی خطرات کا احساس دلانے کے لیے اس قدر غیر معمولی طریقے سے اٹھوایا گیا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے اس واقعے میں میرے ایک آدمی کو اپنے پستول سے بری طرح زخمی بھی کر دیا ہے۔"

"تم دوست کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتے ہو۔ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ ایک غیر ملکی سفارتی افسر کو حبسِ بے جا میں رکھنا کتنا بڑا اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ میری گم شدگی پر میرے سفارت خانے نے اب تک پورے اسلام آباد کو ہلا کر رکھ دیا ہو گا اور جلد یا بدیر تمھیں مجھ کو آزاد کرنا پڑے گا اس لیے اپنا اور میرا وقت برباد کرنے کے بجائے مجھ سے کھل کر بات کرو کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کا لہجہ سپاٹ اور دو ٹوک تھا۔ میرے سر سے پیر تک نقاب پوش ہونے سے اس نے وہی نتیجہ اخذ کیا تھا جو میں اسے باور کرانا چاہتا تھا۔

اس ڈرامے بازی کی بنا پر اس کے دل میں ابتدا ہی سے اپنی زندگی اور آزادی کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ اس جیسے تجربے کار شخص کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ اگر ہم کو آخر کار اسے قتل ہی کرنا ہوتا تو ہمیں اس سے اپنی شناخت چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس سے گفتگو کرنے کے لیے میرے ذہن میں پہلے سے ایک خاکہ موجود تھا مگر اسی لمحے مجھے ایک نئی راہ سوجھ گئی۔ پچھلی رات بلیک کیٹ ٹی ویرا سے زیادہ بالاتر تھا۔ ویرا کو کرنل نہیں ملا تھا اور بلیک کیٹ ٹی غزالہ کو اپنی تحویل میں لینے میں ناکام رہا تھا اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی کامیابی کے لیے دست بہ دعا تھے اس لیے وہی نسخہ کرنل مہیش پال کو فوراً زیر کر سکتا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی۔" میں نے وہ تین الفاظ ادا کر کے خاموشی اختیار کر لی اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری زبان سے وہ نام سن کر وہ حیرت زدہ نظر آنے لگا تھا اور اس کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں پھیل گئی تھیں۔

"بھاری مقدار میں اسلحہ خریدنا چاہ رہا ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسے یہ اسلحہ کیوں اور کہاں درکار ہے۔ وہ مقامی ڈاکوؤں اور چھاپا ماروں کی ایک دلیر فوج کو منظم کر چکا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ وہ ان سے کام لے اس لیے اسے اسلحے کی ضرورت ہے۔ اسے سودے کی تکمیل کے لیے تمھاری ضمانت کی ضرورت ہے۔ وہ خود شی کے لیے اجنبی ہے۔ تم، تمھارا سیکرٹری اور ایک تیسرا آدمی شی کے پرانے شناساؤں میں شامل ہے اگر تم بلیک کیٹ ٹی کی طرف سے معاہدے کی پابندی کی ضمانت دے دو تو اسلحہ یہاں اسمگل کر لیا جائے گا اور بلیک کیٹ ٹی ڈلیوری لے کر سودے کی رقم ادا کر دے گا۔"

وہ خاموشی اور توجہ سے میری بات سنتا رہا لیکن وہ آسانی کے ساتھ میرے چکمے میں آنے والا نہیں تھا۔ وہ بولا تو ابتدائی تحیر کے باوجود اس کا لہجہ سپاٹ اور سرد تھا۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے تم کسی گھٹیا جاسوسی فلم سے متاثر نظر آ رہے ہو۔ شی اور بلیک کیٹ جیسے ناقابلِ فہم استعاروں کے بجائے مجھ سے کھل کر بات کرو اور کسی بھی دوسری بات سے پہلے مصدقہ ثبوت کے ساتھ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں ایک اجنبی کی موشگافیوں پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کر سکتا۔"

"تم یہ بھول رہے ہو کرنل کہ اب وقت تمھارے ساتھ نہیں ہے اور تم اس کمرے میں جو وقت بھی گزار رہے ہو وہ بالکل بے وقعت ہے۔ میری شناخت کے لیے وہی کافی ہے جو میں تمھیں بتا چکا ہوں۔ میں اپنی اتھارٹی کے بارے میں تمھیں کسی بھی طرح جواب دہ نہیں ہوں۔ مجھے نئی دہلی سے یہاں صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں تمھارے آدمیوں کی کارکردگی پر نگاہ رکھوں اور تم میں سے جو بھی آپریشن کی کامیابی کے لیے خطرہ بنتا ہوا نظر آئے میں خاموشی سے اسے راستے سے ہٹا دوں۔ بلیک کیٹ ٹی کی کارکردگی سے میرا دل خوش ہوا ہے۔ وہ اپنی ذات کو پوری طرح کیموفلاج کر کے ایک سرحدی قصبے میں مولوی بن کر بظاہر خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی شناخت طلب کیے بغیر میری اتھارٹی کو تسلیم کر لیا اور شی والے سودے میں تمھاری ضمانت کی ضرورت سے بھی آگاہ کر دیا لیکن تمھاری یہاں پر موجودگی سے ثابت ہوتا ہے کہ تم اپنے فرائض کی ادائیگی سے غفلت برت رہے ہو۔ میں چاہوں تو صرف اپنی صوابدید پر تمھیں ذبح کر کے نئی دہلی کو اطلاع دے سکتا ہوں۔ مجھ سے نہ کوئی بازپرس ہو گی، نہ کوئی مجھے سولی چڑھائے گا۔ شی کی تسلی کے لیے کسی دوسری ضمانت کا بندوبست کر دیا جائے گا۔" اس بار میرا لہجہ ابتدا ہی سے حقارت آمیز اور طنزیہ رہا تھا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تشدد کے بغیر اس کی زبان کھلوا لوں۔

"یہ سب میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔" قدرے سکوت کے بعد اس نے پُرملال لہجے میں کہا۔ "کاش میں تمھاری کوئی بھی بات سمجھ سکتا۔ میں تو خیر ایک معزز اور سچا سفارت کار ہوں لیکن میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ حریف ایک دوسرے کے اہم آدمیوں پر ہاتھ ڈال کر ان کے اندر کے راز اگلوا لیتے ہیں اور پھر اپنی ان معلومات کے سہارے اپنے دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر انھیں ڈبل کراس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میری جگہ تمھاری رمزیہ گفتگو سمجھنے والا کوئی سمجھ دار آدمی بھی ہوتا تو تمھاری شناخت کے بغیر ان کہانیوں پر اعتماد نہ کرتا۔ اہم اور خفیہ کاموں میں باہمی شناخت کی کلیدی اہمیت ہوتی ہے ابھی تو تم محض میری دوستی اور خیر خواہی کا دعویٰ ہی کر رہے ہو جسے تسلیم کرنے سے مجھے انکار ہے۔ اگر ابھی تم یہ کہو کہ تم کوئی پولیس یا فوجی افسر ہو تو میں اس دعوے کو بھی نہیں مانوں گا۔ جب تک تم مناسب شناختی دستاویزات کے ذریعے اپنی باقاعدہ شناخت نہیں کراتے، تم میری نگاہ میں ایک معمولی مجرم رہو گے جس نے کسی مالی فائدے کی امید میں مجھے طاقت اور سازش کے بل پر اغوا کرا لیا ہے۔"

وہ شدید ذہنی اذیت سے گزر چکا تھا۔ افیم نے طویل دورانیے کے لیے اس کے حواس کو مفلوج کیا ہوا تھا مگر اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ نپا تلا تھا۔ وہ کسی پختہ کار سفارتی عہدے دار کی طرح مجھ سے کھل کر کوئی بات کیے بغیر مجھے یہ جتانے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ میرا دوستی کا دعویٰ بودا اور بے بنیاد تھا۔ میری خفیہ معلومات کے حصول کے ذرائع کے بارے میں بھی اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنے شبہے کا اظہار کر دیا تھا۔ جو حقیقت سے بہت قریب تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی تمھارا اندر کا معاملہ ہے۔ اگر تم نے اس کے بارے میں زبان نہ کھولنے کا عہد کیا ہوا ہے تو میں اس بات پر اصرار نہیں کرتا لیکن تم نے جانو ماچھی نامی ڈاکو کا نام ضرور سنا ہو گا جو حال ہی میں حوالات سے فرار ہوا ہے۔ وہ تمھارے لیے کام کرتا ہے لیکن مقامی ہے۔ اس کے بارے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"پھر وہی بات!" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "بھلا ایک غیر ملکی سفارت کار کا یہاں کے ڈاکوؤں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ میں نے اخبارات میں اس کے فرار کی خبریں ضرور پڑھی تھیں لیکن اس موضوع پر تبادلۂ خیال کرنے سے پہلے بھی باہمی تعارف ضروری ہے۔ اگر تم اپنے رویے میں تبدیلی نہ لائے تو آخر کار تم خود ہی اپنی مشکلات میں اضافہ کر لو گے۔" اس کی گفتگو میں پڑھے لکھے لوگوں کی سی نزاکت اور شائستگی بہت نمایاں تھی۔

"مجھے اپنا تعارف کرانا ہوتا تو میں خود کو چھپائے رکھنے کی حماقت نہ کرتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"سفارتی عہدے بہت اہم اور حساس ہوتے ہیں۔" اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں مانتا ہوں کہ طے شدہ عالمی ضابطوں میں ایسی کوئی گنجائش نہیں لیکن کشیدہ صورتِ حال میں بیشتر ممالک اپنے سفارت کاروں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے بالا ہی بالا تجربہ کار مخبروں کو بھیج دیا کرتے ہیں جو دور سے اپنا جائزہ مکمل کر کے واپس لوٹ جاتے ہیں ایسے مبصر اور مخبر لازمی طور پر بہت سینئر اور خفیہ اداروں کے معروف لوگ ہوتے ہیں جو بھیس بدل کر اپنا کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ میں فوج سے فارن سروس میں آیا ہوں اس لیے فوجی اور سول اداروں کے بیشتر سینئر افسران کو کسی نہ کسی طرح جانتا ہوں۔ اگر تم واقعی نئی دہلی سے آئے ہوئے ایسے کوئی مبصر ہو تو تعارف کراؤ یا نہ کراؤ، کم از کم اپنا چہرہ ہی بے نقاب کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہو اور میرا حافظہ ساتھ دے تو میں تمھیں پہچان لوں۔ باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوئے بغیر میں کسی بھی متنازعہ یا مشکوک معاملے پر اپنی رائے تک ظاہر نہیں کروں گا۔"

وہ مجھ سے بحث ضرور کر رہا تھا لیکن اس کے تیور لڑ مرنے کی حد تک جارحانہ نہیں تھے۔ میں سب مشین گن ہاتھ میں دبا کر صوفے سے اٹھا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"تو تم شرافت سے زبان نہیں کھولو گے؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے گھر جانے دو۔" وہ نرمی اور شرافت سے بولا۔ "میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے زبردستی اٹھوایا تھا۔ میرے دفتر میں ملنے آؤ گے تو میں تم سے ہر موضوع

پر کھُل کر بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس اچھے ماحول میں مجھے کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں۔ اس تنگ ماحول میں تو مجھے اپنا دماغ تک ماؤف ہوتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ یہاں تم مجھ سے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکو گے۔"

مَیں نے اچانک ہی اُس کے چہرے پر اُلٹے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ رسید کیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام کر ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ پیچھے لڑھک گیا۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ مَیں نے پیچھے سے اُس کے کوٹ کا کالر تھام کر نہایت بے رحمی کے ساتھ اُسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔

میرے پُرشور تھپڑ سے اُس کا داہنا رخسار سُرخ ہو کر قدرے سُوج گیا تھا اور ہونٹوں کے داہنے کونے سے خون کی پتلی سی لکیر بہ نکلی تھی۔ اُس نے فرش پر سنبھل کر اٹھنا چاہا تھا کہ مَیں نے اُس کی پسلیوں میں زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ بُری طرح بلبلا کر فرش پر ہی تڑپنے لگا۔

"کرنل! مَیں اسی طرح ٹھوکروں سے تمھارے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کر دُوں گا۔" مَیں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "مَیں نے کافی دیر تک تحمل سے کام لیا ہے لیکن اب مَیں تمھاری ڈھٹائی برداشت نہیں کروں گا۔ مَیں اپنے قیدیوں سے سوالات سننے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے ہر قیمت پر اپنے سوالوں کے جوابات چاہئیں۔"

مَیں اُس سے مذاکرات کے دوران اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ جسمانی طور پر زیادہ مضبوط نہیں تھا لیکن اس کی قوتِ ارادی قابلِ رشک حد تک مضبوط تھی۔ اُس کی اعصابی قوت کو چکنا چُور کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اُس پر لگاتار تشدد کر کے اُسے موت کے خوف میں مُبتلا کر دیا جاتا۔

"جو کچھ میرے علم نہیں ہے وہ مَیں تمھیں کیسے بتا سکتا ہوں؟" گھٹنوں کے درمیان سے اُس کی رندھی ہوئی مگر عاجزانہ آواز ابھری۔ "اگر تم خود میرے سامنے نہیں آتے تو کم از کم کسی ایسے آدمی ہی کو لے آؤ جس نے تمھیں میرے بارے میں بتایا ہو۔ مجھے کچھ تو پتا چلے کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"تمھیں ابھی تک اپنے سفارت خانے سے اُمیدیں وابستہ ہیں۔" مَیں نے اُس کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تمھیں کچھ اندازہ ہے کہ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"مجھے اپنے چہرے کے بڑھے ہوئے شیو سے اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے اغوا ہوئے کم از کم دو دن ہونے والے ہیں۔" اُس نے اپنی سُرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنی مدت میں تو مجھے دنیا میں کہیں بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔"

اس کے جواب پر میرا خون کھول کر رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خود کو اسلام آباد ہی میں موجود سمجھ رہا ہو گا لیکن وہ میری توقع سے بڑھ کر ذہین تھا۔ وقت کی پیمائش کے لیے بڑھے ہوئے شیو کا پیمانہ استعمال کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ "تم اپنے لوگوں سے بہت دُور اس قلعے میں قید ہو جہاں میری مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تمھاری کار اسلام آباد میں کرائے کے ایک گیراج میں مقفل کر دی گئی ہے۔ تمھاری تحویل سے جو دستاویزات ملی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ میں تخریب کاری کے ساتھ ہی تم حساس دفاعی نوعیت کی بعض اہم تنصیبات میں بھی دلچسپی لے رہے تھے۔ تمھارے سفارت خانے والے مخمصے میں ہیں کہ کیا کریں۔ اُن کا خیال ہے کہ کہیں تم اچانک ہی کسی مشن پر تو نہیں نکل پڑے۔۔۔"

"مجھے یہ سب سُنا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اُس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اٹک اٹک کر سوال کیا۔ "تم نے میری پسلیوں میں بڑی بے دردی سے ٹھوکر ماری ہے، سانس لیتے ہوئے بھی اس مقام پر شدید درد ہو رہا ہے۔"

مَیں نے اُس کی آخری شکایت کو سُنی اَن سنی کر دیا۔ "کراچی میں جالو ماچھی کے کون کون سے اڈے ہیں؟ وہ یا اُس کے آدمی کہاں پناہ لے سکتے ہیں؟ بلیک کیٹ ڈی کس گاؤں میں رہتا ہے؟ یہاں تمھارے مزید کیا عزائم ہیں؟" مَیں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان سب اور ایسے ہی بے شمار ضمنی سوالات کے ٹھیک ٹھیک جواب درکار ہیں ورنہ تم ہر لمحے موت کی آرزو کرو گے اور موت تمھاری زندگی سے لرز کر دُور بھاگتی رہے گی۔ تم معذوری اور مجبوری کے عالم میں اسی تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن پورے کرو گے اور جب تمھاری طبعی موت آ جائے گی تو تمھاری داغ دار لاش کسی کُوڑا گھر پر پھینک دی جائے گی۔"

"مَیں جو باتیں خود نہیں جانتا، اُن کے بارے میں تمھیں کیا بتا سکتا ہوں؟" اُس نے بے بسی کے عالم میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمھیں میرے بارے میں کوئی خوف ناک غلط فہمی ہوئی ہے یا میرے کسی بدترین دشمن نے میرے خلاف تمھیں بہکایا ہے۔"

وہ اپنے سوجے ہوئے خون آلود چہرے کو ٹٹولتا ہوا فرش سے اُٹھا تو سیدھا ہونے کی کوشش میں کئی بار اُس کے مُنہ سے بے اختیار سسکیاں آزاد ہو گئیں۔ شاید اُس کی کوئی پسلی واقعی چٹخ گئی تھی۔ مَیں نے اُس کے قریب پہنچ کر چند ثانیوں تک اُس کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ خاصی مار کھا لینے کے باوجود اُس کی آنکھوں میں حوصلے کی چمک برقرار تھی۔

میں نے لاپرواہانہ انداز میں سب مشین گن پر اپنی گرفت تبدیل کر کے اُس کی سرد آہنی نال اپنے ہاتھ میں لے لی اور پھر اچانک ہی گھما کر اُس کا آہنی دستہ کرنل مہیش پال کے چہرے پر بائیں طرف رسید کر دیا۔

کئی ہڈیاں چٹخنے کی لرزہ خیز آواز کے ساتھ ہی وہ بُری طرح چنگھاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا اور اُسی لمحے جہانگیر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

مہیش پال فرش پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خون تھوک رہا تھا۔ خون کے سُرخ لوتھڑوں میں ٹوٹے ہوئے سفید دانت اور اُن کی کرچیں بھی دُور ہی سے دیکھی جاتی تھیں۔

اس ضرب سے اُس کے دہانے میں اتنی شدید شکست و ریخت ہوئی تھی کہ وہ مُنہ بھر کر خون تھوکنے سے فارغ نہ ہوتا تھا کہ تازہ خون دوبارہ اُس کے دہانے میں بھرنے لگتا تھا۔

"اُس کی کھال کافی جگہوں سے پھٹ چکی ہے۔ اِن کھلے ہوئے زخموں پر اسپرٹ لگاؤ تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے آسکیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں جہانگیر کو ہدایات دیں اور خود اُس کمرے سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"نہیں!" میری ہدایت پر مہیش پال کے حلق سے خرخراتی ہوئی کرب ناک آواز برآمد ہوئی تھی "میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم . . ."

"بکواس بند کر اُلو کے پٹھے!" جہانگیر نے بھی اس کی پشت پر ایک ٹھوکر رسید کر دی "یہاں صرف باس کا حکم چلتا ہے۔ زبان نہیں کھولے گا تو تیرے مرنے کا انتظار کیے بغیر تیرے زندہ بدن پر اسپرٹ چھڑک کر آگ لگا دی جائے گی اور تو شعلوں کا ناچ ناچنا شروع کر دے گا۔"

"اوہ بھگوان!" وہ بہت درد بھری آواز میں کراہا تھا "یہ کیا کلجگ آن لگا ہے۔ پتا نہیں یہ میرے کس پاپ کی سزا ہے جو مجھے موت بھی نہیں آرہی . . ."

میں نے اُس کی مزید فریاد سنے بغیر دروازہ بند کر دیا۔

دروازے کے باہر ایک مختصر سی راہداری تھی جس میں دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اسی راہداری کے ایک گوشے سے زینے اوپر جا رہے تھے۔

میں نے اپنی سر سے گردن تک چڑھا ہوا چست نقاب اُتارا اور وہیں ایک کرسی پر دراز ہو کر اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔ کرنل مہیش پال سے اس مقابلے میں مجھے کوئی شدید محنت نہیں کرنا پڑی تھی لیکن اس کی ذہانت اور قوتِ برداشت نے اعصابی طور پر مجھے تھکا ڈالا تھا۔

مجھے نظر آرہا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھوں سسک سسک کر دم توڑ دے گا لیکن نہ کوئی اعتراف کرے گا اور نہ ہی کوئی اور کام کی بات اُگل کر دے گا۔

چند ثانیوں بعد میرے کان اندر سے آنے والی چیخوں پر مرکوز ہو گئے۔ جہانگیر نے مقفّل کیبنٹ سے اسپرٹ نکال کر اس کے زخموں کی دھلائی شروع کر دی تھی یا پھر اس پر تشدّد کا کوئی دوسرا دَور شروع کر دیا تھا۔ وہ کمرا خاصی حد تک ساؤنڈ پروف تھا لیکن کرنل مہیش پال کی، ذبح ہوتے ہوئے سانڈ جیسی چیخوں کو اندر ہی مقید رکھنا ان دیوار و بام کے بس سے باہر تھا بلکہ میرا تو خیال تھا کہ وہ آوازیں اوپر موجود ملازمین تک بھی پہنچ رہی ہوں گی جن کی کُل تعداد صرف دو تک محدود رکھی گئی تھی۔

میں نے نہ کوئی آہٹ محسوس کی اور نہ کوئی سایہ دیکھا، بس چھٹی حس کے تحت اچانک ہی پیچھے مُڑا تھا اور پھر بھونچکا ہو کر بے اختیار اپنی کُرسی سے اُٹھتا چلا گیا۔

زینوں والے نیم روشن خلا سے ویرا اس حالت میں بے آواز قدموں سے فرش پر اُتر رہی تھی کہ اس کے ایک ہاتھ میں پستول موجود تھا اور وہ برہنہ پا تھی۔

اُس نے اضطراری طور پر پستول کی نال میری طرف گھمائی تھی اور تقریباً ہذیانی سرگوشی کے عالم میں بولی تھی "اندر کون ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ تمھاری گردن سے یہ سیاہ نقاب کیوں جھول رہا ہے؟"

"جہاں ہو، وہیں سے واپس لوٹ جاؤ ویرا!" میں نے اپنی سب مشین گن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "یہ میرا کھیل ہے، میں تمھیں اس میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا۔" میرا لہجہ سرد اور تحکمانہ تھا۔

"دوستی ہو جانے کے بعد اب کوئی بھی کھیل صرف تمھارا اپنا نہیں رہا ہے ڈینی!" آگے بڑھتے ہوئے وہ دھیمے اور مکارانہ لہجے میں بولی "تم تو اندرونِ سندھ جانے والے تھے پھر یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں تمھارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے جہانگیر سے ملنے آئی تھی لیکن اوپر کی تو فضا ہی عجیب ہے. . .!"

"رُک جاؤ ویرا!" میں غصّے سے اپنا ایک پاؤں زمین پر مار کر غرّایا "مزید آگے بڑھو گی تو میں فائر کر دوں گا۔"

وہ جہاں تھی وہیں منجمد ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کی قہربار نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اندر سے اُبھرنے والی کرنل مہیش پال کی چیخوں میں اس وقت بلا کی شدّت پیدا ہو چکی تھی۔

میں سب مشین گن سیدھی کیے اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور برہنہ پا ویرا اپنی جگہ پر جمی ہوئی خونخوار نظروں سے ے گھورے جا رہی تھی۔ تیور ہم دونوں ہی کے خطرناک اور جارحانہ ے فرق اگر کوئی تھا تو بس اتنا تھا کہ مجھے دیکھنے کے بعد اس کا نول والا ہاتھ غیر ارادی طور پر گرتا چلا گیا تھا جب کہ میں نے ی طرح جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کو اپنی سب مشین گن کی زد لیا ہوا تھا۔

"مجھ سے اندرونِ سندھ جانے کا جھوٹ بول کر تم یہاں ن سا خفیہ کھیل کھیل رہے ہو؟" چند ثانیے کے خون آشام دت کے بعد آخر کار ویرا ہی نے غصّے سے پھنکارتی ہوئی آواز ں سکوت توڑا تھا۔

"یہ میرے دوست کا گھر ہے۔" میں نے اپنا وزن ایک سے دسرے پیر پر منتقل کرتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا "یہ ضروری ہیں کہ میں اپنے ہر فعل سے تمھیں آگاہ کروں۔ اس چھت کے نیچے ں ہر وہ کام کر سکتا ہوں جو میں چاہوں۔ اس کے لیے نہ تو تمھاری جازت ضروری ہے اور نہ واقفیت۔"

سی لمحے ایک بار پھر بند تہ خانے میں سے کرنل مہیش پال ا دہی اور کربناک چیخوں کی گونج باہر تک پھیلنے لگی تھی۔ ویرا مجھ ر بہت زیادہ برہم تھی۔ اس کی کیفیت سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہیں تھا کہ وہ اوپر موجود دونوں ملازمین کی مرضی کے خلاف زبردستی تہ خانے میں اُتر آئی تھی۔ شاید کرنل مہیش پال کی مکروہ چیخوں نے س کے دل میں تجسّس کی جوت جگائی تھی اور وہ ان آوازوں کے تعاقب میں میرے روبرو آموجود ہوئی تھی۔

میں نے اسے اپنی اندرونِ سندھ روانگی کے بارے یں جو کہانی سنائی تھی اس کی روشنی میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لہ میں جہانگیر کے گھر کے اس زمین دوز حصّے میں موجود رہوں گا۔

وہ کسی واضح مقصد یا ارادے کے بغیر تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اِدھر آئی تھی لیکن وہاں مجھے عجیب و غریب حُلیے میں موجود پا کر اس کی کھوپڑی چٹخ اٹھی تھی۔ اپنے قول و فعل کے تضاد پر میں اس بُری طرح رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا کہ ویرا سے کھُل کر مخاصمت مول لیے بغیر چارہ ہی نہیں رہا تھا۔

میں نرمی اور خوشامد کی راہ اختیار کرتا تو وہ اگلے ہی لمحے میں مجھے نظرانداز کرتی ہوئی زیرِزمین خواب گاہ میں داخل ہو کر میرا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ اس لیے میں فوری فیصلے کے تحت اس کے مقابلے پر ڈٹ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے اس سرد اور جارحانہ رویّے سے بددل ہو کر وہ فوراً ہی واپس لوٹ جائے گی۔

"ڈینی!" وہ دانت پیس کر مجھ پر غرّائی تھی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ دروغ گوئی اور مکّاری میں تم اتنی دور تک بھی جا سکتے ہو۔ اس وقت تم مجھ سے اُلجھ سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ موقع ملنے پر میں تمھیں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔"

"ضرور دیکھ لینا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "لیکن ذرا عینک لگا کر غور سے دیکھنا۔ بعض اوقات میں اپنی باریکی کی وجہ سے خود کو آئینے میں تلاش کرتا ہی رہ جاتا ہوں۔"

"ایسی کی تیسی تمھاری باریکی کی!" تاؤ میں آکر اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر، غرّاتے ہوئے، میری طرف دوڑ لگا دی۔ میں ارے... ارے اور ہائیں، ہائیں کرتا ہی رہ گیا لیکن اس نے میرے نچلے دھڑ سے لپٹ کر وحشیانہ انداز میں مجھے نیچے گرا دیا۔

میرے لیے اس کا وہ ردِعمل لاکھ غیر متوقع اور حیران کن سہی لیکن میں چاہتا تو اپنی سب مشین گن کے سہارے اسے نہ صرف خود سے دور رہنے پر مجبور کر سکتا تھا بلکہ چاہتا تو ایک آدھ گولی مار کر اسے زخمی بھی کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس پر آنکھیں نکالنے کے باوجود میرا اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میری کوشش صرف اتنی سی تھی کہ اسے خوفزدہ کر کے وہاں سے واپس لوٹ جانے پر مجبور کر دوں۔

کرنل مہیش پال ویرا کے اسلحے کے سودے میں کلیدی اہمیت کا حامل تھا۔ ویرا نے جب مجھ سے پوچھا کہ اگر میری رائے ہو تو وہ اپنا اسلحے کا سودا سرے سے منسوخ ہی کر دے تو میں نے اس کا وہ احسان لینا پسند نہیں کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق بلیک کیٹ ٹی سے معاملات طے کرنے کی آزادی دے دی۔ اس وقت ہم دونوں باہمی اعتماد کے سائے میں ایک دوسرے سے اپنے تعلقات کو پروان چڑھا رہے تھے لیکن پھر اسلام آباد سے کرنل مہیش پال کے اغوا کی تجویز نے مجھے ویرا سے دروغ گوئی پر مجبور کر دیا۔ میری کوشش یہ تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے مصداق کرنل کے ذریعے عزالہ میری تحویل میں آجائے اور ویرا کو میری طرف سے پوری آزادی ہونے کے باوجود بھی اس کا اسلحے کا غیر قانونی سودا نہ بن سکے لیکن ویرا کی اس وقت کی ناگہانی مداخلت نے سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ سانپ بند کمرے میں ہونے والے تشدّد کے نتیجے میں بری طرح پھنکار رہا تھا اور ویرا لاٹھی کی صورت میں میرے سر پر سوار تھی۔

"تم بہت بے ہودہ اور ہاتھ چھٹ عورت ہو!" میں نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ غنیمت یہ تھا کہ گرتے ہوئے بھی سب مشین گن میری گرفت سے نہیں نکلی تھی "تم کو..."

"بس یوں ہی پڑے رہو۔" وہ میری بات کاٹ کر آنکھیں نکالتے ہوئے غرّائی "مشین گن ہاتھ سے چھوڑ

اپنے قدموں پر نہ اٹھنے دوں گی۔“
دھمکی دینے کے ساتھ ہی اس نے اپنے لوڈ کیے ہوئے پستول کی نال میری پیشانی کی طرف تان لی اور میں کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔
”سب مشین گن تو میں نے یوں ہی دھمکی کے طور پر تانی تھی۔ اگر میں سنجیدہ ہوتا تو مجھ تک پہنچنے سے پہلے تمھارے نقرئی بدن کے چیتھڑے اُڑ گئے ہوتے۔“ میں نے اپنی صفائی میں کہا۔
”یہی تو میں نے تمھیں پہلے بھی بتانا چاہا تھا۔“ وہ چُبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”کہ مرگی کی مریضہ ہونے کے باوجود قدرت نے میری ذات کو ایک عجیب سا سحر عطا کیا ہے جس کے سامنے بالادست اور طاقتور دشمن بھی مسحور ہو کر عمل کی قوت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ میرے خلاف جو کچھ کرنے کے اہل ہوتے ہیں، اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کر پاتے اور میں چشم زدن میں موت بن کر ان کے سروں پر سوار ہو جاتی ہوں..“
”خدا کے لیے میرے سر پر سوار نہ ہونا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ ”میں عملی آدمی ہوں، زبانی کارروائیوں سے میلوں دور بھاگتا ہوں۔“ اسی کے ساتھ میں نے اپنے ہاتھ سے سب مشین گن چھوڑ دی تاکہ بات زیادہ نہ بڑھنے پائے۔
”اب آگے بڑھو اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاؤ۔“ اس نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم نے اندر کسے قید کیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تم نے میرے ساتھ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گی۔“
”بات بڑھانے کی کوشش نہ کرو ویرا!“ میں نے اُسے راہِ راست پر لانے کے لیے نرمی سے کہا۔ ”میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ مجھے ایک بہت اہم اور ضروری کام سے اندرونِ سندھ جانا تھا لیکن میری روانگی سے پہلے ہی ایک ایسا اہم معاملہ پیش آگیا کہ مجھے اپنا پروگرام ملتوی کر کے یہاں آنا پڑ گیا۔ اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن تم اندر نہ جاؤ۔ تمھاری مداخلت سے میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔“
ویرا سے گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں کوئی ایسی راہ تلاش کرنے میں مصروف تھا کہ ویرا کو ناراض کیے بغیر اسے کرنل مہیش پال کی گرفتاری سے آگاہ کر سکوں لیکن وہ واقعہ اس قدر سنگین تھا اور ایسی خفیہ سازش کے ذریعے انجام پذیر ہوا تھا کہ ویرا کا بدکنا لازمی نظر آ رہا تھا۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ فوری طور پر مجھے بدنیت سمجھ کر یہ فتویٰ صادر کر دیتی کہ میں اس سے سمجھوتا کرنے کے معاملے میں مخلص نہیں تھا بلکہ اسے بے وقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ایک بار وہ گرہ پڑ جاتی تو میرے ادارے کے مراسم ہمیشہ کے لیے خراب ہو سکتے تھے۔
”اندر کون کون ہے؟“ اس نے اپنی ہدایت پر اصرار کرنے کے بجائے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا جو میرے لیے ایک اچھا شگون تھا یعنی وہ ذہنی طور پر مذاکرات کی طرف مائل تھی۔
”قیدی کے ساتھ جہانگیر ہے۔“ میں نے قیدی کی شناخت ظاہر کیے بغیر نہایت مخلصانہ لہجے میں جواب دیا جسے سُن کر اس کی تیوری پر کئی بل پڑ گئے۔
”بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔“ وہ مجھے گھورتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی۔ ”شاید اندر کوئی ایسا قیدی ہے جسے تم پوچھ گچھ کے بعد رہا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم نے اسی لیے یہ نقابوں وغیرہ کا چکر چلایا ہوا ہے۔ کوئی ہرج نہیں، میں بھی نقاب لگا کر ہی اس کے سامنے جاؤں گی... لیکن اندر صرف جہانگیر ہے تو تمھارا ہم زاد سلطان شاہ کہاں ہے؟“ آخری سوال اس نے چونکتے ہوئے کیا تھا جیسے اسے کوئی بھولی بسری بات اچانک یاد آگئی ہو۔
”یہ مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”چلا گیا تھا تو اس کی سلامتی کی طرف سے میری طبیعت فکرمند تھی اور اب آیا ہے تو ایک مصیبت ساتھ لے کر آیا ہے۔ تم قیدی کا نام سنو گی تو تمھاری کھوپڑی فضا میں معلق ہو کر رہ جائے گی۔“
”گھٹیا قسم کا تجسّس پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ”مجھ سے سیدھی اور صاف صاف بات کرو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم جس طرح اندرونِ سندھ روانگی کا اعلان کر کے یہاں پائے گئے ہو اس کے پیشِ نظر تم مجھے سچی بات ہرگز نہیں بتاؤ گے۔ لیکن پھر بھی میں تمھاری کہانی سُننا چاہتی ہوں۔“
”مجھے معلوم تھا۔“ میں نے دردناک لہجے میں کہا۔ ”تمھیں سچائی کا یقین دلانا آسان کام نہیں ہو گا۔ مصیبت یہ ہے کہ سلطان شاہ کرنل مہیش پال کو کہیں سے پکڑ لایا ہے۔ اس وقت اندر وہی چیخ رہا ہے...“
ویرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور وہ بپھرے ہوئے تیوروں کے ساتھ بولی۔ ”تم جھوٹے ہو۔ یہ سب تمھاری کارستانی ہے۔ سلطان شاہ جب مجھ سے اُلجھنے کے بعد تمھارے فلیٹ سے گیا تھا تو اس وقت تک ہماری بلیک کیٹ ٹی سے بات ہی نہیں ہوئی تھی اور خود ہمیں کرنل مہیش پال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ تمھارے بیان کے مطابق اس کے بعد سلطان شاہ تم سے ناراضگی کے باعث

اپس نہیں لوٹتا۔ اسے کیسے الہام ہو گیا کہ کرنل مہیش پال بھی کوئی وجود رکھتا ہے...؟“
”اس کی اسی لاعلمی نے تو یہ جنجال کھڑا کیا ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ ”ایک اہم سفارتی عہدے دار کو یوں حبسِ بے جا میں رکھنا سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کا کیا کروں۔ اس کے ملک سے ہمارے سفارتی تعلقات کشیدہ ہی سہی لیکن ہم اس کے ساتھ زیادتی کر کے اپنے ملک کو خطرناک بین الاقوامی پیچیدگیوں میں ڈال دیں گے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کسی سفارتی افسر کو اغوا کر رہا تھا...“
”تم نے پھر بہکنا شروع کر دیا۔“ وہ غرائی۔ ”یہ نہ بھولو کہ میں دمنٹ میں کرنل سے سب کچھ معلوم کر سکتی ہوں۔“
”وہ تم کو حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا۔“ میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ”وہ سمجھ رہا ہے کہ ہم لوگ کسی مقامی خفیہ ایجنسی کے کارندے ہیں اس لیے وہ خود کو معصوم ظاہر کرنے پر تلا ہوا ہے۔ سلطان شاہ نے اسے کراچی ہی میں کورنگی کے علاقے سے اُٹھایا ہے لیکن کرنل مہیش پال اس حقیقت سے سرے سے منکر ہو گیا ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ اسے اسلام آباد میں ایک ڈنر پارٹی سے واپس لوٹتے ہوئے اغوا کیا گیا ہے۔“
”جب سلطان شاہ کو اس کے نام کا علم نہیں تھا اور نہ تم اس سے کبھی ملے تھے تو پھر تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کرنل مہیش پال ہی ہے؟“ ویرا کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا لیکن اس کی آنکھوں میں پائی جانے والی کیفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کڑیاں یکجا کر کے، کسی نہ کسی طرح میری کہانی کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
”اب تم کسی کند ذہن بچے کی طرح بحث پر تل گئی ہو۔“ میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ ”اس کے یہاں لائے جانے کے بعد سب سے پہلے میں نے اس کی جامہ تلاشی لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ کون ہے۔ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب سے اس کا سفارتی شناخت نامہ برآمد ہوا جس پر اس کے نام اور عہدے کے ساتھ ہی اس کی تازہ تصویر بھی چسپاں ہے اور پھر اس نے ہوش میں آکر جوں ہی صورتِ حال کا ادراک کیا، خود چیخ چیخ کر اپنی معزز سفارتی حیثیت کے حوالے سے اپنی رہائی کا مطالبہ کرنے لگا...“
”لیکن سلطان شاہ اس کی طرف کیوں متوجہ ہوا تھا؟“ وہ جلد از جلد پوری بات جاننا چاہ رہی تھی۔
”یہ تمھارا پہلا معقول سوال ہے۔“ میں نے پُرستائش انداز میں کہا۔ ”تم سے جھڑپ کے بعد سلطان شاہ بے مقصد آوارہ گردی

کرتا ہوا کورنگی کے علاقے میں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک جگہ اسے کرنل مہیش پال دو آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہوا نظر آیا۔ کرنل غیر ملکی ضرور ہے لیکن ہم لوگوں کے خدوخال یا رنگ میں اتنا فرق نہیں ہے کہ مقامی اور غیر مقامی میں آسانی کے ساتھ تمیز کی جا سکے۔ سلطان شاہ کو جس بات نے چونکایا وہ ان کی گفتگو میں استعمال ہونے والا جانو ماچھی کا نام تھا جو کرنل کی زبان سے نکلا تھا۔ تمھیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ غزالہ کو اپنی سگی بہن کی طرح چاہتا ہے اس لیے اس نے کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تینوں ہر لحاظ سے اس سے برتر تھے۔ انھیں للکار کر سلطان شاہ کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اس لیے وہ ٹہلتا ہوا ایک دکان پر جا کھڑا ہوا جہاں سے ان تینوں پر بہ آسانی نظر رکھی جا سکتی تھی۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد بقیہ دو آدمی ایک ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ کرنل اکیلا واپسی کے لیے لوٹا تو سلطان شاہ نے اسی کو اپنا شکار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ کرنل نے ان دونوں سے ملاقات کے لیے اپنی گاڑی یا ٹیکسی وہاں سے کچھ دور چھوڑی تھی اس لیے ایک تاریک میدان سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ کو اس پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے آگے اس کا کام بہت سہل تھا۔ وہ خود قبائلی باشندہ ہے۔ اس طرف کے ہزاروں آدمی یہاں رکشے اور ٹیکسیاں چلاتے ہیں۔ سلطان شاہ کو بہ آسانی ایک قابلِ اعتماد ڈرائیور مل گیا جس نے سلطان شاہ کے 'بے ہوش مریض' کو یہاں پہنچا دیا۔ سلطان شاہ کے ساتھ اس قیدی کو دیکھ کر جہانگیر کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس نے مجھے فون کر ڈالا۔ صورتِ حال اس قدر سنگین تھی کہ مجھے اندرونِ سندھ جانے کا ارادہ ملتوی کر کے فوراً یہاں آنا پڑا۔۔۔ کرنل مہیش پال کے شناختی کاغذات ہاتھ لگنے کے بعد میرا ارادہ تھا کہ اسے چھیڑے بغیر بے ہوشی کی حالت میں ہی باہر کہیں پھنکوا دوں لیکن سلطان شاہ کی کہانی آڑے آ گئی۔ اگر کرنل مہیش پال اپنی اداکاری ترک کر کے راہِ راست پر آ جائے تو مجھے اندرونِ سندھ کی خاک چھانے بغیر اسی کے ذریعے غزالہ کا سراغ مل سکتا ہے۔۔۔"

"تمھاری عقل پر شاید برف جمنے لگی ہے۔" پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ کرنل مہیش پال اسلحے کے سودے میں بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننے والا تھا۔ تمھیں اس پر تشدد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم شی اور بلیک کیٹ ٹی کے حوالے سے بات کرتے تو ابتدا ہی سے دوستانہ فضا بن جاتی اور وہ بلاتردد تمھاری مدد۔۔۔ د جاتا۔ بڑے مقاصد کے پیشِ نظر جانو ماچھی کی عیاشی یا ایک۔۔۔ لڑکی کی رہائی کی اس کے نزدیک ذرا بھی اہمیت نہ ہوتی۔۔"

"میں نے یہ تدبیریں بھی آزمالیں لیکن وہ رام نہ ہو سکا۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں نے کسی مصالحانہ کوشش کے بغیر ہی اس پر تشدد کا آغاز کرا دیا ہوگا؟ وہ تو اس قدر ڈھیٹ اور ضدی ہے کہ محتاط الفاظ و لب و لہجے میں اپنا دفاع کرنے پر تلا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ اسے رہا کر کے اس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی جائے تو عین ممکن ہے کہ اس بہتر ماحول میں اسے کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں۔ ہم لوگوں کے نقاب پوش ہونے کی وجہ سے اس نے بدقسمتی سے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ تشدد کتنا بھی ہو لیکن ہم اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔"

"اندر کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ؟" ویرا اپنے کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے بیزاری کے عالم میں بولی۔ "اس کی چیخوں سے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اسے ذبح کیا جا رہا ہو۔۔۔"

"کچھ نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "وہ بدمعاش ہے اور سمجھ رہا ہے کہ اس کی چیخیں کسی کو ادھر متوجہ کر لیں گی۔ دراصل جہانگیر اس کے کھلے ہوئے زخموں کو اسپرٹ سے صاف کر رہا ہے تاکہ۔۔۔"

"بس بس۔۔۔ میں سمجھ گئی۔" اس نے اپنا پستول والا ہاتھ بلند کر کے مجھے مزید بولنے سے روک دیا۔ "غنیمت ہے کہ تم نے اس کے زخموں کی صفائی کے لیے نمک یا مرچ کا انتخاب نہیں کیا۔ اگر تم لوگ تہ خانے میں اس پر اتنی بے رحمی کے ساتھ تشدد نہ کر رہے ہوتے تو میں شاید اوپر ہی سے واپس لوٹ جاتی۔ ملازمین کے مشکوک طرزِ عمل اور پھر کرنل کی چیخوں نے مجھے تہ خانے کے زینوں کا رخ کرنے پر اکسایا تھا۔ ویسے جہانگیر کی بیوی کہاں ہے؟ وہ تو تمھاری طرح کنوارا نہیں ہے۔"

"وہ کیسٹر آئل پینے گئی ہوئی ہے۔" ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی ہوئی وہ بات بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

"کیسٹر آئل؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمھارا؟ کیسٹر آئل بھی کوئی پینے کی چیز ہے؟"

"پتا نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ ماں بننے والی ہے۔ ہماری طرف ایسے وقت کو قریب تر لانے کے لیے کیسٹر آئل ہی دیا جاتا ہے۔"

"تم واقعی کچھ جھکی ہو گئے ہو۔" وہ جھلا کر بولی۔ "سیدھی طرح نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کسی میٹرنٹی ہوم میں ہے؟"

"مشکل یہ ہے کہ سیدھی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "بات کرتے ہوئے یہ دھیان بھی رکھنا پڑتا ہے کہ مخاطب کون ہے۔ ویسے تمھاری اطلاع کے لیے یہ بتا دوں کہ عمر کے اعتبار سے مردوں کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ جوانی میں ہر مرد بکّی ہوتا ہے۔ اپنی بکنے کی دھن میں دوسروں کی بہت کم سنتا ہے۔

۔۔ر قویٰ پر زوال آنے کے ساتھ ساتھ جھکّی ہوتا چلا جاتا ہے۔ جو ۔۔م اعصاب نہیں کر پاتے، وہ بوجھ زبان پر ڈال کر ہر بات پر بال ۔۔کھال نکالنے لگتا ہے اور جو لوگ ان دونوں مراحل سے زندہ و ۔۔لامت گزر جاتے ہیں وہ عموماً شکی پائے جاتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ ۔۔تم نے بکّی، جھکّی اور شکی کے مسئلے پر بکواس کر کے مجھے یہ یقین دلانے ۔۔ کوشش کی ہے کہ ابھی تم جوان ہو۔ میں مانے لیتی ہوں لیکن خدا ۔۔ لیے اندر ہونے والا مکروہ کھیل بند کراؤ۔ وہ تشدد کے بغیر ۔۔ی بولنے لگے گا۔"

مجھے اس امر پر بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اس نے میری ۔۔ائی ہوئی بے بنیاد کہانی پر کوئی بڑا اعتراض کیے بغیر من و عن تسلیم ۔۔لیا تھا۔ مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ ویرا کا سامنا ہونے ۔۔ جب کرنل مہیش کمار اپنے اغوا کا اصل واقعہ سناتا تو ویرا کا کیا ۔۔عمل ہوتا۔

میں ویرا سے صاف کہہ سکتا تھا کہ کرنل ایک مستند مجرم کی ۔۔ا موقعِ واردات سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اپنی بے گناہی ۔۔ت کرنے کے لیے اسلام آباد سے اپنے اغوا کا قصہ تراش رہا تھا ۔۔ا اس پر مقامی حکام کی اجازت کے بغیر شہر بلکہ صوبہ چھوڑ کر سیاسی ۔۔ریب کاری میں ملوث ہونے کا الزام عائد نہ کیا جا سکے۔

میری کسی دخل اندازی کے بغیر اسی وقت کرنل کی چیخوں کا ۔۔سلہ موقوف ہو گیا۔ کراہنے یا بولنے کی آوازوں کے لیے تہ خانے ۔۔ے در و دیوار ضرورت سے زیادہ ساؤنڈ پروف تھے۔

"تم کرنل مہیش پال سے پہلے کبھی مل چکی ہو؟" میں نے ویرا ۔۔ے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے بلاتوقف جواب دیا۔ "لیکن اس کا نام شی ۔۔ے اعلیٰ حلقوں میں سنا جاتا رہا ہے اسی وجہ سے میں نے ضامن ۔۔ے طور پر اس کا نام قبول کر لیا تھا۔"

"پھر تم کس بنا پر یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر رہی ہو کہ وہ تشدد ۔۔ے بغیر بولنے لگے گا؟"

"اس کو یہ جتانا ہوگا کہ ہم اس کی زیرِ زمین سرگرمیوں سے ۔۔ی طرح واقف ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ یہ انکشاف ہوتے ہی ہمارے ۔۔تھ اس کا رویہ ایک دم بدل جائے گا۔"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں نے شی، بلیک کیٹ ٹی اور اسلحے ۔۔ سودے کے تمام حوالے دے کر دیکھ لیا لیکن وہ ٹس سے مس ۔۔نے پر آمادہ نہیں ہوا۔ پھر تم کیا تیر مار لوگی؟"

"وہ کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا ہے۔" وہ استہزائیہ مسکراہٹ ۔۔ے ساتھ بولی۔ "ایک تجربے کار اور سینئر سفارتی افسر ہر ایرے غیرے

کے داؤ میں آکر اپنے کرتوتوں کا اعتراف کرنے لگے تو دنوں میں نہیں بلکہ منٹوں اور سیکنڈوں میں اپنے ہی بہی خواہوں کے ہاتھوں پیوندِ زمیں کر دیا جاتا ہے۔ ان سب واقعات سے زیادہ اہمیت ان پاس ورڈز کی ہے جن کے ذریعے شی لسے اور وہ شی کو شناخت کرتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ اس کا مخاطب شی کا بااختیار نمائندہ ہے تو وہ بلاتکلف اپنی کینچلی بدل ڈالے گا۔ اگر وہ تمھارے ہاتھ آ ہی گیا تھا تو تمھیں کسی احمقانہ پیش قدمی کے بجائے مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کے بارے میں مجھے سب کچھ نہ سہی بہت کچھ ضرور معلوم ہے لیکن تم ہر وقت اکیلے ہی چلنے کے عادی ہو گئے ہو۔ تمھیں وہم رہتا ہے کہ کہیں کوئی دوسرا تمھاری کامیابی میں حصے داری کا دعویٰ کر کے تمھاری اہمیت کو کم نہ کر دے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "تمھیں ہمیشہ میرے معاملات کے بارے میں پورا پورا علم رہتا ہے مگر تم پھر بھی میری کارکردگی کو منفی نظر سے دیکھتی ہو۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کرنل مہیش پال میرا قیدی بن جائے گا مگر سلطان شاہ اچانک ہی اسے گھیر لایا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا رہا وہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر ہوا۔ میں تو یہ چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد اس کی زبان کھلوا کر اسے آزاد کر دوں...!"

"تم نے بہت عرصے کے بعد اپنے کسی قیدی کے بارے میں نرم دلی کا ثبوت دیا ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے اپنے چہرے پر نقاب نہ منڈھی ہوئی ہوتی تو میرے لیے یہ مان لینا آسان نہ ہوتا کہ تم کرنل کو زندہ چھوڑنے کا غیر معمولی ارادہ رکھتے ہو۔" اس نے خاموش ہو کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے تو جھک مار کر دیکھ لی اب میں کوشش کرتی ہوں۔ تم دیکھ لینا کہ پاس ورڈ سنتے ہی وہ ایک نیا آدمی نظر آنے لگے گا۔"

"اب میں تمھیں اندر جانے سے نہیں روکوں گا لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم بھی نقاب استعمال کرو تو بہتر رہے گا۔ تم اس کے بارے میں بہت پُرامید ہو لیکن میں اب بھی اس کی طرف سے مایوس ہوں۔"

ویرا نے اس وقت نیلی جینز اور اسی رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی بالوں پر نیلے رنگ کا پھول دار اسکارف بندھا ہوا تھا۔ اس نے میرا مشورہ سنتے ہی بالوں سے اسکارف کھول کر اپنے چہرے پر اس طرح باندھ لیا کہ آنکھوں سے نیچے اس کا چہرہ دہرے اسکارف کے نیچے چھپ کر رہ گیا۔

اس کمرے کا دروازہ کھول کر پہلے ویرا اور اس کے پیچھے میں اندر داخل ہوا تھا۔ میں نے اندر جانے سے پہلے اپنے چہرے پر نقاب اوڑھ لیا تھا۔

کرنل مہیش پال اس وقت قالین پر اپنے گھٹنے سینے سے جوڑ کر کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح پڑا ہوا تھا اور اس کا بدن لرز کانپ رہا تھا جیسے اسے سردی چڑھ گئی ہو۔ اس کا پھٹا ہوا خون آلود کوٹ ایک گوشے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی سفید خون آلودہ قمیص کو شاید جہانگیر نے کئی جگہ سے پھاڑ دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے بدن کے زخم نظر آ رہے ہے۔ بالوں کی جھالر سے اوپر شفاف کھوپڑی سے بھی خون بہہ رہا تھا اور کمرے کی فضا میں خون کے ساتھ ہی اسپرٹ کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے کرنل کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اسی طرح فرش پر گٹھری بنا ہوا کانپتا اور کراہتا رہا لیکن جہانگیر میرے ساتھ ویرا کو دیکھ کر بری طرح بھڑک اٹھا تھا۔

اسے اچھی طرح علم تھا کہ میں نے کرنل کے معاملے سے ویرا کو دور ہی رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور اس نے ویرا کے چہرے پر بندھے ہوئے اسکارف کے باوجود اسے پہچان لیا تھا۔

"مم... مادام کو تم یہاں کیوں لے آئے؟" ویرا کو دیکھتے ہی اس نے مجھ سے اضطراری لہجے میں وہ بے تکا سوال کر ڈالا جو ویرا کو بدکانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس سوال سے واضح طور پر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا اور کرنل مہیش پال کا ایک دوسرے سے سامنا کرانا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا جب کہ میں چند منٹ قبل پورے خلوص کے ساتھ ویرا کو کچھ اور ہی کہانی سنا چکا تھا۔

"اسے مادام کے بجائے اگر تم ممی کہہ کر اس کی گود میں چڑھ کر ٹھمکنے لگو تو زیادہ اچھے لگو گے۔" میں نے کرنل کی موجودگی کی پروا کیے بغیر جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے کے نام ہی لینا ہوتے تو چہروں پر نقاب چڑھانے کا سوانگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مسٹر کی طرح مادام بھی ایک عام سا کلمۂ تخاطب ہے۔" جہانگیر کے سرد لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات بری لگ گئی تھی۔ "اس سے کون کسی کو پہچان سکتا ہے؟"

"تم سمجھے نہیں۔" میں نے سنبھل کر فوراً ہی مصالحانہ لہجہ اختیار کر لیا۔ "ہمارے ساتھ اس وقت کوئی عام اور کند ذہن آدمی نہیں بلکہ کرنل مہیش پال جیسا گرگ باراں دیدہ ہے۔ اسے کسی بات کا ذرا سا بھی اندازہ ہو گیا تو باہر نکل کر یہ ہمارے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ دروازے کی طرف آتا ہوا بولا۔ "میں باہر ٹھہرتا ہوں۔ تم دونوں اس کو دیکھو۔ ویسے بھی اسپرٹ ختم ہو چکی ہے اس لیے میرا کام بھی ختم ہو گیا تھا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ویرا کو سنائی ہوئی اپنی کہانی کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ پورے معاملے کو میں اکیلا ہی انجام کو پہنچاؤں۔ اگر جہانگیر بے موقع زبان کھول بیٹھتا تو اس کی کہی ہوئی کسی غلط بات کو نباہنا میرے لیے مشکل ہو جاتا۔

اس دوران میں قالین پر پڑے ہوئے کرنل مہیش پال کی پوزیشن میں سرِمو بھی فرق نہیں آیا تھا۔

ہمارے چہروں پر نقاب چڑھے یا بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے ویرا کو پیش قدمی کا اشارہ کیا۔

"کیا ہو رہا ہے کرنل؟" ویرا کے دہانے سے زندگی سے بھرپور کھنکتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی۔

سرد، کرخت اور سفاکانہ مردانہ آوازوں میں وہ مترنم نسوانی جھنکار اس کے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ اس نے چونک کر قالین سے اپنا سر اٹھا کر زمین سے ساڑھے پانچ فٹ کی بلندی پر اس آواز کے مخرج کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور میں کھوپڑی سے ٹھوڑی تک اس کا خون میں ڈوبا ہوا بھیانک چہرہ دیکھ کر اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔ شدید ضربات اور زخموں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ورم کی وجہ سے اس کا اچھا خاصا چہرہ ڈراؤنی حد تک غیر متوازن ہو کر رہ گیا تھا۔ کھوپڑی سے ملی ہوئی پیشانی کے نیچے موجود اس کی عقابی نگاہیں خون کے لوتھڑوں اور سوجن میں تقریباً دفن ہو کر رہ گئی تھیں۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے باہر نکل جانے کے بعد جہانگیر نے اس کی کٹی پھٹی جلد پر صرف اسپرٹ کے استعمال پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اس پر حسبِ ضرورت خاصا تشدد بھی کرتا رہا تھا۔

"مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں اور میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" کرنل کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی نقاہت زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "لیکن تم کون ہو؟" اس دوران میں وہ امید و بیم کی حالت میں اپنی گردن بدستور اسی طرح اٹھائے رہا تھا۔

"ہم سلور آئی کے پجاری ہیں کرنل۔" ویرا کے لبوں سے سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی اور کرنل کے بدن نے یوں جھرجھری لی جیسے وہ انکشاف اس کے لیے غیر متوقع رہا ہو۔ میں خود بھی ایک طویل مدت کے بعد طلسمی سلور آئی کا ذکر سن کر چونکا تھا۔ ویرا نے وہ فقرہ شاید اپنی شناخت کے کوڈ کے طور پر استعمال کیا تھا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شی میں جمی لائیڈ روایتی طور پر سپر آئی مین کہلاتا تھا اور اپنی شناخت کے لیے ایسے تین طلائی سکے اپنے پاس رکھتا تھا جن کے وسط میں چاندی کی ایک نہایت حسین اور خوابناک آنکھ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ ابھری ہوئی ہوتی تھی۔ یورپ میں وہ شناخت بہت مقبول تھی۔ جمی لائیڈ کے براہِ راست ماتحت جو اس کے تمام تر اختیارات اور طاقت کے نفوذ کی علامت سمجھے جاتے تھے، صرف آئی مین کہلاتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے منصب کی شناخت کے لیے ایک سلور آئی کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ شی میں سلور آئی رکھنے والا لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔ ان تجربے کار اور وفادار لوگوں کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اٹل اور ناقابلِ تنسیخ ہوتا تھا۔ سلور آئی دکھا کر وہ شی کے کسی بھی اہلکار سے کام لے سکتے تھے یا اسے سزا دے سکتے تھے اور اپنے فیصلوں کے لیے سپر آئی مین کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں ہوتے تھے۔

یورپ میں جمی لائیڈ اور اس کے معتمدینِ خاص سے خون آشام معرکوں میں میں نے چار سلور آئیز حاصل کر لی تھیں ان میں سے ایک سلور آئی میں نے ویرا کو دے دی تھی مگر تین سکے اس وقت بھی میرے سامان میں محفوظ تھے جن کے سہارے میں اندر کے کسی بھی آدمی کو اپنے جمی لائیڈ ہونے کا یقین دلا سکتا تھا۔

"تم... سلور آئی کی پجاری ہو؟" کرنل کے دہانے سے سرسراتی ہوئی، تحیر زدہ آواز ابھری جیسے اسے ویرا کے دعوے پر یقین نہ آیا ہو مگر اس نے اپنی ابتر حالت کے باوجود خود کو فوراً سنبھال لیا۔ "پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے خاتون!" اس کی نقاہت زدہ آواز میں گہرا تاسف بھی امڈ آیا۔ "اس چھت کے نیچے میری عمر رسیدہ ہڈیوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ گودا گیا ہے۔ جب تک مجھے رہائی نصیب نہیں ہوتی، مجھے یقین نہیں آسکے گا کہ تم میں سے کوئی میرے دوستوں میں سے بھی ہو سکتا ہے...!"

"لیکن سلور آئی کے پجاری تمھارے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔" اس کے ردِعمل پر ویرا کے اعتماد کو دھچکا لگا تھا اور اس کی آواز میں بوکھلاہٹ عود کر آئی تھی۔

"ہوتے ہوں گے۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہتے ہوئے اپنی اٹھی ہوئی گردن دوبارہ قالین پر ڈال دی اور چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد اپنی بات جاری رکھتا ہوا بولا۔ "مگر موجودہ دردناک صورتِ حال نے میرا ذہن ماؤف کر دیا ہے۔ مجھے دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں رہی ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک معزز غیر ملکی سفارت کار ہوں جسے غیر قانونی طور پر حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ دوست ایک دوسرے کے حق میں اتنے سفاک اور سنگ دل نہیں ہوتے جب تک یہ صورتِ حال تبدیل نہیں ہو گی میں کسی سے کسی موضوع پر بات نہیں کروں گا۔"

"تم اس مقدس عہد کی توہین کر رہے ہو کرنل! جو ہمارے اور تمھارے درمیان آج بھی موجود ہے۔" ویرا کی آواز میں پایا جانے

والا جھرنوں کا ترنم یکلخت رخصت ہو گیا۔
"عہد اور عمل خلا میں معلق چیزیں نہیں ہوتیں خاتون!" وہ جس قدر شدید اور بے رحمانہ تشدد سے دوچار ہوا تھا وہ کئی گھنٹوں کے لیے کسی سانڈ کا بھیجا بھی ہلا دینے کے لیے کافی تھا لیکن وہ دھان پان سا آدمی اس وقت بھی پوری طرح اپنی حاضر دماغی کا ثبوت دے رہا تھا۔
"ان کے مؤثر ہونے کے لیے کچھ شرائط ہوتی ہیں' گرد و پیش میں کچھ حالات کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر یہ سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اپنی زمینوں سے مجھے گیہوں فراہم کرنے کا وعدہ کر کے تم وہاں ببول کے جنگل کاشت کر دو تو کیا ہو گا؟ مجھے الزام دینے کے بجائے از راہ کرم مجھے میری آزاد سفارتی حیثیت واپس دلانے کا بندوبست کرو۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میرے ذہن پر سے اپنی توہین اور تذلیل کا بوجھ اتر گیا تو مجھے بہت سی بھولی بسری باتیں خود بخود یاد آ جائیں گی۔ یہ میری سخت جانی ہے کہ میں اس حال کو پہنچ جانے کے بعد بھی تم سے باتیں کر رہا ہوں ورنہ یقین کرو کہ میرے بدن میں جتنی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے' اسے اچھے سے اچھا معالج بھی کئی ہفتے کے بعد اعتدال پر لا سکے گا۔"
"میں تمھاری ہمت کی داد دیتی ہوں کرنل!" ویرا نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "تمھاری سخت جانی کا سبب شاید یہ ہے کہ تم فوج کے کمانڈو گروپ سے فارن سروس میں آئے ہو...."
"میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں' اس موضوع پر میں دوسروں کی رائے زنی سننے کا عادی نہیں ہوں۔" وہ ویرا کی بات درمیان سے ہی کاٹتے ہوئے بولا۔ "بس اتنا کافی ہے کہ میں فوج سے فارن سروس میں آیا ہوں یہ بات میں تمھارے سنگدل ساتھیوں کو پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"
"آزادی اور طبّی امداد کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔" ویرا اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہارا دیتے ہوئے بولی۔ "پہلے تم باتھ روم میں جا کر پانی سے اپنے زخم صاف کرو۔ وسکی کا ایک آدھ پیگ تمھاری حالت بہتر کرنے میں مدد دے گا۔ چاہو تو میں زخم صاف کر دوں گی۔"
وہ ویرا سے کوئی مزاحمت کیے بغیر لڑکھڑاتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تم بھی مجھے فوری طبّی امداد نہیں فراہم کرو گی۔ میرے دونوں رخساروں کی ہڈیاں چٹخ چکی ہیں جن میں بولنے سے بھی شدید درد ہو رہا ہے۔ ایک بازو کا بھی یہی حال ہے۔ جو زخم ہیں' وہ اتنے گہرے ہیں کہ میں نے ان پر جما ہوا خون دھو ڈالا تو تازہ خون پھر سے بہنے لگے گا۔ طبّی امداد نہیں دینی تو نہ دو مگر مجھے اپنے زخم دھونے پر مجبور نہ کرو۔ وسکی میں اس حالت میں بھی پی سکتا ہوں۔"
"زخموں پر جمے ہوئے خون کی پپڑیاں صاف نہ کرو لیکن باقی جگہوں سے خون دھو لو۔" ویرا نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمھارے ہونٹوں پر موجود خون الکحل میں شامل ہو کر تمھارے معدے میں اتر جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمھیں یہاں تشدد سہنا پڑا لیکن یقین کرو کہ یہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے ورنہ ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔"
"اگر ہم سب دوست ہیں' اور میں یہ بھی مان لوں کہ اب تک میرے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا تو پھر تمھارے چہروں پر نقاب کیوں ہیں؟" رسّی جل گئی تھی مگر اس کے بل نہیں گئے تھے۔
"تم اس میدان کے نئے کھلاڑی نہیں ہو۔" ویرا اس کے ساتھ مسلسل مصالحانہ رویّہ اپنائے ہوئے تھی۔ "ہم لوگ غیر ضروری طور پر سامنے آنے سے گریز کرتے ہیں۔ نقابیں اتارنے سے اگر تمھارا کوئی مقصد حاصل ہوتا ہو تو ہم بے نقاب ہونے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کریں گے۔"
"مقصد حاصل ہو گا۔" وہ اپنے خون میں لتھڑے ہوئے چہرے کو جنبش دے کر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "تم میرے سامنے سلور آئی کی پجارن بن کر آئی ہو جب کہ تمھارا ساتھی اس سے پہلے خود کو نئی دہلی سے آیا ہوا ایک بااختیار افسر ظاہر کر رہا تھا۔ میرے لیے ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی میں بھی کوئی کشش نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تم دونوں کے چہرے ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"
اس کے انکشاف پر ویرا نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ اور میں دانستہ اسے نظر انداز کر کے براہ راست کرنل کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ جلد ہی کرنل کے ساتھ میری مُنہ ماری شروع ہونے والی تھی کیونکہ وہ بتدریج گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں شکوہ کرتا نظر آ رہا تھا۔
"جو ہوا اُسے بھول جاؤ کرنل!" ویرا میری طرف سے کوئی اشارہ نہ ملنے پر' قدرے توقف کے بعد بولی۔ "اب ہمیں دوستانہ فضا میں آئندہ کے بارے میں بات کرنا چاہیے۔"
"تم آپس میں مشورہ کر لو' میں مُنہ دھو کر آتا ہوں۔ میرا اصل اور کلیدی سوال یہ ہے کہ اگر تم لوگ مجھ سے دوستی کے دعوے دار ہو تو پھر مجھے اس قدر بے رحمی کے ساتھ اغوا کیوں کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب ملنے اور اپنی آزادانہ سفارتی حیثیت کی بحالی کے بغیر میں تم لوگوں سے کوئی بات نہیں کر سکوں گا۔" وہ اپنی بات مکمل کرتا ہوا ناہموار قدموں سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" اس کے باتھ روم میں چلے جانے کے بعد ویرا نے میرے قریب آ کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "تم دونوں نے تو اس کا بھوسا ہی نکال کر رکھ دیا ہے اور یہ نئی دہلی سے آنے والے افسر کا کیا معاملہ ہے؟"
"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ سلطان شاہ نے اس کی زبان سے جانو ماچھی کا نام سُن کر اسے اغوا کیا تھا۔ میں کرنل کی زبان سے جلد از جلد سچ سُننا چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنی دانست میں اس پر ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اس کی زبان کھلوانے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ اس پر تشدد کی ابتدا کرنے سے پہلے' ساری ترکیبوں میں ناکام رہنے کے بعد میں نے یہ کہا تھا کہ میں نئی دہلی سے پورے اختیارات کے ساتھ صرف اس مشن پر آیا ہوں کہ اس کی کارکردگی کو پرکھ سکوں۔"
"جب سلطان شاہ نے اسے ایک عام مشتبہ آدمی کے طور پر پکڑا تھا تو تم کو اس کی سفارتی حیثیت کا حوالہ دینے اور لمبے چوڑے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت تک میری سُنائی ہوئی کہانی سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔
"مجھے اس کی جامہ تلاشی میں برآمد ہونے والی دستاویزات سے اس کی اصلیت کا علم ہوا تھا۔ شاید میں اس کا حوالہ بھی نہ دیتا مگر اس نے ہوش میں آتے ہی واویلا شروع کر دیا کہ اس ملک میں مجرم اہم سفارتی افسروں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ جب اس نے دوسرے تمام حوالوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مجبوراً مجھے نئی دہلی سے بھیجے گئے افسر کا افسانہ تراشنا پڑا۔"
"تم نے اسے پکڑ لیا ہے اور یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ وہ بہت زیادہ صحت مند نہ ہونے کے باوجود زبردست قوّت ارادی کا مالک ہے۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اپنی غیر مشروط رہائی کے بغیر ہم سے ہماری دلچسپی کے موضوع پر ہرگز بات نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ تمھاری حکمتِ عملی کیا ہو گی؟ کرنل کمانڈو گروپ کے حوالے پر بُری طرح بھڑکا تھا اور میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ فوج میں کمانڈوز کی ساری تربیت کا نکتہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جان دے دو مگر زبان نہ کھولو۔ کرنل اگر سویلین شعبے سے فارن سروس میں آیا ہوتا تو ہم اس پر محنت کر کے کامیابی حاصل کر سکتے تھے مگر اب یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"
"میری حکمتِ عملی تو تمھاری آمد کے بعد دھری کی دھری رہ گئی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب تو تم چودھری بن کر یہاں نازل ہوئی ہو اس لیے تم ہی بتاؤ کہ کیا کرنا مناسب ہو گا؟"
'کیا یہ درست ہے کہ اسے سلطان شاہ نے کورنگی ہی سے اغوا کیا تھا؟' اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد مجھ سے وہ چبھتا ہوا سوال کیا۔
"تمھارا مطلب ہے کہ میں اب تک تم سے جھوٹ بولتا رہا ہوں؟" موقع ملتے ہی میں ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تم تو گھر کی بھیدی بن کر لنکا ڈھانے کی کوشش کر رہی ہو۔"
"تم جھوٹ بول رہے ہو ماسٹر!" کرنل مہیش پال کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ گداز تولیے کے روئیں سے تھپتھپا کر اپنا چہرہ خشک کرتا ہوا باتھ روم سے باہر آ رہا تھا۔ اس کی اچانک مداخلت پر ویرا کا ردِعمل بھی کچھ خوشگوار نہیں تھا۔
"شاید تمھارا یہ تہ خانہ ساؤنڈ پروف ہو لیکن تمھاری بدقسمتی سے اس کمرے اور باتھ روم میں ساؤنڈ پروفنگ کا بندوبست نہیں کیا گیا اس لیے میں باتھ روم میں بھی تمھاری گفتگو کسی حد تک سُنتا رہا ہوں۔" وہ اپنی بات جاری رکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "تم نے کورنگی کا نام لیا ہے تو مجھے اب پہلی بار پتا چلا ہے کہ میں کراچی میں قید ہوں لیکن اس امر میں کسی بھی فریق کو کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے کہ مجھے اسلام آباد سے ایک ڈنر سے واپس لوٹتے ہوئے' انتہائی درندگی کے ساتھ اغوا کیا گیا تھا۔"
میں اس ملعون کو زیرِ لب ایک انتہائی گندی اور کریہہ گالی دے کر رہ گیا۔

"میں مانے لیتی ہوں کہ تمھیں اسلام آباد سے نہیں بلکہ شکمِ مادر سے اغوا کیا گیا تھا۔" اس کی مداخلت بے جا پر ویرا بری طرح مشتعل اور برہم ہوگئی تھی۔ "لیکن اس وقت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اغوا ہو چکے ہو اور ہماری تحویل میں ہو۔ سندھ میں تمھارے جو کچھ مفادات ہیں وہ اپنی جگہ پر ہیں۔ تم بلیک کیٹ ٹی کی ضمانت لوگے تو ہم اسے اسلحہ فراہم کر دیں گے ورنہ اس کی گردن کاٹ کر اس کی لاش دریائے سندھ میں کہیں پھینک دیں گے۔ یہ سب ہمارے لیے سطحی معاملات ہیں۔ اس وقت اہم ترین معاملہ جانو ماچھی کا ہے جو ہماری ایک معزز اور محترم عورت کو اُٹھا لے گیا ہے۔ تم جانو ماچھی کے مقامی ٹھکانوں کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟"

منہ دھو لینے کے بعد اس کا اُدھڑا ہوا چہرہ پہلے سے زیادہ بھیانک نظر آنے لگا تھا۔ ورم اور کٹے پھٹے زخموں کے باعث اس کے خدوخال تک بدل کر رہ گئے تھے۔ دُھلے ہوئے زخموں سے رسنے والے تازہ خون نے اس کے چہرے کو اور زیادہ کریہہ بنا دیا تھا۔ پھٹے ہوئے ہونٹ سوج کر اس طرح کپا ہو گئے تھے کہ اس کا اوپری ہونٹ عملاً ناک سے جا ملا تھا۔ اس وجہ سے ویرا کے سوال پر اس کے چہرے پر رونما ہونے والی کسی تبدیلی کا درست اندازہ نہیں ہو سکا لیکن وہ بولا تو اس کا لہجہ خون سلگا دینے کی حد تک تحیر آمیز اور معصومانہ تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو اور کن لوگوں کے حوالے دے رہی ہو۔ اگر تم مجھ سے دوستی اور ہمدردی کا ذرا بھی دعویٰ رکھتی ہو تو فوری طور پر میری رہائی کا بندوبست کرو تاکہ میں کراچی سے اسلام آباد روانہ ہو سکوں۔ میری اچانک روپوشی نے میرے سفارت خانے کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا اور ان لوگوں نے مقامی اہل کاروں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہوگا۔"

"تم... سور کے بچے! ہوش کے ناخن لو۔ اگر تم نے فوری طور پر اپنی اداکاری کا سلسلہ ترک نہ کیا تو میں تمھارا بھرکس نکال کر رکھ دوں گی۔" ویرا اچانک ہی آپے سے باہر ہوگئی۔

ویرا کے اس ردِ عمل پر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ میں نے اسے دھوکا دے کر بالا ہی بالا کرنل ہیش پال کو اغوا کرایا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ویرا اس بددیانتی پر مجھ سے الجھنا شروع کر دے گی لیکن کرنل ہیش پال نے اپنے احمقانہ رویے سے ویرا کو اس حد تک بھڑکا دیا تھا کہ وہ میرے قول اور فعل کے تضادات کو یکسر فراموش کر کے کرنل کے خلاف ایک فریق بن گئی تھی۔

ویرا نے اپنی بات مکمل کر کے ذرا بھی توقف کیے بغیر کرنل کے رخسار پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کیا تھا اور کمرا چٹاخ کی پُرشور آواز سے گونج اٹھا۔ کرنل اس ناگہانی ضرب سے بری طرح لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کے رخسار کے ایک پُرانے زخم سے خون کا رساؤ یک بیک بہاؤ میں بدل گیا تھا۔

"اگر تو نے سیدھی طرح زبان نہ کھولی تو میں تیرا وہ حشر کروں گی کہ تو ہمیشہ کے لیے ایک زندہ لاش کی صورت میں بدل کر رہ جائے گا۔" ویرا نے طیش میں آ کر اپنے چہرے پر بندھا ہوا اسکارف کھول کر تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھی تجھے زندہ رکھنا چاہ رہے تھے لیکن میرے سامنے ایسی کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر تو اپنی نامردی کی وجہ سے مر بھی گیا تو مجھے کوئی ملال نہیں ہوگا۔"

پہلی بار اس کی نگاہوں میں خوف کے لہریے نظر آئے اور وہ ہکلاتا ہوا بولا۔ "تت... تم سلور آئی کی پجارن ہوتے ہوئے میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتیں۔"

ویرا کے حلق سے بے اختیار ایک وحشیانہ بلکہ ہذیانی سا قہقہہ ابل پڑا۔ "تیرے لیے تو یہ سب اجنبی الفاظ تھے پھر اب سلور آئی کے پجاریوں سے تیری ماں کا کون سا رشتہ نکل آیا کہ میں تیرے ساتھ رعایت کرنے پر مجبور ہو جاؤں؟ سب سے پہلے میں تیرے جسم کے اہم اعضا کو ناکارہ کروں گی اور یہ میرے تشدد کی ابتدا ہوگی۔ اس کی انتہا کا اندازہ لگانے کے لیے تجھے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہیں دینا پڑے گا۔"

اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ویرا کا سبک اور رومان پرور وجود حیوانی انداز میں فضا میں اچھلا اور پھر اس نے فضا میں اُڑ کر اپنی دونوں لاتیں پوری قوت سے کرنل کے سینے پر رسید کر دیں۔ کرنل ایک بے اختیار چیخ کے ساتھ اچھل کر پشت کے بل پیچھے گر گیا۔

وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ویرا اس کے سر پر مسلط ہوگئی اور اس نے کرنل کی شفاف چندیا کے گرد اگی ہوئی بالوں کی جھالر پکڑ کر اسے زبردستی اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔

"یہ... یہ ظلم ہے... درندگی ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے کراہا۔ "م... میں تمھارے بڑوں سے شکایت کروں گا۔ طاقت کے پجاریوں سے ہمارا طویل المدت معاہدہ ہے۔ اس میں ایسی غنڈا گردی اور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں۔"

"تیری ماں کا سر۔" ویرا نے دانت پیستے ہوئے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں داہنے ہاتھ سے کراٹے چوپ مارا اور وہ فضا میں اچھل کر بلبلاتا ہوا فرش پر گرا اور دُہرا ہو کر کربناک چیخوں کے ساتھ تڑپنے لگا۔

"میں خود اپنی بڑی ہوں۔" ویرا نے نخوت آمیز لہجے میں کہا۔ "تو کسی سے میری شکایت نہیں کر سکے گا۔ میں بھی اتنی دیر سے تجھے یہی یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلور آئی کے پجاریوں سے تیرے آقاؤں کا کوئی معاہدہ ہے اور تجھے اس کی پاس داری کرنا چاہیے لیکن تو شاید فاترالعقل ہو چکا ہے۔ غنیمت ہے کہ اب تجھے معاہدہ تو یاد آ گیا ہے لیکن جب تک تو اپنا کوڈ نہیں بتائے گا میں تجھے اُدھیڑتی رہوں گی۔"

"نن... نہیں۔" وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر بلبلایا۔ "میں طاقت کا دیوتا ہوں اب تم مجھے نہیں مار سکتیں۔"

"طاقت کا دیوتا؟" میں نے آہستگی سے دہراتے ہوئے ویرا سے سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا جوابی پاس ورڈ یا کوڈ ہے؟"

"ہاں۔" ویرا نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔ "تم نے دیکھا کہ اسے کتنی جلدی اپنا شجرہ یاد آ گیا؟ تمھاری زبان کا وہ محاورہ بالکل درست ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

"اب تمھارے دماغ سے اپنی سفارت کا بھوت اتر چکا ہے۔" ویرا کرنل سے مخاطب ہوگئی۔ "اسی لیے سیدھی طرح میرے سوالوں کے جواب دیتے چلے جاؤ..."

"نن... نہیں۔" وہ پُراذیت آواز میں کراہا۔ "مجھے اتنا مجبور نہ کرو۔ تم نے اپنا کوڈ بتا کر مجھے مسخر کر لیا ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ تمھارے آنے سے پہلے میں جن لوگوں کی تحویل میں تھا وہ میرے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ضرورت کے پیشِ نظر وہ مجھے کہیں ڈبل کراس کر گزریں..."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم سب ایک ہیں۔ پہلے تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی درست تھا اور جو اب ہونے والا ہے وہ بھی درست ہی ہوگا۔ ہم نہ سفارت کار ہیں اور نہ سیاست باز۔ تم جانتے ہو کہ ہم ہیروئن اور اسلحے کے سوا کسی تیسری جنس کا بیوپار نہیں کرتے۔ اس لیے ہم میں سے کسی کو تمھیں ڈبل کراس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہماری دلچسپی صرف اس معزز خاتون کی بازیابی تک ہے جسے جانو ماچھی اُٹھا کر لے گیا ہے۔" اسے مداخلت کے لیے لب کشائی کرتے دیکھ کر ویرا نے فوراً ہی اسے ٹوک دیا۔ "نہیں... مجھ سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ تم جانو ماچھی کو نہیں جانتے۔ بلیک کیٹ ٹی، سندھ میں تمھارا پروردہ ایجنٹ ہے۔ مجھ سے اس کی ایک بہت بڑی ڈیل چل رہی ہے جس میں وہ ایڈوانس ادائیگی کے بدلے تمھیں ضامن بنانا چاہتا ہے۔ ساری رقم وہ مال کی ڈیلیوری کے وقت ادا کرے گا۔ وہ مجھے بتا چکا ہے کہ جانو ماچھی اس کا خاص آدمی ہے۔"

"تم نے براہِ راست بلیک کیٹ ٹی سے جانو ماچھی کے بارے میں کیوں نہیں پوچھ لیا؟" کرنل ہیش پال نے گہرے سانسوں کے درمیان سوال کیا۔

"تم میرے لیے طاقت کے دیوتا کے حوالے سے شناسا ہو جب کہ وہ بالکل اجنبی ہے۔ اس حد تک اجنبی کہ اس پر اعتبار کرنے کے لیے مجھے ایک ضامن کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس نے ہماری مغویہ کو ایک کارڈ کے طور پر استعمال کرنا چاہا ہے اسی لیے تم کو اٹھوانے کی ضرورت پیش آئی ہے..."

"یعنی تم بلیک کیٹ ٹی کو اس کی ضرورت کا اسلحہ فراہم کرنا نہیں چاہتیں؟" اس نے ویرا کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ اس کے لب و لہجے اور الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے تخریبی منصوبے اور اس کی ضروریات سے پوری طرح واقف تھا۔

"اسے اسلحہ دیں گے۔" میں نے پہلی بار مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن بلیک میل ہونے بغیر... تمھیں معلوم ہے کہ شی اجنبیوں سے آسانی کے ساتھ لین دین نہیں کرتی اس لیے بلیک کیٹ ٹی کو بھی سودے سے منع کر دیا گیا تھا مگر اس نے جانو ماچھی کی مغویہ کا معاملہ درمیان میں لا کر ہمیں بات آگے بڑھانے پر مجبور کر دیا۔ ہمیں یہ صورتِ حال ہرگز قبول نہیں ہے۔"

"تو کیا اس نے تمھیں بلیک میل کے لیے ہی اس خاتون کو اغوا کرایا ہے؟" میری بات مکمل ہونے پر اس نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس نے بظاہر اس اغوا کو ایک اتفاق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اصولی بات صرف اتنی سی ہے کہ بلیک میل کے آگے جھکنا شی کی پالیسی کے خلاف ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے تمھیں اٹھایا گیا ہے تاکہ تم بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ کیے بغیر ہمیں حقائق سے آگاہ کر سکو۔ اسلحے کے معاملے میں جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہے گا۔"

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے اپنا سوجا ہوا ہونٹ سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کراچی میں جانو ماچھی کے اڈے کا پتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"اس خاتون کے اغوا کے الزام میں تم جانو ماچھی کو موت کے گھاٹ اتار دو گے؟" اس نے وہ سوال بالکل اضطراری انداز میں کیا تھا۔

"جانو ماچھی کراچی میں نہیں ہے۔" ویرا نے بات سنبھال لی۔ "اغوا کی واردات کے بعد وہ بلوچستان کی طرف فرار ہو گیا ہے، وہ وہاں سے براہِ راست دادو کے قرب و جوار میں کسی ہوائی اڈے پر اترے گا۔ مغویہ کراچی ہی میں اس کے آدمیوں کی تحویل میں ہے جو اسے شہر سے نکال لے جانے کے لیے کسی مناسب موقع کے

منتظر ہیں۔ ہم ان کو یہیں کراچی میں گھیرنا چاہتے ہیں۔"

"تم نے میرے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں اور مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا ہے۔" اس کے دماغ سے رازداری کا بھوت اتر چکا تھا اور وہ کھل کھلی بات کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔ "بلیک کیٹ ٹی کے لیے جانو ماچھی بہت اہم ہے کیونکہ سرکاری طور پر اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر دس لاکھ روپے کا انعام مقرر ہونے کے باوجود اس کے علاقے کے کسی فرد نے اس کے خلاف مخبری کرنے کی جرات نہیں کی تھی۔ وہ اپنی بدقسمتی سے کراچی میں پولیس کے ایک روٹین کی زد میں آگیا تھا ورنہ اسے گرفتار کرنے کی حسرت کبھی پوری نہ ہوتی۔ قصہ یہ ہے کہ جانو ماچھی اور اس کے آدمی جو کچھ کرتے ہیں اسے عوامی تائید اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ وہ لوٹ مار کے مال سے عوام کی ضروریات فراخ دلی سے پوری کرتا ہے اور جواب میں اس کے علاقے کے لوگ ایک ہیرو کی طرح اسے پناہ دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہونے والی سرگرمیوں کی خبریں اسے پہنچاتے ہیں۔ جس دن اس نے حکومت کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا یوں سمجھو کہ سرحدی علاقوں کی تقریباً نصف آبادی اس کی ہم نوا بن جائے گی۔ اس کا مطالبہ صرف ایک ہے کہ اسے اس کی ضرورت کے مطابق جدید اسلحہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ کم سے کم جانی نقصان اٹھاتے ہوئے طے شدہ علاقوں پر قابض اور حکمراں ہو سکے۔ ہماری منصوبہ بندی میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔"

"اتنی لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے ناگواری کے ساتھ اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہمیں جانو ماچھی سے کوئی غرض نہیں ہم صرف اس خاتون کی بازیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں جو کراچی میں اس کے آدمیوں کی قید میں ہے۔"

"کراچی میں جانو ماچھی کے دو اڈے ہیں۔" خاصے توقف کے بعد اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ ڈیفنس کے علاقے میں ہو سکتے ہیں یا پھر ٹمبر مارکیٹ کی ایک فیکٹری میں مقیم ہوں گے۔"

اس کے لیے کراچی نامانوس شہر تھا۔ اپنے بیان کے مطابق وہ کئی بار کراچی آچکا تھا لیکن شہر کے مختلف علاقوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اسے ٹمبر فیکٹری کا نام اور ڈیفنس والے مکان کا نمبر یاد تھا جو میں نے فوراً ہی نوٹ کر لیا۔

ویرا کا ارادہ بازپرس کا دائرہ وسیع کرنے کا تھا لیکن اس وقت میں ان باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر غزالہ کی تلاش میں نکلنا چاہ رہا تھا اس لیے ویرا نے بھی سوال و جواب کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔ ہم دونوں واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ کرنل مہیش پال نے ہمیں روک لیا۔

"تم ویرا لائیڈ تو نہیں ہو؟" اس نے قدرے تردد کے ساتھ سوال کیا۔ اور ہم دونوں ہی چونک کر اس کی طرف مڑنے پر مجبور ہو گئے۔

ویرا تاؤ میں آکر پہلے ہی اپنے چہرے سے اسکارف اتار چکی تھی۔ جبکہ میرے چہرے پر اس وقت بھی باقاعدہ نقاب منڈھی ہوئی تھی۔

"یہ خیال کیسے آگیا تم کو؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"جو لوگ سٹی سے واسطہ ڈالتے ہیں، وہ جمی لائیڈ اور ویرا لائیڈ کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تم سفید فام ہونے کے باوجود اہلِ زبان کی طرح ہندی بولتی ہو۔ اس لیے لامحالہ خیال آتا ہے کہ تم ویرا ہی ہو سکتی ہو۔"

"ہندی نہیں، یہ زبان اُردو کہلاتی ہے۔" ویرا نے اس کی تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔ "یہاں یہ اُردو کہلاتی ہے سرحد پار ہندی بن جاتی ہے۔ رسم الخط بدل جانے سے الفاظ نہیں بدلا کرتے۔"

"یہ تمہارا اپنا فلسفہ ہو سکتا ہے مگر زبانیں وہی تسلیم کی جاتی ہیں۔ جن کا اپنا رسم الخط ہوتا ہے۔" ویرا نے ترش لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہارا قیاس درست ہے۔ میں ویرا ہی کہلاتی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس بہانے مجھے اپنے دور کی ایک عظیم عورت سے ملاقات کا موقع مل گیا۔" وہ اپنی ابتر حالت کے باوجود حیرت ناک طور پر پُرسکون لہجے میں بات کر رہا تھا۔ "میری یہ خوشی اپنی جگہ پر ہے مگر اسی کے ساتھ میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تمہارے سوالات کے جوابات دینے کے بعد اب میری پوزیشن کیا ہوگی....؟"

"فی الحال کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔" ویرا نے اس کی بات وہیں کاٹ دی۔ "تم نے جو پتے بتائے ہیں، ان کی تصدیق ہونے تک تم ہمارے مہمان رہو گے۔ اتنا فرق ضرور پڑ جائے گا کہ تمہارے بیان کی تردید سامنے آنے تک تم پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"اور اگر بدقسمتی سے جانو ماچھی کے آدمی اس عورت کو اپنے ساتھ لے کر ان ٹھکانوں سے کوچ کر چکے ہوں تو میرا کیا بنے گا؟" اپنے مستقبل کے بارے میں اس کی فکرمندی اپنی جگہ بجا تھی۔

"تم خود اس صورتِ حال کو اپنی بدقسمتی قرار دے رہے ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اس خاتون کی بازیابی تک تمہیں ہماری رہنمائی کا فرض ادا کرنا ہوگا۔"

"مجھے روکنا ہی ہے تو کم از کم میرے سفارت خانے کو فون پر مطلع کر دو کہ میں بہ حفاظت ہوں۔" وہ چند ثانیے کی خاموشی کے بعد تردد آمیز لہجے میں بولا۔ "وہاں میرے علاوہ بھی دو ایسے افراد موجود ہیں جو تمہارے کوڈ کو سمجھتے ہیں۔ انھیں خبر کرنا ضروری ہے، ورنہ میری طویل غیر حاضری پر کوئی بڑا اسکینڈل کھڑا ہو سکتا ہے۔ جو کسی بھی طرح میرے مفاد میں نہیں ہوگا۔"

"تم فی الحال اطمینان سے یہاں قیام کرو۔ یہ سب معاملات ہم دیکھ لیں گے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔ اور میرے ساتھ اس کمرے سے نکل گئی۔

کمرے کا دروازہ مقفل کرنے کے بعد ہم نے زینوں والا دروازہ بھی باہر سے مقفل کر دیا۔ جہانگیر خلافِ توقع وہاں موجود نہیں تھا لیکن زینے چڑھنے کے بعد میں نے اسے ہال میں پوری طرح مستعد پایا۔ اس کے چہرے سے نقاب اترا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہارے ملازمین کہاں ہیں؟" میں نے نقاب سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"سب حرام خور ہو گئے ہیں۔" اس نے بے زاری کے عالم میں کہا۔ "ان دونوں کو بھی میں نے ان کے کوارٹروں میں دفع کر دیا۔ وہ اپنا کام کرنے کے بجائے خود چھپ کر نیچے سے آنے والی آوازیں سننے کی کوششیں کر رہے تھے۔" اس بار وہ ویرا سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

"چلو اب تھوڑی دیر آرام کر لو۔" میں نے تہ خانے کی چابیاں اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "جلد ہی ہمیں مہم پر روانہ ہونا ہے۔"

اس کے استفسار پر راستے میں میں نے اسے تہ خانے میں ہونے والی پیش رفت کے بارے میں آگاہ کیا اور وہ فوراً ہی پُرجوش نظر آنے لگا۔

جہانگیر اپنی خواب گاہ کی طرف گیا لیکن ویرا بدستور میرے ہی ساتھ جڑی رہی اور پھر میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھ پر غرانے لگی۔

"نیچے میں نے بات بڑھانی مناسب نہیں سمجھی تھی مگر اب تم بتاؤ کہ کرنل کو سلطان شاہ نے کہاں سے اغوا کیا تھا؟"

وہ مجھ سے لڑنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔
"میں تمھیں بتا چکا ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
"تم جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔۔ کرنل کے سیکریٹری نے پرسوں ہی کوڈ سننے کے بعد میرے آدمی کو بتایا تھا کہ کرنل آخری بار ہالیڈے اِن کے ڈنر میں دیکھا گیا تھا، اس کے بعد سے لاپتا ہے اور اب کرنل بھی اسلام آباد سے اپنے اغوا کی کہانی سنا رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے بیان میں اس قدر یکسانیت ہو؟ میں نے اسے بھی پھٹکار دیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سچا ہے۔"
"تو پھر اب مجھے بے چراغ پا ہو جانا چاہیے۔" میں نے غصے میں آئے بغیر کہا۔ "شاید اس وقت تمھاری کھوپڑی پر برف جم گئی ہے جو سامنے کی بات بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ کرنل جس مشن پر آیا ہے اس کا منصوبہ اس کے سفارت خانے کی مدد سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ان لوگوں نے پہلے سے طے کر لیا ہوگا کہ کرنل ڈنر کے بعد اسلام آباد سے غائب ہو جائے گا تاکہ کراچی میں اپنا کام کر سکے۔"
"کرنل جھوٹ بول سکتا ہے۔" اس نے میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔ "لیکن اس کے سیکریٹری کو اتنا سنگین جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ کرنل کسی اہم کام میں مصروف تھا یا شہر سے باہر تھا۔"
"دوسروں سے شاید یہی کہا گیا ہو مگر شی کے نمائندے سے ملاقات نہ کرنے کے لیے کوئی مضبوط بہانا چاہیے تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کے اخبارات بھی کرنل کے اغوا کے بارے میں خاموش ہیں جس کا مطلب ہے کہ سفارت خانے والوں نے ابھی تک اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کروائی ہے۔"
"پھر تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ کرنل کو اسلام آباد چھوڑنے سے پہلے ہی الہام ہو چکا تھا کہ شی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گی اور اس نے اسی مفروضے کی روشنی میں اپنے سیکریٹری کو بریف کیا ہوگا۔" اس نے میرا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔
"تم مذاق سمجھ رہی ہو جب کہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہوگا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اسے الہام کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بلیک کیٹ ٹی اسے اطلاع دے چکا ہوگا کہ اسلحے کے سودے کی ضمانت کے لیے شی والے اس سے رجوع کریں گے۔"
"تم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے جھوٹ پر ڈٹے رہو گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شکست خوردہ لہجے میں سوال کیا۔
"یہ جھوٹ نہیں بلکہ سچ ہے۔ آخر تم اس کے مقابلے میں میری صداقت پر کیوں شبہ کر رہی ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "صرف اس لیے کہ اس وقت تم نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے!"
"وجہ یہ ہے کہ میں تمھاری رگ رگ سے واقف ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم اپنے جھوٹ کے حق میں بھی ایسی ایسی تاویلیں لے آتے ہو کہ سچ بولنے والا تمھارا منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔۔۔۔ خیر اب اس بحث کو ختم کرو اور یہ بتاؤ کہ کرنل کا کیا کرنا ہے؟"
"تم اس کے سامنے آگئی ہو جب کہ ہم لوگ ابھی تک بے نقاب نہیں ہوئے ہیں۔ نہ ہی اسے یہ اندازہ ہے کہ وہ کہاں قید ہے اس لیے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار تم کو ہے۔"
"وہ سفارت کار ضرور ہے لیکن اس کے مقامی زیرِ زمین دنیا سے قریبی روابط ہیں۔ جلد یا بدیر اسے یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ جس لڑکی کی رہائی کے لیے ہم اتنے مضطرب ہیں وہ غزالہ ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں ہوگا کہ تم اصل میں کون ہو اور تمھارا ساتھ دینے والے کون ہیں؟" اس نے میرے تاثرات کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے اس خطرے کی نشان دہی کی۔
"ذاتی طور پر تو میں ہمیشہ خطرات سے ہی کھیلتا آیا ہوں لیکن آج کل میرے دل میں وطن پرستی کی جو لہر چلی ہوئی ہے وہ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ کرنل کو زندہ نہ چھوڑوں۔۔۔۔۔ سانپ پر رحم کھایا جائے تو وہ نہ جانے کتنے ہی بے گناہوں کو ڈس لیتا ہے۔ یہ میری ایماندارانہ رائے ہے لیکن اس کے باوجود کرنل کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم ہی کو ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے تم بلیک کیٹ ٹی کو خطیر مالیت کا اسلحہ اچھے داموں پر فروخت کر سکتی ہو۔ یہ تمھارے لیے اپنے باپ کے سامنے سرخرو ہونے کا بہت اچھا موقع ہے جسے میں اپنی خواہشات کی خاطر برباد نہیں کروں گا۔ کرنل تو سامنے آ ہی گیا ہے۔ اس سے میں بعد میں کسی بھی وقت نمٹ لوں گا اس بار تم اپنا اُلو سیدھا کر لو۔"
اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمھاری آنکھوں سے پڑھ چکی ہوں کہ تم کرنل کا قیمہ بنانا چاہتے ہو۔ تم میری خاطر اتنا بڑا جوا نہیں کھیل سکتے کہ طاقت کے توازن کو تہس نہس کر دینے والے جدید اسلحے کی کھیپ سندھ میں آنے دو۔۔۔!"
"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔" میں نے اس کی بات درمیان سے اُچک کر اس کی تائید کی۔ "میں تمھارا سودا خراب نہیں کروں گا لیکن جونہی تم کیٹی بندر پر اسلحے کی کھیپ دے کر رقم وصول کر لو گی اور اس سودے سے بری الذمہ ہو جاؤ گی، میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔" میں نے کہا۔
"نہیں ڈینی! یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے سختی سے کہا۔ "میں

نے اس معاملے پر بہت سوچا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ ہماری دنیا کا سارا دار و مدار ساکھ اور چند اَن لکھے اصولوں پر ہے۔ بلیک کیٹ ٹی کو دھوکا دینے سے یہ بہتر ہوگا کہ میں اسے اسلحہ دینے سے سرے سے انکار ہی کر دوں۔"
"یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ میں نے اپنا دل کھول کر تمھارے سامنے رکھ دیا ہے، ورنہ ایسا عموماً ہوتا ہی رہتا ہے۔ اتفاقاً بڑی بڑی کھیپیں پکڑ لی جاتی ہیں۔ سارا کام اس طرح ہوگا کہ کسی کے فرشتوں کو بھی تم پر بدعہدی کا گمان نہیں ہو سکے گا۔"
وہ رسوائے زمانہ مجرمہ تھی۔ انسانی لہو سے لے کر مال و متاع تک، اس کی نظروں میں کسی چیز کی کوئی وقعت نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ چند اصولوں پر کاربند رہنے کی دعوے دار تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ میری تکرار طول پکڑنے لگی۔ اور آخر کار اسی نے وہ موضوع یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ اس وقت غزالہ کی خبرگیری ان سب معاملات پر مقدم تھی۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور خود تیسری خواب گاہ کی طرف ہو لیا جہاں سلطان شاہ گدھے گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔

وہ علاقہ نیم آباد تھا۔ بڑے بڑے مکانات کے درمیان جا بجا خالی اور ناہموار پلاٹ موجود تھے یا ان پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ ان ادھورے ڈھانچوں اور در و بام میں رہنے والے چوکیدار وغیرہ روشنیاں گل کر کے شاید سرِ شام ہی سو جانے کے عادی تھے۔ جو مکان آباد تھے، ان میں بھی روشنیوں یا بند پھاٹکوں کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے پالتو کتوں کے علاوہ زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے تھے۔
فضا میں مخصوص بُو رچی ہوئی تھی اور رات کے سناٹے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی وحشی سمندری لہروں کا شور وقفے وقفے سے ایک مہیب گونج پیدا کر رہا تھا۔ اس آبادی سے آگے نشیب میں ساحل سے قریب تر اونچی اونچی عمارتوں کے تاریک ڈھانچے نظر آ رہے تھے۔ مجموعی طور پر اس علاقے کا ماحول کسی بھی بڑی کارروائی کے لیے خاصا سازگار تھا۔
ہماری نفری کل چار نفوس پر مشتمل تھی مگر چاروں ہی پوری طرح تیار اور مسلح تھے ہم نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی کہ ایک ہی کار میں اکٹھے آنے کے بجائے چاروں الگ الگ گاڑیوں میں ایک دوسرے سے مناسب اور محفوظ فاصلے پر سفر کر رہے تھے۔

میں سب سے آگے تھا اور ویرا سب سے پیچھے تھی۔ بھرے پُرے اور آباد علاقے سے گزر کر اس نیم آباد علاقے میں داخل ہوتے ہی میری حیوانی جبلت پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ اس علاقے میں خرابی بس ایک ہی تھی کہ آبادی خال خال ہونے کے باوجود بھی سڑکوں کے کنارے ایستادہ کھمبوں پر اسٹریٹ لیمپ روشن تھے۔

مطلوبہ مکان کی تلاش میں مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ اس علاقے میں مکانوں کے نمبر ایک خاص ترتیب سے گھٹتے بڑھتے نظر آرہے تھے۔ اور خوش قسمتی سے مطلوبہ مکان کے پھاٹک سے ملحقہ ستون پر نمبر پلیٹ بھی موجود تھی۔ نمبر نوٹ کرتے ہی میں نے اپنی کار کی رفتار سست کر دی۔

اس مکان کے گیٹ لیمپس ضرور روشن تھے لیکن عمارت مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے یا پھر اندر دانستہ ا[illegible] کیا گیا تھا۔ پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں اس مکان کا جائزہ لیا اور پھر تیزی کے ساتھ اپنی کار آگے لیتا چلا گیا۔

دو موڑ گھومنے کے بعد میں نے ایک رتیلے میدان میں گاڑی روک دی۔ پیچھے آنے والی تینوں کاریں بھی یکے بعد دیگرے وہیں آرکیں۔

ان تینوں نے بھی میری طرح اس مکان کو نوٹ کر لیا تھا۔ اور سب ہی اس کی ویرانی کے بارے میں شاکی نظر آرہے تھے۔

"وہ خود بھی سخت خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔" ویرا نے کہا۔ "بلیک کیٹ نے بھی انھیں خوفزدہ کیا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اندھیری عمارت میں بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی کسی اونچی جگہ سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت ضرور کر رہا ہوگا۔"

"براہِ راست ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔" جہانگیر نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "نشانے پر لگنے والی ایک گولی بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔"

"میں نے اس مکان کا محل وقوع دیکھ لیا ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس مکان کے قرب و جوار میں زیادہ تر خالی پلاٹ ہیں۔ اسی وجہ سے جالو ماچھی نے اس پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ ہمیں اس مکان کے سامنے کچھ ایسا ڈراما کرنا پڑے گا کہ اندر والے خود ہی باہر آنے پر مجبور ہو جائیں۔"

"ڈگڈگی لے کر وہاں بندر نچانا شروع کر دو۔ جنگل میں منگل کا سماں ہو جائے گا۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تمھارے ہوتے ہوئے ڈگڈگی کی ضرورت ہے نہ بندر کی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی میری طرف جھپٹی تھی۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔" میں نے اس کے خوشگوار وجود کو اپنے ہاتھوں پر روکتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔ "میرا مقصد بندر یا ڈگڈگی سے تمھارا موازنہ کرنا نہیں تھا۔ تم حسین و جمیل ایک غیر ملکی عورت ہو اور میں ایک آوارہ گرد مرد۔ اگر میں تمھارا پیچھا کرتا ہوا اس اڈے کے قریب سائیڈ مار کر تمھاری کار کا راستہ روک لوں اور تم سے زور آزمائی شروع کر دوں تو تم نہایت فطری انداز میں مدد کے لیے اس پھاٹک کو پیٹ کر رکھ سکتی ہو۔ یہ دونوں وقفے وقفے سے ادھر آکر تماشائیوں کے طور پر رک کر اپنا رول ادا کر سکتے ہیں۔ چوری چھپے کسی کارروائی کا خطرہ مول لینے کے بجائے یہ ترکیب زیادہ کارگر ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہمیں اپنی گاڑیوں کو احتیاط سے اس طرح لڑانا ہوگا کہ ہمیں کوئی گزند نہ پہنچے بغیر تصادم کا اتنا دھماکا ضرور ہو کہ اندر والوں کو باہر کسی گڑبڑ کا احساس ہو جائے۔"

"گندی اور گھٹیا حرکتیں سوچنے میں بھی تمھارا دماغ خوب کام کرتا ہے۔" ویرا بے اختیار ہنس پڑی۔ "اور اگر سلطان شاہ یا جہانگیر کے پہنچنے سے قبل ہی ان میں سے کسی نے میری ہمدردی میں تمھارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تو کیا ہوگا۔"

"اگر مگر کے چکر میں پڑو گی تو پھر وہ تمھیں تل کر بھی کھا سکتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "غزالہ ان لفنگوں کی تحویل میں ہے مگر جالو ماچھی کی ہدایت کی وجہ سے ان کے لیے شجرِ ممنوعہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس لیے وہ اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے بخوشی تمھیں اپنی چھت کے نیچے پناہ دے دیں گے۔"

"چلنے کا ارادہ ہے یا یہاں یونہی نوک جھونک میں ہم اپنا وقت برباد کرتے رہیں گے۔" سلطان شاہ نے ٹوکا۔

"چلو!" میں ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

ہم وہاں سے ایک مختصر سا چکر کاٹ کر واپس روانہ ہوئے تو سلطان شاہ اور جہانگیر ہم سے بہت پیچھے رہ گئے۔ میں نے ابتدا ہی سے ویرا کی کار سے اپنی کار کا فاصلہ کبھی کم اور کبھی زیادہ کر کے اسے بار بار ڈپر مارنے شروع کر دیے تاکہ تصادم ہونے تک اس کے مزاج میں فطری چڑچڑاپن عود کر آئے۔

اس مکان والی سڑک پر آتے ہی میں نے بار بار اپنی کار ویرا کے برابر میں لانے کی کوشش شروع کر دی مگر وہ سائیڈ دبا کر مجھے اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کرتی رہی۔

جالو ماچھی کے تاریک اڈے کے سامنے پہنچنے تک میری

بھی کھوپڑی کچھ سنک چکی تھی۔ کیونکہ ویرا بڑی چابکدستی کے ساتھ مجھے مدافعانہ ڈرائیونگ پر مجبور کرتی آ رہی تھی۔ مقررہ مقام پر ویرا نے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے داہنی طرف سے آگے نکلنے کا موقع ۔ ہم کیا اور میں نے اس کے برابر میں آتے ہی اپنی کار کو اتنی تیزی کے ساتھ بائیں طرف دبایا کہ میری کار کا عقبی حصہ پُرشور آواز کے ساتھ ویرا کی کار کے داہنے فینڈر سے ٹکرایا۔ اور میں نے ویرا کے آگے نکلنے کی راہ مسدود کر دی۔

میں پھرتی سے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سے اُترا۔ میری نظریں تاریک مکان پر مرکوز تھیں مجھے وہم ہوا کہ دھماکا ہوتے ہی ایک تاریک کھڑکی میں کوئی تاریک تر سایہ نمودار ہوا تھا۔

گھُپ اندھیرے میں کسی نادیدہ اور مسلح حریف کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی مجھے پہلی بار بھیانک خطرے کا ادراک ہوا۔ اگر وہ کسی بے آواز رائفل سے اضطراری طور پر فائر کر بیٹھتا تو میرے لیے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا تھا۔

ویرا اپنی کار سے اترتے ہی بغیر سریلی آواز میں، انگریزی میں اول فول بک رہی تھی مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے پھرتی سے اپنی کار ریورس گیئر میں ڈالی جیسے میری بدنیتی کو بھانپ کر پیچھے کی طرف فرار ہونا چاہتی ہو۔ اس کار کے عقب میں جل اٹھنے والی ریورس لائٹس سے کوئی بھی سمجھ دار تماشائی سمجھ سکتا تھا کہ وہ واپس بھاگنا چاہ رہی تھی مگر میں نے فوراً ہی دروازہ کھول کر اسے ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اس کی کار پیچھے کی طرف اچھلی اور پھر انجن خود بخود بند ہو گیا۔

اس وقت ویرا اُردو سے نابلد ایک غیر ملکی دوشیزہ کا رول بخوبی ادا کر رہی تھی اور مجھے ہر وہ انگریزی گالی دی جا رہی تھی، جو عام حالات میں شاید وہ سوچ کر ہی رہ جاتی ہو۔

اندھیرے میں چھپے ہوئے سفّاک دشمن کے خوف کے باوجود وہ میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ تھا۔ ویرا کے ساتھ میرے دیرینہ مراسم بہت روایتی اور مفاہمانہ تھے۔ اس نے کبھی بھی مجھے مایوس نہیں کیا تھا اور سردم سپردگی کے انداز میں مجھے خوش آمدید کہا تھا لیکن اس وقت کی مصنوعی مزاحمت میں میں نے محسوس کیا کہ غیر ارادی طور پر میرا دورانِ خون تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

یہ مشکل چند ثانیے گزرے تھے کہ ویرا کی مزاحمت اور چیخ و پکار رنگ لائی۔ جانو ماچھی کے تاریک اڈے سے ایک کرخت مردانہ آواز نے ہمیں للکارا تھا۔

”ٹھہرو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔“ میرا قیاس تھا کہ وہ آواز چھت کی طرف آئی تھی مجھے خوشی ہوئی کہ میرا بچھایا ہوا جال کارگر ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے وہ للکار سن کر بھڑکنے کی اداکاری کی اور اسی لمحے ویرا اچھل کر میری گرفت سے نکل گئی اور چلّاتی ہوئی بند پھاٹک کی طرف دوڑ پڑی۔

میں چند ثانیے تک کسی ہونق کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس دوران میں مجھے ایک کار کے ہیڈ لیمپس اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں سر جھٹک کر ویرا کے پیچھے ہو لیا۔

اوپر سے گیٹ لیمپس کی روشنی میں ویرا کو اچھی طرح دیکھ لیا گیا تھا۔ میں ویرا کے پاس پہنچا تو اسی وقت آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا اور وہاں قمیض شلوار میں ملبوس، چڑھی ہوئی مونچھوں والا ایک دیو ہیکل شخص نظر آیا۔ جس کے کندھے پر رائفل اور فاضل کارتوسوں کی پیٹی جھول رہی تھی۔

خوفناک چہرے والا وہ لحیم شحیم شخص بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ذیلی کھڑکی سے باہر آیا اور اُس نے دانت پیستے ہوئے میرا کالر پکڑ کر مجھے پھاٹک سے اندر گھسیٹ لیا۔ ویرا بک بک کرتی ہوئی خود بخود میرے پیچھے اندر داخل ہو گئی۔ اس شخص نے ویرا کے اندر پہنچتے ہی ذیلی دروازے کا بولٹ لگایا اور میرے چہرے پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

”سالا، سُور! گوریوں کے ساتھ بدمعاشی کرتا ہے۔“ اس نے نہایت تحقیر آمیز انداز میں کہا تھا اور پھر فاتحانہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا تھا۔

ویرا نہایت رواں انگریزی میں اسے اپنا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ کچھ سمجھے بغیر والہانہ انداز میں اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ ویرا کے شرر بار حسن نے اسے ایسا مبہوت کیا تھا کہ مجھے ایک تھپڑ رسید کرنے کے بعد وہ ایک دم بھول چکا تھا۔

میرے لیے وہ مہلت بہت غنیمت تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے اعشاریہ تین آٹھ کا بھرا ہوا اسمتھ اینڈ براؤنی نکالا اور اس کی مہیب آہنی نال بے رحمی سے اس کے پیٹ میں اُڑا دی۔

”جس حالت میں ہو اسی طرح شرافت سے باہر آ جاؤ۔“ میں نے غراتے ہوئے اسے حکم دیا۔ ”اپنے کسی ساتھی کو کوئی اشارہ کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔“

اس اثنا میں ویرا نے ذیلی پھاٹک کا گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ اپنی وضع قطع سے ہی مستند ڈاکو نظر آ رہا تھا۔ گوری عورت کے ذریعے نازل ہونے والی اس ناگہانی مصیبت نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا اور وہ کوئی چوں و چرا کیے بغیر ذیلی دروازے سے باہر آ گیا۔

جوں ہی وہ دیوار کی اوٹ میں آیا، ویرا نے اس کے شانے سے رائفل اور کارتوس کی پیٹی اتار کر بائیں ہاتھ سے اس کی مونچھ کا ایک سرا نوچ لیا۔ وہ اپنے قدموں پر اچک کر ایک سسکاری لے کر رہ گیا۔

جائے واردات پر بقیہ دونوں کاریں بھی پہنچ چکی تھیں اور آنے والوں نے صورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی اپنا اسلحہ سنبھال لیا تھا۔

”وڈے سائیں مراد! ادھر کیا ہوتا ہے؟“ چھت پر سے وہی پرانی کرخت آواز ابھری تھی۔

”اسے بھی باہر بلاؤ۔“ میں نے اس کے پیٹ پر پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے اضطراری لہجے میں سرگوشی کی۔

”اُدا! تم باہر آؤ، ادھر گھپلا ہو گیا ہے۔“ مراد نے اونچی آواز میں کہا۔ پھر مجھ سے بولا۔ ”تم کون ہے اور کس کا آدمی ہے؟“ لمحہ بھر کی برتری کے بعد اسیر ہو جانے پر وہ بوکھلا ضرور گیا تھا لیکن کسی بھی طرح خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

”اندر کتنے آدمی ہیں اور کتنا مال ہے؟“ میں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے خاموشی سے جہانگیر اور سلطان شاہ کا جائزہ لیا پھر بولا۔ ”تم شہر کے گیدڑ ہو، ایسے چور اچکے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ جانو ماچھی کا ڈیرا ہے۔ وہ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بازو سے اکھاڑ پھینکتا ہے . . .“

”جانو ماچھی مر چکا ہے۔“ میں نے سرسراتی ہوئی زہریلی آواز میں کہا اور اس کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ اگر اپنی زندگی اور عافیت چاہتے ہو تو سارا مال ہمارے حوالے کر کے یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ تمھیں جانو ماچھی کے پاس پہنچا کر ہم خود ہی سارا مال تلاش کر لیں گے۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ ہتھیار پھینک کر باہر آ جائیں۔“

”تم جھوٹے ہو!“ اُس نے لرزتی ہوئی اندوہناک آواز میں کہا۔ ”جانو سائیں نر شیر تھا، وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ وہ تو ہمارا مائی باپ ہے۔ وہ مر گیا تو ہم کو کس کے ڈیرے سے روٹی ملے گی؟“

”اوئے مراد!“ اچانک اندر سے کسی نے اونچی آواز میں کہا۔ ”باہر کیا گھپلا ہے اور تو کہاں ہے؟ سامنے آ کر بات کر ورنہ ہم آگے نہیں آئیں گے۔“

میں نے اُس کے پیٹ سے پستول کی نال ہٹا کر اُسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ کھلے ہوئے ذیلی دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"بہت بُری خبر آئی ہے۔" مراد کی آواز فرطِ جذبات سے تقریباً رُندھی ہوئی تھی۔ "جانو سائیں قتل ہو گیا۔ . . ." اُس کا دوسرا فقرہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فضا رائفلوں کے بھیانک دھماکوں سے لرز اُٹھی۔ اندر سے تقریباً بیک وقت تین رائفلیں چلی تھیں اور تینوں کا نشانہ مراد ہی تھا جس نے اندر والوں کو جانو ماچھی کی موت کی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔

گولیاں اُس کی چھاتی اور پیٹ کو پھاڑتی ہوئی آر پار گزر گئیں۔ اُس کے کڑیل بدن میں ہونے والے ان سوراخوں میں سے زندہ اور گرم گرم خون کے فوارے اُبل پڑے۔ اُس کا جسم سنبھالا لینے کی کوشش میں اپنے قدموں پر پھرکی کی طرح گھوما اور پھر خاک اور خون میں گر کر دیکھتے ہی دیکھتے بے جان ہو گیا۔ ہم چاروں پھاٹک اور دیوار کی آڑ میں تھے اس لیے گولیاں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

جانو ماچھی کے لیے کام کرنے والے اُس کے لیے اپنے دل میں اندھی عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے آناً فاناً میں جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ایک ایسے ساتھی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جس نے انھیں اُن کے آقا کی موت کی منحوس خبر سنانے کی کوشش کی تھی۔

مراد کو وہ جھوٹی خبر سنانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان لوگوں کا حوصلہ ختم کیا جا سکے اور میرا اندازہ تھا کہ میں اپنی اس کوشش میں ضرورت سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔

مراد اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا اور اندر سے تین رائفلوں سے فائرنگ کی گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم چار افراد کا مقابلہ کم از کم تین حریفوں سے تھا۔ انھوں نے مراد کو جہنم واصل کرنے کے بعد مزید کوئی فائر نہیں کیا تھا۔ لیکن مجھے خوف تھا کہ نیم آباد ویرانے میں رائفلوں کے فائروں کی بھیانک بازگشت دُور دُور تک سُنی گئی ہو گی۔ کشت وخون کی پیغامبر، وہ آوازیں سُن کر کوئی عام شہری تو اپنے گوشۂ عافیت سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ پولیس کی کسی گشتی پارٹی نے فائرنگ کی وہ آوازیں سن لیں تو وہ کسی بھی لمحے کہیں سے نمودار ہو کر ہمیں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار کر سکتی تھی۔

جب کئی ثانیے گزرنے کے باوجود اُن کی طرف سے کوئی فائر نہ ہوا تو مجھے تشویش ہونے لگی اور میں نے ذیلی دروازے کے سامنے آنے کا خطرہ مول لیے بغیر احاطے کی دیوار سے سر اُبھار کر اندر کا جائزہ لیا تو وہاں ہر طرف ویرانی کا راج تھا اور کہیں بھی کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمارت میں بدستور گھور اندھیرا تھا اور گیٹ لیمپس کی روشنی میں پورٹیکو میں دو گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

اپنی ابتدائی اضطراری فائرنگ کے بعد اُنھیں اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنی طرف سے گولیاں ضائع کرنے کی بجائے غالباً اندھیرے میں مورچے جما لیے تھے اور اس بار ہماری طرف سے کسی چھیڑ چھاڑ کے منتظر تھے۔

وہ اپنے گھر میں محصور اور محفوظ تھے لیکن ہمارے لیے وہ تاخیر مہلک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے میں نے دیوار کے ساتھ ایک پتھر جما کر سلطان شاہ سے اُس کی سب مشین گن لی اور پھر احاطے کی دیوار کے اوپر سے اندر ایک برسٹ چلا دیا۔

جواب میں اندر سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں ہوا۔ ہر طرف وہی مہیب اور ہولناک سناٹا چھایا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان لوگوں نے احاطے میں رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے عمارت میں پسپائی اختیار کر لی ہو اور وہاں سے مدافعانہ کارروائی کرنے والے ہوں۔

"اپنی گاڑیاں یہاں سے ہٹاؤ۔" میں نے فوری خیال کے تحت اُن تینوں سے کہا۔ "گاڑیوں کی بھیڑ ہمارے حق میں مضر ہو سکتی ہے بلکہ دو آدمی اپنی گاڑیوں میں عمارت کی عقبی سمت میں چلے جائیں۔"

وہ تینوں ہی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ میں نے اپنی کار سڑک سے ہٹا کر اس مکان کے ساتھ اس طرح پارک کر دی کہ اس پر بادی النظر میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اندر والوں کو اندھیرے کی پناہ حاصل تھی جب کہ گیٹ لیمپس کی روشنی میں ہمیں دُور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی پتھر مار کر دونوں لیمپ ناکارہ کر دیے۔ اسٹریٹ لیمپس سے آنے والی روشنی اتنی ناکافی تھی کہ ہوشیاری سے کام لے کر اُس سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔

میں اپنے جائزے میں مصروف تھا کہ ویرا اپنی کار کہیں

پارک کر کے واپس آگئی۔ اُس نے متوفی مراد سے چھینی ہوئی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی اپنی گاڑی ہی میں چھوڑ دی تھی۔

اندھیرا ہونے کے بعد میں نے ایک بار پھر احاطے کی دیوار سے اوپر سر ابھار کر اندر کا جائزہ لینا چاہا اور اس بار ایک تاریک کھڑکی سے شعلہ چمکا۔ اگر میں فوراً ہی نیچے نہ بیٹھ گیا ہوتا تو میری کھوپڑی صاف اُڑ گئی ہوتی۔ اُن کی تعداد کُل تین تھی۔ وہ زیادہ سمتوں پر نظر نہیں رکھ سکتے تھے لیکن پھاٹک پر بہرحال اُن کی کڑی نگرانی تھی اس لیے میں دوڑتا ہوا احاطے کی دیوار کے دوسرے گوشے پر پہنچ کر برابر والے خالی پلاٹ میں گھوم گیا۔ اس پہلو پر صورتِ حال کچھ سازگار تھی اور عمارت اور احاطے کی دیوار کا درمیانی فاصلہ بھی قدرے کم تھا جسے طے کر کے عمارت کی دیوار سے لگ کر خود کو اندر سے ہونے والی فائرنگ سے بچایا جا سکتا تھا۔

میں نے دیوار کے ساتھ جھک کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ویرا پیچھے سے مجھے کور دے رہی تھی۔ ہم نے راستے میں آنے والی تمام کھڑکیوں اور دروازوں پر دباؤ ڈال کر دیکھ لیا لیکن وہ سب اندر سے اچھی طرح بند تھے۔

اس وقت میرے لیے وہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں جانو ماچھی کے ایک ٹھکانے پر سنگین دیواروں سے باہر اندھیرے میں بھٹک رہا تھا اور غزالہ اندران ڈاکوؤں کی قید میں تھی جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنے وطن کی بنیادوں میں بارود بھرنے سے بھی دریغ نہیں کر رہے تھے۔

عمارت کے گرد اپنا طواف مکمل کرتا ہوا جب میں پورچ کے ساتھ، سامنے والے حصے کی طرف پہنچا تو ٹھٹک کر ایک جگہ میرے قدم زمین میں گڑ گئے۔ میں کافی دیر سے مسلسل اندھیرے میں بھٹک رہا تھا اس لیے میری آنکھیں اس تاریکی میں بھی دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اور مجھے آگے ایک کھڑکی سے باہر نکلی ہوئی رائفل کی نال نظر آ رہی تھی۔

اس دریافت پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور مجھے اپنی محنت بار آور ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے کوئی شخص رائفل لیے شکار کے سامنے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس امکان سے غافل نظر آ رہا تھا کہ کوئی شخص اندر داخل ہو کر دیوار کے سائے میں پناہ لیتا ہوا اچانک ہی رائفل کی نال پر ہاتھ ڈال سکتا تھا

میرے لیے وہ بہت کٹھن اور ہولناک مرحلہ تھا۔ اگر رائفل کی نال پر میرا وار ذرا بھی اوچھا پڑتا تو اگلے ہی لمحے میرا بدن چھلنی کیا جا سکتا تھا۔

چند ثانیے تک اپنی قوت مجتمع کرنے کے بعد میں نے اپنے پیچھے دبکی ہوئی ویرا کو اشارہ کیا۔ وہ نئی صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھی۔ میں بہت احتیاط سے دبے پاؤں آگے بڑھتا رہا۔ اس دوران میں میری نظریں مستقل آہنی نال پر جمی ہوئی تھیں جو کھلی کھڑکی کی چوکھٹ پر مسلسل ایک ہی سمت میں ٹکی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے عین نیچے پہنچ کر میں نے اپنے بدن کا زاویہ درست کیا اور کھڑکی کے اُس پار مراد جیسے تن و توش والے کسی حریف کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے پوری قوت سے رائفل کی نال پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ پہلے ہی جھٹکے میں اپنے حریف سے رائفل چھین لوں گا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ رائفل ایک اشارے سے میرے قبضے میں آ گئی اور میں اپنی شہ زوری کے نتیجے میں رائفل سمیت پشت کے بل پختہ فرش پر اُلٹ گیا۔ اُس کھڑکی کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا اور وہ خالی رائفل کسی چیز کے سہارے، محض دھوکا دینے کی نیت سے وہاں رکھی گئی تھی۔

اپنا توازن بگڑنے پر میں بری طرح بوکھلا گیا۔ رائفل کا چوبی کُندا فضا میں اُڑتا ہوا خاصی پُرشور آواز کے ساتھ فرش سے ٹکرایا لیکن عمارت کے اندر سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ میدان چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔" ویرا مجھے سہارا دیتی ہوئی میرے کان کے نیچے منمنائی۔ "تم ٹھیک ٹھاک ہو نا؟"

"وہ کہاں جا سکتے ہیں؟" میں مایوسانہ لہجے میں بڑبڑایا۔ دونوں گاڑیاں جوں کی توں موجود ہیں۔ مکان سے نکاسی کے سارے راستے بند ہیں۔ . . ."

"ہمیں پیچھے کا خیال دیر سے آیا۔ وہ اسی طرف سے دیوار پھاند کر نکل گئے ہوں گے۔"

"پیدل؟" میں نے سوال کیا۔ "تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ غزالہ بھی اُن کی قید میں ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے قدموں پر چل کر تو ہرگز اُن کے ساتھ نہیں گئی ہو گی۔"

"جانو ماچھی کی موت کی اطلاع نے اُن کی ہمتیں توڑ دیں۔ وہ یہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگے ہیں۔ اب اندر گھس کر ہی پتا چل سکے گا کہ یہاں کون کون تھا۔"

"رائفل کی طرح کہیں اندر بھی کوئی ٹریپ نہ ہو۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"ناممکن!" اُس نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میرے حساب سے تو انھوں نے رائفل ٹکا کر بھی بڑی ہمت کا ثبوت دیا ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ جانو ماچھی کی موت کی خبر دینے پر انھوں نے مراد کو بھون کر رکھ دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کچھ دیر کے لیے اس عمارت پر قابض ہونا چاہیے۔ مراد کی لاش پھاٹک سے اندر منتقل کر کے ہم اپنی گاڑیاں بھی اندر لا سکتے ہیں۔ میں یہاں ٹھہرتی ہوں۔ تم سلطان شاہ اور جہانگیر کو بھی بُلا لو۔ ہم سب مل کر جلد ہی کچھ نتائج اخذ کر سکیں گے۔"

اِن دونوں کو بُلا کر مراد کی لاش احاطے کی ایک خودرو کیاری میں ڈال دی گئی۔ پھاٹک پر جمے ہوئے خون پر مٹی ڈال دی گئی تاکہ اتفاقاً بھی کوئی اِدھر متوجہ ہونے کی زحمت نہ کرے۔ پھر ہم چاروں کھلی ہوئی کھڑکی کے بجائے ویرا کی قفل شکنی میں مہارت کے طفیل ایک بغلی دروازے سے اندر داخل ہوئے اور آناً فاناً میں ویرا کی رائے کی تصدیق ہو گئی کہ عمارت خالی پڑی ہوئی تھی۔

مکان میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا مگر شراب کی خالی اور سربند بوتلوں اور سگریٹ کے کارٹنوں اور بے شمار ٹوٹوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں رہنے والے ذہنی دباؤ کے عالم میں رہ رہے تھے۔ ان خالص مردانہ اور غیر معتدل علامتوں کے ساتھ ہی ایک ایسی خواب گاہ بھی دریافت ہوئی جو پورے مکان سے زیادہ صاف ستھری تھی، وہاں ہینگرز پر لٹکے ہوئے زنانہ ملبوسات اور چند دوسری اشیائ سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں کوئی نفاست پسند لڑکی مقیم رہی تھی اور آخرکار سلطان شاہ نے ان سب نشانیوں سے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے ایک کپڑے کے نیچے سے سگریٹ کی پنّی پر کسی نوکدار چیز سے لکھی ہوئی ایک تحریر دریافت کر لی جو میرے لیے کبھی بھی اجنبی نہ رہی تھی۔ اُس پر ایک شعر لکھا ہوا تھا جو غزالہ کے اپنے دُکھ کی مُنہ بولتی تصویر تھا۔ اس کے نیچے غزالہ کے دستخط تھے۔

ع شام ہونے کو ہے کدھر جائیں
اپنا گھر ہو تو اپنے گھر جائیں

اِس شعر میں پوشیدہ کرب کو محسوس کر کے میرا دل بے اختیار بھاری ہو گیا۔ میرے خیال، میرے خدشے، سب غلط تھے۔ غزالہ اپنے گھر کی معصوم سی آرزو کو اُس وقت بھی اپنے لہُو سے سینچ رہی تھی، دلدار آغا کا گھر کبھی اُس کا گھر نہ بن سکا۔ گھر بسانے کی تمنا میں وہ خود اُجڑ کر رہ گئی تھی اور دلدار کی موت کے بعد اب وہ پھر ایک ایسے پنچھی کی طرح تھی جس کا آشیانہ آندھی نے بکھیر دیا ہو اور اُسے تنکا تنکا جوڑ کر ایک مرتبہ پھر اپنا گھر بنانا ہو لیکن تیز ہوائیں بار بار اُس کے جمع کیے ہوئے تنکوں کو اُڑا دیتی ہوں۔ وہ حالات کے بے رحم تھپیڑوں سے مسلسل لڑ رہی تھی، ایک طوفانی لہر کو پار کرتی تو دوسری موج اُسے پھر پیچھے اُچھال دیتی تھی، اور اِس بار تو اُس پر ظلم کی انتہا ہو رہی تھی کہ ایک ڈاکو نے اُسے اُٹھا لیا تھا۔ میں اُس کے نقوشِ پا کا پیچھا کرتا ہوا اُس مکان تک آ گیا تھا لیکن مجھے دیر ہو گئی تھی۔ ڈاکو کے حواری اپنی قیدی سمیت میری دسترس سے دُور نکل چکے تھے۔

اور پھر یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ کیسے فرار ہوئے تھے۔ وہ کوئی عام سا مکان نہیں تھا بلکہ جانو ماچھی جیسے عیّار اور مکّار ڈاکو کا ٹھکانا تھا۔ وہاں کچن کے ایک گوشے میں زیرِ زمیں سُرنگ میں اُترنے کا راستہ تھا جو اس مکان سے خاصی دُور ایک ویران احاطے میں نکلتی تھی اور اس کچے احاطے میں ایک چھپّر کے نیچے سے پھاٹک اور پھر باہر سڑک تک کسی کار کے ٹائروں کے تازہ نشانات موجود تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ جانو ماچھی اپنے یا اپنے آدمیوں کے کسی بُرے وقت کے لیے اس کچے احاطے میں ہر وقت ایک کار تیار رکھتا تھا۔

رات ڈھلتی جا رہی تھی۔ گزرنے والا ہر لمحہ غزالہ کو ہم سے اور آزادی سے دُور کرتا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کا چہرہ گمبھیر نظر آ رہا تھا۔ جہانگیر کو بھی چُپ لگی ہوئی تھی اور سدابہار ویرا بھی یوں اُداس تھی جیسے اسے اپنے قریبی عزیز کے بسترِ مرگ پر ہونے کی خبر دی گئی ہو۔

"یہ آخری کلیو تھا جو ہم نے کھو دیا۔" جہانگیر نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اس بار ہم بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ ہماری حکمتِ عملی کچھ اور ہوتی تو شاید ہم انھیں روک لیتے۔"

"ناممکن!" میں نے اس کے تنقیدی تبصرے پر چڑ کر کہا۔ "ہم وہاں سر کے بل کھڑے ہو کر بانگ دینے لگتے، تب بھی ان کو نہیں روک سکتے تھے۔ مکان کے اندر موجود زیرِ زمیں خفیہ راستہ ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔ ہم کچھ بھی کر لیتے، جوں ہی انھیں ہمارا پلّہ بھاری پڑنے کا احساس ہوتا، وہ خاموشی کے ساتھ اسی راستے سے فرار ہو جاتے اور ہم مُنہ دیکھتے رہ جاتے۔"

"ڈینی درست کہہ رہا ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں بکھیرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت ہم لوگوں میں سے سب سے زیادہ دُکھی یہی ہے۔ اس لیے ناروا تنقید کر کے اسے مزید آزردہ نہ کرو۔ وہ لوگ ڈیفنس والے اڈّے سے نکل گئے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ ہم ان کی راہ کیسے روک سکتے ہیں۔"

"ڈیفنس والے اڈّے پر دھاوا بولنے سے پہلے ہم نے ویران ٹمبر فیکٹری کھنگال لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیفنس میں مار کھانے کے بعد وہ ٹمبر فیکٹری ہی کی طرف گئے ہوں۔" جہانگیر نے تفکّر آمیز لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی جو بادی النظر میں معقول نظر آ رہی تھی۔

"اس کا امکان ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی اس وسیع و عریض فیکٹری سے ان کا فرار ہونا بہت آسان ہو گا۔ ہم بغیر سوچے سمجھے اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ٹمبر فیکٹری ہی گئے ہیں اور کسی وجہ سے ہوشیار ہو کر وہاں سے بھی بھاگ نکلے تو پھر ہم ہاتھ مَلتے رہ جائیں گے۔ بلیک کیٹ ٹی نے اگر واقعی انھیں اپنے ٹھکانے تک محدود رہنے کی دھمکی دی ہوئی ہے تو وہ شہر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ ان کا اپنے آدمیوں سے رابطہ منقطع ہے اور یہ رابطہ بحال ہونے تک وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ جانو ماچھی مارا جا چکا ہے۔ ان کے حوصلے اور خود اعتمادی کو تباہ کرنے کے لیے ان کی یہی ایک غلط فہمی کافی ہے۔ لیکن اب ہم ان پر کوئی اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس بار انھیں بھاگنے کا موقع مل گیا تو وہ سیدھے دادو کے جنگلات میں ہی پہنچ کر دم لیں گے اور وہاں انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جانو ماچھی زندہ ہے۔ . . ."

"ٹمبر فیکٹری ایک مدّت سے ویران اور غیر آباد ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہاں ایک چوکیدار کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہوتا پھر ہم وہاں کس طرح جا سکتے ہیں؟ فیکٹری کے پھاٹک پر آہٹ ہوتے ہی جانو ماچھی کے آدمی بھڑک جائیں گے۔" جہانگیر نے کہا۔

"اس کے لیے کوئی راہ سوچنا ہو گی۔" میں نے کہا۔ "اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک ٹرمپ کارڈ رہ گیا ہے۔ بلیک کیٹ ٹی جانو ماچھی اور اس کے آدمیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ جانو کے آدمی بھی اس کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ہر صورت میں فوری طور پر بلیک کیٹ ٹی پر ہاتھ ڈالنا چاہیے۔ اس کے ذریعے ہماری مہم حیرت ناک حد تک آسان ہو سکتی ہے اور اس کے بارے میں صرف کرنل ہیش پال ہی کچھ بتا سکتا ہے۔"

"کرنل بظاہر ایک کمزور اور نحیف و نزار سا آدمی ہے۔" ویرا نے میری بات اُچکتے ہوئے کہا۔ "لیکن اندر سے وہ بہت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مر جائے گا مگر بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولے گا کیونکہ

وہ سندھ کی سرزمین پر اس کا اہم ترین کارندہ ہے اور اپنے دانست میں شاید مستقبل کی ایک نئی تاریخ کی بنیادیں ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے۔ غزالہ اور جالو ماچھی کے معاملات میں وہ بلیک کیٹ ٹی کے مستقبل کو داؤ پر نہیں لگائے گا۔"

"یہ تمہارے اندازے ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کرنل کی ساری دلیری اس وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے۔ مگر میں اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں دیکھوں گا کہ موت کو سامنے پا کر وہ کتنا دلیر رہ جاتا ہے۔ وہ مجھے بلیک کیٹ ٹی کا پتا بتائے گا یا میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو جائے گا۔"

"کرنل کو بھی آزما لو، لیکن عنبر فیکٹری میں گھسنے کا ایک اور بھی طریقہ ہے۔" سلطان شاہ نے پوری توجہ سے ہماری گفتگو سننے کے بعد پُرخیال لہجے میں کہا۔ "ہم لکڑی سے لدا ہوا ایک ٹرک لے کر ڈرائیور اور مزدوروں کے بھیس میں بہ آسانی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارے کاغذات یہ ظاہر کریں گے کہ ہمیں وہ لکڑی فائن عنبر فیکٹری پر اتارنی ہے۔ تو چوکیدار بھی مجبور ہو جائے گا۔ کرائے یا کسی اور رقم کی ادائیگی کے بغیر مال وصول کرنے میں اسے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیں مال اتارنے دے یا نہ اتارنے دے مگر رات بھر کے لیے ٹھکانا مہیا کرنے پر ضرور مجبور ہو جائے گا۔"

"تمہاری تجویز واقعی معقول اور قابلِ قبول ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت لکڑی سے لدا ہوا ٹرک کہاں سے میسر ہو گا۔" میں نے کہا۔

"تم کرنل کی خبر لو اور یہ ذمے داری مجھے سونپ دو۔" اس نے پیشکش کی۔ "کراچی میں کوشش کی جائے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ میں کہیں نہ کہیں سے لکڑی اور ٹرک کا بندوبست کر کے واپس آتا ہوں۔ ہم رات کے دو بجے بھی ٹرک لے کر عنبر فیکٹری جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ملک کے شمالی علاقوں سے آنے والے رات بے رات بھی کراچی پہنچتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ اور ٹرک لے کر یہیں آ جاؤ۔ لیکن فائن عنبر فیکٹری کے نام مال کا چالان وغیرہ لانا نہ بھولنا تاکہ فیکٹری کے چوکیدار کو ہمیں روکنے کا کوئی بہانہ نہ مل سکے۔ ٹرک بھی خود ہی چلا کر لانا کیونکہ ہماری تعداد چار ہے۔ ڈرائیور کی موجودگی میں ہم سب ٹرک پر نہ کھپ سکیں گے۔"

"لیکن تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکو گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "ٹرک کے عملے یا مزدوروں میں ایک سفید فام عورت کی موجودگی کسی کو مشتبہ کرنے کے لیے کافی ہو گی۔"

"تم فکر نہ کرو، واپس آؤ گے تو تم خود بھی مجھے نہ پہچان سکو گے۔ میری جلد کا رنگ بھی بدل چکا ہو گا اور میں مردانہ روپ میں آ جاؤں گی۔"

سلطان شاہ نے اس سے بحث نہیں کی، لیکن اسے تنقیدی نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔ اس کا شبہ اپنی جگہ درست تھا۔ ویرا سب کچھ کر سکتی تھی لیکن اس کے لیے اپنے بدن کی بھرپور نسوانی ساخت کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔

اس وقت ہم چاروں ڈلیفنس والی مہم کی ناکامی کے بعد جہانگیر کے مکان پر جمع تھے۔ سلطان شاہ چائے پی رہا تھا جب کہ ہم تینوں وسکی کے ہلکے پیگ لے کر اپنا غم غلط کر رہے تھے۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوئی تھی کہ کرنل کے خلاف میرے جارحانہ عزائم کے اظہار پر ویرا نے میری مخالفت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔" سلطان شاہ نے اپنی چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے جہانگیر سے کہا۔ "مجھے شاید کسی جگہ جانا پڑے گا۔ ٹیکسی وغیرہ کی تلاش میں وقت خراب ہو گا۔ واپسی پر میں ٹرک لے آؤں گا۔ تم کار واپس لے آنا۔"

"کار تم ہی لے جاؤ۔ جہانگیر کی یہاں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جہاں سے ٹرک لو گے کار وہیں چھوڑ دینا، کل ٹرک واپس دو گے تو کار لے آنا۔" میں نے کہا۔ میرے دل میں یہ خیال موجود تھا کہ اگر میرے تشدد کے نتیجے میں کرنل مر مرا گیا تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں جہانگیر کے دونوں ملازموں میں سے کسی کو اعتماد میں نہیں لے سکتا تھا۔

سلطان شاہ اپنے کام پر روانہ ہو گیا اور میں تہ خانے کی چابیاں لے کر نیچے کرنل کی مزاج پرسی کے لیے چل دیا۔ اس کے کسی جارحانہ ردِ عمل کے پیشِ نظر میں نے اپنا پستول بھی ساتھ لے لیا تھا۔

کرنل نیچے والے کمرے میں بستر پر بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے بستر پر لیٹے لیٹے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا اور پھر اسی طرح دراز ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے زخموں اور ضربات پر مزید ورم آ گیا تھا۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پھولتے پھولتے اس کا چہرہ اچانک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔

"میدان میں آ جاؤ کرنل۔" میں نے اندر قدم رکھتے ہی اسے للکارا۔ "اب ایک بار پھر تمہاری باری آ گئی ہے اور اس بار تم دیکھ رہے ہو کہ میں نقاب لگائے بغیر تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"مجھ پر رحم کرو ... کم از کم آج کے لیے مجھے میرے حال [illegible]چھوڑ دو۔" اس نے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ فریاد کی۔ [illegible]ں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بھی اینٹھ گئی ہو۔ "تم نے [illegible]کچھ پوچھا تھا، وہ میں نے بتا دیا، اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"بلیک کیٹ ٹی کا اصل نام اور پتا۔" میں نے سفاکانہ لہجے [illegible]ں کہا۔ "تمہاری بدقسمتی ہے کہ جالو ماچھی کے آدمی تمہارے [illegible]ائے ہوئے دونوں ٹھکانوں پر نہیں مل سکے اب اس عورت [illegible] تیز تر بازیابی کے لیے ہمارا بلیک کیٹ ٹی تک پہنچنا ضروری [illegible]و گیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم براہِ راست جالو ماچھی سے مل [illegible]بات کریں گے۔ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے [illegible]اس عورت کو کوئی نقصان پہنچا تو پھر میں تمہارے جسم سے [illegible]ب ایک بوٹی کاٹ کر تمہیں ختم کر دوں گا۔"

"میری حالت ابتر ہے۔ آدھے دانت ٹوٹ یا جھڑ چکے ہیں۔ [illegible]بان زخمی ہے۔ پیٹ درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ میں اس وقت [illegible]سوچنے یا سمجھنے کی حالت میں نہیں ہوں ..." اس نے بستر پر [illegible]ے پڑے کراہتے ہوئے کہا مگر میں نے غراتے ہوئے اس [illegible]بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔

"تمہیں کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں مجھے صرف بلیک کیٹ ٹی [illegible]پتا ٹھکانا بتاؤ اور خواب آور دوا لے کر سو جاؤ۔ تمہیں اس سے [illegible]یادہ کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"ناممکن!" وہ کرب کے عالم میں تکیے پر اپنا سر پٹختے ہوئے [illegible]بے بسی کے عالم میں کراہا۔ "جو بات مجھے خود معلوم نہیں وہ میں تمہیں [illegible]یسے بتا سکتا ہوں؟"

میں نے بے رحمی کے ساتھ اسے بستر سے نیچے گھسیٹ [illegible]یا۔ اگر وہ فوراً ہی سنبھل کر اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو گیا ہوتا تو [illegible]سے کوئی بے طرح ضرب آ سکتی تھی۔

میرے لیے کرنل ہیش پال کی ذات کراہت انگیز تھی۔ [illegible]پنے لوگوں کے لیے وہ کتنا ہی بڑا کلاکار رہا ہو مگر میری نظروں [illegible]یں اس کی حیثیت ایک ناقابلِ معافی مجرم کی سی تھی۔ اگر وہ [illegible]رف سیکرٹ ایجنٹ ہی ہوتا تو شاید مجھے اس سے اتنی زیادہ [illegible]فرت نہ ہوتی لیکن وہ سفارتی مراعات کی آڑ لے کر پاکستان میں [illegible]پنا گھناؤنا کھیل کھیل رہا تھا جس پر اسے کسی رعایت کا مستحق قرار [illegible]ہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں نے یکے بعد دیگرے اس کے جبڑوں پر رائٹ اور [illegible]فٹ پنچ رسید کیے اور وہ چلاتا ہوا چکرا کر نیچے ڈھیر ہو گیا۔ ان [illegible]کوں نے اس کے چہرے کے زخم ایک بار پھر کھول دیے تھے۔ جب سے میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا، وہ مسلسل ہی میرے ہاتھوں سے پٹ رہا تھا لیکن اس نے اپنے مدافعانہ رویے کے باوجود میرے خلاف ایک مرتبہ بھی ہاتھ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ فارن سروس میں آنے کے بعد وہ فوجی کمانڈو کے اپنے اصل پیشے کو یکسر فراموش کر کے پکا اور حقیقی سفارت کار بن گیا تھا جو تشدد کے بجائے صرف اور صرف دلائل سے اپنی بات منوانے کا عادی تھا لیکن اس وقت میرے سامنے کوئی دلیل نہیں چل سکتی تھی اور میں ویرا کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اسے ہر قیمت پر جہنم واصل کرنے پر تُل گیا تھا۔

"تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرتے رہو مگر میں بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

میں نے اچانک ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹا مگر تیز چاقو نکال لیا۔ اس کا ننھا سا، چمکدار پھل دیکھ کر کرنل کی آنکھوں میں دہشت تیر گئی پھر اس سے قبل کہ وہ کوئی مزاحمت کرتا میں نے جھپٹ کر نہایت صفائی سے اس کا بایاں کان جڑ سے کاٹ کر الگ کر دیا۔

کرنل اس بار بہت بُری طرح چیخا تھا۔ اس کے زخم سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں اور میں نے کٹا ہوا کان حقارت سے اس کے قدموں میں پھینک دیا۔

"تم درندے ہو۔" وہ خوف اور دہشت کے عالم میں چیخا۔

"خدا کے لیے تم یہاں سے چلے جاؤ اور ویرا کو بھیج دو، میں اسے سمجھا لوں گا مگر میں تم سے بات نہیں کرسکتا۔"

"وہ تمھیں میرے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا چکی ہے۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔" ابھی میں نے اصل تشدد کی ابتدا کی ہے۔ ذرا سی دیر میں تمھارے دونوں کانوں کے علاوہ ناک بھی کاٹ دوں گا اور آنکھوں میں گرم سلائیں گھسا کر تمھیں اندھا کر دوں گا۔ اگر اس کے باوجود تم نے بلیک کیٹ ٹی کا پتا نہیں بتایا تو میں تمھیں ہلاک نہیں کروں گا بلکہ ایک زہریلا انجیکشن دے کر ہمیشہ کے لیے تمھارا دماغ الٹ دوں گا اور تمھیں یہاں سے باہر ہانک دوں گا۔ تمھاری مسخ شدہ اور ڈراؤنی صورت دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ تم کبھی کمانڈو، سفارت کار یا سیکرٹ ایجنٹ رہے ہو گے اور نہ تم کسی کو اپنی شناخت بتلانے کے قابل رہو گے تم اس ملک کی گلیوں اور سڑکوں پر سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن پورے کرو گے جسے تباہ کرنے کا مشن لے کر بلیک کیٹ ٹی پچھلے پندرہ برس سے اس دھرتی سے اگنے والا اناج کھا کر اپنی سازش کے تار و پود پھیلا رہا ہے۔"

میں نے اس کی قوتِ مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے وہ تفصیلی منظر کشی کی تھی تاکہ وہ اپنے بھیانک مستقبل سے خوف زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دے مگر میرے ان الفاظ نے اس پر میری توقع کے برعکس اثر کیا۔ وہ چند ثانیے تک کھڑا اپنی پھولی اور سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ اس بری طرح بگڑا ہوا تھا کہ اس وقت اس کے تاثرات کا کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا پھر وہ اچانک ہی اچھل کر بھاگا اور میں نے غیر ارادی طور پر دروازے کے سامنے پوزیشن لے لی جو پہلے ہی بند تھا۔

مگر کرنل کا رُخ ادھر نہیں تھا، اس سے پہلے کہ میں اُس کا ارادہ بھانپ کر اُس کا کوئی سدِ باب کرتا، وہ نہایت تیزی سے ملحقہ باتھ روم میں گھسا اور اس نے خود کو اندر مقفل کر لیا۔

میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا۔ اُس کی وہ حرکت میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔

"بلیک کیٹ ٹی مجھ سے بھی زیادہ عظیم ہے۔" باتھ روم میں سے کرنل کی بگڑی ہوئی آواز ابھری مگر میں نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ استہزائیہ لہجے میں بول رہا تھا۔" وہ جو مشن لے کر چل رہا ہے وہ ضرور کامیاب ہو گا اور تم جیسے حقیر کتے اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے . . . اور نہ ہی تم میرے وجود پر اپنے ارمان پورے کر سکو گے۔ میرا ایک کان جو تم نے کاٹا ہے بس وہی تمھارے تشدد کی معراج ثابت ہو گا اب میں تمھاری دسترس سے باہر اور پوری طرح آزاد ہوں، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"یہ باتھ زیادہ دیر تک تمھیں پناہ نہیں دے سکے گا مہیش پال۔" میں نے قہر بار لہجے میں کہا۔" تم شرافت سے باہر نہ آئے تو میں دروازہ توڑ دوں گا اور پھر تمھیں تمھاری ہرزہ سرائی کا ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ تمھاری آنے والی نسلیں بھی اُسے فراموش نہیں کر سکیں گی۔"

"تم کتے ہو، باہر کھڑے بھونکتے رہو۔" اُس کا لب و لہجہ حیرت انگیز طور پر جارحانہ بلکہ توہین آمیز ہو گیا تھا اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کس بل پر بکواس کرنے لگا تھا۔

"تم سب اسی طرح بھونکتے رہو گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔" میری بدنصیبی ہے کہ میں اپنے حصے کا کام پورا کرنے سے پہلے ہی تمھاری گرفت میں آگیا مگر بلیک کیٹ ٹی تم سے تمھاری دھرتی سے میرا انتقام لے گا۔ میرے لیے تو اس وقت یہ بھی میری جیت ہے کہ میں اس وقت تمھاری چھت کے نیچے ہوتے کے باوجود تمھارے بس سے باہر ہوں . . ."

میں نے پوری قوت سے باتھ روم کے دروازے پر لات ماری لیکن دروازے کا کچھ نہ بگڑا۔

اُسی لمحے اندر سے کوئی شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا اور پھر کرنل کی آواز اُبھری۔" میں نے دیوار گیر آئینہ توڑ دیا ہے اور اس کا ایک بڑا سا دھار دار ٹکڑا میرے ہاتھ میں ہے۔ دروازے پر تمھاری زور آزمائی بے سود ہے کیونکہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میری زندگی میں اب تم مجھے چھو بھی نہیں سکتے۔ مجھے معلوم ہے کہ بھینٹ دیے بغیر کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ میری دھرتی مجھ سے بھینٹ مانگ رہی ہے اور میں نے دھرتی ماتا کے چرنوں میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ مر کر نرگ کا ایندھن بنو گے۔ اگر تم نے اب دروازے پر ذرا بھی زور آزمائی کی تو میں شیشے سے فوراً اپنی شہ رگ کاٹ کر تمھیں مات دے دوں گا۔ تم میں ذرا بھی انسانیت ہے تو مرنے سے پہلے مجھے تھوڑا سا وقت دے دو۔ میں پوجا پاٹ کر کے سورگ کے سفر پر روانہ ہو سکوں، زبردستی کرو گے تو میں ابھی اور اسی وقت اپنا گلا کاٹ لوں گا۔"

کرنل کا وہ انکشاف میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک پکا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو اپنے اہم رازوں کی حفاظت کے لیے اپنی زندگی کا چراغ گُل کرنے پر تُل گیا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں باتھ روم

[د]یوار کا جائزہ لیا جو فرش سے چھت تک کرنل مہیش پال [کے] لیے ایک بے روزن فصیل بنی ہوئی تھی۔ مجھے افسوس [تھا] کہ وہ آخری لمحات میں چکما دے کر میری پہنچ سے باہر [نک]ل گیا تھا پھر موہوم سی خوشی کا احساس بھی ہوا کہ اُس کی [تمام] تر کوشش کے باوجود اس کا انجام وہی ہو رہا تھا جو میں [نے] سوچا ہوا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں [میرے] بجائے خود اُس کے ہاتھ اپنی گردن پر تھے۔

اُس کی آخری منزل قریب تھی۔ اس مرحلے پر بھی اس [کے] خیالات کی زہرناکی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ میری [دھرتی] کا غدار تھا۔ اُس نے مجھے اور میری دھرتی کو للکارا تھا [اس]ی لیے مجھ پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا تھا۔ اس جیسے ملعون [کو] اس کے خانہ ساز دھرم کے مطابق پوجا پاٹ کا موقع دینا [سان]پ کو پھنکنے سے پہلے دودھ پلانے کے مترادف تھا۔

[اس]ی لیے میں نے باتھ روم کے دروازے سے چند قدم دُور [ہٹ] کر دوڑتے ہوئے، اپنے شانے سے دروازے پر شدید [ضر]ب لگائی اور مقدر کی بات ہے کہ اس زبردست جھٹکے [س]ے دروازے کا اندرونی بولٹ اُکھڑ گیا اور میں اُس کھلتے [ہو]ئے دروازے کے ساتھ ہی اپنی جھونک میں اندر گھستا [چ]لا گیا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ کہیں کرنل دھار دار شیشے کی نوک سے مجھ پر ہی حملہ نہ کر دے مگر اجل اُس [ک]ے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مسلسل تشدد سے وہ اس قدر اعصاب [ز]دہ ہو چکا تھا کہ اُس نے دروازے پر میرے شانے کا [د]ھماکا سنتے ہی اپنا گلا کاٹ لیا تھا۔

کٹے ہوئے نرخرے سے نکلنے والی خوف ناک آوازیں [س]ن کر میں تیزی سے پلٹا تو کشادہ باتھ روم کے ایک گوشے [می]ں کرنل مہیش پال کموڈ کے قریب فرش پر بُری طرح تڑپ [ر]ہا تھا اور اُس کے حلقوم سے خون کی تیز دھاریں اُبل کر [د]ر و دیوار کو داغ دار کر رہی تھیں۔

گندہ خون، گندے وجود سے اُبل کر براہِ راست گندی [ن]الی میں ہی جا رہا تھا۔

میں نے لوٹا بھر کر باقی اُس کے گلے پر ڈالا اور اُسے اسی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ کر باہر آگیا۔

میری تھکی تھکی سی چال سے ویرا چونک پڑی۔" کیا بات ہے؟ کچھ شکست خوردہ سے نظر آرہے ہو؟" اُس نے مجھ پر نظریں جما کر متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"شکست خوردہ ہی سمجھو۔" میں نے اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔" شکاری اپنے شکار کا ہانکا کرتا ہے اور شکار اُس کی گولی کا نشانہ بننے سے پہلے اچانک خود ہی مر جائے تو شکاری خود کو ناکام اور شکست خوردہ ہی سمجھتا ہے . . ."

"خیریت تو ہے؟ یہ اُلجھی اُلجھی باتیں کیوں کر رہے ہو؟" جہانگیر نے کہا۔" کرنل کا کیا رہا؟"

"اُس نے خود کو باتھ روم میں بند کر کے آئینہ توڑا اور اُسی کے ایک ٹکڑے سے اپنی گردن کاٹ کر خودکشی کر لی۔ اب وہ وہیں نالی پر دم توڑ رہا ہے۔"

"نہیں!" ویرا اضطراری طور پر کرسی سے اٹھ گئی۔" وہ اس قدر کم ہمت تو نظر نہیں آتا تھا۔"

"دو بلند ہمت فریق بھی جب آپس میں ٹکراتے ہیں تو فیصلہ کُن لمحات اسی وقت آتے ہیں جب ان میں سے کسی ایک کی ہمت جواب دے جائے۔" جہانگیر نے کہا۔ "شاید تمھیں شبہ ہو رہا ہے کہ اُسے میں نے مارا ہے؟"

میں نے ویرا سے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔" میں نے باتھ روم کے دروازے کا بولٹ اُکھاڑ دیا ہے، جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ کیا ہوا ہے۔ میں اُس کا ایک کان کاٹنے کا قصور وار ضرور ہوں، باقی کام اُس نے خود کیا ہے۔"

وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں بیٹھا نہ رہ سکا۔ وہ کرنل کی لاش کے معائنے کے لیے چلے گئے اور میں اطمینان سے

باقی آئندہ

پسار کر سگریٹ پینے لگا۔
چند منٹ کے بعد ہی وہ دونوں واپس آ گئے۔
"اپنے حریفوں کے لیے تم اکثر ایک عفریت ثابت ہوتے ہو،" ویرا نے کہا "میرا خیال ہے کہ اُس نے تمھارے بگڑے ہوئے تیوروں سے دہشت زدہ ہو کر خودکشی کی ہے۔"
"تم ہدایت دے دیتیں تو میں اُس سے خوش اخلاقی سے پیش آتا، آخر کو وہ ہمارا مہمان ہی تو تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں بعض اوقات تم بچوں جیسی باتیں کیوں کرنے لگتی ہو؟"
"اچانک رونما ہونے والے واقعات پر کبھی کبھار ایسا ہی بے تکا ردِّعمل سرزد ہو جاتا ہے۔" جہانگیر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "سلطان شاہ اپنے کام پر نکلا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ ٹرک پر ٹمبر لوڈ کرا کے لے آئے اور ہم یہیں مہیش پال کی خودکشی پر غور کرتے رہ جائیں، ہمیں بھی اپنی تیاری کرنا ہے۔"
"تمھارے گھر میں مزدوروں جیسا لباس تو ملنا مشکل ہو گا۔" ویرا نے میرے بگڑے ہوئے موڈ کا اندازہ کرتے ہوئے خود بھی موضوع کو فوراً ہی بدل دیا۔
"ملازمین سے لباس مل جائیں گے،" جہانگیر نے کہا۔ "لیکن تم اپنے بارے میں کیا کرو گی؟"
"غیر یقینی حالات کی وجہ سے میں اپنے پرس میں ہر وقت چند چھوٹے موٹے شعبدے لیے پھرتی ہوں۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لباس کے ساتھ بالوں کے میچنگ کلر کے فیشن کی وجہ سے اب بازار میں بہت سی ایسی لوشن ڈائیز آ گئی ہیں جن سے بالوں کے ساتھ ہی جلد کو بھی رنگا جا سکتا ہے۔ سارا کام دس پندرہ منٹ میں ہو جاتا ہے اور اُس کے اثرات کم از کم ایک دن کے لیے ضرور باقی رہتے ہیں۔"
"بالوں کا کیا کرو گی؟" میں نے ناقدانہ لہجے میں سوال کیا۔
"انھیں ایک ٹوپی میں سمیٹ لوں گی،" وہ ہنس کر بولی۔ "تمھارے لوڈنگ ٹرکوں پر ڈرائیوں کے ساتھ چلنے والے نو عمر لڑکوں کو میں نے عموماً ٹوپیاں پہنے ہوئے دیکھا ہے۔"
"میں تمھاری تیاری کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں،" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں آخری لمحات کا انتظار کرنے کے بجائے اپنی تیاری مکمل کر لینی چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو مشورے دے کر خامیاں دُور کر سکیں۔ ہماری تیاری میں ذرا بھی کسر رہ گئی تو کھیل بگڑ جائے گا۔"
"ابھی بہت وقت ہے،" ویرا کسلمندانہ لہجے میں بولی۔ "سلطان شاہ کو ٹرک لے کر اس پر شہتیر لوڈ کراتے میں خاصا وقت لگے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ دو بجے کے بعد ہی واپس آ سکے گا۔"
"تیار ہو کر آرام کر لینا... بس اب اُٹھ جاؤ۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔
"سلطان شاہ واپس آ کر کپڑے وغیرہ بدل لے گا۔" جہانگیر نے تائید طلب لہجے میں مجھ سے کہا۔
"اُسے کیا ضرورت ہے؟" مجھ سے پہلے ویرا بولی۔ اُس کے چہرے پر شرارت ناچ رہی تھی۔
"کیوں؟" جہانگیر نے چونک کر پوچھا۔ "کیا وہ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا؟"
"جائے گا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔ "لیکن اُسے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہو گی، وہ تو شکل وصورت اور لباس سے ہی پیدائشی ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔"
"ویرا،" میں نے سختی سے کہا۔ "اُس کے بارے میں اب ایسی اوچھی باتیں کرنا چھوڑ دو۔"
"کیا فرق پڑتا ہے؟ اس وقت تو وہ یہاں نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔
"وہ نہ ہو لیکن اُس کے بارے میں بدتمیزی میں بھی پسند نہیں کرتا۔"
"اور مہیش پال کی لاش کا کیا ہو گا؟" جہانگیر اچانک ہی بے تُکے انداز میں سوال کر بیٹھا۔
"اُسے بھی ٹرک پر لاد کر لے جائیں گے اور فیکٹری ہی میں شہتیروں کے ساتھ اُتار دیں گے۔" ویرا بولی۔
"نہیں!" میرے نزدیک کسی سفارت کار کی لاش کو ٹھکانے لگانے کا معاملہ اتنا سادہ نہیں تھا۔ "تہ خانہ مقفل کر کے لاش کو یہیں پڑا رہنے دو۔ اس کے بارے میں کل کوئی فیصلہ کریں گے۔"
میں ویرا کے ساتھ چل پڑا اور جہانگیر انٹرکام پر اپنے کسی ملازم کو کپڑوں کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔
کچھ دیر بعد میں باہر آیا تو جہانگیر مجھ سے پہلے تیار ہو چکا تھا۔ اُس کی وضع قطع بالکل ہی بدل گئی تھی اور اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے بارے میں اُس کی رائے بھی کچھ یہی تھی لیکن چند منٹ بعد ویرا سامنے آئی تو میرے لیے اُسے پہچاننا دشوار تھا۔
ڈھیلی ڈھالی مردانہ قمیص شلوار میں وہ ایک نوخیز لڑکا نظر آ رہی تھی۔ اُس لباس میں پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ کوئی لڑکی تھی۔ اُس نے اپنے چہرے، گردن اور جسم کے دوسرے کھلے ہوئے حصوں کی جلد کے رنگ میں اتنی واضح سی تبدیلی کی تھی کہ اس کا رنگ و رُوپ شمالی علاقوں کے باشندوں

سے میل کھانے لگا تھا قمیص پر اُس نے نسواری رنگ کی میلی سی واسکٹ پہنی ہوئی تھی، سر پر ٹوپی تھی جس نے اُس کے بال چھپا لیے تھے۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی مہارت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" اُس نے لوفرانہ انداز میں بائیں آنکھ دبا کر سوال کیا۔

"دلبر خان لگ رہی ہو۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "تم جیسا ہیلپر ساتھ ہو تو ڈرائیور دو دن کے بجائے دس دن میں بھی منزل پر پہنچنے کے لیے آمادہ نہیں ہوگا لیکن ذرا پیچھے گھوم کر تو دکھاؤ۔"

"تم نے تو خود کو ابھی سے ڈرائیور سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ جدھر چاہو، میرا اسٹیئرنگ گھما دو۔" وہ ہنستی ہوئی ایک ادا کے ساتھ گھوم گئی۔

"بس یہی ذرا سی گڑبڑ ہے۔" میں نے اُس کی گدی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "بالوں کے نیچے جلد پر اُگا ہوا رُواں تمھارے زنانہ بالوں کی چغلی کھا رہا ہے۔"

"اندھیرے میں شاید کوئی اِدھر دھیان نہیں دے گا اور نہ وہاں میری فیشن پریڈ ہوگی، میں خود خیال رکھوں گی کہ گدی پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے، چاہو تو ریزر سے رُواں صاف کر دو، خود میرے لیے یہ کام کرنا ممکن نہیں ہوگا۔" غزالہ کی آزادی کی خاطر وہ ہر سمجھوتے پر آمادہ تھی۔

اُس کی تجویز معقول تھی اس لیے میں نے جہانگیر کو وہ خوشگوار فریضہ سونپ دیا۔

صبح ڈھائی بجے سلطان شاہ تھکا ہارا واپس آیا اور آتے ہی چند کاغذات مجھے سونپ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اُس نے ویرا کو بہت غور سے دیکھا تھا لیکن اُس سے اَن بن ہونے کی وجہ سے اُس نے کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"ٹرک کہاں ہے؟" میں نے کاغذات پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"مکان سے ذرا دُور کھڑا کیا ہے۔ تم تیاری کرو، میں باتھ روم سے دو منٹ میں آتا ہوں۔" وہ رُکے بغیر میری بات کا جواب دیتا ہوا چلا گیا۔

کاغذات ہر اعتبار سے مکمل اور شکوک و شبہات سے بالا تھے، اُن میں محکمہ جنگلات کا پرمٹ اور پروانۂ راہداری بھی موجود تھا۔ وہ دونوں کاغذات کسی میاں اسلم کے نام تھے لیکن چالان فائن ٹمبر فیکٹری کے نام پر تھا جو گلگت کے کسی ٹمبر مرچنٹ نے جاری کیا تھا، حد یہ تھی کہ محصول راہداری کی دو دن پرانی رسید بھی کاغذوں سے منسلک تھی۔

ہمارا اسلحہ کینوس کے تھیلے میں تیار تھا، کافی عرصے بعد میں نے اپنی بیم گن بھی ویرا کو بتائے بغیر اپنی جیب میں ڈال لی تھی، میری دانست میں اس مہم میں بیم گن کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔

سلطان شاہ عموماً شلوار قمیص ہی پہنتا تھا اور اس وقت ٹرک اور لکڑی کا بندوبست کرانے کی وجہ سے اُس کا لباس قدرے میلا اور گندہ بھی ہو گیا تھا۔ اس طرح ویرا کے تبصرے کے مطابق وہ واقعی کسی تیاری کے بغیر اس سفر میں ہمارے ساتھ جا سکتا تھا۔

اسلحے کا تھیلا لے کر ہم چاروں ساتھ ہی گھر سے نکلے۔ جہانگیر کو اسلحے کے تھیلے سمیت ڈرائیونگ کیبن کی چھت پر پہنچا دیا گیا اور ہم تینوں کیبن میں سوار ہو گئے۔ ہمارے لباسوں میں بھرے ہوئے پستول موجود تھے کیونکہ طویل اور بین الصوبائی* راستوں پر سفر کرنے والے ڈرائیوروں میں اسلحہ ساتھ لے کر چلنے کی روایت عام ہے اور اسے کوئی بھی شبہے کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر سلطان شاہ قابض تھا۔ اُس نے ٹرک اسٹارٹ کیا اور ہم یقین اور بے یقینی کے عجیب سے عالم میں فائن ٹمبر فیکٹری کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جانو ماچھی کے آدمیوں کی موجودگی کا امکان تھا۔

کرنل مہیش پال کی خودکشی کے بعد غزالہ کی فوری بازیابی کی بس ایک ہی امید باقی رہ گئی تھی کہ وہ جانو ماچھی کے ڈیفنس سے فرار ہونے والے آدمیوں کی قید میں ہو۔ ورنہ جانو ماچھی یا اُس کے مربی بلیک کیٹ تک رسائی کا معاملہ بہت دشوار ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات آٹھویں حصے میں ملاحظہ جو کہ ساتھ ہی شائع کیا جا رہا ہے